جدید ہندوپاکستان

از
میاں عبدالحکیم



15/-

(رجسٹرڈ) ریلوے روڈ لاہور

پندرھواں ایڈیشن ۳۰۰۰

۱۹۵۶ء

قیمت تین روپے

شیخ محمد نصیر ہمایوں نے اتحاد پریس میں چھپوا کر قومی کتب خانہ
ریلوے روڈ لاہور سے شائع کی۔

فہرست مضامین

FIRST PORTION

نئے ایڈیشن کا دیباچہ

الحمد للہ اس سال اس کتاب کو از سر نو تصنیف کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ دوستوں کا دیر سے تقاضا تھا کہ کتاب کو ٹیکسٹ بک کی شکل میں تیار کیا جائے۔ لیکن عدیم الفرصتی رکاوٹ تھی۔ امید ہے کہ اب کتاب کو اساتذہ و طلبہ بے حد پسند فرمائیں گے۔ اس دفعہ کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کو آزاد پاکستان کے آزاد بچوں اور بچیوں کے شایانِ شان بنایا جاوے۔ ہندوؤں کا زمانہ تاریخ زیادہ تفصیل سے درج کیا گیا ہے۔ مسلمان بادشاہوں کے حالات کو صحیح تاریخی نظریہ سے لکھا گیا ہے۔ انگریزوں کے زمانہ کو صحیح طریقہ پر بے نقاب کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اب ہمارے طلبہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنے بزرگوں کی شاندار روایات پر بجا طور پر فخر کر سکیں گے۔

مارچ سنہ ۱۹۵۶ء

(مُصنّف)

جدید
ماڈل تاریخ ہندوپاکستان

طبعی حالات

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے جنوبی ایشیا کا وہ برصغیر جو ہمالیہ سے لنکا تک اور گجرات سے آسام تک پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان کہلاتا تھا۔ لیکن ۱۵ اگست کو یہاں ایک نئی اسلامی سلطنت کا ظہور ہوا۔ اور ملک تقسیم ہو کر پاکستان اور ہندوستان دو علیحدہ علیحدہ ملک بن گئے۔ لہٰذا ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کی تاریخ بیان کرنے کے لئے ہم اس ملک کو اس کے قدیمی نام ہندوستان ہی سے پکاریں گے لیکن قبل اس کے کہ ہم اس ملک کی تاریخ بیان کریں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی جغرافیائی کیفیت کو بہت مختصراً بیان کر دیا جائے کیونکہ بغیر جغرافیہ کو سمجھے کسی ملک کی تاریخ کا صحیح تصور ذہن نشین نہیں ہو سکتا۔ جغرافیہ بیان کرنے سے اس بات کا پتہ لگ جاتا ہے کہ جس ملک کا وہ جغرافیہ ہے اسے کن کن حالات اور سانحات سے دوچار ہونا پڑا ہوگا۔ اور کیسے کیسے انقلابات اس زمین پر آئے

ہوں گے ؟

حدودِ اربعہ

ہندوستان برّاعظم ایشیا کے جنوب میں ایک وسیع جزیرہ نما ہے۔ اس کے شمال میں کوہستانِ ہمالیہ کا بلند سلسلہ کشمیر سے آسام تک کوئی سولہ سو میل تک پھیلا ہوا ہے جو قریب قریب ناقابلِ عبور ہے۔ جنوب میں بحرِ ہند۔ مشرق میں خلیج بنگال اور برما ہیں۔ برما کو کھاسیا اور جینتیا کی پہاڑیاں اور گھنے جنگلات ہندوستان سے جدا کرتے ہیں۔ مغرب میں کوہ سلیمان اور کوہ ہندوکش واقع ہیں۔ جن کے پار بلوچستان۔ افغانستان اور ایران کی سطوح مرتفع ہیں۔

حدودِ اربعہ کا تاریخ پر اثر

ہندوستان کے ارد گرد پہاڑ اور سمندر ہیں۔ شمال میں کوہ ہمالیہ ناقابلِ گزر ہے۔ مشرق۔ مغرب اور جنوب میں بڑے بڑے سمندر ہیں۔ جن کو سولھویں صدی سے پہلے جبکہ فن جہازرانی میں ترقی نہیں ہوئی تھی۔ عبور کرنا بہت مشکل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان بہت عرصہ تک بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ اور دنیا کے دوسرے ممالک سے الگ تھلگ رہا۔ مشکل اور محدود ذرائع آمدورفت نیز ہندوستان کی غیرمعمولی زرخیزی نے اس کو فائدہ بھی پہنچایا اور نقصان بھی۔ فائدہ تو یہ ہوا۔ کہ امن کی زندگی میسّر ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کو مختلف علوم و فنون اور خاص کر روحانی ترقی کرنے کا بہت موقع ملا۔ اور نقصان یہ پہنچا کہ ہندوستان کے باشندے سیاسی۔ تمدّنی اور تجارتی معاملے میں دوسری مہذّب قوموں سے بہت پیچھے

رہ گئے۔

البتہ ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں چند درّے ہیں۔ جن کے راستے ہندوستان پر حملے ہوتے رہے ان درّوں نے ہندوستان کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور ہندوستان کے تاریخی انقلابات میں ان کا نمایاں حصّہ ہے۔

۲۔ آب وہوا اور پیداوار

چونکہ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ اس لئے یہاں کی آب وہوا مختلف حصوں میں مختلف ہے۔ تاہم اس کا بہت سا حصّہ منطقہ حارہ میں واقع ہے۔ اور آب وہوا عموماً گرم ہے۔ صرف شمال مغربی علاقے میں سخت سردی پڑتی ہے۔ کوہ ہمالیہ بحر ہند کی ہواؤں کو روک کر بارش برساتا ہے۔ اور شمال کی سرد ہواؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔

ہندوستان کے شمالی میدان کے مشرقی حصّے میں کافی بارش ہوتی ہے اور مغربی حصّہ یعنی پنجاب میں اس بارش کی کمی کو نہروں سے پورا کیا گیا ہے۔

ہندوستان کا اکثر میدانی حصہ اس زرخیز مٹی سے بنا ہے جو دریا پہاڑوں سے کاٹ کر لاتے رہے چونکہ پیداوار کا انحصار آب وہوا پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے میدان کی زرخیزی اور آب وہوا کی خصوصیت کی وجہ سے ہندوستان میں نباتات کی افراط ہے۔ گیہوں۔ چاول۔ جَو۔ چنے۔ جوار باجرہ۔ نیشکر۔ کپاس۔ چائے۔ پٹ سن۔ گرم مسالہ۔ غرضیکہ ہر قسم کی اجناس بکثرت پیدا ہوتی ہیں۔

آب و ہوا اور پیداوار کا اثر

چونکہ آب و ہوا گرم ہے اور زمین زرخیز۔ تھوڑی سی محنت سے روزی میسّر آ جاتی ہے۔ اس لئے لوگ سرد ممالک اور بنجر علاقوں کے باشندوں کی نسبت قدرتی طور پر سست اور آرام طلب ہیں۔ عموماً ہندوستان میں صوبہ پنجاب۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کی آب و ہوا سرد خشک ہونے کی وجہ سے لوگ عموماً محنتی اور جنگجویانہ سپرٹ کے مالک ہیں۔

لیکن دریائے گنگا اور جمنا کے میدان کے لوگ اس میدان کی زرخیزی کی وجہ سے نسبتاً سست ہیں اسی طرح دکن کی زمین پتھریلی ہے۔ بارش بھی کم ہوتی ہے اس لئے یہاں کے باشندے بھی محنتی۔ باہمت اور تکالیف برداشت کرنے کے عادی ہیں۔

۳۔ کوہ ہمالیہ اور اس کی شاخیں

ہندوستان کے شمال میں کوہ ہمالیہ کشمیر سے آسام تک ایک کمان کی طرح پھیلا ہوا ہے جو ۱۶۰۰ میل لمبا اور ۱۹۰ سے ۲۵۰ میل تک چوڑا ہے۔ اس کی مشرقی شاخوں سے گارو۔ کھاسیا اور لوشائی کی پہاڑیاں جو آسام میں پھیلی ہوئی ہیں مشہور ہیں۔ شمال مغرب میں کوہ سلیمان۔ ہندوکش اور قراقرم کے پہاڑ واقع ہیں۔ کوہ سلیمان میں خیبر۔ بولان۔ گومل اور کرّم کے مشہور درّے پائے جاتے ہیں۔

کوہ ہمالیہ کا اثر

ہندوستان کے شمال میں کوہ ہمالیہ جو ایک قدرتی فصیل کا کام دیتا ہے۔ نہ صرف شمالی حملہ آوروں کے لئے سدّراہ رہا ہے۔ بلکہ چین اور تبت کے ساتھ سیاسی اور تجارتی تعلقات قائم کرنے میں بھی مانع رہا ہے۔ البتہ اس کے شمال مغرب میں چند درّے ہیں۔ جن کی راہ یورپین اقوام کے آنے سے پہلے تمام غیر ملکی حملہ آور آرین۔ یونانی۔ سیتھین۔ ہن۔ ترک۔ افغان اور مغل وغیرہ ہند میں داخل ہوئے۔

شمال مغربی سرحد پر یہ درّے نہ ہوتے۔ تو آج ہندوستان کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی۔

کوہ ہمالیہ میں اور بھی ایسی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو ہندوستان کی تاریخ پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں۔ یہ جنوب مغربی ہواؤں کو روک کر بارش برساتا ہے۔ دریائے گنگا۔ سندھ۔ برہم پتر اور ان کے معاون ہمالیہ ہی سے نکلے ہیں جو ہندوستان کے میدانوں کو سیراب کرتے اور زرخیز بناتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں کوہ ہمالیہ شمال کی سرد اور خشک ہواؤں کو ہندوستان میں آنے سے روک کر ملک کی حفاظت کرتا ہے۔ ان قدرتی ذرائع اور ہندوستان کی غیر معمولی زرخیزی اور شادابی نے ہندوستان کی تاریخ پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور یہ سب کچھ کوہ ہمالیہ کی وجہ سے ہے۔ اگر ہمالیہ پہاڑ نہ ہوتا تو یقیناً ہندوستان ویران ملک ہوتا۔

۴- شمالی میدان

ہندوستان کے شمال میں ایک وسیع اور زرخیز میدان ہے جسے دریائے سندھ - گنگا - برہم پتر اور ان کے معاون سیراب کرتے ہیں - اس میں پنجاب - سندھ - یوپی - راجپوتانہ - بہار اور بنگال کے صوبے شامل ہیں۔

شمالی میدان کا اثر

ہندوستان کا شمالی میدان اپنی زرخیزی اور شمال مغربی دروں کے قریب ہونے کی وجہ سے قدیم زمانے ہی سے غیر ملکی حملہ آوروں کی لوٹ مار کا نشانہ بنا رہا ہے - ہندوستان کی تمام بڑی بڑی اور فیصلہ کن لڑائیاں اسی میدان میں ہوئیں - یہی میدان کئی قسم کی مذہبی اور تمدنی تحریکوں کا مرکز بنا - قدیم زمانے میں پنجاب کی قسمت ہی سے سارے ہندوستان کی قسمت وابستہ رہی ہے - اسے ہندوستان کا پھاٹک یا دروازہ کہتے ہیں - اس لئے تاریخی اعتبار سے یہ صوبہ بہت ممتاز سمجھا جاتا ہے۔

اس میدان کا آخری حصہ بنگال ہے - جو دہلی سے زیادہ دور ہونے کی وجہ سے عام طور پر حملہ آوروں کی لوٹ مار سے بچا رہا - اس کے علاوہ راجپوتانہ بھی ریگستان اور بنجر ہونے کی وجہ سے مدت تک حملہ آوروں سے محفوظ رہا اور مغلیہ حکومت سے قبل راجپوتانہ پر بیرونی حملے نہیں ہوئے۔

۵- دکن

ہندوستان کا جنوبی جزیرہ نما جو ایک سطح مرتفع

ہے۔ دکن کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ شمالی ہند اور دکن کے درمیان کوہ بندھیاچل۔ کوہ ست پڑا اور دریائے نربدا واقع ہیں اور باقی تین طرف سمندر ہے۔

سطح مرتفع دکن کا اثر

چونکہ اس کے شمال میں کوہ بندھیاچل کوہ ست پڑا اور دریائے نربدا واقع ہیں اس لئے یہ نہ صرف شمالی حملہ آوروں سے محفوظ رہا۔ بلکہ یہاں کے باشندے شمالی میدان کے لوگوں سے تہذیب میں بھی مختلف رہے البتہ بہت سے مسلمان بادشاہوں نے دکن کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ مگر انہیں پوری کامیابی نہیں ہو سکی۔ دکن کے باقی تین طرف سمندر ہے اس لئے مغربی قوموں کی آمد سے پہلے دکن ادھر کے حملوں سے بھی محفوظ رہا۔ دکن کا علاقہ زیادہ تر پہاڑی ہے جو گھنے جنگلات پر مشتمل ہے اس لئے مرہٹے یہاں مضبوط قلعے تعمیر کر کے بہت عرصہ تک مغلیہ افواج کا مقابلہ کرتے رہے اور اسی لئے شمالی حملہ آور اسے ٹھیک طور پر فتح نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک کی تاریخ کو پنجاب جیسی اہمیت حاصل نہیں۔

۲۔ ساحل کا اثر

ہندوستان کا ساحل بہت کم کٹا پھٹا ہے۔ اس لئے مفید اور اچھی بندرگاہیں بہت کم ہیں۔ یہ کمی بحری تجارت کی ترقی اور ملکی حفاظت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

تاریخ ہند کے ماخذ

قدیم زمانہ کے ہندو۔ تاریخ کے فن سے بالکل کورے تھے اور ان کے ہاں اس علم کا رواج بالکل نہ تھا۔ دوسرے علوم و فنون میں انہوں نے بے شک کتابیں لکھی ہیں مگر خاص تاریخ کے فن میں سوائے ایک آدھ کتاب کے کسی قدیم تاریخ کا پتہ نہیں چلتا البتہ قصوں کہانیوں اور خیالی افسانوں کی کتابیں ہندوؤں کے ہاں بے حد اور بے شمار ہیں۔ اتنی زیادہ کہ ان کو پڑھنے کے لئے عمر نوحؑ چاہیئے۔

چونکہ اس فن کی کوئی قدیم کتاب موجود نہیں ہے اس لئے ہندو تاریخ پر بہت گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔ محض اٹکل اور قیاس سے کام لے کر علمائے تاریخ نے ہندوؤں کے زمانۂ قدیم کی چند تاریخیں مرتب کی ہیں۔ لیکن ان کے بیانات کے متعلق بھی یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ جن جن چیزوں سے علماء نے اس زمانہ کے حالات کا کچھ کچھ پتہ لگایا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ مذہبی کُتب

ہندوؤں کی بعض مذہبی کتابوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں جو اس زمانہ کے حالات پر روشنی ڈالتے ہیں جیسے وید ہیں۔ جن کے متعلق ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں اور دنیا کے شروع میں چار مشہور رشیوں پر نازل ہوئی

تھیں۔ ان کے علاوہ برہمن گرنتھ اور اُپنشد اور پران وغیرہ بھی مذہبی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ اور ان سے بھی واقعات کو سمجھنے میں خاصی مدد ملتی ہے۔

۲۔ قصے کہانیاں: جیسے رامائن اور مہابھارت وغیرہ جن میں کرشن جی اور رام چندر جی کے حالات بڑی رنگ آمیزی سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے کافی مسالہ ہندوستان کی قدیم تاریخ کے متعلق دستیاب ہو جاتا ہے۔

۳۔ بعض ہندو راجاؤں نے اپنے زمانہ میں بعض ضروری باتیں عوام کی آگاہی کے لئے پتھروں پر کھود کر جگہ جگہ عام شاہراہوں پر ان کو نصب کرا دیا تھا۔ ان کے پڑھنے سے بھی ہندو تاریخ سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۴۔ زمین کے اندر سے ابھی زمانہ میں بعض قدیم سکے۔ ہتھیار اور بعض برتن وغیرہ عالموں نے کھود کر نکالے ہیں۔ جن سے اس زمانہ کے حالات پر کچھ کچھ روشنی پڑتی ہے۔

۵۔ ہمارے اس زمانہ میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے بعض ایسے شہروں کا پتہ لگایا ہے جو کبھی نہایت آباد تھے۔ لیکن قدامتِ زمانہ یا اتفاقی حادثات سے زیرِ زمین دفن ہو گئے۔ اب زمین کو کھود کھود کر وہ شہر دریافت کئے جا رہے ہیں اور ان میں ہزاروں چیزیں ایسی مل رہی ہیں جو تاریخ ہند مرتب کرنے میں بڑی کارآمد ہو سکتی ہیں۔ ٹیکسلا۔ پاٹلی پتر۔ موہنجودڑو اور ہڑپہ وغیرہ ایسے قدیم شہر ہیں جو زمین سے زمانہ حال میں کھود کر نکالے گئے ہیں۔

۶۔ ہندوؤں کو خود تو تاریخ نویسی کا شوق نہیں تھا۔ جو اپنے حالات اپنے آپ قلم بند کرتے البتہ مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں کے جو سیاح اور عالم آدمی یہاں کی سیر کرنے آتے رہے اور انہوں نے یہاں سے واپس اپنے ملک میں جا کر یہاں کے چشم دید حالات قلم بند کئے ان کے دیکھنے سے اس زمانہ کے حالات اور اس عہد کے رسم و رواج بہت کچھ معلوم ہوتے ہیں وہ مشہور سیاح جنہوں نے یہاں کے ہندوؤں کے حالات اپنے سفرناموں اور اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) میگستھینز: یونانی سفیر تھا۔ جو چندر گپت موریا کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ اس نے یہاں کے حالات لکھے۔

(۲) فاہیان: یہ چینی سیاح بدھ مذہب کی کتابوں کی تلاش میں ہندوستان آیا اور پندرہ برس تک یہاں رہ کر علمی تحقیقات کرتا رہا۔ یہ سیاح مہاراجہ بکرماجیت کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا۔

(۳) ہیون سانگ: یہ بھی چینی سیاح تھا اور ہرش کے زمانہ میں یہاں آیا تھا۔

(۴) قدیم ہندوستان کے متعلق جس نے سب سے زیادہ مکمل۔ مفصل اور مستند کتاب لکھی۔ اس کا نام ابوریحان بیرونی ہے۔ یہ محمود غزنوی کے زمانہ میں یہاں آیا۔ اور ۱۶ برس تک اس ملک میں رہ کر بڑی محنت سے سنسکرت زبان سیکھی اور اس کے بعد عربی

زبان میں ایک نہایت مبسوط کتاب لکھی۔ ہندی علوم و فنون اور یہاں کے رسم و رواج کے متعلق جس جامعیت کے ساتھ البیرونی نے دادِ تحقیق دی ہے۔ اس کا بعد میں آنے والے تمام مؤرخین کو اعتراف ہے اور سب نے بالاتفاق اس کے بیانات کو مستند قرار دیا ہے۔ خود متعصب ہندو مورخین بھی اس کی تحقیق کو غلط ثابت نہیں کر سکے۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ لکھنے والا کوئی مؤرخ اس کی کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ انجمن ترقیٔ اردو کی طرف سے اس کا اردو ترجمہ بھی دو جلدوں میں شائع ہو گیا ہے۔

یہ تو ہوا ہندوؤں کا زمانہ۔ مگر جب سے مسلمان یہاں آئے اور انہوں نے ہندوستان کو فتح کیا۔ اس وقت سے یہاں کی تاریخ آئینہ کی طرح روشن ہے۔ اس زمانہ کی ایک نہیں سینکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور ان مورخوں نے لکھیں۔ جو اس زمانہ میں موجود تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کو تاریخ کا بے حد شوق تھا نہ صرف بادشاہوں اور ملکوں کی بلکہ ہر قسم کی تاریخیں انہوں نے اس کثرت سے لکھیں کہ بلا مبالغہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔

پھر مسلمان سیاحوں نے بھی جو دوسرے ملکوں سے پھرتے پھراتے یہاں آئے۔ اسلامی ہند کے متعلق اپنے سفرناموں میں بہترین معلومات مہیا کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ

مشہور سیّاح ابنِ بطوطہ ہے۔ جو محمد تغلق کے زمانہ میں یہاں آیا اور سارے ہندوستان میں پھرا۔ اس کا سفرنامہ بے حد دلچسپ اور نہایت پرُ لطف ہے۔ اصلی سفرنامہ عربی میں لکھا گیا تھا۔ پھر دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ اب اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

یورپ کے بھی متعدد سیّاح مسلمانوں کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور انہوں نے یہاں سے واپس جا کر اپنے سفرنامے مرتب کئے۔ مگر ان میں سے بعضوں نے تو محض سنی سنائی باتیں اور بازاری گپیں لکھ کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا ہے۔ بعضوں نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر کتابیں لکھی ہیں۔ اور مسلمانوں کی اچھی باتوں کی بھی غلط تاویلیں کی ہیں۔ بعضوں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہے اور خلقت کو گمراہ کرنا چاہا ہے۔ بعضوں نے ناواقفیت اور جہالت کے باعث اصل بات کو سمجھا ہی نہیں۔ اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ چاہا لکھ مارا۔ ایسی ایسی قابلِ مضحکہ باتیں ان کے سفرناموں میں ملتی ہیں کہ پڑھ کر بے اختیار ان کی عقلوں پر رونا آتا ہے۔ اور ان کے علم اور واقفیت پر آدمی حیران ہو کر رہ جاتا ہے۔

مگر یہ اس وقت کی باتیں تھیں جب انگریز ہم پر حاکم تھے اور اب خدا کے فضل سے ہماری اپنی حکومت ہے اور پاکستان دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت بن چکی ہے۔ اب اشد ضرورت ہے کہ اس ملک کی تاریخ نئے زاویۂ نگاہ سے لکھی جائے۔ جس میں جھوٹ۔ فریب۔ طرفداری اور تعصب کا نشان نہ ہو اور جس میں واقعات کو ان کے اصلی رنگ میں دکھایا جائے۔ موجودہ تاریخ اسی ضرورت کو پورا کرنے کرنے کیلئے لکھی گئی ہے۔ خدا کرے یہ پاکستانی بچوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ آمین۔

آریوں کا زمانہ

آریوں کا زمانہ

ہندوستان کے قدیم باشندے

آریوں کے آنے سے پہلے ہندوستان میں تین بڑی قومیں کول۔ دراوڑ اور منگول آباد تھیں۔

کول

کول قوم زیادہ تر شمالی اور وسطی ہند میں آباد تھی۔ یہ لوگ پست قد اور سیاہ فام تھے۔ اور تہذیب میں بہت پیچھے تھے۔ شکار کر کے یا مچھلی پکڑ کر یا جنگلی پھل پھول کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ کھیتی باڑی سے واقف نہ تھے ان میں بیاہ شادی کا کوئی رواج نہ تھا۔ لیکن یہ رسم و رواج کے اختلاف کی وجہ سے کئی قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اپنے مرے ہوئے بزرگوں اور بھوت پریت کی پرستش کرتے تھے۔ مؤرخ اس دور کو پتھر کا زمانہ کہتے ہیں۔ آج کل کول نسل کے لوگ بھیل۔ سنتھال، گوند وغیرہ صوبجات متوسط، مغربی بنگال۔ اڑیسہ اور چھوٹا ناگپور میں آباد ہیں۔

دراوڑ

کول نسل کے بعد دراوڑ ہندوستان کے سب سے پرانے باشندے ہیں۔ یہ دراصل عراق سے ہندوستان آئے تھے۔ آج کل بھی اس نسل کے لوگ عراق عرب اور بلوچستان میں آباد ہیں۔ بلوچستان کی براہوی زبان

کے الفاظ تامل زبان سے ملتے جلتے ہیں اور جو اشیاء موہنجوداڑو اور ہڑپہ کی کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں۔ ایسی ہی اشیاء عراق میں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔

دراوڑ کولوں کی طرح سیاہ فام تھے۔ لیکن ان کی نسبت زیادہ مہذب تھے۔ کھیتی باڑی کا کام کرتے۔ مویشی پالتے اور تجارت کرتے تھے۔ بڑے بڑے شہر بنا کر راجہ کے ماتحت رہتے تھے۔ درختوں۔ سانپوں وغیرہ کو پوجتے اور بھوت پریت کے قائل تھے۔ تاریخ کے اس دور کو دھات کا زمانہ کہتے ہیں۔ آج کل یہ لوگ احاطۂ مدراس میں بہت پائے جاتے ہیں۔ اور تامل۔ تیلگو زبانیں بولتے ہیں۔

منگول

یہ لوگ منگولیا کے رہنے والے تھے اور زیادہ تر مشرقی بنگال۔ آسام اور کوہ ہمالیہ کے دامن میں آباد تھے۔ یہ لوگ تہذیب میں کافی بڑھے ہوئے تھے۔ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اور صنعت و حرفت میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ شروع میں یہ کول اور دراوڑ لوگوں سے علیحدہ رہے۔ بعد میں ان سے مل جل گئے۔ آج کل ان کی نسل کے لوگ زیادہ تر مشرقی بنگال۔ آسام اور برہما میں ملتے ہیں۔

آریوں کا حال

آریہ وسط ایشیا (جھیل کیسپین کا گرد و نواح) کے اصلی باشندے تھے۔ ان کا رنگ گورا۔ قد لمبا اور پیشانی چوڑی تھی۔ تہذیب کے میدان میں کافی ترقی کر چکے تھے۔ کھیتی باڑی کرنے اور دھاتوں کے استعمال سے واقف تھے۔ رتھوں پر چڑھ کر

لڑا کرتے تھے۔ ضروریاتِ وقت سے متاثر ہو کر وہ اپنا اصلی وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور ایشیا و یورپ کے زرخیز ممالک میں جا بسے۔ اس نسل کے وہ لوگ جو کوہ ہندو کش کے درّوں کو عبور کر کے دریائے سندھ کے میدان میں آ بسے وہ ہندی آرین کہلائے۔ یہ لوگ رفتہ رفتہ گنگا اور جمنا کے میدان کی طرف بڑھے۔ اور ہوتے ہوتے تمام شمالی ہند میں پھیل گئے۔ ان آریہ لوگوں نے یہاں کے اصلی باشندوں کو مغلوب کر کے دکن کی طرف بھگا دیا۔ آریہ ہندوستان میں مسیح سے تقریباً تین ہزار برس پہلے آئے اور ان کی آمد کا سلسلہ مدتوں تک جاری رہا۔

طرزِ معاشرت

قدیم آریہ بہت بہادر۔ شجاع اور ذہین تھے۔ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی بستیوں میں مکان بنا کر رہتے۔ اور فنِ کاشت کاری اور عمارت سازی سے واقف تھے۔ سوسائٹی میں کاریگروں کو بڑا درجہ حاصل تھا۔ کپڑا بُننے۔ دھاتوں کے ہتھیار بنانے اور زیورات بنانے میں بڑے ماہر تھے۔ مویشیوں کے ریوڑ پالتے تھے اور ان کی بڑی قدر کرتے۔ ان کی خوراک دودھ۔ مکھن۔ پنیر۔ سبزیاں۔ اناج اور پھل تھی۔ گوشت کے استعمال سے بھی کوئی پرہیز نہ تھا۔ وہ ایک سرور بخش عرق سوم رس بھی پیا کرتے تھے۔ جو ایک بوٹی کا رس ہوتا تھا۔

آریہ لوگوں کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا۔ وہ اُونی یا سُوتی موٹا کپڑا پہنتے تھے۔ سونے چاندی کے زیور بھی

استعمال کرتے تھے۔ سوشل زندگی میں عورتوں کو معقول آزادی حاصل تھی۔ انہیں لڑکوں کی طرح تعلیم دی جاتی تھی۔ پردہ کا رواج نہ تھا۔ شادی کے معاملے میں مرد اور عورت کو پوری آزادی تھی۔

بچپن کی شادی کا رواج نہ تھا۔ بیوہ کی شادی جائز خیال کی جاتی تھی۔ عام مرد تو ایک وقت میں ایک ہی شادی کر سکتے تھے۔ لیکن بعض دولت مند دو شادیاں بھی کر لیتے تھے۔ ناچ رنگ۔ گھوڑ دوڑ۔ شکار اور رتھوں کی دوڑیں ان کو بہت پسند تھیں۔

طرزِ حکومت: طرزِ حکومت جمہوری تھا۔ راجہ یا بادشاہ اگرچہ کسی ایک خاندان سے ہی ہوتا تھا لیکن اس کا انتخاب رعایا کرتی تھی۔

راجہ ایک سبھا یا کونسل کے مشورے سے امورِ سلطنت سرانجام دیتا تھا۔ رعایا کی پرورش اور حفاظت راجہ کا فرض ہوتا تھا۔ مگر اس زمانہ میں رعایا کو کوئی لگان یا ٹیکس ادا نہ کرنا پڑتا تھا۔ البتہ لوگ اپنی مرضی سے نذرانے پیش کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں قانون سخت تھے۔ اور سخت سزائیں دی جاتی تھیں مگر موت کی سزا کا رواج نہ تھا گاؤں کا انتظام قبیلوں کے سردار یا پنچائتیں کرتی تھیں۔

آریوں کا مذہب: آریہ لوگوں کا مذہب بھی بہت سادہ تھا۔ یہ لوگ۔ چاند۔ سورج ستاروں۔ بجلی۔ آگ۔ پانی اور مختلف مظاہراتِ قدرت کو دیوی دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ خدا کی قدرت

کے قائل ہو گئے۔ ان میں بت پرستی کا رواج نہ تھا نہ کسی قسم کے مندر ہی تعمیر کرتے تھے بلکہ کھلے میدان میں مذہبی رسوم ادا کرتے تھے۔ وید ان کی مذہبی کتب تھیں۔

آریوں کی مذہبی کُتب

ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

۱۔ شرتی: (یعنی سنی ہوئی) اس میں وید۔ براہمن گرنتھ۔ اپنشد وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔ جن کو ہندو لوگ الہامی خیال کرتے ہیں۔

۲۔ سمرتی، روایت یا یادداشت کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ کتابیں جو ہندو رشیوں کے غور و فکر کا نتیجہ ہیں رامائن مہابھارت۔ پران۔ منوسمرتی۔ یہ سب کتابیں سمرتی کہلاتی ہیں۔

۳۔ وید: ہندوؤں کی پرانی کتابیں ہیں۔ ہندو لوگ انہیں الہامی مانتے ہیں لیکن یورپین محققین کا خیال ہے کہ وید اڑھائی تین ہزار برس قبل از مسیح میں تصنیف کئے گئے۔ وید قدیم سنسکرت زبان میں لکھے ہوئے ہیں جو موجودہ سنسکرت زبان سے مختلف ہیں وید تعداد میں چار ہیں:۔

رگ۔ یجر وید۔ سام وید۔ اتھر وید۔

۱۔ رگ وید: یہ سب سے بڑا اور قدیم وید ہے اس میں خدا کی تعریف میں ۱۰۲۸ منتر درج ہیں۔ اندر۔ ورن اگنی وغیرہ قدرتی دیوتاؤں کی تعریف کی گئی ہے۔

۲۔ یجر وید: اس میں وہ منتر درج ہیں جو یگیہ کے موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔

۳۔ سام وید: یہ وید علمِ موسیقی کا خزانہ ہے۔ اس میں پجاریوں کے پڑھنے کے لئے منتر اور گانے کے لئے بھجن درج ہیں۔ نیز پجاریوں کے لئے ہدایات بھی ہیں۔

۴۔ اتھر وید: اس میں بیماری۔ بلا اور مصیبت دور کرنے کے لئے منتر اور دعائیں درج ہیں۔

براہمن گرنتھ: وید کی تفسیر اور شرح میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کو براہمن گرنتھ کہتے ہیں۔

اپنشد: اپنشد ہندو فلسفہ کی قدیم اور مشہور کتابیں ہیں۔ ان میں مشکل مسائل خدا اور روح کا تعلق۔ انسان کی زندگی اور موت اور خدا کی ہستی پر بحث کی گئی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ دنیا روح یا آتما ہی کا کھیل ہے۔ ان کی تعداد تو ۲۰۰ کے قریب ہے۔ مگر دس بارہ مستند ہیں۔

چھ درشن: ان کتابوں میں اپنشدوں کی تعلیم کی تشریح کی گئی ہے اور مشکل مسائل پر عام فہم زبان میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتابیں چھ درشنوں یا شاستروں میں منقسم ہیں۔

۱۔ کپل کا سانکھ شاستر: اس میں مسئلہ کرم اور تناسخ پر زور دیا گیا ہے۔ اور خدا کی ہستی کو نظر انداز کر کے روح اور مادے کو ازلی مانا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمام تبدیلیاں دراصل مادے میں ہوتی ہیں اور انہی تبدیلیوں کا نام دنیا ہے۔

۲۔ پاتنجلی کا یوگ شاستر: یہ رشی خدا کی ہستی کا قائل تھا اس شاستر میں خدا کی ریاضت اور عبادت کے وہ طریق درج ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔

۳۔ گوتم کا نیائے شاستر: اس میں علمِ منطق پر بحث کی گئی ہے۔

۴۔ کناد کا ویشیشک شاستر: اس میں مادہ کو ازلی و ابدی قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دنیا درحقیقت چھوٹے چھوٹے ذرّوں سے بنی ہے۔

۵۔ جیمنی جی کا پورو میمانسا: اس میں وید کے مطالعہ کی فضیلت نیز یگیہ اور ہون کے فائدے لکھے ہیں۔

۶۔ ویاس کا اتر میمانسا: اس کتاب میں خدا اور روح کو ایک ہی مان کر ابدی اور ازلی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی چیز ماننے کے لائق نہیں اور ساری دنیا کا منبع وہی ذات ہے

سوتر: سوتر کے معنی اختصار کے ہیں۔ یہ ہندوؤں کی وہ مذہبی کتابیں ہیں جو کہ نہایت مختصر مگر جامع عبارت

میں لکھی گئی ہیں مگر قدیم زمانے میں جب پڑھنے لکھنے کا عام رواج نہ تھا۔ تو انہوں نے اختصار کا ایک نیا قاعدہ نکالا۔ یعنی بہت سی عبارت کا مطلب ایک جملے میں ادا ہو جاتا تھا۔ سوتر تعداد میں تین ہیں :-

(۱) دھرم سوتر (۲) گرہ سوتر (۳) شروت سوتر۔

پران : پران کے معنی پرانے کے ہیں۔ پران ہندوؤں کی وہ قدیم کتابیں ہیں۔ جن میں دنیا کی پیدائش اور فنا کے حالات۔ دیوی دیوتاؤں اور رشیوں کے کارنامے شاہی خاندانوں کے شجرہ نسب اور مختلف راجاؤں کے تاریخی قصہ کہانیاں درج ہیں۔ پران تعداد میں اٹھارہ ہیں۔ ان میں سے وایو پران سب سے قدیم مانا جاتا ہے۔

منوسمرتی : منو ایک مشہور آرین قانون دان تھا اس کی لکھی ہوئی مشہور قانون کی کتاب منوسمرتی کہلاتی ہے۔ اس میں انسانی زندگی کی باقاعدہ تربیت کے اصول۔ ذات پات کی تقسیم۔ ملکی قوانین۔ بادشاہ اور رعایا کے باہمی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔ منو نے انسانی زندگی کے مندرجہ ذیل چار حصّے کئے ہیں۔

۱- برہمچریہ آشرم : اس میں انسان کا فرض ہے۔ کہ وہ پچیس سال تک برہمچاری رہ کر تعلیم حاصل کرے اور سادہ زندگی بسر کرے۔

۲- گرہستھ آشرم : یہ زمانہ پچیس سے پچاس سال تک ہے۔ اس زمانہ میں انسان شادی کرکے دنیوی فرائض سرانجام دے۔ یعنی ایمان داری سے روزی کمائے۔

۳- بان پرست آشرم: اس میں پچاس سے پچھتر برس تک کی عمر کا زمانہ شامل ہے۔ یہ زمانہ انسان جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر ریاضت اور عبادت میں صرف کرے۔

۴- سنیاس آشرم: اس آخری منزل میں انسان کو یہ ہدایت ہے کہ وہ ریاضت و عبادت چھوڑ کر جنگلوں سے واپس آ کر لوگوں کو نیک راستہ پر چلنے کی ہدایت کرے۔

ذات پات کا مسئلہ

ہندو سوسائٹی میں ذات پات کی تمیز منو کے زمانے سے شروع ہوئی۔ کچھ تو رنگ اور نسل کی وجہ اور کچھ ضروریات بڑھ جانے سے ذاتوں کی تقسیم کی گئی۔ جب آریوں نے شمالی ہند میں اپنی فتوحات بڑھانی شروع کیں۔ اور چاروں طرف انہیں دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ تو انہیں اپنے روزانہ فرائض ادا کرنے میں بڑی مشکل پیش آنے لگی۔ اس دقت کو حل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی جماعت کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک گروہ کے خاص خاص کام مقرر کئے۔ پہلا فرقہ برہمن کے نام سے مشہور ہوا۔ مذہبی رسوم کی ادائیگی اور ویدوں کا پڑھنا پڑھانا ان کے سپرد تھا۔ دوسرے فرقے نے دشمنوں کے ساتھ لڑنے بھڑنے اور ملک کی حفاظت کا کام سنبھالا۔ اس فرقے کو کشتری کہنے لگے۔ تیسرا فرقہ ویش کہلایا۔ جن کو تجارت اور کھیتی باڑی کا کام دیا گیا۔ ان تینوں فرقوں کے علاوہ ایک چوتھا فرقہ بھی تھا۔ جن کو شودر کہتے ہیں۔ ان کا

کام باقی ذاتوں کی خدمت کرنا تھا۔ ان میں ادنیٰ درجہ کے لوگ شامل تھے اور زیادہ تعداد ہندوستان کے ان لوگوں کی تھی۔ جن کو آریہ لوگوں نے مغلوب کیا تھا۔ شروع میں ذات پات کی تمیز کے متعلق کوئی سخت قانون نہیں تھا۔ یہ تفریق تقسیم کار کے اصول پر تھی۔ اس لئے ایک ذات سے دوسری ذات میں شریک ہونا آسان تھا جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ ذات پات کی قید سخت ہوتی گئی۔ اور اس کا شمار پیدائش سے ہونے لگا۔ اس کے بعد آریوں میں ذاتوں کی تعداد بہت تیزی کے ساتھ بڑھی آج ہندوستان کے ہندو کم و بیش تین ہزار ذاتوں میں منقسم ہیں۔

ذات پات کے فائدے

(۱) تقسیم کار کی وجہ سے سوسائٹی کا انتظام بہتر ہو گیا۔ کیونکہ ہر شخص اپنے آبائی پیشے میں پوری دلچسپی لیتا تھا۔ اور اپنے پیشے کو فخر اور عزت کا باعث خیال کرتا تھا۔

۲۔ ذات پات کے امتیاز کی وجہ سے قدیم ہندو تہذیب رسم و رواج اور مذہب محفوظ رہا۔ مسلمانوں کے سوا باقی تمام حملہ آور قومیں جو ہندوستان میں آباد ہوئیں ہندوؤں کو اپنے اندر جذب نہ کر سکیں۔ بلکہ خود ان کے اندر جذب ہو کر رہ گئیں۔

۳۔ ذات پات کی تفریق نے آریوں کی نسلی برتری قائم رکھی۔ اور انہیں ہندوستان کے اصلی باشندوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے باز رکھا۔

۴۔ ذات اور برادری سے خارج ہونے کے ڈر سے لوگوں کا اخلاق بلند ہو گیا اور وہ کئی قسم کے برُے اور خلافِ مذہب کاموں سے بچتے رہے۔

ذات پات کے نقصان

۱۔ ذاتوں کی وجہ سے ہندوؤں کا قومی شیرازہ بکھر گیا۔ اور وہ بہت سے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ہر شخص اپنی ذات کے فائدے کو ملک اور قوم کے فائدے سے مقدم سمجھتا تھا۔ اور قوم کے فائدے کی پروا نہیں کرتا تھا۔

۲۔ اعلیٰ ذاتوں کے لوگ نیچی ذات کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے اور اس پر ظلم ڈھانے لگے جس کی وجہ سے یہ لوگ بھی ان کے دشمن بن گئے اور تنگ آ کر مذہب تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے۔

۳۔ اس تفریق کی وجہ سے ہر شخص اپنا آبائی پیشہ اختیار کرنے پر مجبور تھا۔ خواہ وہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو۔ اس قسم کی پابندی سے ملک کی علمی اور تمدنی ترقی کو بہت نقصان پہنچا۔

۴۔ ذات پات کی تفریق سوشل اصلاح کے لئے سدِّ راہ رہی۔

۵۔ چونکہ جنگ و جدل کا کام ایک خاص جماعت کے سپرد تھا۔ اس لئے باقی ذاتوں کے لوگ بہت کمزور

ہو گئے۔ اور بیرونی حملہ آوروں کا کامیابی سے مقابلہ نہ کر سکے۔

رامائن اور مہابھارت

رامائن رامائن اجودھیا کے ایک شاعر والمیک کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب سنسکرت زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ اکبر اعظم کے زمانے میں تلسی داس نے اس نظم کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب میں راجہ رام چندر جی کی زندگی کے حالات درج ہیں۔

اجودھیا کے راجہ دشرتھ کی تین رانیاں تھیں کوشلیا سمترا اور کیکئی۔ کوشلیا کے بطن سے لکشمن اور شترو گھن اور کیکئی کے بطن سے بھرت پیدا ہوئے۔ راجہ رام چندر نہ صرف عمر میں سب بھائیوں سے بڑا تھا۔ بلکہ شجاعت فیاضی اور نیکی میں بھی سب سے فائق تھا۔ اس وجہ سے راجہ اور رعایا اس سے محبت کرتے تھے۔ اس کی شادی بذریعہ سوئمبر راجہ جنک کی بیٹی سیتا سے ہوئی تھی۔ راجہ دشرتھ جب بہت بوڑھا ہو گیا۔ تو اس نے رام چندر کو ولی عہد بنانا چاہا۔ اس خبر کو سن کر اجودھیا کے لوگ بہت خوش ہوئے۔ مگر رانی کیکئی کو گوارا نہ ہوا۔ وہ چاہتی تھی کہ راج میرے بیٹے بھرت کو ملے۔ چونکہ وہ راجہ کی چہیتی بیوی تھی۔ اس لئے کسی گذشتہ قول و قرار کے باعث راجہ دشرتھ رام چندر کو چودہ برس کا بن باس اور بھرت کو ولی عہد سلطنت بنانے پر مجبور ہو گیا۔ رام چندر

فرماں برداری کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہؤا راج پاٹ چھوڑ جنگلوں کو روانہ ہو گیا۔ سیتا اور لچھمن نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ غرضیکہ تینوں بندھیل کھنڈ کے جنگلات میں مدتوں جلاوطنی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ ادھر بوڑھا راجہ اپنے لائق بیٹوں کی جدائی برداشت نہ کر سکا اور اس نے اسی صدمہ میں جان دے دی۔

بن باس کے آخری سال ایک روز رام چندر اور لچھمن کی غیر حاضری میں لنکا کا راجہ راون سیتا جی کو زبردستی اٹھا کر اپنے ملک میں لے گیا۔ رام چندر نے جنوبی ہند کے راجاؤں خاص کر سگریو اور اس کے سپہ سالار ہنومان کی مدد سے لنکا پر چڑھائی کی۔ راون کو شکست فاش ہوئی اور وہ میدانِ جنگ میں کام آیا۔ رام چندر نے لنکا کا راج راون کے بھائی بھیکشن کے سپرد کیا۔ اور خود سیتا کو لے کر واپس آیا۔ اس اثنا میں جلاوطنی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اس لئے رام چندر جی بھائی اور بیوی کو لے کر اجودھیا واپس آ گئے۔ ان کے بھائی بھرت نے جو پہلے ہی ان کی جلاوطنی سے خوش نہ تھا۔ تخت و تاج خوشی خوشی ان کے حوالے کر دیا اور یہ مدتوں اجودھیا میں راج کرتے رہے۔

رامائن کے آخری حصے میں لکھا ہے کہ لوگوں کے کہنے سننے سے رام چندر جی سیتا سے بدگمان ہو گئے۔ کیونکہ وہ اتنی مدت راون کے پاس رہی تھی۔ اس لئے رام چندر جی نے مجبور ہو کر انہیں پھر جنگلوں میں بھیج دیا

اور وہیں اس کے ہاں دو بیٹے لو اور کش پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد سیتا جی کی پاک دامنی ثابت ہو گئی۔ مگر اس نے جلد ہی ہمیشہ کے لئے دنیا کو خیرباد کہہ دیا۔

اخلاقی سبق

رامائن سے ہمیں مندرجہ ذیل اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں:-

۱۔ بیٹے نے باپ کا حکم پورا کرنے کے لئے نہ صرف گھربار اور سلطنت چھوڑ دی بلکہ چودہ برس کا بن باس بھی قبول کر لیا۔

۲۔ بیوی نے اپنے آرام و آسائش کو خیرباد کہہ کر خاوند کا ساتھ دیا اور اس کی خدمت کو اپنا فرض اولین سمجھا۔

۳۔ لچھمن نے اپنے بھائی کی خاطر زندگی کی ہر راحت کو قربان کر دیا۔ اور اس کے دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہا۔

۴۔ بھرت نے حق پسندی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ اور جو سلطنت اس کی ماں نے حیلوں بہانوں سے حاصل کی تھی اسے قبول کرنا پسند نہ کیا۔

۵۔ راون اور رام چندر کی لڑائی میں رام چندر چونکہ حق پر تھا۔ اس لئے حق کو ہی فتح نصیب ہوئی۔ اور انجام کار باطل کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

مہابھارت

یہ کتاب وید دیاس کی تصنیف ہے۔ اس میں کوروں اور پانڈوں کی لڑائی کے حالات ایک لاکھ سے زیادہ شلوکوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

مہابھارت کی کہانی

قدیم زمانے میں موجودہ شہر دہلی سے ۶۵ میل مشرق کی طرف ایک شہر ہستناپور آباد تھا۔ جہاں چندر باسی خاندان کا راجہ شانتنو راج کرتا تھا۔ جس کی دو رانیاں تھیں۔ پہلی رانی سے بھیشم اور دوسری سے وچتر ویریہ اور چترانگد دو لڑکے پیدا ہوئے۔ چونکہ بھیشم چند مصلحتوں کی بنا پر تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا تھا۔ اس لئے وچتر ویریہ سلطنت کا مالک بنا۔ وچتر ویریہ کے ہاں دو لڑکے دھرت راشٹر اور پانڈو پیدا ہوئے۔ بڑا لڑکا دھرت راشٹر پیدائشی اندھا تھا۔ اس لئے تخت کا حق دوسرے بھائی پانڈو کو ملا۔ اس کی دو رانیاں تھیں۔ کنتی اور مادری۔ کنتی کے بطن سے یدھشٹر، بھیم اور ارجن اور مادری کے بطن سے نکل اور سہدیو پیدا ہوئے۔ دھرت راشٹر کے ایک سو ایک بیٹے تھے۔ جن میں دریودھن سب سے بڑا تھا۔ کسی بزرگ کے نام پر دھرت راشٹر کی اولاد کورو اور پانڈو کی اولاد پانڈو کہلائی۔ راجہ پانڈو کی موت پر اس کے بیٹے کم سن تھے۔ اس لئے دھرت راشٹر سرپرست بن کر اپنے بھتیجوں کے نام پر حکومت کرنے لگا۔ اس نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کی تعلیم درونا اچارج کے سپرد کی لیکن پانڈو ہر ایک بات میں کوروں پر سبقت لے گئے۔ اس لئے کورو ان سے حسد کرنے لگے۔ جب دھرت راشٹر بوڑھا ہو گیا تو اس نے تاج و تخت یدھشٹر کے سپرد کرنا چاہا۔ تو دریودھن بہت سٹ پٹایا۔ آخرکار اس

نے اپنے باپ سے کہہ سن کر پانڈوؤں کو جلا وطن کرا دیا۔ اور تخت کا خود مالک بن بیٹھا۔ اس زمانے میں پنچال دیس کے راجہ دروپد نے اپنی بیٹی دروپدی کا سوئمبر رچایا۔ جس میں کورو اور دیگر راجے مہاراجے شامل ہوئے۔ اتفاق سے پانڈو بھی برہمنوں کے لباس میں گھومتے ہوئے وہاں جا پہنچے۔ اور ارجن نے سوئمبر کی شرط پوری کر کے دروپدی سے شادی کی۔ اب پانڈوؤں نے راجہ دروپد کی مدد سے کوروؤں سے اپنا راج مانگا۔ دریودھن نے مجبور ہو کر بڑی مشکل سے دہلی کے پاس ایک ویران سا علاقہ ان کے حوالے کر دیا۔ پانڈوں نے بڑی محنت سے اس علاقہ کو آباد کیا اور ایک نیا شہر اندر پرست نامی بسایا جو موجودہ دہلی سے ۲½ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ لیکن کوروں نے پھر ان کی بربادی کی تجویزیں سوچیں اور جوئے میں ان سے ہاتھی۔ گھوڑے۔ راج پاٹ حتیٰ کہ ان کی بیوی دروپدی بھی جیت لی اور ان کو تیرہ برس کے لئے جنگلوں میں بھیج دیا۔ بن باس کی مدت ختم ہونے پر پانڈوؤں نے اپنا ملک مانگا۔ مگر دریودھن نے ٹکا سا جواب دیا۔ اس لئے کورو کشیتر کے میدان میں فریقین کے درمیان ایک خون ریز جنگ ہوئی۔ جو جنگ مہابھارت کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں ہندوستان کے تمام راجوں مہاراجوں نے حصہ لیا۔ بھیشم پتامہ اور درونا اچارج کوروں کے اور سری کرشن پانڈوؤں کے طرف دار بنے۔ ۱۸ دن تک بڑے زور شور سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخرکار پانڈوؤں کو فتح ہوئی اور کورو سب کے سب مارے گئے۔

مہابھارت کی جنگ سے آریہ قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ ملک کے تمام بہادر آدمی لڑائی میں کام آئے۔ اس لئے ملک سے جنگی سپرٹ جاتی رہی اور آئندہ نسلیں بزدل اور کمزور بن گئیں۔ آریوں کا قیمتی لٹریچر بھی ضائع ہو گیا۔ یہی جنگ آریوں کے زوال کا باعث بنی۔

مہابھارت سے اخلاقی سبق

رامائن کی طرح مہابھارت بھی ہمیں کئی مفید مطلب سبق سکھاتی ہے۔ لالچ کی خرابیاں۔ نفاق کی برائیاں حسد کی تباہ کاریاں کس طرح رنگ لاتی ہیں۔ جؤا کس طرح انسان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔ حقیر دشمن بھی حق پر ہو تو وہ غالب آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مہابھارت کی کتاب کیا ہے؟ اس زمانے کے رسم و رواج۔ تہذیب و تمدن کا بہترین مرقع ہے۔ جس کے مطالعہ سے جیتی جاگتی تصویریں نظر کے سامنے آ جاتی ہیں۔

رامائن اور مہابھارت کی تاریخی حیثیت

اکثر مورخین کی رائے ہے کہ رامائن اور مہابھارت کی حیثیت افسانوی ہے۔ در اصل مصنفین نے نیک اور بد اعمال کے نتائج واضح کرنے نیز عبرت و نصیحت سکھانے کی غرض سے ان کتابوں کو مؤثر اور دلکش انداز میں قلم بند کیا ہے۔ مگر ہمیں اس بات سے غرض نہیں ہے کہ یہ سچی کہانیاں ہیں یا جھوٹی۔ چونکہ اس زمانہ کی کوئی قابلِ اعتماد تاریخ موجود نہیں ہے۔ اس لئے ان کتب سے ہمیں اس زمانہ کے حالات سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ کہانیاں۔ افسانے اور ناول وغیرہ جس زمانے میں لکھے جائیں۔ ان سے اس زمانے کی لوگوں کی تہذیب۔ طرزِ معاشرت۔ رسم و رواج حکومت۔ مذہب، اور حالاتِ زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ گویا تصنیفات اپنے عہد کے تہذیب و تمدن کا بہترین مرقع ہوتی ہیں۔

سری کرشن

سری کرشن جی کو ہندو لوگ خدا کا اوتار مانتے ہیں۔ آپ کے باپ کا نام واسدیو اور والدہ کا نام دیوکی تھا۔ آپ کا ماموں راجہ کنس والئے متھرا بڑا ظالم راجہ تھا۔ کنس نے اپنے باپ اگرسین کو تخت سے اتار کر سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب سری کرشن جوان ہوئے تو انہوں نے راجہ کنس کو موت کے گھاٹ اتارا اور اپنے نانا اگرسین کو قید سے نکال کر متھرا کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد آپ دوارکا میں راج کرنے لگے۔ جنگِ مہابھارت میں آپ نے پانڈوؤں کا ساتھ دیا۔ چنانچہ ان ہی کی مدد سے پانڈوؤں کو فتح نصیب ہوئی۔

بھگوت گیتا

بھگوت گیتا کے لفظی معنی ہیں۔ پرماتما کا گیت۔ یہ نظم مہابھارت کا ایک حصہ ہے جب مہابھارت کی لڑائی میں ارجن نے اپنے استاد بزرگوں بھائیوں۔ عزیزوں کے ساتھ لڑنے سے انکار کیا تو اس نازک وقت میں کرشن نے اس کی ڈھارس بندھائی اور بتایا کہ انسان کا جسم فانی ہے لیکن روح کبھی نہیں مرتی۔ کیونکہ روح ازلی و ابدی ہے۔ اس کو نہ آگ جلا سکتی ہے نہ تلوار کاٹ سکتی ہے۔ مرنے کے بعد صرف جسم خاک میں

ملتا ہے۔ روح نئے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر تم اپنے حقوق کی حفاظت میں موت کے گھاٹ اُتر جاؤ تو تمہاری روح کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ یہ حق و باطل کی جنگ ہے۔ جو شخص دھرم اور راستی کی حمایت نہیں کرتا وہ اپنے دھرم سے گر جاتا ہے۔ اس قسم کی گفتگو سے ارجن لڑنے پر راضی ہو گیا۔ سری کرشن کا یہ فلسفیانہ اپدیش جو انہوں نے ارجن کو دیا تھا۔ بھگوت گیتا میں درج ہے کتاب کیا ہے۔ معرفت۔ فلسفہ اور سیاست کا مخزن ہے

ملک کی حالت اس زمانہ کے آریوں میں قدیم آریوں کے عہد کی سادگی نہیں رہی تھی۔ جا بجا بڑے بڑے شہر آباد ہو گئے تھے۔ ملک بھر میں پانچال کانشی۔ کوشل۔ مگدھ۔ دوارکا وغیرہ کئی سلطنتیں قائم تھیں جن پر خود راجہ حکومت کرتے تھے۔

راجہ کی مدد کے لئے سبھا بھی ہوتی تھی۔ پیداوار کا چھٹا حصہ بطور لگان وصول کیا جاتا تھا۔ تجارت پر بھی ٹیکس مقرر تھا۔ سپاہیوں کو باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی۔ راجہ کا عہدہ موروثی ہو چکا تھا۔ اور اس کے اختیارات وسیع ہو گئے تھے۔

مذہبی حالت آریہ لوگ ایک خدا کی پرستش کو چھوڑ کر کئی دیوتاؤں کی پوجا کرنے لگ گئے تھے۔ برہمنوں نے قربانی۔ یگیہ اور ہون کے لئے بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں۔ اور وہ آہستہ آہستہ رسموں کا مجموعہ بنتا جا رہا تھا۔ لوگ مسئلہ تناسخ کے قائل تھے۔ اور مظاہرات قدرت کو چھوڑ کر رام چندر اور کرشن جی کو خدا کا اوتار سمجھ کر ان

پرستش کرتے تھے۔

معاشرتی حالت

اس دور کے لوگ آزادی پسند اور سچے تھے۔ گو سادہ زندگی بسر کرتے تھے مگر کسی قدر عیش پرست ہو گئے تھے۔ عورتوں کو زیادہ آزادی مل گئی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہونا اور ہتھیار چلانا جانتی تھیں۔ اپنا شوہر خود منتخب کرتی تھیں۔ بچپن کی شادی اور پردہ کا رواج نہ تھا۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے تعلیم ضروری سمجھی جاتی تھی۔ برہمنوں کی قدر و منزلت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اور شودروں کا درجہ گھٹ رہا تھا۔ جوا بازی شاہی خاندانوں کے لئے لعنت کا باعث بن چکی تھی۔

گوتم بدھ

گوتم کپل وستو کے راجہ سدھودھن کا بیٹا تھا وہ ۵۶۷ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی میں اسے قابل اور ماہر استادوں کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ راجکمار نے تھوڑے ہی عرصہ میں درسی تعلیم کے علاوہ شمشیرزنی تیراندازی۔ شہسواری میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ لیکن وہ بچپن ہی سے سوچ بچار کا عادی تھا اور تنہائی کو پسند کرتا تھا۔ دنیا کے عیش و آرام اسے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ بلکہ دنیا کی مصیبتیں اسے ہر وقت مغموم رکھتی تھیں۔ شہزادہ کو اس حالت میں دیکھ کر سدھودھن بھی فکرمند رہتا تھا۔ چنانچہ انیس سال کی عمر ہی میں یشودھرا نامی ایک حسین شہزادی سے اس کی شادی کر دی گئی اور عیش و عشرت کے تمام اسباب مہیا کر دیئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد گوتم کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ لیکن دنیا کے یہ بندھن بھی اس پہ اثرانداز

نہ ہو سکے۔

گوتم نے اکثر بیماری۔ مصیبت۔ بڑھاپے اور موت کے دردناک نظارے دیکھے جن کا اس کے دل پر گہرا اثر ہوتا رہا۔ آخرکار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ دنیا دُکھوں کا گھر ہے۔ اور اس فانی دنیا سے دل لگانا فضول ہے اس نے ان دکھوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے دنیا کو چھوڑ دینے کا پکا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ایک رات وہ اپنا راج پاٹ۔ بیوی اور بیٹے کو چھوڑ کر جنگل کو روانہ ہو گیا اس وقت گوتم کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔

جنگل میں پہنچ کر گوتم پہلے پہل برہمنوں کا چیلہ بنا۔ لیکن وہ اسے نجات حاصل کرنے کا طریقہ نہ بتا سکے اس کے بعد وہ سخت قسم کی ریاضتوں میں مشغول ہو گیا۔ اور خواہشاتِ نفسانی پر قابو پا کر فاقہ کشی کرنے لگا۔ مگر اس طرح بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخرکار وہ گیا کے قریب ایک بڑ کے درخت کے نیچے مراقبہ (سمادھی) میں بیٹھ گیا۔ پورے پچاس روز کے بعد اس کا دل معرفت کے نور سے منوّر ہو گیا۔ اور اس نے اطمینان محسوس کیا اس طرح گوتم نے جب اپنے خیال کے مطابق نجات کا راستہ پا لیا۔ تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ خواہشات پر قابو پانا۔ نیک اور پاکیزہ زندگی بسر کرنا اور جانداروں پر رحم کرنا ہی حقیقی نجات کا ذریعہ ہیں۔ اب اس نے اپنا نام بدھ یعنی عارف رکھا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔

مذہب کا پرچار اس کے بعد گوتم بدھ نے اپنے مذہب

کی اشاعت کے لئے دیس بدیس پھرنا شروع کیا اور سب سے پہلے بنارس کے قریب سارناتھ کے مقام پر وعظ کیا یہاں بہت سے لوگ اس کے چیلے بن گئے۔ جن کو اس نے ملک کے مختلف حصوں میں اشاعتِ مذہب کے لئے بھیج دیا۔ اس کے بعد مگدھ کا راجہ ببلسار اس کا پیرو بن گیا۔ پھر اس کا باپ، بیوی بیٹے اور ارکینِ سلطنت نے بھی اس مذہب کو قبول کر لیا۔ اس طرح مہاتما بدھ نے ۴۰ برس تک ملک کے مختلف حصوں میں گھوم کر اپنے مذہب کا پرچار کیا۔ آخر ۸۰ برس کی عمر میں گورکھ پور کے قریب کشی نگر میں وفات پائی۔

بُدھ مت کی تعلیم

بدھ کی تعلیم بالکل سیدھی سادھی اور عام فہم تھی۔ بدھ کے خیال کے مطابق یہ دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ دکھوں کی وجہ خواہشاتِ نفسانی ہیں۔ خواہشات کو ترک کرنے سے انسان دکھ سے چھوٹ سکتا ہے۔

مہاتما بدھ کے نزدیک انسان کے لئے نہ تو عیش وعشرت کی زندگی لازمی ہے اور نہ جسم کو تکلیف دینے ہی سے کچھ فائدہ ہے۔ اس بارہ میں وہ انسان کو میانہ روی کی ہدایت کرتا ہے۔

بُدھ مت کے اصول

بدھ مت کے مشہور اصول حسب ذیل تھے:-

۱۔ مہاتما بُدھ اہنسا پرمودھرما پر بہت زور دیتا تھا۔ اس کے نزدیک کسی جانور کو تکلیف پہنچانا گناہ تھا۔ وہ

قربانی اور یگیہ کو فضول سمجھتا تھا۔

۲۔ بدھ مسئلہ تناسخ یا اواگون کا بھی قائل تھا اور کہتا تھا۔ کہ انسان کی روح موت کے بعد اپنے اعمال کے مطابق قالب بدلتی رہتی ہے۔ اور اس وقت تک اسی چکر میں پھنسی رہتی ہے۔ جب تک انسان نروان یعنی مکتی حاصل نہ کرلے۔

۳۔ بدھ ترکِ خواہشات پر زور دیتا تھا۔اس کے نزدیک خواہشات پر قابو پانے ہی سے مسرّت حاصل ہو سکتی ہے۔

۴۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق اس نے کوئی تعلیم نہیں دی۔ وہ خدا کی ہستی کا نہ اقرار کرتا تھا۔ نہ انکار۔ بلکہ اس بارہ میں خاموش رہتا تھا۔ وہ دیوی دیوتاؤں اور ویدوں کو بھی نہیں مانتا تھا۔ یگیہ قربانی وغیرہ اس کے نزدیک بے معنی تھے۔ وہ مساوات کا حامی تھا۔ اور اس بات کا پرچار کرتا تھا۔کہ انسان کی برتری نیک اعمال پر موقوف ہے۔

بُدھ مت کی ترقی کے اسباب

ہندوستان۔ چین۔ جاپان۔ برما وغیرہ میں بدھ مت کے اتنی جلد فروغ پانے کے اسباب مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ خود مہاتما بدھ کی سیدھی سادی اور نیک زندگی کے عمدہ نمونہ نے عوام کو بہت متاثر کیا اور وہ اس کے پیرو ہو گئے۔

۲۔ مہاتما بدھ کی تعلیم نہایت سادہ اور عام فہم تھی لوگ

ہندو مت کے پیچیدہ مسائل - یگیہ - قربانی - دیوی - دیوتاؤں کی پرستش اور فضول رسومات سے تنگ آ گئے تھے اور اس قدر زیادہ اخراجات برداشت نہ کر سکتے تھے -

۳- بدھ مت کی تعلیم سنسکرت کے بجائے پالی زبان میں تھی جو ملک کی عام فہم زبان تھی -

۴- بدھ مت کے پرچارک یعنی بھکشو بھی اپنے پیشوا کی طرح عملی زندگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے تھے - اور وہ پوری کوشش - تندہی اور استقلال سے مذہب کا پرچار کرتے تھے -

۵- مہاتما بدھ کے نزدیک ذات پات کی تمیز کوئی معنی نہ رکھتی تھی - وہ شودروں کو دوسروں سے کمتر نہیں سمجھتا تھا - چونکہ نیچ ذاتوں کے لوگ برہمنوں کی آئے دن کی زیادتیوں سے تنگ آ چکے تھے - اس لئے انہوں نے مہاتما بدھ کے دامن میں پناہ لینے میں عافیت سمجھی -

۶- ہندوستان کے اکثر راجاؤں نے بدھ مذہب قبول کر لیا - اس طرح راج مت بن جانے سے اس مذہب کو بہت فروغ حاصل ہوا - خاص کر مہاراجہ اشوک کے عہد میں تو یہ مت ہندوستان کے علاوہ چین - جاپان - تبت - برما - لنکا اور سیام تک میں جا پھیلا -

۷- مہاتما بدھ کی زندگی کے بعد اس کے پیروؤں نے مذہبی پرچار کو وسعت دینے اور اسے جاری رکھنے

کے لئے مختلف موقعوں پر چار مجلسیں منعقد کیں۔ جن سے از سرِ نو بھکشوؤں میں جوش پیدا ہؤا۔ ان کی تعلیم تازہ ہو گئی۔ اور وہ زیادہ سرگرمی سے اشاعتِ مذہب میں مشغول ہو گئے۔

بدھ مت کے زوال کے اسباب

پانچویں صدی عیسوی کے بعد بدھ مت زوال پذیر ہونے لگا۔ اس کے بڑے بڑے اسباب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مہاتما بدھ کی تعلیم نہایت سادہ اور عام فہم تھی۔ مگر پرچارکوں نے آہستہ آہستہ اس میں پیچیدگیاں پیدا کر دیں اور بدھ کی سادہ تعلیم کو رسم و رواج کا مجموعہ بنا دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی کشش کم ہوتی گئی۔

۲۔ بدھ مت کے پرچارک جو شروع میں عملی زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ عیش پرست۔ خودغرض اور بدچلن ہو گئے۔ ان کے قول و فعل میں نمایاں فرق آ گیا جس سے لوگ بہت اثر پذیر ہوئے اور بدھ مذہب سے نفرت کرنے لگے۔

۳۔ مہاتما بدھ کے پیروؤں نے اس کو خدا سمجھ کر پرستش شروع کر دی تھی۔ اس طرح بت پرستی نے مذہب کی بنیادیں کمزور کر دیں۔

۴۔ ذات پات کی تمیز جس کو مہاتما بدھ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ بعد میں اس کے پیروؤں میں بھی داخل ہو گئی۔ جس سے عوام کی دلچسپی میں فرق آ

آ گیا۔

۵۔ مہاراجہ کنشک کی موت کے بعد بدھ مذہب شاہی مذہب نہ رہا۔ بلکہ گپت خاندان کے راجاؤں نے ہندو دھرم قبول کر لیا۔ اور اسی کی اشاعت میں کوشاں رہے۔ اس تبدیلی نے مذہب کی اشاعت پر نمایاں اثر کیا۔

۶۔ چونکہ راجپوت تلوار کے دھنی تھے۔ اور بدھ اہنسا (کسی جان دار کو دکھ نہ دینا) کی تعلیم دیتا تھا اس لئے راجپوتوں کا جنگی فرقہ اس مت کے خلاف ہو گیا۔ اور ان کے زور پکڑتے ہی بدھ مذہب کو زوال آنا شروع ہو گیا۔

۷۔ چونکہ مہاتما بدھ خدا کی ہستی کے بارے میں خاموش رہتا تھا۔ اور روح۔ مادہ وغیرہ فلسفیانہ امورات کے بارے میں اس کے مذہب میں کوئی تعلیم نہیں تھی اس لئے بدھ مت کے بھکشو ہندو مت کے پرچارک کمارل بھٹ اور شنکر اچاریہ جیسے عالموں کے مقابلے میں دب گئے اور شکست کھا کر پھر ہندو بن گئے۔

۸۔ مہاراجہ کنشک کے زمانے میں بدھ مذہب دو شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔ یہ اختلاف بھی اس کے زوال کا باعث ہوا۔

۹۔ بارھویں صدی میں مسلمانوں نے بدھ مذہب کے مرکز بہار پر قبضہ کر لیا۔ جس سے ہندوستان سے اس مذہب کا خاتمہ ہو گیا۔

وردھ مان مہاویر

وردھ مان مہاویر جو جین مت کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ کشتری نسل کا ایک شہزادہ تھا جو ۵۹۹ قبل مسیح میں راجہ سدھارتھ والئے ویسالی کے گھر پیدا ہؤا۔ ویسالی آج کل پٹنہ کے شمال میں وسار (ضلع مظفرپور) کے نام سے مشہور ہے ابتدائی عمر بدھ کی طرح گزاری۔ یعنی بچپن ہی سے غور و فکر کی عادت تھی اور مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر اس کے دل کو بھی بہت صدمہ پہنچتا تھا۔ آخر تیس سال کی عمر میں عیش و آرام کو ترک کر کے جنگل کی راہ لی اور شری پارش ناتھ کے چیلوں میں داخل ہو گیا۔ لیکن اس سے تسکینِ قلب حاصل نہ ہوئی۔ اس کے بعد بارہ برس تک سخت ریاضت میں مشغول رہا۔ آخرکار اس طرح نورِ الٰہی حاصل کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور مہاویر (فاتح اعظم) کے لقب سے مشہور ہؤا۔ اس کے پیرو جینی کہلائے۔ اور اس کے مذہب نے جین مت کا نام پایا۔ اس کے بعد مہاویر نے بقایا عمر مذہب کی اشاعت میں گزاری۔ اگرچہ شاہی خاندانوں کے تعلق کی وجہ سے یہ مذہب بہت جلد پھیل گیا۔ لیکن بُدھ مذہب کی طرح اسے عام قبولیت کا درجہ حاصل نہ ہؤا آخر ۷۲ سال کی عمر میں پاوا ضلع پٹنہ میں وفات پائی۔

جین مت کی تعلیم

جین مت کی تعلیم عام طور پر بدھ مت سے ملتی جلتی ہے۔ موٹے موٹے اصول مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ مہاویر کے نزدیک بھی زندگی کا اصلی مقصد نروان حاصل کرنا ہے۔ جو اس کے خیال کے مطابق تین اصولوں پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے
(۱) سچا یقین۔
(۲) سچا علم۔
(۳) نیک عمل۔

۲۔ جینی ہندوؤں اور بدھوں کی طرح مسئلہ کرم اور آواگون کو مانتے ہیں۔ ان کے خیال میں نیک عمل اختیار کرنا بداعمال یعنی جھوٹ، چوری وغیرہ سے پرہیز کرنا ہی وہ ذریعہ ہے۔ جس سے انسان نجات حاصل کر سکتا ہے۔

۳۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مہاویر کا یہ بھی عقیدہ تھا۔ کہ محض نیک اعمال ہی سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ نفسانی خواہشات کو ترک کرنا اور جسمانی تکالیف برداشت کرنا بھی نجات کے لئے ضروری ہے۔

۴۔ جینیوں کا اس بات پر بھی اعتقاد ہے۔ کہ دنیا کی ہر چیز درختوں۔ پودوں حتیٰ کہ جمادات میں بھی رُوح موجود ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک کسی بھی چیز کو دکھ دینا گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض ننگے پاؤں رہتے اور منہ پر کپڑا باندھتے ہیں۔ تاکہ سانس لیتے وقت ہوا میں اڑنے والے کیڑے اندر جا کر نہ مر جائیں۔ حتیٰ کہ اس خیال کے تحت یہ لوگ پانی کو بھی چھان کر پیتے ہیں۔

۵- جینی دیوی دیوتاؤں کی پرستش اور قربانیوں کو فضول سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ویدوں کے بھی قائل نہیں۔
۶- جینی خدا کی ہستی کے منکر ہیں۔ صرف روح اور مادے کو ازلی و ابدی مانتے ہیں۔
۷- جینی لوگ اپنے چوبیس اوتاروں کی پرستش ضروری خیال کرتے ہیں۔

دارا اور سکندر کے حملے

ایرانیوں کا حملہ

دارا گشتاسپ ایران کا مشہور اور طاقتور حکمران تھا۔ اس کی سلطنت فارس۔ افغانستان۔ بلوچستان اور ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی ۵۱۶ ق م میں سکائی لیکس (جو دارا کا امیرالبحر تھا) نے ہندوستان پر حملہ کیا اور دریائے سندھ کی وادی اور مغربی پنجاب کو فتح کر کے ایران کا ایک نیا صوبہ بنایا۔ جس کی آمدنی موجودہ شرح کے مطابق ڈیڑھ کروڑ روپیہ سالانہ تھی۔ تھوڑے عرصہ بعد سلطنتِ ایران کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور ہندوستان بھی اس کی غلامی سے آزاد ہو گیا۔

ایرانی حملہ کے اثرات

(۱) کھروشٹی طرزِ تحریر نے پنجاب میں رواج پایا۔
۲- ایرانی فنِ تعمیر اور سنگ تراشی نے ہندوستان کے فنِ تعمیر پر بہت اثر ڈالا۔
۳- ایران اور ہندوستان کے درمیان سلسلۂ تجارت قائم ہوا

۴۔ اکثر درباری قاعدے اور مذہبی خیالات ایران سے ہندوستان میں آئے۔

۵۔ یہ تعلقات سکندرِ اعظم کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی ایک وجہ ثابت ہوئے۔

سکندرِ اعظم

سکندرِ اعظم مقدونیہ واقع یونان میں فیلقوس کے ہاں ۳۵۶ ق۔م میں پیدا ہوا۔ وہ بچپن ہی میں ہونہار تھا۔ اور تمام دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے سوچا کرتا تھا۔ ارسطو جیسے قابل استاد کی تربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ چنانچہ جب بیس برس کی عمر میں وہ مقدونیہ کے تخت پر بیٹھا۔ تو اپنی غیر معمولی بہادری اور استقلال کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں ایشیائے کوچک سے لے کر افغانستان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد ۳۲۶ ق۔م میں اس نے ہند پر حملہ کیا۔ یہ پہلا یورپین تھا۔ جس نے ہند پر فوج کشی کی۔

ہندوستان کی سیاسی حالت

سکندر اعظم نے جب ہندوستان پر حملہ کیا۔ تو اس وقت ہندوستان میں کوئی زبردست مرکزی حکومت نہ تھی۔ شمالی ہندوستان کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ جو آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں اس باہمی جنگ و جدل کے باعث وہ متحد ہو کر سکندرِ اعظم کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ ان ریاستوں میں سے مندرجہ ذیل مشہور ہیں:-

دریائے جہلم اور دریائے سندھ کے درمیان ٹیکسلا کی مشہور ریاست واقع تھی۔ جس پر امبھی نامی ایک راجہ حکمران

تھا۔

کشمیر اور ہزارہ کے کچھ علاقے پر راجہ ابھی سار قابض تھا اور دریائے چناب اور جہلم کا درمیانی علاقہ راجہ پورس کے زیرِ نگین تھا۔ ملتان کے گرد و نواح کے علاقہ پر ملوئی قبیلہ حکمران تھا۔ ستلج اور جمنا کے پاس بھی کئی ریاستیں تھیں جن میں مگدھ کی سلطنت سب سے مشہور تھی۔ اس میں نند خاندان کی حکومت تھی۔ اور اس کی راجدھانی پاٹلی پتر (پٹنہ) تھا۔

سکندر اعظم کا حملہ

۳۲۶ ق۔ م میں اٹک کے نزدیک او ہند کے مقام پر کشتیوں کا پُل باندھ کر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ چونکہ ٹیکسلا کے راجہ کی راجہ پورس سے دشمنی تھی۔ اس لئے نہ صرف اس نے سکندر کی اطاعت ہی قبول کی بلکہ پورس سے مقابلہ کرنے کے لئے سامانِ جنگ اور امدادی فوج بھی دی۔ ٹیکسلا میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد سکندر نے پورس پر دھاوا بول دیا۔

راجہ پورس سے جنگ

راجہ پورس سکندر کا حملہ روکنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ وہ تیس ہزار پیادہ فوج۔ چار ہزار سوار۔ دو سو جنگی ہاتھی اور تین سو رتھ لے کر سکندر کے مقابلے کے لئے نکلا۔ ان دنوں جہلم طغیانی پر تھا۔ اس لئے کئی دن تک دونو فوجیں ڈیرے ڈالے پڑی رہیں۔ ایک اندھیری رات جب کہ طوفانِ باد و باراں کا زور تھا اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ سکندر نے قیام گاہ سے ۱۶ میل اوپر جا کر راتوں رات دریا عبور کر لیا۔ اور عقب سے بے خبر دشمن پر حملہ کر دیا کری

کے میدان میں زبردست مقابلہ ہؤا۔ اگرچہ پورس کی فوج جان توڑ کر لڑی۔ لیکن سکندرِ اعظم کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ اور فوج شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ پورس خود زخمی ہو کر گرفتار ہؤا۔ جب پورس سکندر کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے پوچھا۔ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ پورس نے بے دھڑک جواب دیا۔ جیسا بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ سکندر اس دلیرانہ جواب سے بہت خوش ہؤا۔ اور نہ صرف پورس کا فتح کیا ہؤا علاقہ واپس کر دیا۔ بلکہ بہت سا علاقہ اپنی طرف سے بھی دے دیا۔ فتح کے مقام پر یادگار کے طور پر سکندر نے دو شہر آباد کئے جو آج کل مونگ اور جلال پور کے نام سے مشہور ہیں۔

پورس کی شکست کے وجوہات

(۱) ٹیکسلا کے راجہ نے سکندر کی اطاعت قبول کر لی۔ اس لئے سکندر دریائے جہلم تک بے روک ٹوک پہنچ گیا۔

۲۔ سکندر فنونِ جنگ کا ماہر تھا۔ اور اس کی فوج بھی تربیّت یافتہ تھی۔

۳۔ سکندر کے ایک رسالہ نے راتوں رات دریائے جہلم عبور کر کے پیچھے سے پورس کی فوج پر حملہ کر دیا۔ جس سے پورس کی فوج حواس باختہ ہو گئی۔

۴۔ پورس کے ہاتھی زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے بے تحاشا بھاگے اور انہوں نے اپنی ہی فوج کو رَوند ڈالا۔

۵۔ راجہ پورس کی فوج بہت وزنی ہتھیاروں سے مسلح تھی

اس لئے اس کے سپاہی آسانی سے ادھر ادھر حرکت نہیں کر سکتے تھے۔

۶۔ بارش کی وجہ سے میدانِ جنگ کی زمین پر پھسلن اور کیچڑ تھی۔ جس کے باعث پورس کے جنگی رتھ تیزی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔

سکندر کا بیاس تک جانا

اس کے بعد سکندر دریائے چناب اور راوی کو عبور کر کے کوچ کرتا ہوا دریائے بیاس تک جا پہنچا۔ دریائے ستلج کے پار مگدھ کی سلطنت تھی۔ سکندر اس کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے سپاہیوں نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ متواتر پانچ سال سے لڑتے لڑتے تنگ آ گئے تھے۔ نیز مگدھ کے راجہ کی فوجی طاقت کا حال سن کر ان کی ہمت پست ہو گئی تھی۔ اس لئے سکندر کو ہندوستان کی فتح کا ارادہ ملتوی کر کے واپس لوٹنا پڑا۔

سکندر کی واپسی اور موت

سکندر مجبوراً دریائے راوی اور چناب کو عبور کرتا ہوا دریائے جہلم کے کنارے آ ٹھہرا۔ یہاں دو ہزار کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کیا۔ اور پنجاب کے دریاؤں کی راہ سمندر کے کنارے جا پہنچا۔ راستہ میں اسے کئی قوموں سے لڑنا پڑا۔ لیکن اس کی فوج سب کو پامال کرتی ہوئی سلامتی سے گزر گئی۔ یہاں اس نے اپنی فوج کے دو حصے کئے۔ ایک حصے کو وہ اپنے ہمراہ لے کر خشکی کی راہ مکران اور بلوچستان

ہوتا ہوا اپنے وطن کی طرف روانہ ہوا۔

دوسرا حصہ امیرالبحر نیارکس کی سرکردگی میں سمندر کے راستے خلیج فارس کو روانہ ہوا۔ لیکن سکندر کی قسمت میں اپنے وطن واپس پہنچنا نہیں لکھا تھا۔ وہ راستہ میں بابل کے مقام پر بیمار ہو گیا۔ اور ۳۲۳۔ ق۔ م میں اس دنیا سے منہ موڑ گیا۔ سکندر اعظم بڑا بہادر سپہ سالار اور اعلیٰ درجہ کا جرنیل تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی سی عمر میں بے شمار فتوحات حاصل کیں۔ دنیا کی تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یونانی حملے کا اثر

یونانی حملے کا ہندوستان کی تہذیب پر کوئی گہرا اثر نہیں ہوا۔ اس کے اسباب مندرجہ ذیل تھے :-

۱۔ سکندر صرف ۱۹ ماہ ہندوستان رہا۔ اور یہ وقت بھی جنگ و جدل میں صرف ہوا۔ اس کی واپسی کے فوراً بعد ہندوستانی راجہ خود مختار بن بیٹھے اور یونانیوں کی یاد دلوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی۔

۲۔ سکندر چونکہ پنجاب سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس لئے اس کے حملے کو کوئی خاص وقعت حاصل نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس حملے کا اس زمانے کی کتابوں میں بہت کم ذکر ہے۔

۳۔ اس وقت ہندو اپنی تہذیب و فلسفہ کو بہترین خیال کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یونانیوں سے کچھ سیکھنا غیر ضروری سمجھا۔ تاہم سکندرِ اعظم کے حملے کا ایک حد تک اثر ضرور ہوا۔ یعنی :-

۱۔ ہندوستان اور یورپ کے درمیان تجارتی ذرائع بڑھ گئے بہت سے نئے بحری و برّی راستے معلوم ہو گئے۔

۲۔ سکندرِ اعظم کے ہمراہ بہت سے یونانی عالم بھی تھے جنہوں نے ہندوستان کے حالات لکھے ہیں یہ حالات مؤرخین کے نزدیک بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

۳۔ پنجاب کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں سکندر اعظم کے حملہ سے کمزور ہو گئیں۔ اور مگدھ کی سلطنت میں شامل ہو کر ایک متحدہ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔

۴۔ سکندر کی وفات کے بعد باختر کی یونانی سلطنت ، ہندوستان کی سرحد پر قائم ہو گئی۔ نیز سکندر کی فوج کے افسر اور سپاہی اس ملک میں آباد ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یونانی علوم و فنون ہندوستان میں رائج ہوئے۔

۵۔ ہندوستانیوں نے یونانیوں سے علمِ نجوم۔ فنِ تعمیر، سنگ تراشی اور سکے بنانے سیکھے۔ جس کی وجہ سے ہندوستان میں بت پرستی کا زیادہ رواج ہو گیا۔ اس کے مقابلے میں یونانیوں نے ہندوؤں کے فلسفے اور مذہبی خیالات سے بہت فائدہ اٹھایا۔

خاندانِ موریہ

چندر گپت موریا
۳۲۱ ق م تا ۲۹۷ ق م

چندر گپت موریہ خاندان کا بانی تھا جسے مگدھ کے راجہ مہاپدم نند نے جلاوطن کر رکھا تھا۔ اور وہ ٹیکسلا کے راجہ کے ہاں پناہ گزین تھا۔ جب سکندرِ اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ تو چندر گپت نے اس سے ملاقات کی اور اسے مگدھ پر حملہ کرنے کے لئے کہا۔ مگر سکندر اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ کیونکہ اس کی فوج بددل ہو رہی تھی۔ سکندر کی موت کے بعد جب پنجاب میں بغاوت پھیلی۔ تو چندر گپت نے تھوڑی سی فوج جمع کر کے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے تیاری کر کے مگدھ پر چڑھائی کی۔ اور مہاپدم نند کو شکست دے کر مگدھ پر قابض ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے تمام شمالی ہند کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو فتح کر کے ایک زبردست سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

سلیوکس کا حملہ

سکندر کی وفات کے بعد اس کی وسیع سلطنت اس کے جرنیلوں نے بانٹ لی۔ اس طرح ایشیائی علاقہ اس کے جرنیل سلیوکس کے حصے میں آیا۔ سلیوکس نے اپنے علاقے میں پاؤں جما کر ۳۰۵ ق م میں دریائے سندھ کی راہ پنجاب پر حملہ کر دیا۔ مگر چندر گپت نے خوب ہی دانت کھٹے کئے۔ جس سے صلح کرنے پر

مجبور ہو گیا۔ اس نے اپنی لڑکی کی شادی چندر گپت سے کر دی۔ اور کابل۔ ہرات۔ قندھار کے صوبے بطور جہیز چندر گپت کو دیئے۔ چندر گپت نے اس کے عوض پانچ سو ہاتھی سلیوکس کی نذر کئے۔ میگھستینز نامی یونانی سفیر چندر گپت کے دربار میں رہنے لگا۔ سلیوکس پر فتح پانے کے بعد چندر گپت کی سلطنت آسام اور بنگال سے لے کر کوہ ہندوکش تک اور کوہ ہمالیہ سے کوہ بندھیاچل اور نربدا تک پھیل گئی۔

چندر گپت موریہ کے عہد کے تاریخی ماخذ

چندر گپت موریہ کے عہد کے تاریخی ماخذ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) مدرا راکشش: یہ ایک سیاسی ڈرامہ ہے۔ جو پانچویں صدی میں لکھا گیا۔ اس میں نند خاندان کی تباہی اور موریہ خاندان کی سلطنت قائم ہونے کا ذکر ہے۔

۲۔ "ارتھ شاستر": چندر گپت کے برہمن اتالیق اور وزیر چانکیہ نے فنِ حکومت پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جسے ارتھ شاستر کہتے ہیں۔ اس میں حکومت کے اصول و قواعد اور بادشاہ اور رعایا کے باہمی تعلقات کو واضح کیا گیا ہے۔ اور دیگر تمام امورات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۳۔ "میگستھنیز کی کتاب"۔ میگستھنیز یونانی سفیر تھا۔ جس نے چندر گپت کے عہد کے حالات تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب انڈکا میں لکھے ہیں۔ اصل کتاب تو آج کل دستیاب نہیں ہوتی البتہ اس کے حوالہ جات

یونانی مؤرخوں کی دوسری کتب میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

چندر گپت کی پرائیویٹ زندگی

چندر گپت بہت شان و شوکت سے رہتا تھا۔ ریشمی لباس پہنتا اور سونے چاندی کے برتن استعمال کرتا تھا۔ وہ عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ اس کی بہت سی رانیاں تھیں۔ وہ جنگی مہمات۔ سانڈوں کی لڑائیاں اور سیرو شکار کا بھی شوقین تھا۔ باوجود اس قدر شان و شوکت کے اس کی زندگی ہر وقت خطرے میں رہتی تھی۔ اس لئے عورتوں کی ایک مسلح فوج اس کی حفاظت کے لئے اس کے ہمراہ ہوتی تھی۔ یہ عورتیں دوسرے ملکوں سے خرید کر لائی جاتی تھیں۔ دشمنوں کے ڈر سے وہ محل میں بھی متواتر دو راتیں ایک کمرے میں نہیں سوتا تھا۔

فوجی انتظام

چندر گپت کی فوج بہت تربیت یافتہ اور منظم تھی۔ جس میں چھ لاکھ پیادے۔ تیس ہزار سوار۔ نو ہزار ہاتھی اور آٹھ ہزار جنگی رتھ تھے تمام فوج کو شاہی خزانہ سے نقد تنخواہ ملتی تھی۔ فوج کے انتظام کے لئے چھ بورڈ مقرر تھے۔ ہر ایک بورڈ کے پانچ ممبر تھے۔ جن کے سپرد حسب ذیل شعبوں میں سے ایک ایک شعبہ کیا گیا تھا:۔

۱۔ پیادہ فوج
۲۔ رسالہ
۳۔ جنگی رتھ
۴۔ بحری بیڑا۔
۵۔ جنگی ہاتھی
۶۔ باربرداری اور رسد رسانی۔

میدانِ جنگ میں فوج کی کمان خود راجہ کے اپنے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ انہی حالات کی وجہ سے ہندوستان کا کوئی فرمانروا اس سے مقابلے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

ملکی انتظام۔ طرزِ حکومت

چندر گپت کی سلطنت چار صوبوں میں منقسم تھی۔ ہر صوبے میں شاہی خاندان کا ممبر بطور نائب حکومت کرتا تھا صوبے مختلف اضلاع میں بٹے ہوئے تھے۔ جن کے انتظام کے لئے الگ الگ افسر مقرر تھے۔

حکومت کی آمدنی کا بڑا ذریعہ لگان تھا۔ لگان عام طور پہ کل پیداوار کی چوتھائی کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کئی ٹیکس بھی تھے۔ زراعت کی ترقی کے لئے نہریں اور تالاب بنے ہوئے تھے۔ سڑکوں کا بھی معقول انتظام تھا۔ ان کے کنارے فاصلہ کے شمار کے لئے ہر کوس پر پتھر نصب تھا۔ چندرگپت نے ایک شاہی سڑک بھی تعمیر کرائی تھی۔ جو پاٹلی پتر سے ٹیکسلا تک تقریباً ایک ہزار میل لمبی تھی۔ اس کے کنارے سایہ دار درخت تھے۔ اور مسافروں کے آرام کے لئے سرائیں بھی تھیں۔

جاسوسی انتظام

تمام سلطنت میں جاسوس اور پرچہ نویس مقرر تھے۔ جن میں عورتیں بھی کام کرتی تھیں۔ یہ لوگ بھیس بدل کر گشت کرتے رہتے تھے۔ اور کبوتروں کے ذریعے اپنی خبریں پہنچاتے تھے

عدالتی انتظام

قانون بہت سخت تھے۔ معمولی جرموں

کی سزاؤں پر ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے تھے۔ اور اکثر قصوروں کے لئے سزائے موت مقرر تھی۔ اس لئے ملک میں جرائم کی کثرت نہ تھی۔ مقدمات کی سماعت پنچائتوں اور عدالتوں میں ہوتی تھی۔ آخری اپیل راجہ خود سنتا تھا۔

میونسپل انتظام

پاٹلی پتر جو مگدھ کا صدر مقام تھا۔ ایک عالی شان شہر تھا۔ یہ ۹ میل لمبا اور ۲ میل چوڑا تھا۔ اس کے اردگرد لکڑی کی ایک مضبوط فصیل تھی۔ جس میں ۶۴ دروازے اور ۵۷۰ برج تھے۔ اس فصیل کے ساتھ ساتھ شہر کے چاروں طرف ایک گہری خندق تھی۔ جو دریا کے پانی سے ہمیشہ بھری رہتی تھی۔ راجہ کا عالی شان محل جو لکڑی کا بنا ہؤا تھا۔ شہر کے درمیان واقع تھا۔

شہر کے انتظام کے لئے میونسپل کمیٹی موجود تھی۔ جس کے ماتحت چھ سب کمیٹیاں کام کرتی تھیں جن کے فرائض حسب ذیل تھے۔

۱۔ شہر کی صنعت و حرفت۔ دست کاری کی نگرانی۔ شرح مزدوری کا تعیّن اور دست کاروں کے باہمی جھگڑوں کا نپٹانا۔

۲۔ غیرملکی مسافروں کے آرام و آسائش کا انتظام کرنا۔

۳۔ پیدائش و اموات کا حساب رکھنا۔

۴۔ تجارت کا انتظام اور سوداگروں سے ٹیکس وصول کرنا۔

۵۔ کارخانوں کی نگرانی کرنا۔

۶۔ محصول چونگی کا انتظام کرنا۔

مجلسی حالت

چندر گپت کے زمانے میں ہندوستان کے لوگ راست باز۔ وعدے کے پکے۔ بہت سادہ اور پاکیزہ خیال تھے۔ لوگ گھروں کو کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ جائداد کی حفاظت کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ چوری چکاری کا نام و نشان نہ تھا۔ لوگ امن پسند محنتی اور کفایت شعار تھے۔ عورتیں نیک اور وفا شعار تھیں۔ تہوار بڑی شان و شوکت سے منائے جاتے تھے۔ غرضیکہ تمام لوگ خوش حال اور فارغ البال تھے۔

چندر گپت کی وفات

چندر گپت آخری عمر میں سلطنت اپنے بیٹے بندوسار کے سپرد کر کے دکن کی طرف چلا گیا۔ اور ۲۹۷ ق-م میں اس نے وہیں عدم کی راہ لی۔

میگستھنز

میگستھنز یونانی سفیر تھا۔ جسے سلیوکس نے چندر گپت کے دربار میں بھیجا تھا۔ میگستھنز بہترین سیاست دان۔ مدبّر اور مشہور مصنف تھا۔ وہ کئی سال تک ہندوستان میں رہا۔ اس نے چندر گپت کے عہد کے حالات پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ اور تمام واقعات اپنی مستند تصنیف انڈکا میں درج کئے ہیں۔ اس وقت انڈکا کا اصلی نسخہ تو نایاب ہے۔ البتہ اس کے حوالہ جات اکثر کتابوں میں ملتے ہیں۔

چانکیہ

چانکیہ چندر گپت موریہ کا اتالیق اور اس کا وزیر اعظم تھا۔ یہ شخص بہت بڑا سیاست دان۔ دور اندیش

اور عالم و فاضل تھا۔ اسی کی مدد سے چندر گپت نے پہلے پنجاب اور بعد ازاں مگدھ کی سلطنت حاصل کی تھی۔ اگرچہ چندر گپت کی تمام فتوحات چانکیہ کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔ لیکن چانکیہ کی اپنی زندگی بہت سادہ تھی وہ شاہی محلات کے نزدیک ایک معمولی سی جھونپڑی میں رہتا تھا سیاسیات سے اسے گہری دلچسپی تھی۔ اس نے فن حکومت پر ایک کتاب بھی لکھی۔ جسے ارتھ شاستر کہتے ہیں اس میں حکومت کے قواعد و ضوابط اور کامیاب حکمران بننے کے اصولوں سے بحث کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے مطالعہ سے چندر گپت موریہ کے عہدِ حکومت کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ترجمہ کئی یورپی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

مہاراجہ اشوک

۲۷۲ ق م ۲۳۲ ق م

اشوک بندوسار کا بیٹا اور چندر گپت موریہ کا پوتا تھا۔ شہزادگی کے زمانہ میں بندوسار نے پہلے اسے ٹیکسلا اور بعد میں اجین کا گورنر بنا دیا تھا اشوک نے اپنے فرائض منصبی اس خوبی سے ادا کئے۔ کہ بندوسار نے اس کے حسن انتظام اور لیاقت سے خوش ہو کر اپنے بڑے بیٹے کے بجائے اشوک کو اپنا ولیعہد مقرر کر لیا تھا۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے۔ کہ ولی عہد بنانے کا واقعہ غلط ہے۔ بندوسار کی وفات کے بعد تخت حاصل کرنے کے لئے اس کے بیٹوں میں خوب جنگ ہوئی۔ اور اشوک اپنے ننانوے بھائیوں کا خاتمہ کر کے تخت

کا مالک بنا۔

کالنگہ کی لڑائی

۲۶۱ ق۔م میں اشوک نے کالنگہ کی قدیم سلطنت پر جو دریائے مہاندی اور گوداوری کے درمیان واقع تھی۔ چڑھائی کی۔ کالنگہ والوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا۔ آخر اشوک کو فتح ہوئی۔ اس لڑائی میں کم و بیش ایک لاکھ آدمی قتل اور ڈیڑھ لاکھ گرفتار ہوئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ ملک میں قحط اور وبا پھیل گئی۔ ان واقعات نے اشوک کے دل کو ایسا نرم کیا کہ اس نے آیندہ جنگ سے توبہ کر لی۔ اور باقی ماندہ عمر بدھ مت اختیار کر کے خدمتِ خلق میں گزار دی۔

وسعتِ سلطنت

اشوک کی سلطنت بہت وسیع تھی جو شمال میں کوہ ہمالیہ۔ مغرب میں کوہ ہندو کش۔ اور مشرق میں خلیج بنگالہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ دکن کے تھوڑے سے علاقہ کے علاوہ باقی تمام دکن اس کے زیر نگین تھا۔

اشاعتِ مذہب

کالنگہ کی لڑائی کے بعد اشوک نے بدھ دھرم اختیار کیا۔ اور اس کی اشاعت کے لئے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کئے۔

۱۔ اشوک نے بدھ دھرم کو شاہی مذہب قرار دیا اور اشاعتِ مذہب کے لئے افسروں کے نام احکام جاری کر دیئے۔

۲۔ اس نے بدھ مت کے پرچار کے لئے ہندوستان

کے مختلف حصوں اور غیر ممالک میں بھکشو روانہ کئے حتیٰ کہ اپنی لڑکی چارومتی کو نیپال میں اور اپنے بیٹے مہندر کو اشاعتِ مذہب کی خاطر لنکا میں بھیجا۔

۳۔ اپنے گورو اُپ گپت کے ہمراہ مقدس مقامات کی زیارت کو گیا۔ ان تمام مقامات پر بڑے بڑے ستون نصب کرا کے بُدھ مت کے اصول ان پر کندہ کرا دیئے۔

۴۔ اس نے بھکشوؤں کے لئے اپنی سلطنت کے تمام حصوں میں ہزاروں کی تعداد میں مندر اور دہاریں تعمیر کرائیں۔ اور ان کے تمام خرچ کا بوجھ شاہی خزانے پر ڈالا۔

۵۔ لوگوں کا اخلاق درست کرنے اور بدھ دھرم کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ایک علیحدہ محکمہ مقرر کر دیا۔ ان افسروں کو مہا ماتر کہتے تھے۔

۶۔ اشوک نے سنسکرت زبان کے بجائے پالی زبان کو ترقی دی۔ تاکہ لوگ بدھ دھرم کی تعلیم سمجھ سکیں۔

۷۔ اس نے بُدھ دھرم کے اختلافات مٹانے کے لئے پاٹلی پتر کے مقام پر بُدھ عالموں کی تیسری مجلس منعقد کی۔

۸۔ اس نے اہنسا کے اصول کی بڑی سختی سے پابندی کی۔ لڑائی موقوف کر دی۔ شکارگاہیں بند کر دیں۔ اور جانور ذبح کرنے کی ممانعت کر دی۔

قوانینِ پرہیزگاری

اشوک نے اخلاقی تعلیم کی خاطر مندرجہ ذیل ھدایات جاری کیں۔ انہیں قوانینِ پرہیزگاری بھی کہا جاتا ہے۔

۱۔ والدین۔ اُستاد اور بزرگوں کی عزت کی جائے۔ بچوں اور ملازموں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کیا جائے۔

۲۔ ہر شخص اہنسا پرمودھرما کے اصول پر عمل کرے۔ یعنی کسی جاندار کو دکھ نہ دے۔ اور گوشت کھانے سے پرہیز کرے۔

۳۔ راست بازی اور پاکیزگی کا ہر وقت خیال رکھے۔

۴۔ دوسرے مذہب والوں سے نفرت نہ کرے۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے ان سے ہمدردی کرے۔ اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کی دل آزاری کا موجب نہ بنے۔

اشوک کے کتبے

اشوک نے بدھ مذہب کی اشاعت اور لوگوں کی ھدایت کے لئے اپنی سلطنت کے طول و عرض میں پتھر کی چٹانوں اور لاٹھوں پر کتبے کندہ کروا کے نصب کروا دیئے۔ تاکہ عام لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کتبوں کو عام فہم بنانے کے لئے یہ طریق اختیار کیا۔ کہ کتبے متعلقہ علاقے کی مقامی زبان میں تحریر کروائے گئے۔ ان کتبوں میں بدھ دھرم کے اصول۔ اشوک کے حالاتِ زندگی اور اس کے علاوہ اس کے عہد کے واقعات درج ہیں۔ یہ کتبے کوہ ہمالیہ

سے لے کر میسور تک اور خلیج بنگالہ سے لے کر بحیرہ عرب تک مختلف حصّوں میں پائے جاتے ہیں اور اس وقت تک چالیس کے قریب دریافت ہو چکے ہیں۔

تاریخی اہمیّت یہ کتبے اشوک کے عہد کا بہترین تاریخی مآخذ ہیں۔ ان سے مندرجہ ذیل حالات پر روشنی پڑتی ہے:۔

۱۔ اشوک کے حدودِ سلطنت کا ٹھیک طور پر پتہ انہی کتبوں اور لاٹھوں سے چلتا ہے۔

۲۔ چونکہ یہ لاٹھیں اور چٹانیں سنگ تراشی کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں سنگ تراشی اور نقش و نگاری کا فن ترقی پر تھا۔

۳۔ کتبوں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کون کون سی زبانیں بولی جاتی تھیں۔

۴۔ ان سے بادشاہ کے فضائل۔ طرزِ حکومت۔ رعایا کی حالت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اشوک نے بدھ دھرم کے پھیلانے کے لئے کون کون سے وسائل اختیار کئے۔

۵۔ کتبوں کی کثرت سے یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس زمانے میں تعلیم عام تھی۔

نظامِ حکومت اشوک نے عام طور پر چندر گپت کے نظامِ حکومت ہی کو بحال رکھا۔ البتہ اس نے دو ایک تبدیلیاں ضرور کیں۔ ایک تو بدھ مذہب کے لئے بہت سی تدابیر پر عمل کیا۔ اور اسے شاہی مذہب قرار

دیا - اخلاق کی نگہداشت کے لئے ایک الگ محکمہ مہاماتر قائم کیا - محکمہ سراغرسانی کو زیادہ فروغ دیا - اور شکار کا محکمہ بند کر دیا - اس کی سلطنت بھی بدستور سابق چار صوبوں میں منقسم تھی - اور ہر ایک صوبہ ایک گورنر کے ماتحت تھا -

رفاہِ عام کے کاموں میں اشوک نے بہت دِلچسپی لی - ملک کے تمام حصوں میں جا بجا سڑکیں بنوائیں - اور ان پر دو رویہ میوہ دار اور سایہ دار درخت لگوائے - کنوئیں کھدوائے - مسافروں اور رعایا کے آرام کے لئے جا بجا سرائیں تعمیر کرائیں - شفاخانے اور ہسپتال جاری کئے - غرضیکہ اس کے عہدِ حکومت میں رعایا خوش حال تھی - اور پاکیزہ زندگی بسر کرتی تھی -

---

کُشن خاندان

کُشن خاندان

آج سے تقریباً دو ہزار برس پہلے شمال مغربی چین میں ایک جنگ جُو قوم جسے یُوچی کہتے تھے، آباد تھی۔ اس قوم کے مشہور فرقہ کُشن نے چین میں شاکا قوم کو شکست دے کر ہندوستان کا رُخ کیا اور اپنے سردار کیڈ فائیس اوّل کی سرکردگی میں بلوچستان اور افغانستان پر قبضہ کر کے ایک زبردست سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے کیڈ فائیس دوم نے جنوبی سندھ۔ پنجاب اور وادیٔ سندھ کا کچھ حصّہ فتح کر کے اپنی سلطنت کو اور بھی وسعت دی۔ اس کی وفات کے بعد کنشک نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ یہ اس خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ ہُوا ہے۔

کنشک
۱۲۰ء سے ۱۶۲ء تک

کنشک کُشن خاندان کا بہت مشہور اور زبردست حکمران تھا۔ اس نے تقریباً چالیس سال حکومت کی۔ اس کا پایۂ تخت پرش پور موجودہ پشاور کے قریب تھا۔

فتوحات

کنشک نے پہلے اپنی سلطنت کو مستحکم کیا۔ پھر سلطنت کو وسعت دینے کے لئے جنگی سرگرمیوں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ اول اول پارتھین لوگوں سے مالوہ۔

گجرات اور سندھ کے باقی ماندہ علاقے چھینے۔ پھر کشمیر فتح کر کے چین پر فوج کشی کی۔ اور ختن۔ یارقند اور کاشغر پر قبضہ کیا۔ اس طرح اس کی سلطنت بخارا سے متھرا اور کاشغر سے دریائے نربدا تک پھیل گئی۔ جس میں ہرات کابل۔ قندھار۔ بلوچستان۔ یارقند۔ کاشغر۔ ختن۔ بخارا۔ پنجاب۔ سندھ۔ کشمیر۔ گجرات اور مالوہ کا کچھ حصہ شامل تھا کنشک اپنی سلطنت کو اور بھی وسیع کرتا۔ مگر ارا کین سلطنت نے اس کی آئے دن کی مہمات سے تنگ آ کر اسے ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا۔

بدھ دھرم کی ترقی

کنشک بدھ دھرم کا سرگرم پیرو تھا۔ اس نے اشاعتِ مذہب میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ اور مختلف ممالک میں بدھ دھرم کے پرچار کے لئے پرچارک روانہ کئے۔ چنانچہ اس کی سعی و کوشش سے بدھ مت، تبت۔ چین اور منگولیا میں بھی پھیل گیا۔ مہاراجہ اشوک کی طرح کنشک نے بھی وادیٔ کشمیر میں بدھ علماء کی ایک مجلس منعقد کرائی۔ یہ چوتھی مجلس کہلاتی ہے۔ اس کے عہدِ حکومت میں بدھ مت دو فرقوں میں منقسم ہو گیا۔ جو ہین یان اور مہایان کے نام سے مشہور ہیں۔ ہین یان فرقہ کے لوگ پرانے اصولوں کے پابند اور مورتیوں کی پرستش کے خلاف تھے۔ مگر نیا فرقہ مہایان مورتی پوجا کا قائل تھا۔ اس نے مہاتما بدھ کو اوتار مان کر اس کی مورتی کی پرستش شروع کر دی تھی اس طرح اس نے ہندو دھرم کے بہت سے اصول جذب

کر لئے تھے۔ کنشک بھی نئے فرقہ مہایان کا پیرو تھا۔

علم و ادب کی ترقی

کنشک ایک زبردست فاتح ہی نہیں تھا۔ بلکہ علم دوست اور علم پرور بھی تھا۔ اس کے زمانے میں مختلف علوم و فنون کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اس نے ٹیکسلا میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی قائم کی۔ چرک وید نے جو شاہی حکیم تھا۔ فن جراحی پر چرک شاستر نامی کتاب لکھی۔ اس کتاب میں ایسے آلات کا ذکر ہے۔ جو بال جیسی باریک اشیاء کو چیر سکتے ہیں۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے عالم فاضل ہر وقت موجود رہتے تھے۔ جن میں سے اشو گھوش۔ ناگ راجن۔ وشومتر کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ کنشک نے اپنا سمت بھی جاری کیا۔ جو شاکا سمت کہلاتا ہے۔

کنشک کی عمارتیں

کنشک کو فن تعمیر اور سنگ تراشی سے بھی بہت دل چسپی تھی اس نے متھرا اور ٹیکسلا میں کئی خوبصورت عمارتیں بنوائیں۔ کشمیر میں ایک شہر بسایا۔ اپنے پایۂ تخت پرش پورہ میں مہاتما بدھ کی ہڈیوں پر ایک سٹوپا بنوایا۔ جس کے ساتھ چار سو فٹ بلند ایک مینار بھی تھا۔ اس کے زمانہ میں گندھار کے فن سنگ تراشی کو بہت عروج حاصل ہوا۔ اس زمانے کی بنی ہوئی مورتیاں اب بھی لاہور اور پشاور کے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ جو سنگ تراشی کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔

گپت خاندان

کشن خاندان کے زوال کے بعد ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان ریاستوں کے حکمرانوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہ ہو سکا۔ جو ایک زبردست سلطنت کی بنیاد ڈالتا۔ تقریباً سو سال یہی حال رہا۔ آخر ۳۲۰ء میں مگدھ دیس کے ایک راجہ چندر گپت نامی نے گپت خاندان کی بنیاد ڈالی۔ ہندوستان کی تاریخ میں گپت خاندان کا دورِ حکومت بہت شہرت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں ہندوستان نے سیاسی۔ تجارتی۔ فنی اور علمی لحاظ سے قابلِ رشک ترقی کی یہی وجہ ہے کہ اس عہد کو ہندو تاریخ کا سنہری زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔ سمندر گپت اور چندر گپت بکرماجیت، اس خاندان کے بہت مشہور بادشاہ ہوئے ہیں۔

چندر گپت

گپت خاندان کا بانی چندر گپت شروع میں ایک چھوٹی سی ریاست کا راجہ تھا۔ لچھاوی خاندان کی ایک شہزادی کمار دیوی سے شادی ہونے کی وجہ سے اس کی طاقت بڑھ گئی۔ چنانچہ اس خاندان کی مدد سے پہلے اس نے پاٹلی پتر پر قبضہ کیا اور اس کے بعد اس نے جنوبی بہار اودھ اور ترہٹ کے علاقے بھی فتح کر لئے۔ ۳۲۰ء میں اس نے بڑی دھوم دھام سے

تاج پوشی کی رسم ادا کی اور اپنے نام کا ایک نیا سمت جاری کیا۔ جو گپت سمت کہلاتا ہے۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا سمندر گپت تخت پر بیٹھا۔

سمندر گپت
۳۳۰ء سے ۳۷۵ء

سمندر گپت ۳۳۰ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ زبردست فاتح منتظم اور مدبّر تھا۔ ہندو راجاؤں میں اسے بہت ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ اس نے جنگ و جدل میں بہت حصہ لیا۔ اور تقریباً سارے ہندوستان کو فتح کیا۔ انگریز مؤرخ اسے انڈین نپولین کہتے ہیں۔

فتوحات

۱۔ سب سے پہلے دریائے گنگا کی وادی کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔

۲۔ اس کے بعد وسط ہند اور اڑیسہ کی جنگلی قوموں کی سرکوبی کی۔

۳۔ ادھر سے فارغ ہو کر اس نے دکن پر فوج کشی کی اور دو سال کے عرصہ میں بہت سے راجاؤں کو مطیع کر کے ان کو باجگزار بنایا۔ دکن کی فتح اس کے عہد کا زرین کارنامہ ہے۔

۴۔ اس کی شان و شوکت اور فتوحات سے متاثر ہو کر اکثر ریاستوں آسام۔ نیپال وغیرہ نے خود بخود اس کی اطاعت قبول کر لی اور لنکا۔ افغانستان۔ ترکستان کے حکمرانوں نے اس کے ساتھ دوستانہ عہد نامے بھی کئے۔

ان قابلِ قدر فتوحات کی یادگار میں سمدر گپت نے اشومیدھ یگیہ کیا اور مہاراجہ ادھیراج کا لقب اختیار کیا۔

وسعتِ سلطنت

سمدر گپت کی سلطنت دریائے برہم پتر سے چمبل تک اور نیپال سے نربدا تک پھیل گئی۔ اس کے علاوہ دکن کے کئی راجے اسے خراج ادا کرتے تھے۔

ذاتی خصائل

سمدر گپت جہاں بہادر جرنیل اور زبردست فاتح تھا۔ وہاں انتظامی قابلیت اور مختلف علوم و فنون میں بھی غیر معمولی لیاقت کا مالک تھا۔ اسے سیر و شکار اور گانے بجانے کا بہت شوق تھا۔ وہ عالم فاضل اور بلند خیال بھی تھا۔ گو خود پکا ہندو تھا مگر دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتا تھا۔

چندرگپت بکرماجیت ۳۷۵ سے ۴۱۳ء تک

سمدر گپت کے بعد اس کا بیٹا چندرگپت دوم تخت پر بیٹھا جس نے بکرماجیت کا لقب اختیار کیا۔ بکرماجیت کے معنی 'سورج کی طاقت والا' ہیں۔ کیونکہ یہ بڑا بہادر۔ شہ زور اور بلند ہمت بادشاہ تھا۔

فتوحات

اس نے مالوہ۔ کاٹھیاواڑ اور گجرات کے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کئے۔ ان فتوحات سے چندرگپت کی حکومت بحیرۂ عرب تک پھیل گئی۔ اور کئی بندرگاہوں پر قبضہ ہو جانے سے مغربی ممالک سے تجارت بہت بڑھ گئی۔ جس سے ملک خوش حال ہو گیا۔ سلطنت کی وسعت کو مدّنظر رکھتے ہوئے

اس نے پاٹلی پتر کے بجائے اجودھیا اپنا پایۂ تخت مقرر کیا۔

ذاتی اوصاف | چندر گپت ثانی بہادر اور شہ زور ہونے کے علاوہ بڑا منصف مزاج۔ رعایا پرور اور نیک طبیعت حکمران تھا۔ اپنی رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لئے اکثر بھیس بدل کر راتوں کو چکر لگایا کرتا تھا۔ وہ خود عالم تھا اور عالموں کا قدردان تھا۔ اس کا دربار علماء۔ فضلاء اور ماہرین فن کا مرکز تھا۔ ان عالموں میں سے نو بہت مشہور تھے۔ جنہیں نو رتن کہا جاتا ہے۔ ان میں سے پانچ جن کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ حسب ذیل تھے:۔

۱۔ کالی داس | سنسکرت زبان کا نہایت اچھا ڈرامہ نویس اور شاعر تھا۔ اسے ادبی قابلیت کی وجہ سے ہندوستان کا شکسپیئر کہتے ہیں۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں:۔
شکنتلا اس کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ دھنونتری | علمِ طب اور جراحی کا ماہرِ کامل تھا۔

۳۔ وراہ مہر | اسے جوتش اور نجوم میں بہت دسترس حاصل تھی۔ ان علوم پر اس نے کتابیں بھی لکھی ہیں۔

۴۔ امر سنگھ | یہ سنسکرت زبان کا بہت بڑا عالم تھا۔ سنسکرت کی مشہور لغات 'امر کوش' اسی کی لکھی ہوئی ہے۔

۵۔ ورچی | اس نے پراکرت زبان کی گرامر لکھی ہے۔

فاہیان یہ چینی سیاح تھا جو چندر گپت بکرماجیت کے عہدِ حکومت میں ہندوستان میں آیا۔ اس کا مقصد بدھ مذہب کے متبرک مقامات کی زیارت کرنا اور بدھ دھرم کی مذہبی کتب مہیا کرنا تھا۔ وہ تقریباً چھ سال (۴۰۵ء سے ۴۱۱ء تک) ہندوستان میں رہا۔ اس نے اپنے سفرنامے میں ہندوستان کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہ سفرنامہ اس زمانے کا معتبر تاریخی ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ فاہیان نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

انتظامِ سلطنت فاہیان لکھتا ہے کہ بادشاہ ایک کونسل کی مدد سے حکومت کرتا تھا قانون عام طور پر نرم تھے۔ اکثر جرموں کی سزا صرف جرمانہ تھی۔ سنگین جرموں اور عادی مجرموں کے لئے ہاتھ، پاؤں کاٹنے اور موت کی سزا دی جاتی تھی۔ ملک میں امن و امان تھا۔ مسافر خطرے سے محفوظ تھے۔ ان کے لئے سڑکیں اور سرائیں بنی ہوئی تھیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے لئے بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے تھے۔ پاٹلی پتر کے شفاخانے میں بیماروں کو دوائی کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی مفت دیا جاتا تھا۔ ملک میں جا بجا اپاہجوں کے لئے محتاج خانے بنے ہوئے تھے۔ پاٹلی پتر کا شہر تعلیم اور تجارت کا بھاری مرکز تھا۔ مگر رعایا پر ناجائز ٹیکس نہیں لگائے جاتے تھے۔ حکومت کی آمدنی کا بڑا ذریعہ زمین کا لگان تھا جو کل پیداوار کے $\frac{1}{4}$ حصے کے برابر ہوتا تھا۔

سرکاری ملازموں کو نقد تنخواہ ملتی تھی۔ حکومت لوگوں کے ذاتی معاملات میں بہت کم دخل دیتی تھی۔ غرضیکہ رعایا ہر طرح خوش حال تھی۔ اور ملک دولت سے مالا مال۔

مذہبی حالت

بادشاہ اگرچہ ہندو دھرم کا پیرو تھا۔ تاہم مذہبی معاملات میں ہر طرح سے آزادی حاصل تھی۔ بادشاہ کی اس رواداری کے اثر سے مختلف مذاہب کے لوگ آپس میں صلح د امن سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بادشاہ کی طرف سے بدھ اور جین بھکشوؤں کی پوری پوری حفاظت کی جاتی تھی۔ ملک میں جا بجا بدھوں کے وہار اور خانقاہیں تھیں۔

مجلسی حالت

فاہیان کے قول کے مطابق اس زمانے کے لوگ نیکی اور راست بازی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اہنسا کے اصول پر کاربند تھے۔ گوشت شراب حتیٰ کہ لہسن۔ پیاز سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ چنڈال لوگ شہر کے باہر رہتے تھے۔ اور شہر میں آنے وقت لوگوں کو اپنی آمد کا پتہ دیتے تھے۔ تاکہ لوگ ان سے چھو کر ناپاک نہ ہو جائیں۔

ہندوؤں کا سنہری زمانہ

گپت خاندان کے عہدِ حکومت کو ہندو تاریخ کا سنہری زمانہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس عہد میں ہندوؤں نے تہذیب و تمدن۔ علم و فضل۔ فنونِ لطیفہ۔ غرضیکہ ہر پہلو سے انتہائی عروج حاصل کیا۔ رعایا کو جو خوش حالی اور فارغ البالی اس دور میں نصیب تھی۔ اس سے پہلے کبھی

نہیں ہوئی تھی۔ اس عہد کی چند ایک خصوصیات حسب ذیل ہیں :-

۱۔ ہندوؤں کی ترقی

گپت خاندان کے تمام بادشاہوں کا مذہب ہندو تھا۔ اس نے ہندو مذہب کو جو بدھ مت کے عروج کے زمانے میں کمزور ہو گیا تھا۔ از سر نو ترقی دی۔ جا بجا مندر اور شوالے تعمیر کئے گئے۔ مورتی پوجا کا رواج بڑھ گیا۔ بدھ مت کے کئی اصول ہندو دھرم میں داخل کئے گئے۔ راج مت ہونے کی وجہ سے ہندو دھرم نے دوبارہ فروغ حاصل کیا۔ اور بدھ مت کو آہستہ آہستہ زوال آنا شروع ہوا۔

۲۔ سنسکرت کی ترقی

گپت خاندان کے عہد میں سنسکرت زبان کی قسمت پھر چمکی۔ یہ شاہی زبان قرار پائی۔ قانونی کتب اسی زبان میں لکھی گئیں اس کے علاوہ مختلف علوم و فنون کی کتب بھی سنسکرت میں تصنیف ہوئیں۔ جن سے مشہور شاعر اور ڈرامہ نویس کالیداس کی تصنیفات خاص طور پر مشہور ہیں۔ مزید برآں پران۔ مہابھارت اور منوسمرتی وغیرہ کتابیں اپنی موجودہ صورت میں اسی زمانہ میں ترتیب دی گئیں۔ غرضیکہ سنسکرت لٹریچر میں بیش بہا اور قابلِ قدر اضافہ ہوا۔

۳۔ اشاعتِ تعلیم

اس زمانہ میں ٹیکسلا۔ اجنٹا۔ سارناتھ اور نالندہ کی مشہور یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ جہاں بیرونی ممالک سے بھی طلبا حصولِ تعلیم کی غرض سے آتے تھے۔ جن کے اخراجات کا بار شاہی خزانہ

پر ڈالا جاتا تھا۔

۴۔ مختلف علوم کی ترقی

ریاضی۔ نجوم اور جوتش کے علوم کو بھی اس دور میں ترقی حاصل ہوئی۔ اس زمانہ کے تین ریاضی دان اور منجم مشہور ہیں۔ آریہ بھٹ۔ وراہ مہر۔ برہم گپت۔

۵۔ فنونِ لطیفہ میں ترقی

اس زمانہ میں موسیقی۔ نقاشی سنگ تراشی۔ مصوری اور فن تعمیر کو بھی بہت فروغ حاصل ہوا۔ اگرچہ زمانہ کے انقلاب کی وجہ سے اس زمانہ کی تمام یادگاریں باقی نہیں۔ مگر جو ابھی تک موجود ہیں۔ فنی لحاظ سے ان کا پایہ بہت بلند ہے ایجنٹا واقع حیدرآباد کی گپھائیں اور دہلی میں لوہے کی بے جوڑ لاٹھ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ راجاؤں کو سکے بنانے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ سمدر گپت اور چندر گپت کے عہد کے سکے اب بھی عجائب گھروں میں موجود ہیں۔

۶۔ تجارت کی ترقی

اس زمانے میں دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات بھی قائم ہوئے۔ تبت۔ ترکستان۔ رُوما اور دوسرے یورپی ممالک سے تجارتی سلسلہ قائم تھا۔ جن سے ملک کی خوش حالی میں خاطرخواہ اضافہ ہوا۔

۷۔ نئی بستیاں

اس زمانہ میں ہندوستان کے باشندے بیرونی ممالک میں بھی گئے اور انہوں نے جاوا۔ سماٹرا۔ کمبوڈیا وغیرہ میں نئی بستیاں بسائیں۔ جہاں

ہندوستانی تہذیب و تمدن کو کافی فروغ حاصل ہؤا۔

ہن قوم کا حملہ ہن وسط ایشیا کی ایک خانہ بدوش قوم تھی جو بڑی خونخوار، بے رحم اور قتل و غارت میں خوب مشاق تھی۔ پانچویں صدی کے نصف میں گپت خاندان کے بادشاہ سکندر گپت کے عہد میں سفید ہنوں نے پہلی دفعہ ہندوستان پر حملہ اور لوٹ کھسوٹ کا میدان گرم کیا۔ مگر سکندر گپت نے انہیں شکست فاش دے کر واپس لوٹا دیا۔ لیکن اس شکست کے چند سال بعد وہ متواتر حملے کرنے لگے۔

حتیٰ کہ ان کے سردار تورمان نے گپت سلطنت کو مغلوب کر کے پنجاب۔ راجپوتانہ، سندھ پر قبضہ کر لیا۔ اور مہاراجہ ادھیراج کا لقب اختیار کیا۔ ۵۰۲ء میں تورمان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مہر گل تخت پر بیٹھا۔ اس کی سلطنت کا پایۂ تخت ساکلا تھا۔ جسے اب سیالکوٹ کہتے ہیں۔ مہرگل ظلم و ستم میں اپنے باپ سے بھی بڑھا ہؤا تھا چنانچہ بدھ بھکشوؤں کو اس نے بالکل تباہ کر دیا۔ وہ جس طرف سے گزرتا تھا۔ خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں۔ آخر رعایا نے اس کے بے پناہ مظالم سے تنگ آ کر اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ مالوہ اور مگدھ کے راجاؤں نے مل کر ۵۲۸ء میں اسے ملتان کے نزدیک شکست دی۔ اور اسے کشمیر کی طرف بھگا دیا۔ جہاں اس نے راجہ کو قتل کر کے خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور آخرکار ۵۴۰ء میں وہیں مر گیا۔ اس کی موت کے ساتھ

ہی ہندوستان میں ہُنوں کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔

حملہ کا اثر ۱۔ ہن قوم کے حملے گپت خاندان کے زوال کا باعث بنے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سلطنت کئی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹ گئی۔

۲۔ ہُن قوم کے اکثر افراد نے ہندو مذہب قبول کر کے ہندوستان میں مستقل رہائش اختیار کی۔ کئی راجپوت خاندان ان ہنوں کی اولاد ہیں۔

ہرش وردھن

۶۰۶ء سے ۶۴۷ء تک

گپت خاندان کے خاتمہ پر ہندوستان میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ایک سو سال کے قریب یہی حال رہا۔ آخر ساتویں صدی کے شروع میں تھانیسر کے راجہ پربھاکر وردھن کے لڑکے راجہ ہرش وردھن نے ان ریاستوں کو فتح کر کے ایک زبردست مرکزی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ہرش کے حالات دو کتابوں میں ملتے ہیں۔ ایک ہرش چرتر میں جو اس کے درباری شاعر بان بھٹ نے لکھی تھی اور دوسری کتاب مشہور چینی سیاح ہیون سانگ کا سفرنامہ ہے اگر یہ کتابیں نہ ہوتیں تو ممکن تھا۔ کہ اس بادشاہ کے عہد کے حالات تاریکی میں رہتے۔

ہرش وردھن

۶۰۶ء سے ۶۴۷ء تک

ہرش وردھن شمالی ہندوستان کا آخری زبردست ہندو راجہ تھا۔ اس نے ایک زبردست حکومت قائم کر کے چالیس سال ہندوستان پر راج کیا۔ یہ پربھاکر وردھن والئی تھانیسر کا چھوٹا بیٹا تھا۔ پربھاکر وردھن کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا راجیہ وردھن تخت نشین ہؤا۔ اسے تخت نشین ہوتے ہی مالوہ کے راجہ پر چڑھائی کرنی پڑی۔ کیونکہ مالوہ کے راجہ نے اس کے بہنوئی والئی قنوج کو قتل کر کے اس کی بہن راجیشری کو قید کر لیا تھا۔ راجیہ وردھن نے مالوہ کے ہن راجہ کو تو شکست دی۔ لیکن آخرکار اسی کے دھوکہ میں آ کر اپنے دوست سالنگ والئی بنگال کے ہاتھوں مارا گیا۔ بڑے بھائی کے اس طرح قتل ہو جانے پر ۶۰۶ء میں ہرش وردھن جس کی عمر اس وقت سولہ سترہ سال کے لگ بھگ تھی۔ تخت پر بیٹھا۔

فتوحات

ہرش نے بادشاہ بنتے ہی اپنی بہن کو قید سے چھڑانے اور اپنے مقتول بھائی کا انتقام لینے کے لئے بنگال اور مالوہ پر چڑھائی کی۔ اور اس کو شکست دے کر بنگال پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کے بعد وہ متواتر چھ سال تک جنگ و جدل میں مصروف رہا اور پنجاب۔ کشمیر۔ سندھ اور راجپوتانہ کے سوا باقی تمام شمالی ہندوستان کو بنگال سے لے کر گجرات کاٹھیاواڑ تک اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس نے تھانیسر کے بجائے قنوج کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔

ہرش کی شکست

۶۲۰ء میں ہرش نے دریائے نربدا کو عبور کر کے سمدر گپت کی طرح دکن فتح کرنے کی کوشش کی۔ لیکن چالوکیہ خاندان کے راجہ پلی کیشن نے اسے شکست دی۔

ہرش کا مذہب

شروع میں تو ہرش ہندو مت کا پیرو تھا۔ لیکن بعد میں اس نے بدھ دھرم اختیار کر لیا۔ تاہم تبدیل مذہب کے باوجود وہ دیوی دیوتاؤں۔ شوجی وغیرہ اور سورج کی پرستش کرتا رہا دراصل مذہبی معاملہ میں وہ روادار تھا۔ سب مذہبوں کی عزت کرتا تھا۔ اور ہر پانچویں سال کے خاتمہ پر اپنا تمام خزانہ غریبوں اور محتاجوں کو بلا تمیز مذہب و ملت بانٹ دیا کرتا تھا۔

ہرش کی علم پروری

ہرش خود عالم تھا اور اہلِ قلم کا بہت قدردان تھا۔ اس نے خود سنسکرت زبان میں تین ڈرامے اور ایک گرامر تصنیف کی۔ اس کے وزیر پنڈت بان نے مہاراجہ کی سوانح عمری ہرش چرتر کے نام سے لکھی۔ جو اس زمانے کی تاریخ کا مستند ماخذ ہے۔ اس نے متھرا۔ اجین اور بنارس اور نالندہ میں تعلیمی درس گاہیں جاری کیں۔ نالندہ کی یونیورسٹی خاص طور پر مشہور تھی۔

ہیون سانگ
۶۳۰ء سے ۶۴۴ء تک

ہیون سانگ ایک چینی سیاح تھا۔ وہ بدھ مذہب کا زبردست عالم تھا چنانچہ یہ ہرش کے عہدِ حکومت میں مقدس مقامات کی زیارت اور بدھ مت کی کتابوں کی

تلاش میں ہندوستان آیا۔ اور تقریباً ۱۵ سال اس ملک کی سیر و سیاحت اور بدھ لٹریچر کے مطالعہ میں مصروف رہا۔ اس نے ہرش کے عہدِ حکومت کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

ہرش کا انتظامِ سلطنت

بادشاہ گو خود مختار تھا۔ مگر اہم معاملات میں صلاح مشورہ کے لئے کونسل مقرر تھی۔ بادشاہ سلطنت کے تمام کاموں کی نگرانی خود کرتا تھا۔

اس مطلب کے لئے برسات کے موسم کو چھوڑ کر باقی عرصہ ملک کا دَورہ کرتا تھا۔ لگان پیداوار کا چھٹا حصّہ مقرر تھا۔ اور عام ٹیکس بہت کم تھے۔ فوجداری قانون گُپت راجاؤں سے زیادہ سخت تھے۔ سنگین جرائم کی سزا میں ہاتھ پاؤں۔ ناک اور کان کاٹ دیئے جاتے تھے سڑکیں محفوظ تھیں اور ان پر مسافروں کے آرام کے لئے درخت مسافرخانے اور سرائیں موجود تھیں۔ ملک پر جابجا خیراتی ہسپتال بنے ہوئے تھے۔ پایۂ تخت قنوج تجارت کا مرکز اور بارونق شہر تھا۔ تجارت ترقی پر تھی۔ لوگ خوشحال اور امن پسند تھے۔

تعلیمی ترقی

راجہ ہرش کا عہد تعلیمی ترقی کے لئے بہت مشہور ہے۔ اس کی نالندہ یونیورسٹی میں دس ہزار طلباء تعلیم پاتے تھے۔ جن کو پڑھانے کے لئے پندرہ سو پروفیسر مقرر تھے۔ جن کا تمام خرچ شاہی خزانہ سے دیا جاتا تھا۔ ذریعہ تعلیم سنسکرت تھا ہندوستان

کے علاوہ تبت ۔ چین اور ترکستان کے طالب علم بھی یہاں تعلیم پاتے تھے۔

مجلسی حالت
لوگ تعلیم یافتہ ۔ راست باز اور نیک تھے برہمن اور کھشتری پاکیزہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر شودروں کو سوسائٹی میں کوئی درجہ حاصل نہ تھا وہ شہر کی چار دیواری سے باہر رہتے تھے۔ بچپن کی شادی اور پردہ کا رواج نہ تھا۔ ستی کی رسم جاری تھی۔ گوشت کے استعمال کی ممانعت تھی۔

مذہبی حالت
مہاراجہ ہرش بدھ دھرم کا پیرو تھا۔ مگر بدھ مذہب کو آہستہ آہستہ زوال آ رہا تھا۔ اور ہندو دھرم ترقی پر تھا۔ لوگوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔

قنوج کا جلسہ
ہیون سانگ کی آمد پر ہرش نے اپنے پایۂ تخت قنوج میں علماء کا ایک جلسہ منعقد کرایا۔ جس کا مقصد بدھ مت کے اصولوں کا تصفیہ تھا۔ اس جلسے کا صدر ہیون سانگ تھا اور اس میں کئی راجے ۔ مہاراجے ۔ بے شمار عالم اور ہزارہا لوگوں نے شرکت کی۔ یہ جلسہ متواتر ۱۸ دن تک ہوتا رہا۔

کمارل بھٹ
کمارل بھٹ آٹھویں صدی میں ہندو مذہب کا مشہور پرچارک ہؤا ہے ۔ وہ اجین میں رہا کرتا تھا۔ اس نے تمام ہندوستان میں دورہ کر کے ویدوں کی تعلیم دی۔ بدھ مت اور جین مت کے عالموں سے بحث کر کے ان کو نیچا دکھایا۔ جس سے ہزاروں

لوگ ہندو دھرم کے پیرو ہو گئے۔

شنکر آچاریہ شنکر اچاریہ ۷۸۸ء میں مالابار کے ایک برہمن کے ہاں پیدا ہوا۔ وہ زبردست عالم۔ باکمال مصنف اور کامیاب لیکچرار تھا۔ اس نے اپنی تمام زندگی ہندو دھرم کی اشاعت میں گزار دی۔ تمام ہندوستان کا دورہ کیا۔ مباحثوں میں بدھ عالموں کو شکست دے کر ہندو مت کو فروغ دیا۔ اس نے ہندو دھرم کے پرچار کے لئے جگن ناتھ پوری۔ دوارکا۔ بدری ناتھ شرنگری (میسور) میں چار مٹھ قائم کئے۔ اس کی سعی و کوشش کی وجہ سے ہندو دھرم کو عروج اور بدھ مت و جین مت کو زوال آیا۔ اس نے ۸۲۰ء میں ۳۲ سال کی عمر میں کدار ناتھ واقع کشمیر میں وفات پائی۔

راجپوتوں کا زمانہ

۶۶۵۰ سے ۶۱۲۰۶ تک

مہاراجہ ہرش کی وفات کے بعد ہندوستان میں بدنظمی اور ابتری پھیل گئی اور اس کی وسیع سلطنت مختلف حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔ راجپوتوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر تقریباً تمام شمالی ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ اور چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں قائم کر لیں۔

ان کی حکومت کا یہ سلسلہ تقریباً ساڑھے پانچ سو سال تک جاری رہا۔ تاریخ میں یہ عہد راجپوتوں کا زمانہ کہلاتا ہے۔

راجپوتوں کا آغاز

راجپوتوں کے آغاز کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔

۱۔ راجپوت کے لفظی معنی ہیں راجہ کا بیٹا۔ اس بنا پر راجپوتوں کا دعویٰ ہے کہ وہ قدیم آریوں کی اولاد ہیں اور ان کا شجرہ نسب سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان سے جا ملتا ہے۔ عام ہندو اس دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ یورپ کے محققین کا خیال ہے کہ راجپوتوں کو سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ دراصل یہ پارتھی۔ یوچی۔ ہن۔ شاک اور گوجر

وغیرہ ان بیرونی حملہ آور قوموں کی اولاد ہیں - جو ہندو دھرم اختیار کر کے ہندوستان میں آباد ہو گئے۔

۳- بعض یورپین مؤرخ یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ بندھیل کھنڈ کے چندیل راجپوت اور بعض دوسرے خاندان اصلی باشندوں کی نسل سے ہیں - چونکہ یہ لوگ بڑے بہادر اور لڑاکے تھے۔ اس لئے برہمنوں نے بدھ مذہب کو زوال دینے کی خاطر ان لوگوں کو ساتھ ملا لیا اور ان کی بہادری سے خاطرخواہ فائدہ اٹھایا۔

۴- اگنی کل راجپوت

بعض راجپوت اپنے تئیں اگنی کل راجپوت کہلاتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے بزرگ آبو پہاڑ پر ایک اگنی کنڈ سے پیدا ہوئے تھے۔ ہندوؤں کی بعض کتابوں میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب پرس رام نے کشتری قوم کو تباہ کر دیا اور برہمنوں کا کوئی محافظ باقی نہ رہا۔ تو چند بزرگ برہمنوں نے کوہ آبو پر پہنچ کر ایک اگنی کنڈ تیار کیا اور اپنی حفاظت کے لئے دعا مانگی۔ چنانچہ اس اگنی کنڈ سے چار سورما پیدا ہوئے جنہوں نے چار راجپوت خاندانوں

۱- پرمار ۲- پریہارہ ۳- چوہان ۴- چالوکیہ

کی بنیاد ڈالی اور ان کی نسل اگنی کل راجپوت کہلائی۔ مگر ایسی بے سروپا کہانیوں کو مؤرخ بھلا کب تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی وہ انہیں تاریخی حیثیت دے

سکتے ہیں البتہ اس کہانی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب ہندوؤں کو احساس ہوا کہ ہماری فوجی طاقت ختم ہو چکی ہے تو انہوں نے غیر ہندو جنگ جو قوموں کو ملشدھ کرنے کے لئے آگ جلانے کا سوانگ رچایا اور ان کی تیغ زنی سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا۔

راجپوتوں کے قومی خصائل

راجپوت فطرتاً شجاع۔ غیرت مند اور پابندِ وعدہ تھے۔ اپنی عزت کی خاطر جان تک کی پروا نہ کرتے تھے۔ میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھانا ان کی غیرت کے سخت منافی تھا۔ عورت اور کمزور کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ انہیں جنگ و جدل سے گہری دلچسپی تھی۔ مگر کسی پر چھپ کر وار کرنا یا ناجائز طریقے سے غلبہ حاصل کرنا ان کے قانونِ جنگ کے خلاف تھا۔ قول و فعل کے پکے اور آزادی و خودداری کے دلدادہ تھے۔ راجپوت عورتیں بھی بہت بہادر تھیں۔ انہیں اپنی عزت و ناموس کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ ان کی شوہر پرستی بھی بہت مشہور تھی۔ وہ اپنی عزت کی خاطر زندہ چتاؤں میں جل جاتی تھیں۔ تاریخ میں اس رسم کو جوہر کہتے ہیں۔ راجپوتوں میں بعض نقائص بھی تھے وہ بہت مغرور اور خود پسند تھے۔ اور دوسرے کو کبھی اپنے سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔ چونکہ ان میں حسد و نفاق بہت تھا۔ اس لئے اکثر آپس ہی میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان میں کوئی زبردست

مرکزی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں وہ دختر کشی اور افیون خوری کے بھی عادی تھے۔

راجپوت کیوں سلطنت قائم نہ کر سکے

۱۔ راجپوت بلاشبہ بڑے بہادر اور جنگ جو تھے۔ مگر سیاست سے بالکل بے بہرہ تھے۔

۲۔ ان میں تکبر۔ غرور اور خود پسندی بہت تھی۔ کسی راجپوت کو بھی اپنے تئیں دوسروں سے کمتر سمجھنا گوارا نہ تھا۔ اس لئے ایک خاندان دوسرے کے ماتحت رہنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔

۳۔ راجپوتوں میں اتحاد و اتفاق بالکل نہ تھا اکثر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور بیرونی دشمن کے مقابلہ میں اکٹھے نہ ہو سکتے تھے۔

۴۔ خانگی معاملات ملکی شکل اختیار کر لیتے تھے پرتھی راج کی باہمی دشمنی اور حسد راجپوتوں کی تباہی کا موجب بنی اور یکے بعد دیگرے ان کی سلطنتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

راجپوت ریاستیں

مسلمانوں کے حملہ کے وقت شمالی ہندوستان میں راجپوتوں کی بہت سی ریاستیں قائم تھیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:۔

۱۔ دہلی: دہلی میں تنوار یا تومار خاندان حکمران تھا۔ جس کی بنیاد اننگ پال نے ڈالی تھی۔ اننگ پال

ثانی اس خاندان کا آخری راجہ تھا۔ اس کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ صرف دو لڑکیاں تھیں۔ ایک قنوج کے راجہ سے اور دوسری والئی اجمیر سے بیاہی ہوئی تھی۔ اننگ پال نے مرتے وقت دہلی کی سلطنت اپنے نواسے پرتھی راج والئے اجمیر کے سپرد کر دی۔

۲۔ **اجمیر**: اجمیر میں چوہان راجپوتوں کی حکومت تھی اس کا مشہور راجہ پرتھی راج تھا۔ دہلی کی ریاست اسے اپنے نانا اننگ پال سے ملی تھی۔ پرتھی راج بڑا بہادر اور زبردست حکمران تھا۔ اس نے ۱۱۹۱ء میں تراوڑی کے مقام پر محمد غوری کو شکست دی لیکن ۱۱۹۳ء میں اسی کے ہاتھوں شکست کھا کر قتل ہوا اس طرح دہلی اور اجمیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

۳۔ **قنوج**: قنوج پر راٹھور خاندان قابض تھا۔ راجہ جے چند اس خاندان کا آخری راجہ تھا۔ جو اننگ پال ثانی کا نواسہ تھا۔ دہلی کی سلطنت پرتھی راج کو ملنے کی وجہ سے یہ اس سے عداوت رکھتا تھا۔ جے چند نے اپنی بیٹی سنجوگتا کا سوئمبر رچایا۔ تو پرتھی راج بھری سبھا میں اس کو اٹھا کر لے گیا اور لڑتا بھڑتا صحیح سلامت دہلی جا پہنچا۔ اس لئے یہ عداوت اور بھی بڑھ گئی۔ کہتے ہیں کہ جے چند ہی نے محمد غوری کو پرتھی راج پر حملہ کی دعوت دی تھی مگر ۱۱۹۴ء میں خود جے چند بھی اسی کے ہاتھوں شکست کھا

کر قتل ہؤا۔ اس طرح قنوج پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

۴۔ کشمیر: بارھویں صدی میں یہاں جے سنگھ نامی ایک راجہ کی حکومت تھی۔ اس کے عہد میں پنڈت کلہن نے کشمیر کی مشہور تاریخ راج ترنگنی لکھی۔ چودھویں صدی میں مسلمانوں نے اس ریاست پر قبضہ کر لیا۔

۵۔ گجرات: شروع میں گجرات پر گوجر خاندان حکمران تھے۔ بعد میں یہاں بھی راجپوتوں کی حکومت ہو گئی۔ انھلواڑہ ان کا صدر مقام تھا۔ ۱۲۹۸ء میں علاؤالدین خلجی نے اس ریاست پر قبضہ کر لیا۔

۶۔ بنگال بہار: آٹھویں صدی میں بنگال پال خاندان کے ماتحت تھا۔ بعد ازاں سین خاندان حکمران ہؤا۔ بلال سین اس خاندان کا مشہور راجہ ہؤا ہے۔ ندیا اس زمانے میں راجدھانی اور مشہور شہر تھا۔ بختیار خلجی نے ان کو مطیع کر کے بہار بنگال کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔

۷۔ مالوہ: مالوہ میں پرمار خاندان حکمران تھا۔ منج اور بھوج اس خاندان کے مشہور راجے تھے۔ دھارا نگری ان کا پایۂ تخت تھا۔ راجہ بھوج بڑا بہادر، علم دوست اور سنسکرت کا مشہور عالم تھا۔ اس نے بھوپال کے نزدیک ایک بہت بڑی جھیل بنوائی تھی۔ جو اب تک بھوج پور جھیل کے نام سے

مشہور ہے۔ ۱۰۶۰ء میں گجرات کے راجہ نے راجہ بھوج کو شکست دی۔

اس کے بعد پرمار خاندان کو زوال آ گیا۔

۸۔ **بندھیل کھنڈ**: یہاں چندیل خاندان کی حکومت تھی یہ ریاست دریائے جمنا اور نربدا کے درمیان واقع تھی۔ اس ریاست کا پایہ تخت مہوبا تھا۔ ۱۲۰۳ء میں قطب الدین ایبک نے اس ریاست کو فتح کر لیا۔

دکن کی مشہور راجپوت ریاستیں

۱۔ اندھر خاندان: اس خاندان نے دریائے مہاندی اور گوداوری کے درمیانی علاقہ پر تقریباً ساڑھے چار سو سال تک حکومت کی پیٹھان اس سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔

۲۔ **پہلو خاندان**: پہلو خاندان کی حکومت۔ مدراس۔ تنجور اور ترچناپلی کے علاقے میں قائم تھی۔ اس کا پایۂ تخت کانجی ورم تھا۔ اس عہد میں بدھوں اور جینیوں کے کئی شاندار مندر تعمیر ہوئے۔

۳۔ **چالوکیہ خاندان**: یہاں اگنی کل راجپوت حکمران تھے ان کی سلطنت دریائے نربدا اور دریائے کرشنا کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ اس خاندان کا مشہور راجہ پلی کیشی ثانی ہوا ہے۔ جس نے مہاراجہ ہرش کو شکست دی تھی۔ ہیون سانگ اسی راجہ کے عہد میں آیا تھا۔

۴۔ **یادو خاندان**: یادو خاندان کا پایۂ تخت دیوگری

تھا۔ اس خاندان کا سب سے مشہور راجہ سنگھن ہؤا ہے۔ جس کی سلطنت کوہ بندھیاچل سے دریائے کرشنا تک پھیلی ہوئی تھی۔ سری کرشن جی اسی خاندان سے تھے۔

۵۔ راشٹر کوٹ خاندان: اس خاندان کا پایۂ تخت منی کھیت تھا۔ راجہ اموگھ ورش اس خاندان کا مشہور راجہ گزرا ہے۔ جو جین مت کا پیرو اور سرپرست تھا۔ ایلورا کا خوبصورت مندر جو پہاڑ کی چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا اسی کے عہد میں تعمیر ہؤا۔

۶۔ ہوسالہ خاندان: اس خاندان کا مشہور راجہ وشنو وردھن تھا جو جین مت کا پیرو تھا۔ اس کی سلطنت مغربی گھاٹ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ملک کافور نے اس خاندان کا خاتمہ کیا۔

۷۔ پانڈیا خاندان: پانڈیا کی سلطنت دکن کے انتہائے جنوب میں واقع تھی۔ ان کا پایۂ تخت مدورا ایک عالی شان شہر تھا۔ یہ ریاست تجارت کا مرکز تھی۔ خاص کر موتیوں کی تجارت کے لئے بہت مشہور تھی۔ ۱۳۱۰ء میں ملک کافور نے اس ریاست کا خاتمہ کر دیا۔

۸۔ چیرا خاندان: مالابار کا علاقہ اس خاندان کے زیر حکومت تھا۔ یہ ریاست بھی موتیوں کی تجارت کے لئے مشہور تھی۔ کارور اس کا پایۂ تخت تھا۔

۹۔ چولا خاندان: دریائے نلور سے کورگ تک اس خاندان کی حکومت تھی۔ راجہ راج دیو اس خاندان کا سب

سے مشہور راجہ تھا۔ چودھویں صدی میں ملک کافور
نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

سوالات

۱۔ پاکستان اور ہندوستان کا حدود اربعہ مختصر طور پر بیان کرو ۔ اور بتاؤ کہ مملکتِ پاکستان کا تصور کیونکر ظہور میں آیا ۔

۲۔ واضح طور پر بیان کرو ۔ کہ ہندوستان کے طبعی خدوخال کا اس ملک کی تاریخ پر کیا اثر پڑا ہے ۔

۳۔ قدیم تاریخ ہند کے ماخذ بیان کرو ۔ اور ان کی اہمیت بھی بیان کرو ۔

۴۔ ہندوستان کی قدیمی اقوام کی بابت تم کیا جانتے ہو ؟

۵۔ آرین کون تھے ۔ ان کا وطن کون سا تھا ۔ انہوں نے وطن کیوں چھوڑا اور ہندوستان میں کب وارد ہوئے ۔

۶۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھو :۔
وید ۔ برہمن ۔ کھشتری ۔ اُپنشد ۔ چھ درشن ۔ پران ۔ منو اور اس کا مجموعہ قوانین ۔

۷۔ ہندوستان کے مسئلہ ذات پات سے تم کیا سمجھتے ہو ۔ اس کی ابتدا کیونکر ہوئی ۔ اس کے فوائد اور نقصانات بھی بیان کرو ۔

۸۔ زمانۂ شجاعت سے کیا مراد ہے ۔ رزمیہ نظموں رامائن اور مہابھارت پر مختصر نوٹ لکھو ۔

۹۔ رامائن اور مہابھارت کی مختصر کہانی بیان کرو۔

۱۰۔ رامائن اور مہابھارت آریوں کی مذہبی۔ مجلسی اور سیاسی زندگی پر کیا روشنی ڈالتی ہیں۔

۱۱۔ رامائن اور مہابھارت سے کیا اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں۔

۱۲۔ گوتم بدھ اور اس کے مت کا حال مختصر طور پر بیان کرو۔ اور بتاؤ۔ کہ بدھ مت اور ہندو مت میں کیا فرق ہے۔

۱۳۔ بدھ مت کے عروج کے اسباب بیان کرو۔ اور بتاؤ۔ کہ وہ ہندوستان میں کیوں نیست و نابود ہو گیا۔

۱۴۔ مہاویر کی زندگی اور تعلیم پر مختصر نوٹ لکھو۔ جین مت اور بدھ مت کا مقابلہ کرو۔

۱۵۔ سکندر اعظم کون تھا۔ اس کے حملے کے وقت ہندوستان کی سیاسی حالت کیا تھی۔ اس کے ہند پر حملے کا حال بیان کرو۔ اور اس کے اثرات بھی بتاؤ۔

۱۶۔ چندر گپت موریہ نے کیونکر سلطنت حاصل کی۔ نیز وہ ماخذ بیان کرو۔ جن سے ہمیں اس کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔

۱۷۔ میگستھنیز پر ایک نوٹ لکھو۔ نیز بتاؤ۔ کہ اس کی تحریروں سے ہندوستان کی حالت پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

۱۸۔ چانکیہ پر مختصر نوٹ لکھو۔

۱۹۔ اشوک کے عہد حکومت کا حال بیان کرو۔ اس نے

بدھ مت کی اشاعت کے لئے کون سے ذرائع اختیار کئے۔

۲۰۔ اشوک کے کتبوں اور ان کی تاریخی اہمیت پر ایک نوٹ لکھو۔

۲۱۔ کشن کون تھے۔ کنشک کے عہدِ حکومت خصوصاً

ا:۔ اس کی فتوحات۔

ب:۔ بدھ مت کے متعلق اس کی سرگرمیاں۔

ج:۔ اس کے عہد میں آرٹ اور تجارتی ترقی کا حال بیان کرو۔

۲۲۔ چندر گپت کے عہدِ حکومت کا مختصر حال بیان کرو۔

۲۳۔ سمدر گپت کی زندگی اور عہدِ حکومت کا حال بیان کرو

۲۴۔ چندر گپت (کرماد تیہ) کے عہدِ حکومت کا حال بیان کرو۔

۲۵۔ فاہیان کی زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔ اور بتاؤ کہ اس کی تحریروں سے ہندوستان کی حالت پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

۲۶۔ یہ کہاں تک سچ ہے کہ گپتا خاندان کا عہد ہندوستان کا سنہری زمانہ ہے۔

۲۷۔ تم ہندوستان پر ہُن قوم کے حملہ کی بابت کیا جانتے ہو۔

۲۸۔ ہرش کے عہدِ حکومت کا مفصل حال بیان کرو اور بتاؤ کہ ہیون سانگ نے ہندوستان کے متعلق کیا لکھا ہے۔

۲۹۔ راجپوتوں کے آغاز اور خصائل کی بابت تم کیا جانتے ہو۔ اسلامی حملوں کے وقت شمالی ہند میں ا ن کی

کون کون سی مشہور ریاستیں تھیں۔

۳۰۔ غیر ممالک میں ہندوستانی تہذیب اور نوآبادیوں کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔

۳۱۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھو:-

کالی داس۔	شنکر آچاریہ۔
کمارل بھٹ۔	رامانج۔
مادھو آچاریہ۔	

مُسلمانوں کا زمانہ

مُسلمانوں کا زمانہ

عرب کا مُلک اور باشندے

اب ہم تاریخ ہند کے اس دَور میں داخل ہوتے ہیں. جس کی تاریخ آئینہ کی طرح روشن ہے۔ اور وہ مسلمانوں کا زمانہ ہے۔

اسلام کا ظہور ملک عرب سے ہُوا۔ اس لئے قبل اس کے کہ ہم ہندوستان میں اسلام کی فتوحات کی تاریخ بیان کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طلوعِ اسلام کی مختصر کیفیت یہاں لکھ دیں۔ تاکہ آئندہ کے واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جزیرہ نمائے عرب جو پاکستان سے مغرب کی طرف کئی ہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اپنے محلّ وقوع کے لحاظ سے عجیب ملک ہے۔ اس زمانہ میں جب اسلام کا ظہور ہُوا۔ دنیا میں صرف تین برّاعظم معلوم تھے یعنی ایشیا۔ افریقہ اور یورپ۔ باقی امریکہ اور آسٹریلیا کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا

کہ کہاں آباد ہیں۔ عرب ان تینوں قدیم برّاعظموں کی سرحدوں پر واقع ہے۔ یعنی قدرت نے اسلام کے طلوع کے لئے ایسے ملک کا انتخاب کیا۔ جہاں سے ان تینوں برّاعظموں میں حق کی آواز یکساں طور پر آسانی سے پہنچ سکتی تھی۔ پھر ایک خصوصیت اس کو یہ بھی حاصل تھی کہ اس کے مشرق کی طرف ایران کی نہایت شاندار اور پرشکوہ سلطنت تھی۔ اور شمال کی سمت میں قیصر روم کی زبردست سلطنت اس سے ملی ہوئی تھی۔ اس وقت دنیا میں یہی دو بڑی سلطنتیں تھیں اور انہی کا رعب ساری دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ یہ دونوں عظیم الشان سلطنتیں اسلام کے زیرنگین ہو کر دنیا میں اسلام کی شوکت اور عظمت کا موجب بنیں۔ اسی لئے یہ عرب کے بالکل پاس واقع تھیں تیسری بات ان دونوں سے بھی عجیب ہے یعنی عرب میں کوئی خصوصیت ایسی نہ تھی۔ کہ اسے فتح کرنے کا خیال کسی بادشاہ کو ہوتا۔ سارا ملک چٹیل ریگستان تھا۔ اور بے آب و گیاہ پہاڑوں سے بھرا ہوا۔ نہ وہاں اناج پیدا ہو سکتا تھا۔ نہ مویشیوں کے گلّے وہاں ملتے تھے۔ نہ ندی نالے تھے۔ نہ دریا اور چشمے۔ آب و ہوا اتنی سخت اور گرم تھی۔ کہ جس وقت بادِ سموم چلتی تھی۔ تو آدمی تو آدمی، اونٹ تک مر جاتے تھے۔ ملک میں نہ دولت کی فراوانی تھی اور نہ تجارت کی گرم بازاری۔

ملک کی حالت یہ تھی اور باشندوں کی یہ کیفیت تھی۔ کہ سخت جاہل۔ وحشی اور اجڈ اور گنوار تھے۔ کسی قسم کا تمدّن

کسی قسم کی تہذیب اور کسی قسم کی تعلیم ان میں نہ تھی۔ دوسرے ملکوں والے انہیں نہایت حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے خدا تعالیٰ کو یہ بات دکھانی تھی۔ کہ میں ایسے حقیر اور ذلیل ملک سے جس کی دنیا کی نظر میں کوئی بھی وقعت نہ تھی۔ ایسا گوہر نایاب پیدا کرنے والا ہوں۔ جس کی چکا چوند سے ساری دنیا منور ہو جائے گی۔ اور جس کی روشنی سارے عالم کو روشن کر دے گی۔ حضرت نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہی گوہر نایاب ہیں۔ جو آج سے قریباً چودہ سو برس پہلے عرب کے مقدس شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ اور دنیا کو نور سے اسی طرح بھر دیا۔ جیسے وہ پہلے ضلالت اور گمراہی سے بھری ہوئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کی اور دنیا کی اخلاقی اور مذہبی حالت کیسی تھی؟ اسے ذیل میں مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے:-

عرب میں جہالت۔ بے دینی اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ لکھنے پڑھنے کا بالکل رواج نہ تھا۔ بلکہ شرفا اس بات کو عیب سمجھتے تھے۔ صرف چند گنتی کے آدمی لکھے پڑھے تھے۔ باقی سارا عرب جاہل محض تھا۔ چوری کا رواج ان میں کم تھا۔ مگر ڈاکے بڑی دلیری سے ڈالتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ خوب پیتے تھے اور خوب پلاتے تھے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر تلواریں کھینچ لیتے تھے۔ اور پھر پچاس پچاس برس تک لڑتے رہتے تھے۔ ان خانہ جنگیوں میں

ہزاروں آدمی ہلاک ہو جاتے تھے۔ جوا بڑے شوق سے کھیلتے تھے اور جیتنے والے بڑے فخر سے اس خوشی میں دوستوں کی دعوتیں کرتے تھے۔ جن میں شراب پانی کی طرح لنڈھائی جاتی تھی۔ لڑنے۔ جھگڑنے۔ مارپیٹ۔ دنگا فساد اور قتل و غارت میں نہایت چست اور ہوشیار تھے مولانا حالی انہی کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

یہ لوگ اتنے وحشی اور خونخوار تھے کہ جب میدان جنگ میں اپنے کسی دشمن کو ہلاک کر دیتے۔ تو دشمنی اور عداوت کے جوش میں اس کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبا جاتے۔ آنکھیں نکال لیتے۔ ناک اڑا دیتے کان کاٹ دیتے اور ان کے ہار بنا کر بڑے فخر سے اپنے گلے میں پہنتے۔ لاش کو جلا ڈالتے۔ یا ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیتے۔ جب موقع لگتا۔ کمزور قبائل پر حملہ کر کے انہیں بری طرح لوٹتے۔ ان کی عورتوں۔ ان کی لڑکیوں۔ ان کے بچوں اور ان کے نوجوانوں کو پکڑ کر لے آتے۔ اور لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالتے۔ عورتوں کو انسان نہ سمجھتے اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے۔ ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہتا۔ شادی کر لیتا۔ کوئی روک نہ تھی۔ بعض بے رحم لوگ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے۔ یا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے۔ انتقام لینے کو سب سے بڑا فرض سمجھتے۔

ان کا عقیدہ تھا۔ کہ قتل ہونے والے کے سر سے اُلّو نکلتا ہے۔ یہ اُلّو ویرانوں اور بیابانوں میں پھرتا رہتا ہے اور "انتقام۔ انتقام" چیختا رہتا ہے۔ اور اس وقت تک برابر چیختا پھرتا ہے۔ جب تک انتقام میں اس کے قاتل کو نہیں مار ڈالا جاتا۔ پھر اس مقتول کے سر سے اُلّو نکلتا ہے اور "انتقام انتقام" چیختا پھرتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ پشتوں اور برسوں تک جاری رہتا، اور ایک کے بعد دوسرے مقتول کے سر سے الو نکل کر انتقام انتقام چیختا پھرتا ہے۔ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جا سکتا اس کا الو اسی طرح ویرانوں میں انتقام کی صدا لگاتا پھرتا۔

باوجود اس جہالت اور وحشت کے ان کے غرور و تعلّی اور گھمنڈ و خودستائی کی انتہا نہ تھی۔ اپنے سوا ساری دنیا کو عجم کہا کرتے تھے۔ یعنی گونگا۔ شاعری کا بے حد شوق تھا۔ اور اس کے زبردست مقابلے نہایت زور شور سے ہوا کرتے تھے۔ شاعروں کی اتنی کثرت تھی کہ چھوٹی بچیاں تک شاعرہ تھیں۔ شکار کے نہایت شائق تھے۔ اور جو کچھ ملتا۔ بلا تکلّف چٹ کر جاتے۔ چاہے حلال ہو چاہے حرام۔

لوٹ مار اور قتل و غارت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ مکر و دغا اور دھوکہ بازی میں طاق تھے۔ رہزنی اور ڈاکہ زنی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ اگرچہ قافلوں پر بھی ڈاکے ڈالتے تھے مگر اکیلے دُکیلے مسافروں کے لئے تو سفر کرنا قیامت تھا۔ جو

پاتے لُوٹ لیتے۔ اور مسافر غریب کو غلام بنا کر بیچ ڈالتے۔ نہایت شتر کینہ واقع ہوئے تھے۔ پشت ہا پشت تک بھی دشمنی کو نہ بھولتے۔ اور جب ذرا سا بھی موقع ملتا بغیر بدلہ لئے نہ رہتے۔ اگر دشمنی کی وجہ یاد نہ رہے۔ تب بھی دشمنی باقی رہتی تھی۔ بہت سے لوگوں کو اس لئے قتل کر ڈالتے تھے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں لیکن کیوں دشمن ہیں اور دشمنی کا باعث کیا ہے۔ یہ نہ بتا سکتے تھے۔ کھانے پینے میں نہایت بدتمیز واقع ہوئے تھے۔ جو بھی ملتا۔ اناپ شناب کھا جاتے۔ جب اپنا کوئی عزیز مر جاتا۔ تو عجیب عجیب طریقے سے ماتم کرتے تھے۔ منہ نوچتے۔ بال گھسیٹتے بے تحاشا آہ و زاری کرتے۔ مستورات اپنے بالوں میں خاک ڈالتیں۔ اور نالہ و بکا کرتی ہوئی جنازے کے ساتھ ساتھ جاتیں۔ اگر گھر کی عورتیں کافی نہ ہوتیں۔ تو معاوضہ دے کر ماتم کرنے والیاں بلائی جاتیں۔

سارے عرب میں جس کا رقبہ بارہ لاکھ مربع میل کے قریب ہے۔ گنتی کے دو چار شہر تھے۔ جہاں لوگ آباد تھے اور نسبتاً مہذب تھے۔ باقی تمام عرب وحشی۔ اجڈ۔ اور جاہل بدوؤں سے بھرا ہوا تھا۔ جن کا نہ کوئی گھر تھا نہ ٹھکانہ اپنا ڈیرہ خیمہ اٹھائے خانہ بدوشوں کی طرح آج یہاں کل وہاں مارے مارے پھرتے تھے۔ اور اسی حال میں مگن تھے۔ اونٹ کا دودھ پیتے۔ گوہ کا گوشت کھاتے اور ٹاٹ کے کپڑے پہنتے تھے۔ جن میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ اتفاق اور اتحاد نام کو نہ تھا۔

سارے قبیلے آپس میں ہمیشہ لڑتے رہتے تھے۔

ان کی مذہبی حالت دنیوی حالت سے بھی بدتر تھی۔ دنیا بھر کے باطل مذاہب اور غلط عقائد کا گویا عرب اکھاڑہ تھا۔ یعنی دنیا کا کوئی ایسا باطل عقیدہ نہ تھا۔ جس کے ماننے والے عرب میں موجود نہ ہوں۔ پتھر کے بت دھڑلے سے پوجے جاتے تھے۔ ہر ایک قبیلے کا خدا علیحدہ تھا۔ بعض بُت مشترکہ بھی تھے۔ کعبہ کی مسجد آنحضرت کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے اس لئے بنائی تھی۔ کہ وہاں خدائے واحد کی پرستش کی جائے۔ لیکن اب وہاں ایک نہ دو اکٹھے تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ دنیا آتی تھی اور پوجتی تھی۔ عرب میں قریش کی بزرگی اس بت خانہ کی تولیت کی وجہ سے تھی۔ ان کی بت پرستی کی انتہا یہ تھی کہ جب سفر میں جاتے تو ایک ان گھڑا پتھر ساتھ لے چلتے اور جب عبادت کرتے تو اسی کو آگے رکھ کر اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے۔ حالتِ سفر میں پتھروں کا چولھا بنا کر اس پر کچھ پکاتے تو فراغت کے بعد اس چولھے کے پتھر کے آگے سربسجود ہو جاتے۔ اپنے بیٹوں کے نام بتوں کے نام پر رکھتے اور اس پر فخر کرتے۔ غرض بت پرستی ان کے رگ وریشے میں گھسی ہوئی تھی۔ اور وہ تصور ہی نہ کر سکتے تھے۔ کہ یہ کارخانۂ عالم بتوں کی دست گیری کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔

بتوں کے علاوہ چاند ۔ سورج اور ستاروں کی بھی پرستش کرتے تھے ۔ اور آگ کو بھی پوجتے تھے ۔ عرب کے لوگ توہم پرست بھی بہت زیادہ تھے ۔ جنوں ۔ بھوتوں اور پریتوں کے قائل تھے ۔ اور ان سے بہت ڈرتے تھے ۔ بعض جانوروں کو منحوس سمجھتے ۔ بعض کو مبارک ۔ بتوں سے فال لیتے اور اس پر پورا یقین رکھتے ۔

عرب میں یہودی اور عیسائی بہت سے آباد تھے ۔ مگر یہودی توریت کی تعلیم کو اور عیسائی انجیل کے ارشادات کو بھول چکے تھے ۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ مانتے اور ان کی پرستش کرتے تھے ۔ غرض پورا عرب ضلالت اور گمراہی کے سمندر میں غرق ہو رہا تھا ۔ اور اس سے نجات کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی ۔

اسلام سے پہلے دُنیا کی حالت

یہ تو تھی عرب کی حالت ۔ اب ذرا دوسرے ممالک پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ اس وقت دنیا کے دیگر ملکوں کی اخلاقی اور مذہبی حالت کیا تھی ۔

عرب کا ہمسایہ ملک ایران تھا ۔ جس کی طاقت اور شوکت اس وقت ساری دنیا میں مشہور تھی ۔ مگر مذہبی حالت اس کی یہ تھی ۔ کہ سارے ایران میں آتش پرستی کا چرچا تھا ۔ جگہ جگہ آتش کدے بنے ہوئے تھے ۔ جہاں صدیوں سے آگ روشن تھی ۔ اور برابر پوجی جا رہی تھی ۔ ان کے ہاں دو خالق تھے ۔ ایک بھلائی کا ۔ دوسرا برائی کا ۔ آگ کو پُوجنے اور چاند ستاروں کی پرستش کرنے کے علاوہ اپنے بادشاہوں کو بھی ایرانی سجدے کیا کرتے تھے اور ان کو اپنا معبود سمجھتے تھے ۔

دوسری بڑی سلطنت عرب سے ملی ہوئی روم کی تھی جو دنیاوی بڑائی میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی مگر سارا ملک انسان پرستی میں مبتلا تھا ۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش عام تھی ۔ اصل عیسائیت کا نام و نشان نہ تھا ۔ جو عورتیں اور مرد راہب بن جاتے تھے ۔ ان میں بے حیائی پھیلی ہوئی تھی ۔ غلام مویشی کی طرح فروخت کئے جاتے تھے ۔ اور گدھوں کی طرح ان

سے کام لیا جاتا تھا۔ والدین اپنی اولاد کو کھلے بندوں فروخت کر دیا کرتے تھے۔ کسانوں اور مزارعوں کا درجہ غلاموں سے بھی بدتر تھا۔ بہت ہی تھوڑا سا غلہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے کسان کے پاس چھوڑ کر زمیندار باقی سارا غلّہ جبراً لے لیا کرتا تھا۔ اور اسے اپنا حق سمجھتا تھا۔

مصر کی تہذیب بہت پرانی اور بہت مشہور تھی۔ مگر مذہبی حالت وہاں کی بھی نہایت ابتر تھی۔ یا تو وہاں عیسائیوں کے تین خدا مانے جاتے تھے۔ یا پھر بت پرستی جگہ جگہ رائج تھی۔ حکمران اپنی رعایا کو بھیڑ بکری سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے تھے۔ اور ان سے نہایت مشقت اور محنت کا کام لیتے تھے۔ غلامی کا رواج اپنی بدترین حالت میں جاری تھا۔ انسانی قربانی کہیں فرض سمجھ کر اور کہیں محض تفریحاً بڑے شوق سے کی جاتی تھی۔ مثلاً ہر سال ایک جوان لڑکی کو پکڑ کر زبردستی دریائے نیل میں غرق کر دیتے تھے۔ وہ عورت بڑی نیک اور دیندار سمجھی جاتی تھی جو خودکشی کر کے ہلاک ہو جائے۔

ہندوستان کو اپنی قدیم تہذیب پر ناز تھا۔ مگر اس کی اخلاقی اور مذہبی حالت عرب سے بہتر نہ تھی۔ وید کی نصائح۔ گیتا کے فرمان۔ رام چندر جی کے نمونے اور مہاتما بدھ کی تعلیم کو لوگ بھول گئے تھے۔ برہمن مذہب دوبارہ عروج پر آ گیا تھا۔ ۳۳ کروڑ دیوتا بے فکری کے ساتھ پوجے جا رہے تھے۔ تمام نیک آدمی مثلاً رام چندر جی،

کرشن جی۔ بدھ وغیرہ خدا اور خدا کا مظہر بن چکے تھے۔ تمام مندروں میں ان کے بت نصب تھے۔ اور پوجے جا رہے تھے۔ اس وقت اہلِ ہند کی عناصر پرستی کا یہ حال تھا۔ کہ چوراہے کا ہر روڑا۔ درخت کا ہر پتہ۔ گائے کا ہر بال۔ چیچک کا ہر داغ۔ دریا کا ہر قطرہ۔ آسمان کا ہر ستارہ۔ بت خانوں کا ہر پتھر ان کا معبود تھا۔

غرض دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر ملک گناہ۔ فسق و فجور اور بت پرستی میں مبتلا تھا دنیا میں کہیں بھی خالص توحید کا نشان نہ تھا۔ ایک اکیلے واحد خدا کی عبادت کرنے والا دنیا میں ایک آدمی بھی موجود نہ تھا۔ ایسے تاریک وقت میں ھدایت کا آفتاب سرزمین عرب سے طلوع ہؤا اور دنیا کو اپنی فرحت بخش روشنی سے منور کر دیا۔

آفتابِ ہدایت کا طلوع

آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہی آفتاب ہیں جنہوں نے پیدا ہو کر دنیا سے شرک اور کفر کو ملیا میٹ کر دیا۔ خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دی۔ توحید کا وعظ کہا۔ بت پرستی اور شخصیت پرستی کی مذمت کی۔ ہر قسم کے عیوب اور گناہ کو روکا۔ تمام نیک اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیا۔ وحشیوں کو انسان بنایا۔ اور غلاموں کو آزاد کرایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے معجزانہ اثر سے درندوں کو آدمیوں کا غمخوار اور اونٹ چرانے والوں کو دنیا کا سلطان بنا دیا۔ وہ لوگ جو ہر اخلاق سے عاری تھے۔ ان کو خلق و مروّت کا منبع بنا دیا۔ وہ انسان جو ہر علم سے کورے تھے۔ ان کو علوم و فنون کا سرچشمہ بنا دیا۔ اور یہ کایا پلٹ اتنے تھوڑے عرصہ میں کر دی کہ دنیا اسے دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئی۔

چونکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے پیارے نبی کے حالات سے باخبر ہو۔ اس لئے ہم یہاں بہت ہی مختصر طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوڑے سے حالات لکھتے ہیں۔

آنحضرت کا نام محمدؐ تھا۔ احمد۔ مصطفےٰ۔ مجتبےٰ وغیرہ بھی

آپ کے نام تھے۔ آپ سے پہلے جتنے نبی گزرے ہیں ان میں سے اکثر نے آپ کے آنے کی خوش خبری دی تھی۔

آپ ۲۲ر اپریل ۵۷۱ء کو عرب کے سب سے بڑے شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ عرب بھر میں سب سے زیادہ معزز خاندان قریش سمجھا جاتا تھا۔ جو اس بت خانہ کے متولی تھے۔ جس کو عربوں نے کعبہ کی مسجد میں بنا رکھا تھا قریش کے خاندان میں بہت سے قبیلے تھے۔ سب سے زیادہ شریف قبیلہ بنو ہاشم کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب قریش کے سردار اور بڑے ذی وجاہت بزرگ تھے ان کے کئی بیٹے تھے۔ سب سے چھوٹے لڑکے کا نام عبداللہ تھا جو سب سے زیادہ لائق۔ نیک اور بہادر تھا۔ رسول کریم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و سلم انہی کے فرزند ہیں۔ حضور کی والدہ کا نام آمنہ تھا۔ ابھی آپ ماں کے پیٹ میں تھے کہ والد کا جوانی میں انتقال ہو گیا۔ عبدالمطلب نوجوان۔ نیک اور صالح بیٹے کے غم میں نڈھال ہو گئے۔ لائق شوہر کے صدمہ سے آمنہ کا برا حال تھا۔ خاندان والوں کو بھی بڑا رنج ہوا۔ مگر خدائی تقدیر میں کیا چارہ تھا۔ رو پیٹ کر بیٹھ رہے۔ تین چار ماہ بعد آنحضرت پیدا ہوئے دادا کا غمگین چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ ماں کا مرجھایا ہوا کنول ہرا بھرا ہو گیا۔ خاندان بھر میں خوب خوشیاں منائی گئیں۔ لوگ مبارک باد دینے کے لئے آئے۔ دادا سے

پوچھا - کہ پوتے کا نام کیا رکھا ہے - انہوں نے جواب دیا "محمدؐ" - اس لفظ کے معنی ہیں - ایسا انسان ، جس کی لوگ بے حد تعریف کریں - قوم جو بالعموم بتوں کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھنے کی عادی تھی - اس نئے اور عجیب نام پر بہت چونکی - بعض لوگوں نے کہا - یہ کیا نام رکھا ہے ؟ کوئی اچھا سا نام رکھا ہوتا - داوا نے جواب دیا - یہ نام میں نے اس لئے رکھا ہے کہ میں چاہتا ہوں میرا بیٹا دنیا بھر کی تعریف کا مستحق ہو - شاید دنیا میں کسی انسان کی مراد ایسے شاندار طریقہ پر پوری نہ ہوئی ہوگی جیسی عبدالمطلب کی ہوئی - آج اس بات کو قریباً چودہ سو برس گزر چکے ہیں - مگر اس وقت سے لے کر اس وقت تک ہر آن اور ہر زمانہ میں لاکھوں - کروڑوں اور اربوں آدمی آنحضرت کی تعریف کر چکے ہیں - کر رہے ہیں - اور قیامت تک کرتے رہیں گے - دنیا کی ہر زبان میں جس قدر کثرت کے ساتھ آنحضرتؐ کی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں - اتنی آج تک کسی بڑے سے بڑے ریفارمر - لیڈر - مصلح - نبی اور پیغمبر کی نہیں لکھی گئیں - پھر دنیا بھر کے سارے مسلمان پانچوں وقت نماز میں آنحضرتؐ پر درود بھیجتے ہیں پس یقیناً دنیا میں کوئی اور انسان اتنا عظیم الشان نہیں گزرا - جس کی اس قدر بے انتہا تعریفیں کی گئی ہوں - یہ فخر صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے

عرب میں دستور تھا کہ شرفاء اپنے بچوں کو پیدا ہوتے ہی آس پاس کے دیہات میں پرورش اور تربیت

کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ دیہات کی عورتیں آتی تھیں اور امراء کے بچوں کو لے جاتی تھیں۔ اس کام کا ان کو معقول معاوضہ ملتا تھا۔ اس طرح ایک تو بچے کی نشو و نما کھلی ہوا میں بہت اچھی طرح ہوتی تھی۔ دوسرے اس کی زبان بہت صاف اور شستہ ہو جاتی تھی۔ کیونکہ ان ایام میں دیہات کی بولی شہر کی زبان کی نسبت زیادہ شائستہ اور فصیح ہوتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت کو بھی ایک عورت حلیمہ نامی جو قبیلہ بنی سعد سے تھی۔ ان کی والدہ کی اجازت کے بعد اپنے گاؤں میں لے گئی۔ پانچ سال کی عمر تک آنحضرت وہاں پرورش پاتے رہے۔ پھر وہ آپ کو حضرت آمنہ کے پاس چھوڑ گئیں مگر ابھی آپ اپنی والدہ کے پاس ایک ہی برس رہنے پائے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس رہنے لگے۔ دادا کو اپنے یتیم پوتے سے بے انتہا محبت تھی اور وہ ان کو ایک دم بھی اپنے سے جدا نہ ہونے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تب بھی حضور کو اپنے کندھے پر بٹھا لیتے۔ مگر افسوس دو برس بعد دادا بھی فوت ہو گئے۔

عبدالمطلب کے تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ انتقال کے وقت سب کو اپنے پاس بلایا اور آنحضرتؐ سے فرمانے لگے کہ بیٹا! میں نے تجھے اپنی جان کے برابر عزیز رکھا۔ مگر اب میں اس دنیا سے جا رہا ہوں

یہ تیرے چچا بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے جس کے پاس تو میرے بعد رہنا چاہے۔ اس کی گود میں جا کر بیٹھ جا۔ اس پر فوراً ابولہب کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ میں اپنے بھتیجے کی پرورش کروں گا۔ ان کو میرے سپرد کر دیجئے۔ مگر عبدالمطلب نے کہا نہیں محمدؐ خود جس چچا کے پاس رہنا چاہیں۔ رہیں۔

آنحضرتؐ پر یہ وقت بڑا سخت تھا۔ والد تو پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ دو برس ہوئے۔ والدہ بھی چل بسی تھیں۔ ایک دادا رہ گئے تھے۔ وہ آج دنیا کو چھوڑ رہے تھے۔ ہجوم غم سے معصوم اور یتیم بچے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ایک بڑی ہی یاس انگیز نگاہ چچاؤں پر ڈالی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ابوطالب کی گود میں جا بیٹھے۔ ننھے بھتیجے کو مہربان چچا نے فرطِ محبت سے چھاتی سے لگا لیا اور مرتے دم تک اپنے سے جدا نہ کیا۔ دنیا میں شاید ہی کسی باپ کو اپنے بیٹے سے اتنی محبت ہو گی۔ جیسی ابوطالب کو آنحضرتؐ سے تھی۔ اپنے ساتھ سلاتے۔ اپنے ساتھ کھلاتے اور ہر وقت ساتھ رکھتے بارہ برس کے ہوئے تو ابوطالب نے تجارت کے لئے ملک شام کو جانا چاہا اور اس خیال سے کہ سفر میں بچے کو تکلیف ہو گی۔ آنحضرتؐ کو گھر ہی پر چھوڑ دیا۔ مگر جب سفر پر روانہ ہونے لگے۔ تو آنحضرتؐ مغموم صورت بنائے باہر نکلے۔ اونٹ کی مہار پکڑ لی اور کہنے

لگے۔" چچا! مجھے کس پر چھوڑ چلے!" اس فقرہ پر ابوطالب تڑپ اٹھے۔ بھتیجے کو پیار کیا اور اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا لیا۔

جب آپ جوان ہوئے تو اپنی نیکی اور پاکیزگی کے باعث سارے مکہ میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ ہر شخص سے نہایت شرافت کے ساتھ پیش آتے۔ لوگوں سے حسن سلوک کرتے۔ وعدے کے سچے، بات کے پکے تھے۔ کبھی کسی سے سخت کلامی نہیں کی۔ نہایت نرم مزاج۔ حلیم اور بردبار تھے۔ غریبوں کی ہمدردی اور محتاج کی غمگساری آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ نہایت امانت دار اور دیانتدار تھے۔ اسی لئے قوم نے آپ کو "صادق" اور "امین" کا خطاب دیا تھا۔ دو آدمیوں میں جھگڑا ہو جاتا تو وہ آپ ہی سے تصفیہ کرانے آتے۔ اور جو فیصلہ آپ کرتے خوشی خوشی اسے قبول کرتے۔

جب آپ جوان ہوئے تو تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ آپ کی پاک بازی۔ دیانت۔ امانت۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کو دیکھ کر مکہ کی ایک نہایت شریف اور عالی خاندان بیوہ عورت نے جس کا نام خدیجہ تھا۔ آپ سے شادی کی درخواست کی۔ آپ کے چچا نے اس کو منظور کر لیا۔ اور دونوں کی شادی ہو گئی۔ اس وقت خدیجہ کی عمر ۴۰ برس کی اور آنحضرت کی ۲۵ برس کی تھی۔ خدیجہ عرب میں سب سے زیادہ مالدار

عورت تھیں۔ مگر شادی کے بعد انہوں نے اپنا سارا مال اپنے محترم شوہر کے حوالے کر دیا اور کہا جس طرح آپ چاہیں۔ اس مال کو خرچ کریں۔

آنحضرت نے یہ سارا مال محتاجوں۔ غریبوں۔ یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کر دیا۔ اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھا۔

یہ نیک دل۔ شریف الطبع اور عالی حوصلہ خاتون جب تک زندہ رہیں۔ نہایت وفاداری اور محبت کے ساتھ اپنے شوہر کی خدمت کرتی رہیں۔

جب آپ دنیا کی حالت دیکھتے اور اس کو کفر۔ شرک اور بت پرستی میں لتھڑا ہوا پاتے اور ہر قسم کے گناہ ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو آپ کو بڑا دکھ ہوتا۔ آپ نے مہینوں اور سالوں تنہائی میں بیٹھ کر اس امر پر غور کیا۔ کہ آخر دنیا کی حالت کس طرح سدھرے۔ مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔

ایک روز آپ تن تنہا مکہ سے باہر پہاڑ کے ایک غار میں جس کا نام حرا تھا۔ اسی فکر میں بیٹھے تھے کہ یکایک ایک فرشتہ کی تجلی نے تمام زمین و آسمان کو روشن کر دیا۔ اس فرشتہ کا نام جبریل تھا۔ اس نے خدا تعالیٰ کی وحی آپ تک پہنچائی اور آپ دنیا کی ھدایت کے لئے اللہ پاک کی طرف سے نبی بنائے گئے۔

سب سے پہلے آپ پر جو شخص ایمان لایا۔ وہ

آپ کی پاک نہاد بیوی حضرت خدیجہ تھیں۔ آپ کے بچپن کے گہرے دوست حضرت ابوبکرؓ بھی فوراً ایمان لے آئے۔ آپ کے غلام حضرت زیدؓ نے بھی فوراً آپ کو مان لیا۔ حضرت علیؓ آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ وہ بھی فوراً مسلمان ہو گئے۔ بعد میں بعض اور لوگ بھی آہستہ آہستہ ایمان لانے لگے۔ جن میں کچھ غلام بھی تھے۔ جس وقت آپ نے یہ عام اعلان کیا۔ کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ اور دنیا کو ضلالت اور گمراہی کے گڑھے سے نکالنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ دیوی دیوتا کوئی چیز نہیں۔ یہ بت محض پتھر ہیں۔ ان بتوں کو چھوڑو۔ اچھے اخلاق اختیار کرو۔ اور صرف خدائے واحد کی پرستش کرو۔ تو یہ سنتے ہی سارا عرب اور سرداران قریش آنحضرتؐ کے سخت مخالف اور دشمن بن گئے۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں آپ کو اور آپ کے چند گنتی کے ماننے والوں کو دینے لگے۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے آپ کے اوپر نجاست پھینک دیتے۔ نماز پڑھتے وقت آپ کے اوپر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دیتے آپ کا گلا گھونٹتے۔ آپ پر آوازے کستے۔ آپ کو شاعر۔ مجنون اور جادوگر کہتے۔ لوگوں کو آپ سے باتیں کرنے سے روکتے۔ آپ کے ماننے والوں کو گرمی کی تیز دھوپ میں زبردستی لٹا کر کمر پر بھاری پتھر رکھ دیتے۔ انگارے بچھا کر ان پر ڈال دیتے۔ لوہا

گرم کر کے اس سے جسم کو داغتے۔ گردن میں رسّی ڈال کر بازار میں گھسیٹتے۔ سردی میں یخ جیسے پانی میں غوطے دیتے۔ یہ سب تکلیفیں سہنے کے باوجود آپ اور آپ کے ماننے والے کلمۂ حق کہتے اور لوگوں کو سمجھانے سے باز نہ آتے۔ ایک مرتبہ آپ کا اور آپ کے ماننے والوں کا اور آپ کے خاندان کا کافروں نے بائیکاٹ کر دیا۔ نہ کوئی آپ سے بات کرتا نہ کھانے پینے اور برتنے کی کوئی چیز آپ کو دیتا۔ نہ کوئی شخص کسی طرح کا کوئی تعلق آپ سے رکھتا۔ مجبور ہو کر آپ اپنے خاندان والوں اور اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر پہاڑ کی ایک گھاٹی میں چلے گئے اور وہاں تین سال تک انتہائی مصیبت کی زندگی بسر کرتے رہے۔

جب آپ مکہ والوں سے بالکل مایوس ہو گئے۔ تو آپ نے سوچا۔ کہ لاؤ شہر طائف چلیں۔ وہاں کے لوگ شاید حق کو قبول کر لیں۔ چنانچہ آپ اپنے غلام حضرت زید کو ہمراہ لے کر طائف تشریف لے گئے مگر وہاں کے لوگوں نے بات سننے کی بجائے شہر کے غنڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے آپ کو اتنے پتھر مارے کہ آپ کا سارا بدن لہولہان ہو گیا۔ اور آپ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔

جب مکّہ والوں کے ظلم کسی طرح کم نہ ہوئے۔ اور روز بروز بڑھتے ہی رہے تو نہایت ہی مجبور ہو کر آپ

نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ ملک حبش کو ہجرت کر جائیں۔ جہاں کا عیسائی بادشاہ نجاشی نیک اور منصف مزاج انسان تھا۔ اس کے بعد جب مدینہ میں وہاں کے رہنے والے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تو حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مطلب یہ تھا۔ کہ جہاں مسلمانوں کو امن ملے۔ وہیں چلے جائیں۔ مگر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں رہے اور کافروں کے ظلم، خاموشی اور صبر کے ساتھ سہتے رہے۔

جب کوئی ظلم باقی نہ رہا جو کافر آنحضرتؐ پر توڑتے تو انہوں نے مشورہ کیا کہ آؤ سب قبیلے والے مل کر **محمدؐ** پر حملہ کر کے اسے مار ڈالیں۔ چنانچہ ہر قبیلہ سے ایک ایک بہادر آدمی منتخب کیا گیا۔ اور ان منتخب بہادروں نے رات کے وقت آ کر آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ اس پر آپ خدا کے حکم کے ماتحت گھر سے نکلے اور اپنے چچیرے بھائی حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اب میرا یہاں رہنا ناممکن ہو گیا ہے اس لئے میں تو مدینہ جا رہا ہوں۔ میرے پاس مکہ کے کافروں کی کچھ امانتیں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ تم رکھ لو۔ اور صبح جس جس کی ہیں۔ ان کو دے کر پھر میرے پاس مدینہ چلے آنا۔ اب تم میرے بستر پر لیٹو اور سو جاؤ۔ کوئی شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

نہایت ہی اطمینان اور خوشی کے ساتھ حضرت علیؓ

نے فرمایا۔ بہتر ہے۔ اور آنحضرت کی چادر اوڑھ کر حضورؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔

غور کرو اس واقعہ میں دو باتیں بڑی عجیب ہیں۔ اول تو یہ کہ ایسے ہولناک اور سخت وقت میں بھی آنحضرتؐ کو اس امر کا خیال رہا کہ کافروں نے جو امانتیں ان کے پاس رکھی ہوئی ہیں۔ وہ ان کے مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ تاکہ کوئی یہ بات نہ کہے۔ کہ محمدؐ ہمارا روپیہ لے کر چل دیا۔

پھر حضرت علیؓ کی طرف دیکھو۔ اس خطرناک موقع پر جس بشاشت۔ جس محبت۔ جس خلوص اور جس اطمینان قلب کا نمونہ حضرت علیؓ نے دکھایا ہے۔ دنیا میں اس کی دوسری نظیر موجود نہیں۔ بظاہر صاف نظر آ رہا تھا۔ کہ آج کی رات جو شخص اس بستر پر لیٹے گا وہ ضرور قتل کر ڈالا جائے گا۔ مگر حضرت علیؓ خوشی خوشی آنحضرتؐ کے بستر پر جا کر لیٹ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں کافروں کے پاس سے نکلے چلے گئے۔ کسی نے بھی نہ پہچانا۔ کہ ہمارے پاس سے کون نکل گیا۔

یہاں سے آنحضرت سیدھے اپنے دوست حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پاس پہنچے۔ اور ان کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے باہر ایک پہاڑی غار میں جا کر چھپ گئے۔ تین دن کے بعد وہاں سے نکل کر اونٹوں پر مدینہ روانہ ہو گئے۔

تیرہ برس تک دن رات ظلم سہنے کے بعد خیال تھا کہ مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ کو کچھ اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوگا۔ مگر یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ جب کافروں نے دیکھا کہ محمدؐ ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نکل گئے تو انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کر کے آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھیوں کو بالکل نیست و نابود کر دینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور پوری تیاری کے بعد ایک ہزار آزمودہ کار اور بہادر جوانوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا جو ہر طرح سامانِ جنگ سے آراستہ تھے۔

یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اب بھی مسلمان تلوار نہ اٹھاتے تو سارے کے سارے ہلاک کر دیئے جاتے۔ مگر آنحضرتؐ کے پاس نہ مقابلہ کرنے کے لئے کافی آدمی تھے اور نہ سامان خریدنے کے لئے پیسہ پاس تھا۔ سخت بے چارگی اور ناچاری کی حالت میں اپنے تین سو تیرہ ساتھیوں کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ اور بدر کے مقام پر پہنچ کر کافروں کے لشکر کے آگے ڈیرے ڈال دیئے۔

جنگِ بدر کے موقع پر مسلمانوں اور کافروں کی دونوں جماعتوں میں جو عجیب بات نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہر قسم کی کمزوری ایک طرف ہے اور ہر قسم کی طاقت دوسری طرف۔ قریش مکہ کی جمعیت تعداد میں مسلمانوں سے تگنی ہے۔ میدانِ جنگ میں پہلے وہ پہنچے ہیں۔ اور عمدہ مقام پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان میں بڑے بڑے

تجربہ کار بہادر ہیں۔ جن کا پیشہ ہی مدتِ دراز سے جنگ رہا ہے۔ سامان اور ہتھیار ان کے پاس اس قدر ہیں۔ کہ ہر ایک سپاہی لوہے کی زرہ پہنے ہوئے ہے۔

مگر باوجود اس بے سرو سامانی اور قلتِ تعداد کے خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔ مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ۷۰ مقتول ہوئے اور ۷۰ ہی گرفتار ہوئے۔ باقی بھاگ گئے۔ آنحضرتؐ کے ساتھیوں میں سے صرف ۱۴ آدمی شہید ہوئے۔

اس موقعہ پر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو تمام گرفتار شدہ لوگوں کو فوراً قتل کر ڈالتا۔ مگر آنحضرتؐ نے نہایت رحم فرما کر بعض امیر آدمیوں سے بہت ہی معمولی تاوانِ جنگ لے کر ان کو رہا کر دیا۔ بعض غریب آدمیوں کو یونہی چھوڑ دیا۔ بعض قیدی جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان سے کہا۔ کہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔ پھر تم کو فوراً آزاد کر دیا جائے گا۔ غرض اس طرح سب قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ قید کی حالت میں ان شدید کافروں اور اسلام کے سخت دشمنوں سے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر اتنا نرم اور عمدہ سلوک کیا۔ کہ اس سلوک کو دیکھ کر بعض قیدی مسلمان ہو گئے۔

یہ نہ سمجھنا کہ اس جنگ میں شکست کھا کر کافر چپ ہو کر بیٹھ گئے۔ نہیں بلکہ وہ غصہ میں بھر کر پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ مسلمانوں کو برباد کرنے پر تل گئے اور بھاری جمعیتوں کے ساتھ بار بار مسلمانوں پر حملے

کرتے رہے۔ مگر مسلمانوں کی طاقت اور تعداد برابر بڑھتی رہی اور وہ دشمن کے ہر حملے کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔

جب آنحضرت نے دیکھا کہ ان کے حملے کسی طرح کم ہی نہیں ہوتے۔ وہ برابر لوٹ مار کرتے فساد مچاتے اور قتل و غارت کرتے رہتے ہیں۔ نہ امن سے خود بیٹھتے ہیں۔ نہ مسلمانوں کو بیٹھنے دیتے ہیں تو مجبور ہو کر ایک معاہدہ کی خلاف ورزی کی پاداش میں آنحضرت نے دس ہزار صحابہ کے ساتھ جا کر مکہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر نہ قتل عام کیا۔ اور نہ لوگوں کا مال و اسباب چھینا۔ یہ واقعہ ۶۳۰ء میں ہوا۔

فتح مکہ کے بعد وہ سارے کافر جنہوں نے مسلمانوں اور آنحضرت کو تکلیفیں دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ اب مجرموں کی طرح حضورؐ کے سامنے کھڑے تھے۔ کوئی دوسرا سپہ سالار ہوتا تو ایسے بدترین دشمنوں کو نہایت دردناک عذاب کے ساتھ ھلاک کر دیتا۔ مگر آنحضرت نے نہایت شفقت اور مہربانی سے کام لے کر سب کو معاف کر دیا۔ ان حالات میں ایسی معافی کی مثال دنیا میں اور کوئی نہیں ملتی۔

مکہ چونکہ عرب کا مرکزی مقام تھا۔ اس لئے اس کے فتح ہو جانے کے بعد تمام دوسرے قبیلوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور آنحضرت کی اطاعت قبول کر لی۔ لاکھوں آدمی مسلمان ہو گئے۔ اور سارے عرب پر

آنحضرتؐ کا قبضہ ہو گیا۔
فتح مکہ کے دو سال بعد جون ۶۳۲ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت حضورؐ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ مدینہ میں آپ کے مزار کی ہر سال ہزارہا مسلمان زیارت کرتے ہیں۔ وہیں وہ مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ جس میں حضور نماز پڑھا کرتے تھے قرآن مجید خدا تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا ۲۳ برس میں نازل ہوا اور ایسی کامل ۔ مکمل اور بہترین کتاب دنیا میں اور کوئی نہیں۔ جس میں ہر وہ بات موجود ہے جو انسان کی فلاح وبہبود کے لئے ضروری ہے۔ جیسی نیکی ۔ پاک بازی اور طہارت کی تعلیم قرآن کریم دیتا ہے۔ ایسی دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ کی توحید اور اس کی اطاعت اور فرمان برداری جیسی قرآن کریم پر عمل کر کے انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ اتنی کسی اور کتاب سے حاصل نہیں ہوتی۔ غرض انسان کی مذہبی حالت کی اصلاح کے لئے اور اس کی ہدایت کے لئے جو باتیں قرآن شریف نے بیان کی ہیں۔ کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ کہ ویسی ہی باتیں بیان کر سکے۔ قرآن عظیم کے ہر حکم پر اور اس کے ہر فرمان پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرے اور زندگی کے ہر شعبے میں اسی کو اپنا دستور العمل بنائے۔ اور اپنی زندگی کو بالکل

قرآن کے موافق ڈھالنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ انسان کی ساری بھلائی اسی میں ہے کہ وہ خدا کا فرمانبردار ہو۔

مسلمانوں کا ہند میں آنا اور سندھ کی فتح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی فتوحات بہت تیزی کے ساتھ دنیا میں پھیلنی شروع ہوئیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی سلطنت بہت جلد اسپین سے لے کر چین تک پھیل گئی۔ تمام دنیائے اسلام کا اس وقت ایک ہی فرمان روا تھا۔ جو دمشق میں بیٹھا اس تمام وسیع سلطنت پر حکمرانی کیا کرتا تھا۔

اس حکمران خاندان کے ایک مشہور بادشاہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں دو ایک ایسے واقعات پیش آئے کہ مجبوراً مسلمانوں کو حدودِ ہند میں داخل ہو کر یہاں کے راجہ سے برسرِ پیکار ہونا پڑا۔

پہلا واقعہ تو یہ ہوا کہ عراق عرب کا ایک سردار محمد اعلافی ایک مشہور سپہ سالار عبدالرحمان بن رشعب کو قتل کر کے انتقام کے خوف سے اپنے ساتھ پانچ سو آدمی لے کر ہندوستان بھاگ گیا اور سندھ کے راجہ

داہر کے پاس پناہ گزین ہؤا۔ راجہ داہر نے حکومت عرب کے مقابلہ میں اس فراری مجرم کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے ایک علاقہ رہنے کے لئے دے دیا۔ جو مکران کے بالکل پاس تھا۔ اس وقت مکران حکومتِ اسلام کا آخری علاقہ تھا۔ جس کی سرحد ہندوستان سے ملتی تھی محمد اعلانی نے یہ کام کیا کہ موقع پا کر مکران کے گورنر سعید بن اسلام کلابی کو قتل کر ڈالا اور پھر بھاگ کر ہندوستان کی سرحد میں ہو رہا۔ یہ واقعہ $\frac{۸۴ھ}{۷۰۳ء}$ کا ہے۔ اس وقت عراق عرب کا حاکم اور افواجِ اسلامیہ کا سپہ سالار ایک نہایت مشہور تندخو شخص حجاج بن یوسف تھا۔ اس نے جب یہ واقعہ سنا تو اسے نہایت غصہ آیا۔ اور اصل میں حکومتِ عرب کے خونی مجرم کو اپنے ہاں پناہ دے کر اور اس کی حمایت کر کے نہ صرف راجہ داہر نے اپنی جان کھوئی۔ بلکہ مسلمانوں پر ہندوستان کے دروازے کھول دیئے۔

اسی دوران میں یہ قصہ ہؤا کہ لنکا میں ایک عرب تاجر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے اہل و عیال نے واپس وطن جانا چاہا۔ اس وقت دمشق کا خلیفہ دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ تھا۔ اور ہر ملک اس سے تعلقات قائم کرنے کا متمنی تھا۔ لنکا کے راجہ کو یہ بہت عمدہ موقع خلیفۂ اسلام سے تعلقات بڑھانے کا ہاتھ آیا۔ اس نے ایک جہاز میں مرحوم تاجر کے اہل و عیال کو سوار کر کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حضور میں روانہ کر دیا اور ساتھ

ہی بہت سے قیمتی تحائف بھی خلیفہ کی نذر کے لئے بھیجے۔ جہاز میں دو چار اور عرب خاندان بھی سوار ہو گئے۔ جو لنکا میں مقیم تھے۔ اور اب انہوں نے عراق عرب جانا چاہا تھا۔

واضح ہو کہ اس وقت دنیا کی تمام منڈیوں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ اور مسلمان تاجر سپین سے لے کر چین تک ہر جگہ تجارت کرتے پھرتے تھے۔ یہ مسلمان تاجر اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے اور تجارت بھی کرتے تھے۔ جہاں جاتے ایک مسجد بناتے۔ باشندوں کو تبلیغ کرتے۔ تجارت کا مال بیچتے اور آگے چلے جاتے۔ مختلف ملکوں میں بعض تاجروں نے مستقل سکونت بھی اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ ہندوستان کے مشرقی اور مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ بھی بہت سے تاجروں نے مسجدیں بنائی تھیں۔ اور اس طرح لنکا میں۔ انہی عرب تاجروں کے خاندان تھے۔ جو اس جہاز میں اپنے وطن جا رہے تھے۔

جب یہ جہاز ساحل ہند کے ساتھ ساتھ بندرگاہ دیبل پر پہنچا تو سندھ کے بحری قزاقوں نے جن کا پیشہ ہی لوٹ مار تھا۔ اس جہاز کو لوٹ لیا اور جہاز پر جس قدر مسلمان تھے۔ ان کو دیبل کے قلعہ میں قید کر لیا۔ دیبل اس مقام کے قریب واقع تھا۔ جہاں آج کل شہر کراچی آباد ہے۔

جب حجاج کو اس ڈاکے کی اطلاع ہوئی تو مارے غصہ کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر اس نے نہایت شرافت سے کام لیتے ہوئے پہلے ایک خط راجہ داہر کو لکھا کہ آپ کی عملداری میں یہ حرکت نہایت نامعقول ہوئی

ہے۔ مجرموں کو آپ پکڑ کر سزا دیں۔ قیدیوں کو چھوڑ دیں اور تحائف واپس کر دیں۔ ورنہ نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ پہلے بھی آپ نے ہماری سلطنت کے خونی مجرموں کو اپنے ہاں پناہ دی اور ان کی پیٹھ ٹھونکی تھی۔ اور اب یہ شرارت کی ہے۔ موجودہ واقعہ کسی طرح سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا مظلوم اور بے قصور مسلمانوں کو قید سے چھڑانے کے لئے میں انتہائی کارروائی سے بھی باز نہیں آؤں گا۔ اور میں ہرگز ایسے مجرموں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ خواہ مجھے چین تک یلغار کرنا پڑے۔

راجہ داہر نے اس تحریر کا سخت جواب دیا۔ جس پر حجاج بن یوسف نے دو چھوٹی مہموں کے بعد عرب کے مشہور بہادر اور اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو راجہ داہر کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت صرف ۱۷ برس کی تھی۔

مکران حکومتِ اسلامیہ کی وہ آخری سرحد تھی۔ جس سے گزر کر محمد بن قاسم ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ سب سے پہلے شہر پنج گور کو فتح کیا۔ پھر ارمن بیلہ کی طرف بڑھا۔ اور اسے فتح کرتا ہوا دیبل پر پہنچا جو اس عہد میں سندھ کا سب سے مضبوط اور طاقتور شہر تھا۔ شہر کے وسط میں جو مندر تھا۔ اس کی چوٹی سطح زمین سے ۱۲۰ فٹ بلند تھی اور اس پر سُرخ کپڑے کا ایک خوش نما جھنڈا لہرا رہا تھا۔ جس وقت ہوا چلتی تھی۔ تو وہ جھنڈا چاروں طرف گھومتا تھا مندر اتنا عظیم الشان تھا کہ ۷۰۰ پجاری اس کی خدمت اور

نگہداشت پر مامور تھے۔

محمد بن قاسم جس وقت دیبل پر پہنچا۔ تو شہر کے باشندوں نے قلعہ کے دروازے بند کر لئے۔ اور اندر ہو کر بیٹھ رہے۔ محمد بن قاسم نے بڑی مستعدی کے ساتھ شہر کے گرداگرد ایک لمبی چوڑی خندق کھدوائی۔ اور اسے پانی سے بھروانے کے بعد چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

محمد بن قاسم اپنے ساتھ اس زمانہ کا نہایت زبردست اور مہیب آلۂ جنگ منجنیق بھی لایا تھا۔ جس طرح آج کل توپوں کے ذریعہ گولوں کی بارش ہوتی ہے اسی طرح اس منجنیق سے پتھر برسا کرتے تھے اور بڑی سے بڑی دیوار اور مضبوط سے مضبوط قلعے کو مارے پتھروں کے مسمار کر دیتے تھے۔ محمد بن قاسم نے منجنیقیں شہر کے چاروں طرف لگا دیں اور ان سے قلعہ پر پتھر برسانے شروع کئے۔ تھوڑے دنوں میں شہر فتح ہو گیا۔ یہ منجنیقیں اس قدر زبردست تھیں کہ ان کے چلانے کے لئے پانچ پانچ سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔

دیبل سے محمد بن قاسم نیرون کو روانہ ہو گیا۔ جو دیبل سے ۷۵ میل پر تھا۔ نیرون کے راجہ نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔ قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ محمد بن قاسم اس سے نہایت عزت کے ساتھ پیش آیا اور بڑا عمدہ برتاؤ کیا۔

یہاں سے چل کر محمد بن قاسم نے سہوان کا محاصرہ کیا

مگر یہاں کا راجہ رات کے اندھیرے میں اپنی جان بچا کر بھاگ گیا اور شہر کے باشندوں نے محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد محمد بن قاسم چند چھوٹے چھوٹے شہر فتح کرتا ہوا راجہ داہر کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اس وقت کاجی جاٹ میں اپنا لشکر لئے پڑا تھا۔ قریب پہنچ کر بطور اتمام حجت ایک سفارت راجہ داہر کے پاس بھیجی۔ مگر راجہ نشۂ غرور سے بدمست تھا۔ سفیر سے اچھی طرح پیش نہ آیا۔ اور سفارت واپس ناکام لوٹی۔

اب جنگ کے سوا چارہ نہ تھا۔ محمد بن قاسم اپنی فوج لے کر بڑھا اور راجہ داہر اپنی فوج لے کر میدان میں نکلا۔ نہایت زبردست جنگ ہوئی۔ راجہ داہر بڑی بہادری سے لڑا۔ اور آخر مارا گیا۔ میدان محمد بن قاسم کے ہاتھ رہا۔ یہ جنگ ۹۳ھ / ۷۱۲ء میں ہوئی۔ راجہ کے ساتھ ساٹھ ہزار کی زبردست جمعیت تھی۔ اور محمد بن قاسم کے پاس صرف ساڑھے پندرہ ہزار۔

راجہ داہر نے جنگ سے پہلے اپنے اہل و عیال کو اروڑ کے قلعہ میں حفاظت کی غرض سے بھیج دیا تھا جب داہر مارا گیا تو اس کی رانی نے بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مگر جب دیکھا کہ فتح ناممکن ہے تو چتا میں بیٹھ کر جل مری۔ اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اگرچہ راجہ داہر مارا گیا تھا۔ مگر سندھ کے دارالسلطنت پر ابھی تک مسلمانوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ راجہ داہر کے


محمد بن قاسم کی فتوحات
بصرہ
دریائے دجلہ
ملتان
دریائے سندھ
بلوچستان
مکران
سندھ
سیہوان
دیبل
عرب

بعد اس کے بیٹے گوپی نے مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ محمد بن قاسم جلدی یہاں پہنچ گیا۔ خفیف مقابلہ کے بعد گوپی ایک روز رات کو فرار ہو گیا اور اہل شہر نے امان مانگ کر شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ محمد بن قاسم نے سب کو معاف کر دیا۔ اروڑ جو بعد میں کثرتِ استعمال سے بگڑ کر الور بن گیا۔ آج کل ضلع سکھر میں ایک معمولی گاؤں ہے۔

اروڑ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم ملتان کی طرف بڑھا یہاں کے راجہ نے سخت مقابلہ کیا۔ مگر فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ اور ۶ ہزار آدمی مارے گئے۔ یہاں محمد بن قاسم کو علاوہ مالِ غنیمت کے ایک جگہ سے دفن شدہ ۲۳۰ من خالص سونا اور ۱۳ ہزار دو سو من خاکِ طلا ملی۔ یہ تمام عظیم الشان خزانہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کو دمشق بھیج دیا گیا۔ اب محمد بن قاسم کے پاس ۵۰ ہزار فوج تھی۔ جس میں بہت کافی تعداد ان ہندوؤں کی تھی جو اپنی خوشی سے مسلمان ہو کر اس کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔

یہاں سے محمد بن قاسم نے قنوج پر حملہ کرنا چاہا۔ کچھ تیاری بھی کی مگر فوراً دارالخلافہ سے خبر آئی کہ حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا۔ جو عراق عرب کا گورنر اور محمد بن قاسم کا نہایت زبردست حامی اور مددگار تھا اس کے کچھ ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک بھی مر گیا۔ اور سلیمان بن عبدالملک خلیفہ مقرر ہوا ہے سلیمان، حجاج بن یوسف اور محمد بن قاسم کا سخت ترین دشمن تھا۔ کیونکہ ان دونوں نے اس کی ولیعہدی کی مخالفت کی تھی۔ اب تخت نشین ہوتے ہی اس نے

انتقام لینا چاہا۔ حجاج تو مر چکا تھا۔ سلیمان نے محمد بن قاسم کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اور یزید بن ابی کبشہ کو اس کی جگہ سندھ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ یزید نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے دمشق روانہ کر دیا۔ جہاں اسے واسط کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا۔ اور اسی قید کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔

محمد بن قاسم چاہتا تو بڑی آسانی سے اس موقعہ پر بغاوت اختیار کر کے خلیفہ کے بالمقابل کھڑا ہو جاتا کیونکہ وہ اپنے عمدہ سلوک کی وجہ سے سندھ میں نہایت ہر دلعزیز تھا۔ اور اس کے ایک اشارہ پر ہزاروں آدمی اس کے لئے سر کٹانے کو موجود ہو جاتے۔ مگر اس نے بغاوت اور سرکشی کا سیاہ داغ اپنی پیشانی پر لگانا نہ چاہا اور نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

جس وقت سندھ کے باشندوں کو محمد بن قاسم کی موت کی خبر ملی تو انہوں نے بے حد رنج و غم کا اظہار کیا اور کیرج کے ہندو حکمرانوں نے اس کا ایک بت بنا کر اپنے شہر میں بطور یادگار قائم کیا۔

محمد بن قاسم سندھ میں تین سال تک رہا۔ اس نے یہاں نہایت ہی رحم دلی۔ مروت اور نیکی کے ساتھ حکومت کی۔ باشندوں سے نہایت عمدہ سلوک کے ساتھ پیش آیا۔ ان کو ان کی مذہبی رسوم ادا کرنے میں پوری آزادی بخشی مالیانہ بہت ہی خفیف رکھا۔ اور کسی ایک شخص کو بھی

جبراً مسلمان نہیں بنایا۔ نہ کبھی تعصب اور بے جا طرف داری سے کام لیا۔ بلکہ اکثر موقعوں پر درگزر اور رحم کیا۔

غزنوی خاندان

الپتگین

دسویں صدی عیسوی میں ایران۔ خراسان اور افغانستان پر ساسانی خاندان حکومت کرتا تھا۔ اس خاندان کے بادشاہ عبدالملک کے پاس ایک ترکی غلام تھا۔ جس کا نام الپتگین تھا۔ عبدالملک نے اپنے اس غلام کی بہت عمدہ تربیت کی اور اس کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الپتگین بڑا ہو کر نہایت لائق۔ مدبر اور عقل مند ثابت ہوا۔ عبدالملک نے اس کی لیاقت دیکھ کر اسے صوبہ خراسان کا گورنر مقرر کر دیا۔ جہاں پہنچ کر اس نے ملک کا بہت عمدہ انتظام کیا اور بڑی خوبی کے ساتھ سلطنت کرنے لگا۔ یہ ۹۶۱ء کا واقعہ ہے۔

ابھی الپتگین کو خراسان پر حکومت کرتے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ اس کا آقا عبدالملک مر گیا۔ اور اس کی جگہ منصور ساسانی تخت نشین ہوا۔ منصور اور الپتگین کی کچھ مخالفت تھی۔ اس لئے اس نے تخت پر بیٹھتے ہی

الپتگین کو دارالحکومت میں طلب کیا۔ الپتگین نے سوچا۔ کہ اگر میں چلا گیا تو ضرور گرفتار کر کے قتل کر ڈالا جاؤں گا اس لئے وہ نہ گیا اور مگر اب خراسان میں رہنا بھی اس کے لئے خطرناک تھا۔ اس نے سوچا کہ افغانستان چلنا چاہیئے وہاں منصور بادشاہ کی دست برد سے وہ محفوظ رہ سکے گا یہ سوچ کر اس نے تین ہزار سپاہیوں کو اپنے ساتھ لیا۔ اور خراسان سے افغانستان آ کر شہر غزنی پر قبضہ کر لیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا اور اپنی طاقت کو بڑھانے لگا۔ افغانستان میں رہنے والی تمام قومیں اس کی ہمدرد اور معاون بن گئیں اور تھوڑے ہی دنوں میں اسے اچھی خاصی طاقت حاصل ہو گئی۔

سبکتگین

اس زمانہ میں غلاموں کی تجارت بڑی کثرت سے ہوتی تھی۔ سوداگر شہر بشہر غلاموں کو بیچتے پھرا کرتے تھے چنانچہ ناصر نام ایک سوداگر ترکستان سے آیا اور سبکتگین نام ایک غلام کو الپتگین کے ہاتھ بیچ دیا۔ یہ غلام نہایت ہوشیار۔ زیرک اور بہادر تھا۔ الپتگین نے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی اور اسے اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔

سبکتگین بہت وفاداری کے ساتھ اپنے آقا کی خدمت کرتا رہا۔ تھوڑے دنوں کے بعد الپتگین کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کا بیٹا ابواسحاق بادشاہ ہوا۔ مگر اسے حکومت کرتے

ایک سال بھی نہ ہُوا تھا کہ موت نے آ دبایا۔ اب ایک ترکی غلام کو جو بہت شہرت حاصل کر چکا تھا۔ غزنی کا حاکم بنایا گیا۔ مگر وہ بھی دو برس بعد مر گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد امراء کے اصرار پر سبکتگین غزنی کا مالک بنا۔ اس نے تخت پر قبضہ کرتے ہی ملک کا جدید انتظام کرنا شروع کیا اور اپنی مملکت کو مضبوط کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہو گیا۔ سرحد کی مضبوطی بڑی ضروری تھی۔ اس پر اس نے خاص زور دیا۔ اور سرحد پر آباد قوموں پر حملے کر کے ان کو اپنا مطیع اور فرمان بردار بنا لیا۔ تاکہ ادھر سے کسی بیرونی حملے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

اس وقت پنجاب میں جے پال نام ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ بھٹنڈہ سے لے کر کابل تک اس کا ملک تھا۔ اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ وہ شمالی ہند میں حکومت کر رہا تھا۔ اس کی سلطنت کی حدود سبکتگین کی سلطنت کے ساتھ مل رہی تھیں۔ لہٰذا اسے یہ خطرہ ہُوا کہ اگر سبکتگین کو طاقت حاصل ہو گئی تو وہ کہیں میرے ملک پر حملہ نہ کر دے۔ لاؤ اس کو شروع میں ہی ایسی فاش شکست دو کر پھر اس میں اُبھرنے اور اٹھنے کی قوت ہی باقی نہ رہے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ایک جرّار لشکر مہیا کیا اور سبکتگین پر چڑھ دوڑا۔ درّہ خیبر کو عبور کر کے لمغان کے میدان میں پہنچ گیا جو کابل اور پشاور کے درمیان واقع ہے۔ سبکتگین کو خبر ہوئی تو اس نے سوچا کہ حملہ آور راجہ کو راستے ہی میں روکنا چاہیئے۔ اگر وہ میرے ملک کے

اندر آ گیا تو غضب ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے بھی ایک فوج جمع کی اور جے پال کے مقابلہ کے لئے غزنی سے چل پڑا ملتان کے میدان میں دونوں فوجوں کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ سبکتگین کے ساتھ اس کا نوجوان اور بہادر فرزند محمود بھی تھا جو آگے چل کر تاریخ ہند کا نہایت نامور شخص ہوا۔

لڑائی شروع ہوئی اور بڑے زور شور سے شروع ہوئی جس میں محمود نے مردانگی کے بڑے جوہر دکھائے۔

نہ معلوم لڑائی ابھی کب تک جاری رہتی کہ اچانک سرد ہوا کا طوفان بڑے زور سے چلنا شروع ہوا اور آسمان سے شدت کے ساتھ برف پڑنے لگی۔ افغان تو اس سرد ہوا اور برف باری کے عادی تھے ان کو تو محسوس بھی نہ ہوا کہ کیا ہوا۔ مگر ہندوؤں کے لئے یہ مصیبت بالکل نئی تھی اور ان کو اس سے پہلے بادوباران کے اس ہلاکت خیز طوفان سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ سردی کی شدت اور برسات کی کثرت سے ان کے ہاتھ پاؤں بالکل رہ گئے نہ لڑنے کی سکت رہی نہ چلنے کی طاقت۔ محمود نے یہ حال دیکھا تو موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً حملہ کر دیا۔ ہندوؤں کو شکست ہوئی اور ان کا راجہ گرفتار ہو کر سبکتگین کے حضور میں پیش کیا گیا۔

حالانکہ راجہ سلطان سبکتگین کے لئے کافی پریشانی کا باعث ہوا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اسی وقت اس کی گردن اڑا دیتا مگر سبکتگین اس سے بڑی شرافت کے ساتھ پیش آیا اور اس سے کہا کہ اگر تم ۵۰ ہاتھی اور دس لاکھ درہم

تاوانِ جنگ ادا کرو اور آئندہ کے لئے میرے باجگزار بن کر رہو اور فتنہ و فساد کے خیالات کو دل سے نکال دو تو میں تم کو رہا کر دوں گا۔

راجہ چونکہ گرفتار تھا اور قید سے رہائی چاہتا تھا۔ لہذا اس نے سبکتگین کی پیش کردہ ساری شرائط پر رضامندی کا اظہار کیا اور کہا۔ یہاں تو میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ اپنے چند معتبر اور معزز آدمیوں کو میرے ساتھ کر دیں۔ لاہور پہنچ کر تاوانِ جنگ کی رقم ۵۰ ہاتھی اور خراج فوراً ان کے ہاتھ بھیج دوں گا۔

سلطان نے راجہ پر اعتماد کر کے اپنے چند معتبر آدمی راجہ کے ساتھ کر دیئے۔ جب راجہ ان کو لے کر لاہور پہنچا تو اس کی نیت میں فتور آ گیا۔ اس نے پہلے اپنے دربار کے کھشتری سرداروں سے صلاح پوچھی۔ انہوں نے کہا۔ مہاراج نے جو وعدہ مسلمان بادشاہ کے ساتھ کیا تھا وہ بہر حال پورا کرنا چاہیئے۔ وعدہ سے انکار مہا پاپ ہے۔ مگر دربار میں جو برہمن حاضر تھے انہوں نے سخت مخالفت کی اور کہا کہ خراج ادا کرنے اور تاوانِ جنگ دینے سے راجہ کی نہایت بے عزتی سارے ہندوستان کے راجاؤں میں ہو گی اور اسے کہیں منہ دکھانے کی جگہ نہ رہے گی۔ ہر آدمی اس سے نفرت کرے گا اور اسے قوم اور ملک کا غدار کہے گا۔ اس لئے ہرگز تاوانِ جنگ ادا نہ کریں۔ سبکتگین آپ کا کر ہی کیا سکتا ہے۔

راجہ کو برہمنوں کی یہ صلاح پسند آئی۔ اس نے سبکتگین

کے آدمیوں کو جنہیں وہ اپنے ہمراہ لایا تھا۔ بلایا اور قتل کروا دیا
جب اس واقعہ کی خبر غزنی میں سبکتگین کو ہوئی تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور اس نے کوئی چارہ کار اس کے سوا نہ دیکھا کہ اپنے آدمیوں کا انتقام لینے اور راجہ کو اس کی بدعہدی اور غداری کی سزا دینے کے لئے اپنی افواج کو حرکت دے۔ چنانچہ وہ مضبوط اور بہادر نوجوانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ غزنی سے چل پڑا۔

ادھر جے پال بھی غافل نہ تھا۔ اس نے نہ صرف یہ کہ خود مقابلے کی پوری تیاری کی بلکہ دہلی کالنجر اجمیر اور قنوج کے راجاؤں کو لکھا کہ سبکتگین میرے ملک پر حملہ کرنے کے لئے تیزی سے بڑھا آ رہا ہے۔ اگر وہ اس حصۂ ملک پر قابض ہو گیا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں۔ لہذا اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی پوری کوشش کے ساتھ میری مدد کرو اور جس قدر فوج اور سامانِ رسد بھیج سکتے ہو فوراً بھیجو۔ اس معاملہ میں ذرا سی تاخیر ملک کی قسمت کو پلٹ دے گی۔

چونکہ اس وقت موت اور زندگی کا سوال تھا۔ اور جے پال کی مدد کرنا گویا خود اپنی مدد کرنا تھی۔ لہذا تمام راجاؤں نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اپنی فوجیں جے پال کی امداد کے لئے لاہور بھیج دیں۔ یہاں تک کہ جے پال کے جھنڈے تلے ایک لاکھ سپاہیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

اس جرّار لشکر کو لے کر جے پال بڑی تیزی کے ساتھ

سبکتگین کے حملے کو روکنے کے لئے سرحد کی طرف روانہ ہوا
ابھی سبکتگین ملتان تک پہنچا تھا کہ جے پال نے اسے آن
لیا۔ سبکتگین نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا تو جہاں تک
نگاہ جاتی تھی۔ آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ یہ ۲۶ ہزار تھے
اور وہ ایک لاکھ تھے۔ مگر سلطان نے ہمت نہ ہاری بڑی
ہوشیاری کے ساتھ فوج کو ترتیب دیا اور مقابلہ کے لئے
آمادہ ہو گیا۔

دونوں فوجیں مقابلہ پر آئیں اور لڑائی شروع ہوئی۔ سرد
علاقوں کے مسلمان سپاہی گرم ملک کے رہنے والے ہندوؤں
کے مقابلہ میں بہت طاقتور ثابت ہوئے اور ہندوستانی فوج
بہت بڑے نقصان کے بعد میدان سے بھاگ نکلی۔
اور میدان سبکتگین کے ہاتھ ہی رہا۔ دو سو ہاتھی اور بیشمار
مالِ غنیمت اسے اس لڑائی میں ملا۔ جے پال کو بری طرح
شکست ہوئی اور اسے دریائے سندھ تک کا علاقہ سبکتگین
کو دے کر اپنی جان چھڑانی پڑی۔ یہاں سے واپس جانے
کے کچھ عرصہ بعد ۹۹۱ء میں سبکتگین کا انتقال ہو گیا۔

سبکتگین بہت بہادر مگر رحم دِل بادشاہ تھا۔ اس نے
سلطنت کا انتظام بہت عمدگی سے کیا۔ میدانِ جنگ میں
وہ شیر کی طرح حملہ کرتا تھا اور بڑی بہادری سے لڑتا تھا
سخاوت اور فیاضی میں بھی خاص طور سے مشہور تھا۔ عالی حوصلہ
اور اولو العزم تھا۔ بار بار خطائیں کرنے پر بھی دشمن کو معاف
کر دیا کرتا تھا۔

سُلطان محمُود غزنوی

سبکتگین کے دو بیٹے تھے بڑا محمود اور چھوٹا اسمٰعیل۔ باپ کے انتقال کے وقت محمود نیشاپور میں تھا۔ اور اسمٰعیل اس کے پاس تھا۔ محمود نہایت بہادر، اولوالعزم اور مدبّر شخص تھا مگر اسمٰعیل جہانداری اور جہانگیری کے اصولوں سے ناواقف۔ عاقبت نااندیش اور ناتجربہ کار انسان تھا۔ باپ کے مرتے ہی خوشامدی امراء نے اس کو ورغلایا۔ کہ تخت حاصل کرنے کا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ اگر اسے کھو دیا تو ساری عمر بھائی کی غلامی کرنی پڑے گی۔ اس بے وقوف کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی۔ فوراً اپنی تخت نشینی کا اعلان کر کے تمام مال و منال پر قبضہ کر لیا۔ تخت نشین ہوتے ہی خزانہ کا منہ کھول دیا اور بے دریغ داد و دہش شروع کی۔ خلعت منصب اور جاگیریں کثرت سے لوگوں کو دینی شروع کیں تاکہ عوام امراء اور فوجی سپاہی اس کے ہم نوا اور ہم درد ہو جائیں اور وہ بلا غل و غش حکومت کر سکے۔ اس کارروائی کے بعد وہ بے فکری کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔

جب محمود نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے نیشاپور سے بھائی کو خط لکھا کہ تمہاری یہ کارروائی عاقبت نااندیشانہ ہے۔ اگر تم والدِ مرحوم کی سلطنت کو سنبھالنے کے قابل ہوتے تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ مگر صورتِ حال یہ نہیں ہے۔ نہ

تم کو سلطنت کی فکر ہے نہ اس کے انتظام کی قابلیت۔ بیوقوف خوشامدیوں نے تم کو گھیر رکھا ہے۔ اور تم بجائے سلطنت کے انتظام کے عیش و عشرت میں مشغول ہو۔ ملک کو اس وقت ایک مضبوط اور طاقتور حکمران کی ضرورت ہے جو ان تمام دشمنوں کا مقابلہ کر سکے جو ہماری سلطنت کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور یہ بات تم میں موجود نہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ والد جو کچھ میراث چھوڑ گئے ہیں اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ جو ملک انہوں نے اپنے زورِ بازو سے فتح کیا تھا اسے قائم رکھا جائے۔ تم بلخ اور خراسان کی حکومت پر قناعت کرو اور غزنی کا تخت میرے حوالے کرو تاکہ ملک کا کماحقہٗ انتظام کر سکوں۔ یقین رکھو۔ کہ اگر تم نے میری نیک صلاح مان لی تو تم ہمیشہ مجھے ایک محبت والا بھائی پاؤ گے۔ اس مشورہ کے مان لینے میں تمہارا بھی فائدہ ہے اور ملک کی بھی بھلائی اسی میں ہے۔

جب یہ خط اسمٰعیل کے پاس پہنچا تو خوشامدیوں نے اسے بہت بھڑکایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے محمود کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اور بھائی کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ ادھر جب محمود کو اس کی اطلاع ہوئی تو مجبوراً اس نے بھی لشکر آراستہ کیا اور پایۂ تخت پر قبضہ کرنے کے لئے نیشاپور سے چل پڑا۔ اور جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو اگرچہ اسمٰعیل کی فوج نے انعام واکرام کے لالچ میں بڑے زور کا دھاوا کیا۔ مگر محمود کے تجربہ کار اور بہادر سپاہیوں کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ اسمٰعیل گرفتار ہوا۔ اور اس کی فوج کو شکست فاش ہوئی۔

باوجودیکہ اسماعیل نے بھائی کے ساتھ دشمنی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ مگر محمود نے اس کا خیال نہ کیا۔ بلکہ بہت عزت سے اس کے ساتھ پیش آیا۔ اب محمود غزنی کے تخت کا مالک بن گیا۔

محمُود کے حملے ہندوستان پر

بھائی کا قصہ ختم ہوتے ہی سرحد پر ایک نیا جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ اس کے باپ کا قدیمی دشمن راجہ جے پال جو دو مرتبہ سبکتگین کے ہاتھ سے بری طرح شکست کھا چکا تھا اور دوسری مرتبہ کی لڑائی میں پشاور بھی ہاتھ سے کھو چکا تھا۔ ابھی تک زندہ تھا اور لاہور میں حکومت کر رہا تھا۔

سبکتگین کے مرنے پر جے پال نے سوچا کہ سبکتگین تو ایک بہادر اور دلیر انسان تھا اس کے سامنے میری کچھ پیش نہ گئی۔ مگر محمود تو بالکل نوجوان اور ناتجربہ کار شخص ہے اسے شکست دے کر مار بھگانا کونسا مشکل کام ہے۔ اس نے سوچا کہ اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو واپس لینا میرا اولین فرض ہے۔ اور اس کے لئے اس سے زیادہ بہتر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس وہ ۱۲ ہزار سوار ۳۰ ہزار پیادے اور ۳۰۰ ہاتھیوں کے ساتھ لاہور سے پشاور فتح کرنے اور اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لینے کے لئے روانہ ہوا۔ محمود کو خبر ہوئی تو وہ بھی دس ہزار کے جنگ آزمودہ لشکر کو لے کر مقابلہ پر آیا۔ پشاور کے قریب فریقین میں بڑا زبردست معرکہ

ہوا۔ جے پال بلاشبہ بڑی بہادری سے لڑا۔ مگر تقدیر کے آگے کوئی تدبیر نہ چل سکی۔ افغانوں کے آگے ہندی بہادر نہ ٹھہر سکے۔ ہزاروں مارے گئے اور لڑائی کا خاتمہ جے پال کی قید پر ہوا۔

یہ تیسری مرتبہ تھی کہ راجہ جے پال کو تخت غزنی کے مقابلہ میں ناکامی اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اگرچہ ہر مرتبہ اس نے خود ہی پیش قدمی کی اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ حملے کئے۔ مگر فتح اس کی تقدیر میں نہ تھی۔

جے پال، محمود کا بدترین دشمن تھا۔ جس نے دو مرتبہ اس کے باپ کو تباہ کرنے کے لئے اس پر حملے کئے اور اب محمود کو برباد کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہوا۔ جس نے وعدہ کر کے تاوان جنگ ادا نہ کیا۔ جو دھوکے سے سبکتگین کے آدمیوں کو لاہور لے گیا اور وہاں ان کو قتل کر ڈالا۔ ایسے وعدہ خلاف قاتل اور خونی دشمن کی سزا موت کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی۔ واقعی بات یہ ہے کہ محمود رحم و کرم کا مجسمہ تھا۔ تم یہ پڑھ کر حیران ہو گے کہ اس آخری مرتبہ جے پال کے قید ہو جانے پر جب اس کے بیٹے نے محمود سے عاجزانہ طور پر درخواست کی۔ کہ میرے باپ کو چھوڑ دیا جائے۔ میں جو کچھ فدیہ کی رقم ہو گی ادا کر دوں گا۔ اور آئندہ بہت باقاعدگی کے ساتھ سالانہ خراج ادا کرتا رہوں گا تو عالی حوصلہ محمود نے جے پال کے پچھلے جرموں کا خیال نہ کیا اور اسے فوراً رہا کر دیا۔ مگر یہ رہائی جے پال کے لئے پیغام موت ثابت ہوئی۔ کیونکہ بار بار

شکست کی ذلت کو وہ برداشت نہ کر سکا اور جب لاہور پہنچا تو چتا روشن کی اور اس میں جل مرا۔

محمود اور جے پال کی لڑائی ۱۰۰۱ء میں ہوئی۔ تم نے دیکھ لیا کہ اس لڑائی میں محمود کا ذرہ برابر بھی قصور نہیں نہ اس نے حملہ کرنے میں پہل کی نہ کوئی ایسی حرکت کی جس سے مشتعل ہو کر جے پال اس پر حملہ کرنے کے لئے مجبور ہوتا۔ جے پال نے خود ہی بغیر کسی وجہ کے محمود پر حملہ کیا۔

جے پال کے جل کر مر جانے کے بعد اس کا بیٹا انگپال یا انندپال گدی نشین ہوا۔ تم پڑھ چکے ہو کہ اس نے باقاعدہ خراج ادا کرتے رہنے کے وعدہ پر اپنے باپ کو رہا کرایا تھا۔ انندپال اپنے اس وعدہ پر سات برس تک قائم رہا اور ہر سال باقاعدہ خراج کی رقم غزنی بھیجتا رہا۔ مگر پھر اس کے دل میں فتور پیدا ہوا اور اس نے سوچا کہ کیوں نہ ایک عظیم الشان لشکر جمع کر کے محمود سے اپنے باپ کی شکستوں کا انتقام لیا جائے۔ پس اس کے لئے اس نے خفیہ طور سے تیاریاں شروع کیں۔ دہلی۔ کالنجر۔ اجمیر اور قنوج کے راجاؤں کو اس نے پھر خطوط لکھے کہ میرے باپ جے پال کی آپ نے سبکتگین کے مقابلہ میں نہایت بیش قرار امداد کی تھی۔ وہ دونوں تو مر گئے۔ اب میرا اور محمود کا مقابلہ ہے۔ یہ دشمن اپنے باپ سے زیادہ خونخوار اور ہیبت ناک ہے اور اگر اسے زیادہ مہلت دی گئی تو سارے ہندوستان کو ہڑپ کر جائے گا۔ میں نے ارادہ کیا

ہے کہ اس فتنہ کے انسداد میں ہر ممکن کوشش کروں - لیکن آپ کی مدد کے بغیر میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا - روپے پیسے - سازو سامان اور فوج سے میری مدد کریں - تو میں اس فتنہ کا سر کچلنے کے قابل ہو سکوں گا جو نہ صرف میرے لئے بلکہ آپ سب کے لئے سخت خطرے کا باعث ہے - اور موقع ملتے ہی سب کو تباہ کر دے گا -

ان کے علاوہ اجین - متھرا - گوالیار - گجرات اور مالوہ کے راجاؤں کو بھی اس نے بڑے پرزور خطوط لکھے اور اپنی امداد کے لئے بلایا - ملتان کا بادشاہ مسلمان تھا - اس سے بھی امداد کی درخواست کی - وہ اگرچہ محمود کا باجگزار تھا مگر نہایت غداری سے کام لیتے ہوئے اس نے فوج اور سامان کے ساتھ انندپال کی مدد کی -

جن جن راجاؤں کو انندپال نے اپنی مدد کے لئے خطوط لکھے تھے - سب نے اس کو نہایت حوصلہ افزا جواب دیئے - اپنی بہترین فوجیں اور بے شمار سامانِ جنگ فوراً اس کے پاس بھیج دیا - ہندو ذاتی اختلافات اور اندرونی جھگڑوں کو بھول گئے اور متحدہ طور پر اپنے اس خطرناک دشمن کا انسداد کرنے کے لئے نہایت مستعدی کے ساتھ آمادہ ہو گئے -

نہ صرف ان راجاؤں نے بلکہ شمالی ہند کے بہت سے دیگر چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے بھی اپنی عافیت اور سلامتی اسی میں دیکھی کہ اس وقت اپنے مقدور اور طاقت سے بڑھ کر انندپال کی امداد کی جائے -

راجاؤں کے علاوہ شمالی ہند کے عوام میں بھی اس وقت مسلمانوں کے خلاف اس قدر جوش پھیلا ہؤا تھا۔ کہ مردوں نے اپنا برسوں کا جمع کیا ہؤا اثاثہ اور عورتوں نے نہایت چاہت سے رکھا ہؤا اپنا سارا زیور بطور چندۂ جنگ انندپال کو بھیج دیا۔ کیونکہ اس وقت قومی عزت، اور ملکی آن کا سوال تھا۔ ہر چھوٹا بڑا کٹ کر مرجانے کو اپنی نجات کا باعث سمجھتا تھا۔ آتش بیان مقرروں نے جگہ جگہ تقریریں کر کے مسلمانوں کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات شمالی ہند میں نہایت کثرت کے ساتھ پھیلا دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ مسلمان، ہندوؤں کی نظر میں ایک ڈاکو اور خونی سے بھی زیادہ ظالم اور سفاک سمجھے جانے لگے۔ انتہا یہ ہے کہ جن عورتوں کے پاس زیور یا نقد و جنس کی قسم سے کوئی چیز نہ تھی۔ انہوں نے چرخہ کات کر پیسے اکٹھے کئے اور انندپال کو بھیج دیئے تم خود سوچ سکتے ہو کہ جب سارا ملک اس جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار تھا۔ تو انہوں نے کیا کچھ تیاریاں نہ کی ہوں گی۔

ان تیاریوں کے نتیجہ میں بے شمار سامانِ جنگ، کروڑوں روپیہ اور شمالی ہند کے منتخب بہادروں کا ایک عظیم الشان لشکر انندپال کے گرد جمع ہو گیا۔ جسے دیکھ کر وہ پھولا نہ سمایا۔ اور غرور و فخر کے نشے میں جھومتا ہؤا غزنی پر حملہ کرنے کے ارادہ سے چل پڑا۔

ادھر محمود جہاں بے نظیر بہادر تھا۔ وہاں اعلیٰ درجہ کا

مدبّر اور ہوشیار بھی تھا۔ راجہ انند پال نے اگرچہ اپنی تیاریاں بہت خفیہ طور پر کیں مگر محمود کو دم دم کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ اس نے بھی ایک لشکر تیار کیا اور قبل اس کے کہ انند پال اس کی سرحد میں قدم رکھے یہ پشاور پہنچ چکا تھا۔

دونوں فوجوں نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور مقابلہ آرائی شروع ہو گئی۔ محمود کے پاس چند ہزار سپاہی تھے اور انند پال کے جھنڈے تلے لاکھوں مردِ میدان لڑنے مرنے کو تیار کھڑے تھے۔ تعداد کے لحاظ سے دونوں فوجوں کا کچھ مقابلہ نہ تھا۔ مگر محمود اپنی قلت اور دشمن کی کثرت سے ذرا نہ گھبرایا اور میدان میں ڈٹا رہا۔

چالیس دن تک معرکۂ کارزار گرم رہا۔ جس میں دشمن کا پلّہ بھاری رہا۔ آخر ایک روز محمود نے فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کیا۔ اپنی فوج کو ایک ایک ہزار کے ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور حکم دیا کہ پہلا ہزار دشمن کے مقابلہ پر جائے جب وہ لڑتے لڑتے تھک جائے تو اس کی جگہ دوسرے دستے کے ہزار سپاہی چلے جائیں اور پہلے لڑنے والے واپس آ جائیں۔ اسی طرح مقابلہ جاری رہے۔ بیس ہزار کی فوج محمود نے الگ کھڑی کر دی کہ یہ ضرورت کے وقت کام آئے گی۔

مقابلہ شروع ہوا اور بڑے گھمسان کا رَن پڑا۔ مگر شام تک لڑنے کے بعد بھی پلّہ دشمن ہی کا بھاری نظر

آتا تھا۔ جب کوئی چارۂ کار نہ دیکھا تو محمود گھوڑے سے اترا اور فرشِ خاک پر خدا کے حضور سجدے میں گر پڑا۔ بہت گڑگڑا کر دعا مانگی۔ پھر اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر نئے جوش کے ساتھ دشمن پر ہلّہ بول دیا۔

لڑتے لڑتے اسے ایک تدبیر سُوجھی۔ اس نے اپنی فوج کے ایک نہایت زبردست تیرانداز کو بلایا۔ اور اسے حکم دیا کہ راجہ جس ہاتھی پر سوار ہے۔ شِشست باندھ کر ایک تیر ایسا مارو کہ ہاتھی کی آنکھ میں پیوست ہو جائے۔

تیرانداز نے حکم کی تعمیل کی۔ تیر نشانہ پر بیٹھا۔ اور ہاتھی چنگھاڑتا ہؤا اور اپنی ہی فوج کو روندتا ہؤا واپس بھاگا۔

فوج نے جب دیکھا کہ ہاتھی واپس جا رہا ہے۔ تو اس نے یہ سمجھا کہ راجہ نے راہِ فرار اختیار کی۔ اور وہ محمود کے حملہ کی تاب نہ لا سکا۔ اس پر فوج کے پاؤں بھی اکھڑ گئے اور وہ بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ اب کیا تھا۔ محمودی فوج کی بن آئی۔ اس نے ہندوؤں کو تلواروں پر رکھ لیا اور ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یہ سب کچھ تو ہؤا مگر راجہ انندپال نکل چکا تھا۔ وہ ہاتھ نہ آیا۔ محمود نے سوچا کہ اگر اس وقت انندپال قبضہ میں نہ آیا تو آئندہ پھر فساد کھڑا کرے گا۔ اس لئے وہ بیس ہزار فوج کو لے کر جسے اس نے لڑائی کے شروع میں علیحدہ کر دیا تھا۔ انندپال کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

انندپال کے لئے بڑی مشکل تھی وہ کہاں جائے اور کس طرح محمود کے ہاتھ سے بچے۔ اس زمانہ میں نگرکوٹ

(کانگڑہ) کا قلعہ نہایت مستحکم اور مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے متعلق عام عقیدہ یہ تھا کہ خواہ غنیم کتنا ہی طاقتور ہو مگر اس قلعہ کو فتح نہیں کر سکتا۔ چنانچہ انند پال نے نگرکوٹ کے راجہ کے پاس پناہ لینے کا ارادہ کیا اور سیدھا اُدھر ہی روانہ ہو گیا۔ محمود بھی اس کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ راجہ نے نگرکوٹ کے قلعہ میں پناہ لی ہے۔ تو اس نے بلا پس و پیش قلعہ پر حملہ کر دیا۔

محمود کے حملوں سے سارا ہندوستان کانپ رہا تھا۔ بھلا نگرکوٹ کا راجہ اس کا کیا مقابلہ کرتا۔ فوراً بھاگ کھڑا ہوا اور قلعہ پر محمود کا قبضہ ہو گیا۔ راجہ انند پال بھی نگرکوٹ کے راجہ کے ساتھ نکلا اور پہاڑوں میں جا کر روپوش ہو گیا۔

نگرکوٹ کا راجہ محمود کے لئے قلعہ میں بے اندازہ دولت چھوڑ گیا۔ ایک کمرہ تھا جو سارے کا سارا خالص چاندی کے ڈلوں سے بھرا ہوا تھا۔ بیس من جواہرات خزانہ میں موجود تھے۔ نیز نفیس اور نادر اشیاء قیمتی مال و اسباب اور کروڑوں روپے کے سونے چاندی کے برتن اس کے علاوہ تھے۔

انگریز اور ہندو تاریخ نویسوں نے یہ بالکل غلط لکھا ہے کہ مال و دولت کے لالچ میں محمود نے نگرکوٹ پر حملہ کیا۔ نگرکوٹ پر حملہ کی اصل وجہ راجہ انند پال تھا۔ اگر وہ بھاگ کر نگرکوٹ میں پناہ نہ لیتا تو محمود ہرگز نگرکوٹ پر حملہ نہ کرتا۔ نگرکوٹ پر محمود کا حملہ ۱۰۰۹ء میں

ہُوا ہے۔

اس مہم سے فراغت کے بعد ان لوگوں کی باری تھی۔ جنہوں نے بڑھ بڑھ کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ انندپال کی مدد کی تھی۔ یعنی متھرا۔ قنوج۔ کالنجر۔ اجمیر۔ گوالیار۔ گجرات اور اجین کے راجہ اور ملتان کا مسلمان فرمانروا۔

آج کل کی مہذب حکومتیں بھی اپنے دشمن کے دوستوں کو اپنا دشمن ہی سمجھتی ہیں اور ان کو زیر کرنا اپنا فرض جانتی ہیں۔ یہی کام محمود نے کیا۔ اگر یہ ریاستیں محمود کے خلاف انندپال کی مدد نہ کرتیں تو محمود کبھی ان پر حملہ آور نہ ہوتا۔ ان ریاستوں نے محمود کا بھی مقابلہ کیا۔ اور اس کے باپ کے مقابلہ میں بھی صف آرا ہوئیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تعجب ملتان کے حاکم پر ہے۔ وہ مسلمان تھا اور سلطنت کا باجگزار۔ مگر پھر بھی اس نے نہایت غداری سے کام لیتے ہوئے اپنی فوجیں انندپال کی مدد کے لئے بھیجیں۔ اس لئے اس کا استیصال ضروری تھا۔ ۱۰۱۱ء میں محمود نے ملتان پر حملہ کیا۔ اور اس کے فرمان روا ابوالفتح داؤد قرمطی کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا اور قلعہ غور میں نظربند کر دیا۔

اس کے بعد اس نے ۱۰۱۸ء میں متھرا پر حملہ کیا۔ جو ہندوؤں کا بہت قدیم مقدس شہر ہے اور جہاں ایسی ایسی عظیم الشان عمارتیں بنی ہوئی تھیں کہ دیکھ کر عقل چکرا جاتی تھی۔ راجہ نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ اور متھرا

ہیں صدیوں کی جمع شدہ دولت محمود کے ہاتھ آئی۔ یہ شہر جمنا کے کنارے آباد تھا۔ اس کی شہر پناہ تمام کی تمام سنگ خارا کی تھی۔ شہر کے دونوں طرف نہایت رفیع الشان مندر بنے ہوئے تھے۔ پانسو ایک طرف اور پانسو دوسری طرف۔ شہر کے بیچ میں جو مندر تھا اس کی رفعت۔ عظمت اور شان کا کیا ٹھکانہ تھا۔ سلطان نے اسے دیکھ کر غزنی خط لکھا تھا کہ اگر نہایت ہوشیار اور ماہر معمار اس کی تیاری کے لئے لگائے جائیں۔ تب کہیں دو سو برس میں ایسی شاندار عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔ مندروں میں جو بُت رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے پانچ خالص سونے کے تھے۔ ان میں سے ہر ایک بت پانچ گز اونچا تھا۔ ان بتوں کی آنکھوں میں جو یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ وہ فی یاقوت ۵۰ ہزار دینار کی قیمت کے تھے۔

سونے کے بتوں کے علاوہ دو سو بُت خالص چاندی کے بنے ہوئے ان بُت خانوں میں رکھے تھے۔ اس سے تم خیال کر سکتے ہو کہ کتنی بے شمار دولت ان مندروں میں فضول پڑی ہوئی تھی۔

متھرا کے راجہ نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور متھرا میں صدیوں کی جمع شدہ دولت محمود کے ہاتھ آئی۔

دوسرے سال محمود نے اس سابقہ جرم کی پاداش میں قنوج پر حملہ کیا۔ مگر اس کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ قنوج کو قدیم راجاؤں نے نہایت مستحکم بنایا تھا۔ شہر چار میل میں پھیلا ہوا تھا۔ جس میں بڑے بڑے تالاب اور باغات

اور سر بفلک عمارتیں بنی ہوئی تھیں ۔ صرف مندر دس ہزار تھے شہر کی حفاظت کے لئے اس کے چاروں طرف سات قلعے بڑے مضبوط بنائے گئے تھے ۔ نہایت گہری خندق شہر کے چاروں طرف کھودی گئی تھی ۔ غرض اپنے نزدیک قنوج کو بالکل ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا ۔

راجہ کے پاس سپہ اور فوج کی بھی کمی نہ تھی ۔ تیس ہزار سوار تھے اور پانچ لاکھ پیادے ۔ جن میں سے اسّی ہزار زرہ پوش تھے ۔ یہ عظیم الشان فوج بڑے سے بڑے غنیم کو شکست دینے کے لئے کافی تھی مگر جب وقت محمود نے ایک لاکھ بیس ہزار جوانوں کے ساتھ اس پر حملہ کیا تو سب کچھ دھرا رہ گیا ۔ راجہ نے کچھ مقابلہ کے بعد عافیت اسی میں دیکھی کہ شہر کا دروازہ کھول کر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ باہر آیا اور خود کو محمود کے حوالے کر دیا ۔

طاقتور دشمن کو یوں آسانی سے مغلوب ہوتا دیکھ کر محمود کا سر خدائے بے نیاز کے حضور جھک گیا ۔ شکر الٰہی بجا لا کر اس نے راجہ کو گلے سے لگایا اور عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا ۔ اس کے پچھلے قصور کو معاف کر کے قنوج کا تخت و تاج اسی کو بخش دیا اور خود واپس چلا گیا ۔ راجہ نے سچے دل کے ساتھ محمود کا مطیع اور فرمان بردار رہنے کا وعدہ کیا ۔

بھلا اگر محمود لٹیرا اور ڈاکو ہوتا تو جب ہزاروں کوس کی مسافت طے کر کے آیا تھا تو بغیر لاکھوں کی دولت

حاصل کئے قنوج سے واپس کیوں ہوتا۔ راجہ کو جان سے مار ڈالتا کیونکہ اس نے اس کے خلاف اپنی فوجیں لڑنے کے لئے پشاور بھیجی تھیں۔ شہر کو لوٹ لیتا۔ مندروں کو ڈھا دیتا مگر اس نے کچھ بھی نہیں کیا اور جب راجہ نے اطاعت اختیار کر لی تو خاموشی سے اس کو اس کا راج بخش کر واپس چلا گیا۔ یہ کام ظالم لٹیروں کے ہوتے ہیں۔ یا رحم دل اور عالی حوصلہ بادشاہوں کے؟

جب محمود قنوج سے واپس چلا گیا تو کالنجر اور گوالیار کے راجاؤں نے راجپال والئی قنوج کو نہایت لعنت ملامت کی۔ اور کہا کہ تو بڑا ڈرپوک تھا۔ جو محمود کی اطاعت کر لی اور مسلمانوں کی غلامی کا داغ اپنی پیشانی پر لگا لیا۔ ان راجاؤں نے نہ صرف زبانی برا بھلا کہا۔ بلکہ راجہ کالنجر کی زیر سرکردگی قنوج پر فوج کشی کر دی۔ تاکہ راجہ کو محمود کی اطاعت کا مزا چکھائیں۔

جب راجپال نے یہ دیکھا تو فوراً ایک تیز رفتار قاصد غزنی دوڑایا اور محمود کو صورتِ حال سے باخبر کر کے امداد کا طالب ہوا۔ بھلا محمود جیسا عالی حوصلہ سلطان اس امر کو کس طرح گوارا کر لیتا کہ جو شخص (خواہ وہ کافر ہی ہو) اس کی پناہ میں آ چکا ہے وہ دشمنوں کے نرغے میں گھر جائے۔ اور وہ اس کی مدد کو نہ پہنچے۔ پس محمود فوراً ایک فوج لے کر راجپال کی مدد کے لئے غزنی سے نکلا اور بڑی تیزی کے ساتھ قنوج کو روانہ ہوا راستے میں کس کی مجال تھی جو اس فاتح صف شکن کے سامنے

پڑتا۔ محمود دو منزلہ، سہ منزلہ کرتا ہوا قنوج پہنچ گیا مگر افسوس راجپال کو کالنجر کے راجہ نے شکست دے کر قتل کر ڈالا تھا۔ راجپال کے لڑکے ترلوچن پال نے رو رو کر ساری داستان محمود کو سنائی۔ محمود نے شفقت کا ہاتھ اپنے مقتول دوست کے لڑکے کے سر پر پھیرا اور کہنے لگا۔ تقدیری معاملات میں چارہ نہیں۔ خدا کو اسی طرح منظور تھا۔ صبر کرو اور اطمینان کے ساتھ اپنے باپ کی گدی پر راج کرو۔ میں اپنے دوست کے خونِ ناحق کا انتقام لئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا اور کالنجر کے راجہ کو اس قابل نہیں چھوڑوں گا۔ کہ وہ پھر تم پر حملہ کر سکے۔ محمود نے جو کچھ کہا وہ کر کے دکھا دیا۔ اس نے کالنجر کے راجہ پر حملہ کر دیا۔ راجہ نے محمود کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں کی تھیں۔ آس پاس کے راجاؤں کو بھی اپنی مدد کے لئے اکٹھا کر لیا تھا۔ مگر جب محمود کی قہار فوجوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تو راجہ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ راتوں رات قلعہ کی پچھلی طرف سے نکل کر بھاگ گیا۔ ۵۸۰ ہاتھی اور بے شمار مال و دولت محمود کے لئے چھوڑ گیا۔

لاہور کا تخت محمود کے لئے ایک مستقل مصیبت بنا ہوا تھا۔ یہاں کا راجہ جے پال دوم تھا جو انندپال کا بیٹا اور جے پال اوّل کا پوتا تھا۔ باپ دادا کی طرح بغاوتیں کرتا رہتا۔ اور دوسرے راجاؤں کو محمود کے خلاف اکساتا رہتا تھا۔ بظاہر باجگزار بنا ہوا تھا۔ مگر خفیہ خفیہ سلطان

کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا۔ کالنجر کی مہم کے وقت بھی اس نے اپنی فوجیں راجہ کی امداد کے لئے خفیہ طور سے بھیجی تھیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے اور روزمرہ کی چپقلش سے تنگ آ کر محمود نے یہی سوچا کہ لاہور کو غزنی کی سلطنت میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ کالنجر سے واپسی پر اس نے لاہور پر حملہ کیا۔ جے پال دوم نے اگرچہ مقابلہ کیا۔ مگر وہ محمود کے حملے کو کس طرح روکتا۔ شکست کھا کر اجمیر بھاگ گیا اور لاہور پر محمود کا قبضہ ہو گیا۔ محمود نے اپنے مشہور غلام ایاز کو لاہور کا پہلا گورنر مقرر کیا۔ اور اس نے بڑی عمدگی اور خوبی کے ساتھ تمام مغربی علاقہ کا انتظام کیا۔ ایاز کی قبر اس وقت تک لاہور میں موجود ہے۔

اب ہم محمود کے سب سے آخری حملے کا حال لکھتے ہیں جو سومنات پر ہوا۔

کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں سمندر کے کنارے ایک بہت قدیم شہر آباد تھا۔ جسے سومنات پٹن کہتے تھے۔ یعنی سومنات کا شہر۔ یہاں ایک بہت عظیم الشان مندر بنا ہوا تھا جس کے متعلق ہندو روایت یہ ہے! کہ اسے سوم دیوتا نے بنایا تھا۔ اس مندر میں جو مورتی رکھی ہوئی تھی وہ در اصل شیو جی کا بت تھا۔ یہ بُت ٹھوس پتھر کا بنا ہوا تھا۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ وہ اندر سے کھوکھلا تھا اور اس میں لاکھوں روپے بھرے ہوئے تھے۔ یہ بت پانچ گز لمبا تھا۔ دو گز زمین کے اندر دفن تھا۔ اور

تین گز زمین کے اوپر تھا۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت اس سے بڑا مندر ہندوستان میں اور کوئی نہ تھا۔ سارے ہندوستان کے راجہ مہاراجہ اور عوام اس مندر کو نہایت متبرک اور مقدس سمجھتے تھے۔ سورج گرہن کے وقت جو میلہ یہاں لگتا تھا اس کی نظیر اور کہیں نہیں پائی جاتی تھی۔ مندر کی چھت ۵۶ مرصع ستونوں پر ٹکی ہوئی تھی۔ جن میں ہزاروں جواہرات لگے ہوئے تھے اور ان جواہرات کی جگمگاہٹ اتنی تھی۔ کہ بیرونی روشنی کی ضرورت نہ پڑتی تھی قندیلوں میں بھی جواہرات اور الماس جڑے ہوئے تھے۔ رات کے وقت مندر میں دن معلوم ہوتا تھا۔ چھت میں جو زنجیر لگی ہوئی تھی اور جو پوجا کے وقت بجائی جاتی تھی۔ اس کا وزن دو سو من تھا اور وہ خالص سونے کی بنی ہوئی تھی۔ دو ہزار پانڈے مندر کی خدمت کے لئے وقف تھے۔ پانچ سو گانے والیاں اور تین سو گویّے باقاعدہ ملازم تھے۔ جو پوجا کے وقت بھجن گاتے اور ناچتے تھے۔ اس پاس کے دس ہزار گاؤں اس مندر کی ضروریات کے لئے وقف تھے۔ غرض یہ مندر ہندوستان کا سب سے بڑا مذہبی مرکز تھا۔ اور یہاں ہندوستان بھر کے راجہ مہاراجہ آتے اور مورتی کے حضور میں سر نیاز جھکاتے تھے۔

چونکہ یہ مندر سب سے بڑا مذہبی مرکز تھا اور ہندوستان کے راجہ محمود کو ملک کے لئے ایک عظیم الشان آفت سمجھتے تھے۔ لہذا جب پوجا پاٹ کے لئے یہاں جمع

ہوتے تو محمود کے خلاف تدبیریں اور تجویزیں سوچتے، اور پھر ان کو سارے شمالی ہند میں پھیلا دیتے۔ سومنات کے مندر سے جو فرمان جاری ہوتا وہ شمالی ہند کے راجاؤں کے لئے بمنزلہ قانون کے ہوتا اور سب اس پر عمل کرتے پس سومنات کا مندر ایک عظیم الشان گڑھ تھا۔ محمود کے خلاف جہاں ہر قسم کی سازشیں محمود کی طاقت کو توڑنے اور اسے تباہ و برباد کرنے کی آئے دن ہوتی رہتی تھیں جب محمود کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس نے سوچا۔ کہ اس اڈا کو اڑانا چاہیئے۔ تاکہ سارے راجہ ایک جگہ جمع ہو کر میرے خلاف سازشیں نہ کر سکیں۔

مگر یہ کام آسان نہ تھا۔ ہزار مشکلیں اور دقتیں اس میں حائل تھیں۔ اول تو راستہ نہایت دشوار گزار تھا۔ ایک ہزار میل کا سفر تھا اور ایسے لق و دق صحرا میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ جس میں نہ روئیدگی کا پتہ تھا۔ نہ پانی کا نشان ملتا تھا۔ پھر اس بات کا بھی سخت اندیشہ تھا۔ کہ اگر ذرا بھی سومنات کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ہندوستان بھر کے راجہ اسے بچانے کے لئے چڑھ دوڑیں گے۔ اور پھر جان بچانی بھی مشکل ہو جائے گی۔ ایک دو راجاؤں کا مقابلہ تو کر لیا جائے۔ مگر سینکڑوں راجاؤں کا مقابلہ اکیلا محمود کس طرح کرتا۔ لیکن سلطان بلا کی ہمت اور غضب کا عزم رکھتا تھا۔ کسی مصیبت کو خیال میں نہ لایا۔ اور ۳۰ ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ ستمبر ۱۰۲۴ء کو غزنی سے روانہ ہو کر اکتوبر میں ملتان پہنچ گیا۔ ملتان سے بہاولپور

آیا اور یہاں سے صحرائے بیکانیر میں داخل ہو گیا۔ جو ۳۵۰ میل لمبا خشک اور بے آب و گیاہ چٹیل ریگستان تھا۔ سوائے ریت کے وہاں کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ اس کو عبور کر کے گجرات کے علاقہ میں آیا۔ اور سمندر کے کنارے پہنچ کر شہر سومنات کے آگے ڈیرے ڈال دیئے۔

راستے میں اجمیر پڑتا تھا۔ جہاں کے راجہ نے جیپال کے ساتھ ہو کر محمود پر حملہ کیا تھا۔ اور بیٹھے بٹھائے مفت کی دشمنی مول لی تھی۔ اب اس کے بدلے کا وقت آیا تھا۔ سلطان نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مگر راجہ نہایت بزدل واقع ہوا تھا۔ راتوں رات چھپ کر بھاگ گیا اور محمود کے ہاتھ نہ آیا۔

اجمیر کی تسخیر کے بعد جب محمود سومنات پر پہنچا تو دیکھا کہ شہر بہت مضبوط شہر پناہ سے محفوظ ہے۔ اور فصیل پر سپاہیوں کا باقاعدہ پہرہ ہے۔

یہاں پہنچ کر محمود کو ان راجاؤں سے سابقہ پڑا جو اپنی بہترین فوجیں لے کر مندر کو بچانے کے لئے آئے تھے اور برابر چلے آ رہے تھے۔

یہ موقع محمود کے لئے نہایت ہی نازک تھا اس نے نظر اٹھائی تو جہاں تک نگاہ کام کر سکتی تھی۔ آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے۔ قلعہ کی فوج اس کے علاوہ تھی۔

سلطان کی بہادری اور شجاعت کو دیکھ کر حیرانی ہوتی


محمود غزنوی کی فتوحات
غزنی
سلطنتِ غزنوی
کشمیر
ملتان
تھانیسر
قنوج
متھرا
اجمیر
چندیل
کالنجر
بنارس
سومنات
چالوکیہ
چولا
خلیج بنگال
بحیرۂ عرب
لنکا
× محمود غزنوی کے حملے



ہے کہ اس اکیلے نے کس طرح ان ٹڈی دل لشکروں کا مقابلہ کیا ہوگا مگر واقعہ یہ ہے کہ محمود کی تلوار کے آگے کوئی راجہ نہ ٹھہر سکا۔ اور سب کو فاش شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔ جب قلعہ کی فوج نے اپنے مددگاروں کا یہ حشر دیکھا تو اس کے دِل بھی ٹوٹ گئے۔ مقابلہ کی ہمت نہ رہی۔ قلعہ کی پشت پر سے کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ جانا چاہا۔ مگر سلطان کب مہلت دیتا تھا۔ ہزاروں کو سمندر میں ڈبو دیا مگر کچھ فوج ایسی بھی تھی۔ جو بہادری سے محمود کے مقابلہ پر ڈٹی رہی۔ اور فصیل شہر پر کھڑی مسلمانوں پر تیروں کی بے پناہ بارش کرتی رہی۔ جس سے بہت سخت نقصان ہوا۔ اس پر چند بہادر مسلم نوجوان شجاعت کے جوش میں جھومتے ہوئے آگے بڑھے اور کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے۔ مگر ہندوؤں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا اور سب کو کاٹ کر نیچے ڈال دیا۔

کچھ فوج بیشک بہادری سے لڑ رہی تھی مگر عام باشندگانِ شہر میں اور باقی ماندہ حصہ فوج میں بزدلی اور مایوسی پھیل گئی تھی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ مقابلہ تیزی اور پھرتی سے ہو سکتا تھا۔ تھوڑی سی فوج آخر تک محمود کے زور آور حملوں کا مقابلہ کرتی رہی۔ تاہم تین دن تک فوج نے محمود کو قلعہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ مگر چوتھے روز یہ مٹھی بھر فوج محمود کی یلغار کو نہ روک سکی۔ مسلم بہادر کمندیں لگا کر فصیل پر چڑھ گئے۔ اور نہایت بے جگری

سے نیچے کود کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ محمود فوج لئے تیار کھڑا تھا فوراً گھس گیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھوڑی دیر کے بے سود مقابلہ کے بعد جب اہل شہر نے امان مانگی تو محمود نے فوراً اپنا ہاتھ روک لیا۔ اور سارے شہر میں فوراً لڑائی بند کر دی گئی برہمن اور پانڈے آگے بڑھے اور محمود کے حضور میں سر نیاز خم کیا۔ محمود ان سے اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ اور ان کو ہمراہ لے کر مندر میں داخل ہوا۔ شان و شوکت اور نفاست و کاریگری کو دیکھ کر محمود حیران رہ گیا۔ سامنے سومناتھ کا بت کھڑا تھا۔ محمود نے بے اختیار اپنا لوہے کا گرز اٹھایا جسے دیکھ کر پجاری اور پانڈے کانپ اٹھے۔ وہ سمجھ گئے۔ کہ دوسرے منٹ میں کیا ہونے والا ہے۔ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھے اور ہاتھ جوڑ کر ادب سے کہنے لگے" یہ ہمارا دیوتا ہے۔ ہم اپنی مشکلات اس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اپنی حاجتیں اس سے مانگتے ہیں۔ پرماتما کے لئے اسے نہ توڑیں۔ اس مہربانی کے عوض جتنا روپیہ اور جس قدر جواہرات آپ چاہیں۔ ابھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے جائیں گے۔

محمود ہنسا اور کہنے لگا" بیوقوفو! تمہارا یہ دیوتا ذرا پتھر ہے۔ اس میں نہ حس ہے نہ جان۔ نہ تمہاری دعائیں سن سکتا ہے نہ تمہاری مشکلات حل کر سکتا ہے۔ تم نے اس وقت دیکھ لیا کہ اس نے تمہاری کون سی مدد کی۔ پوجنے کے لائق صرف خدا کی ذات ہے۔ کاش! تم میں

عقل ہوتی۔ اور تم اس ذاتِ اقدس کو پہچانتے۔ رہا بت کے بدلے میں مال و دولت لینے کا سوال؟ تو یہ بت کا بیچنا ہوا اور میں نہیں چاہتا کہ جب میدانِ حشر میں میں خدائے پاک کے سامنے حاضر کیا جاؤں تو یہ کہہ کر آواز دی جائے کہ محمود بُت فروش کو ہمارے حضور میں حاضر کرو۔"

یہ کہا اور اپنا مضبوط فولادی گرز اٹھا کر اس زور سے بُت کے مارا کہ شوجی کا یہ بُت ٹوٹ کر فرش پر گر پڑا۔

یہ روایت کہ بت اندر سے کھوکھلا تھا اور اس میں بے شمار زر و جواہر بھرا تھا کہ بت کے ٹوٹتے ہی باہر نکل پڑا قطعاً غلط اور بے اصل ہے۔ حقیقتاً وہ ٹھوس پتھر کا تھا اور اس میں سے کچھ نہ نکلا۔

محمود دراصل اپنے خلاف سازش کے اس سب سے بڑے اڈہ کو اڑانا چاہتا تھا۔ تاکہ نہ یہ قائم رہے اور نہ اس کے خلاف سارے ہندوستان میں سازشیں ہوتی رہیں اس لیئے اس نے اس پتھر کو توڑا۔ ورنہ اس نے کتنی دوسرے شہر فتح کیئے۔ کہیں بھی بتوں کو نہیں توڑا۔

یہی وجہ تھی کہ فتح سومنات کے بعد اس کے خلاف سازشیں بالکل بند ہو گئیں۔ اور اس نے اس کے بعد اپنی وفات تک چھ سال کا زمانہ امن سے گزارا اور اسے ہندوستان پر حملہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ سوائے جاٹوں کی سرکوبی کے جنھوں نے سومناتھ سے واپسی کے وقت اسے پریشان کیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے اسے قریباً ہر سال لاؤ لشکر کے ساتھ ہندوستان آنا

پڑتا تھا۔

سلطان کو اسہال کا مرض تھا۔ طبیب اسے ہر چند منع کرتے تھے کہ چلنے پھرنے اور محنت کے کام نہ کیا کریں اور اپنی جان کو آرام دیں۔ مگر وہ ان کی نہ سنتا تھا اور برابر کام میں مصروف رہتا تھا۔ نہایت دشوار گزار اور کٹھن راستے اس نے نہایت خاموشی کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر طے کئے۔ نہایت سخت محنت کے کام بڑے شوق سے خود کرتا۔ اور ادنےٰ سے ادنےٰ کام کرنے سے بھی اسے عار نہ تھا۔ آخر یہ محنت رنگ لائی۔ مرض نے شدت اختیار کیا اور دنیا کا یہ نامور ترین اور عظیم الشان فرماں روا ۱۹ اپریل ۱۰۳۰ء کو ۶۳ برس کی عمر میں کامل ۳۲ سال جاہ و جلال کے ساتھ سلطنت کرنے کے بعد موت کی ابدی نیند سو گیا۔

ہندو اور انگریز تاریخ نویسوں نے جتنے الزام محمود پر لگائے ہیں اتنے ہندوستان کے کسی اور بادشاہ پر نہیں لگائے۔ انہوں نے اس کو ڈاکو۔ لیٹرا۔ متعصب، مندروں کو مسمار کرنے والا۔ ہندوؤں کو غلام بنانے والا، جبر سے اسلام پھیلانے والا اور نہایت ظالم اور جابر شخص لکھا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک بات بھی صحیح نہیں۔ اگرچہ اس نے ہندوستان پر چھوٹے بڑے سترہ حملے کئے۔ مگر ایک حملہ بھی ایسا نہیں تھا جو محض لوٹ مار کے لئے کیا گیا ہو۔ بلکہ ہر حملے کی ایک معقول وجہ تھی۔ تم پڑھ چکے ہو کہ تخت پر بیٹھتے ہی اس کے

باپ کے پرانے دشمن راجہ جے پال نے اس پر حملہ کردیا اور اس حملے میں شمالی ہندوستان کے سارے زبردست راجاؤں نے اس کی مدد کی۔

۲۔ اگر محمود متعصب ہوتا تو راجہ لاہور کی غدّاریوں کو بار بار کبھی معاف نہ کرتا۔ نیز راجہ قنوج کی حمایت میں کبھی راجہ کالنجر پر حملہ نہ کرتا۔

۳۔ اس نے نہ صرف ان مندروں کو مسمار کیا۔ جہاں اس کے خلاف آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں ویسے اس نے مندروں کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا۔ قنوج کا شہر اس بات کا شاہد ہے۔

۴۔ جنگ کرتے ہوئے جو لوگ گرفتار ہوتے تھے وہ بے شک اس زمانہ کے دستور کے مطابق غلام بنائے جاتے تھے۔ جنگ کے علاوہ اس نے کبھی ایک ہندو کو بھی غلام نہیں بنایا۔

۵۔ کسی تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں کہ اپنی ساری عمر میں اس نے کبھی ایک آدمی کو بھی زبردستی مسلمان بنایا ہو۔

۶۔ اگر وہ جابر اور ظالم ہوتا تو راجہ لاہور کو کیوں بار بار معاف کرتا۔ اور کیوں راجہ قنوج کو اس کا راج بخشتا۔

ایک الزام محمود پر یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ کنجوس اور بد عہد تھا۔ اور اس کے ثبوت میں یہ قصہ سنایا جاتا ہے کہ اس نے فردوسی شاعر کو شاہنامہ لکھنے کا

حکم دیا۔ اور وعدہ کیا کہ ہر شعر کے بدلے تمہیں ایک اشرفی انعام میں دی جائے گی۔ انعام کے لالچ میں فردوسی نے ساٹھ ہزار شعر کی کتاب لکھ ڈالی۔ جب اسے محمود کے حضور میں پیش کیا تو محمود اپنے وعدہ سے پھر گیا۔ اور لالچ میں آکر بجائے ساٹھ ہزار اشرفیوں کے ۶۰ ہزار روپے دینے چاہے۔ فردوسی نے یہ رقم نہ لی۔ دربار غزنی سے چلا گیا۔ اور جل کر محمود کی ہجو لکھی۔

یہ کہانی جو اوپر بیان ہوئی ہے محض گھڑی ہوئی ہے اور ہرگز سچ نہیں۔ ہمارے اس زمانہ میں اس قصہ کے متعلق بڑی تحقیقات ہوئی ہے۔ اور آخر میں محققین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس کہانی میں صداقت نام کو نہیں۔

محمود کے عادات وخصائل

محمود ایک عظیم الشان بادشاہ۔ ایک اولوالعزم سپہ سالار اور ایک اعلیٰ درجہ کا مدبر۔ ایک بہادر سپاہی اور ایک بلند مرتبت حکمران تھا۔ جہاں جاتا۔ فتح و ظفر اس کے آگے چلتی تھی۔ جدھر سے گزرتا تھا سارے علاقہ پر ہیبت چھا جاتی تھی۔ جنگی قابلیت اس کی مسلمہ تھی۔ اور بہادری میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ کسی مشکل یا مصیبت کو کبھی خاطر میں نہ لاتا۔ کسی طاقت سے کبھی نہ ڈرا۔ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا کبھی خیال نہ کیا۔ انتظامی اور فوجی قابلیت کمال کی رکھتا تھا

محنتی اور جفاکش تھا۔ اس کی فیاضی اور علم کی قدردانی دور و نزدیک مشہور تھی۔ نہایت ہنس مکھ اور خوش خلق تھا۔ میدانِ جنگ میں شیر کی طرح لڑتا اور جو سامنے آتا تباہ ہو جاتا۔ مگر ویسے نہایت رحم دل تھا۔ جنگ کے علاوہ کبھی کسی کا خون نہیں بہایا۔ نہ ناحق کسی کو قتل کیا نہ ظلم اور سفاکی اختیار کی۔ نہایت عادل اور منصف فرماں روا تھا۔ حق بات میں کسی کی رعایت نہ کرتا نہایت دیندار اور پابندِ شرع تھا۔ جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو سب سے پہلے خدا کے حضور سجدے میں گر جاتا۔ رو رو کر اور گڑگڑا کر دعا مانگتا اور اس کے بعد کوئی تدبیر کرتا عفو کی عادت بے حد رکھتا تھا۔ دشمن کو جب وہ نادم ہو کر سامنے آتا معاف کر دیتا۔ ناچ رنگ اور کھیل تماشے کا بالکل شائق نہ تھا۔ ساری عمر کبھی ایک لمحہ فضولیات میں ضائع نہ کیا۔ بہت سختی کے ساتھ فوج کو اپنے قابو میں رکھتا تھا۔ حالانکہ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔ لیکن ان حملوں کے دوران میں ایک واقعہ بھی عصمت دری کا نہیں ملتا۔ علماء و فضلاء کی قدر کرتا اور بڑی عقیدت سے ان کے حضور میں حاضر ہوتا اس کے گرد ہر وقت اہلِ کمال کا جمگھٹا لگا رہتا۔ بڑے بڑے شاعر۔ عالم۔ فاضل اس کے دربار کی زینت تھے۔ خود بھی علم و فضل میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے غزنی میں ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔ جس سے ہزاروں طالب علم فیض یاب ہوئے۔ لاکھوں روپے وہ وظائف کے طور پر طلباء کو دیتا تھا۔ اور

علم کی اشاعت میں بے دریغ روپیہ خرچ کرتا تھا۔ جو لائبریری اس نے غزنی میں بنائی تھی وہ دنیائے اسلام میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔ غرض محمود ایک بے مثل حکمران تھا۔

محمود کے بعد

سلطان کے انتقال کے بعد اس خاندان میں تیرہ بادشاہ ہوئے اور انہوں نے کم و بیش ایک سو سال تک غزنی کے تخت پر حکومت کی۔ لیکن ان میں سے محمود جیسا کوئی بہادر نہ نکلا۔ یہ آپس کی خانہ جنگیوں میں مصروف رہے۔ اور اس طرح اپنی طاقت کو کمزور کرتے رہے۔

آخری بادشاہ خسرو ملک کے باپ کو علاؤالدین غوری نے غزنی سے نکال دیا اور وہ لاہور چلا آیا۔ اس کے مرنے کے بعد خسرو ملک لاہور ہی میں تخت نشین ہؤا۔ وہ صرف پنجاب کا حاکم تھا۔ غزنی اس خاندان سے چھن چکا تھا۔ مگر لاہور میں بھی اسے چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہؤا۔ شہاب الدین اسے ۱۱۸٦ء میں گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ جہاں وہ مر گیا۔ اور اس کی موت کے ساتھ غزنوی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

غوری خاندان

سلطنتِ غور

افغانستان میں سلطان محمود کے پایۂ تخت غزنی اور شہر ہرات کے درمیان پہاڑوں کے بیچ میں ایک علاقہ ہے۔ جسے غور کہتے ہیں۔ یہاں ضحاک شاہ ایران کی نسل سے ایک قبیلہ آباد تھا۔ یہی قبیلہ خاندان غور کہلاتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں محمد سوری نامی ایک شخص غور کے کوہستانی علاقہ کا حاکم تھا اور ہمیشہ محمود غزنوی کے علاقہ پر تاخت و تاراج کرتا رہتا تھا۔ تنگ آ کر محمود نے اس پر حملہ کیا۔ محمد سوری نے مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی اور مع اپنے بیٹے حسن کے قید ہو گیا۔ قید میں اس نے ایک روز اپنے بیٹے سے کہا کہ میں تو اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ کتنے دن اور زندہ رہوں گا۔ مگر تو جوان ہے۔ اگر اس طرح قید رہا۔ تو خاندان ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جس طرح ہو۔ یہاں سے نکل، اور غور میں پہنچ کر اپنی حکومت سنبھال۔ چنانچہ بیٹے کو قید سے بھاگ نکلنے کا موقع جلد ہی مل گیا۔ وہ غور کو روانہ ہو گیا۔ اور وہاں پہنچ کر بدستور اپنے باپ کی بجائے حکومت کرنے لگا۔

علاؤالدین غوری

اس طرح غوریوں اور غزنویوں میں جنگ کا سلسلہ قریباً ایک سو سال

تک جاری رہا۔ کبھی ایک غالب آ جاتا اور کبھی دوسرا۔ چنانچہ غوریوں میں ایک فاتح علاؤ الدین ہوا ہے۔ اس نے ایک مرتبہ ایک بڑے لشکر سمیت غور سے چل کر غزنی پر حملہ کر دیا۔ اور غزنویوں کو بھگا دیا۔ غزنی پر فتح پانے کے بعد حکم دیا۔ کہ پہلے سارے شہر کو خوب اچھی طرح لوٹا جائے۔ اور پھر اسے آگ لگا دی جائے۔ سات روز تک شہر جلتا رہا۔ اور وہ شہر جو اس وقت شہروں کی ملکہ کہلاتا تھا۔ تباہ ہو کر رہ گیا۔ ۷۰ ہزار آدمی قتل ہوئے۔ اور غزنی کی وہ عمارات جو عجائبات روزگار سے تھیں۔ کھنڈر بن گئیں۔ انتہا یہ ہے کہ سلاطین غزنی کی قبریں بھی کھود کر پھینک دی گئیں۔

اس قتل و غارت اور ظلم و سفاکی کی وجہ سے علاؤ الدین تاریخ کے صفحات میں "جہاں سوز" کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

شہاب الدین محمد غوری

اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین محمد غزنی کا حاکم ہوا۔ جب وہ مارا گیا۔ تو اس کا بھتیجا سلطان غیاث الدین کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ شہاب الدین غوری اسی کا بھائی تھا۔ دونوں بھائیوں میں بڑی محبت تھی اور آخر تک رہی۔ ساری عمر اس نے بڑی وفاداری اور خلوص کے ساتھ بھائی کی خدمت اور اطاعت کی۔ بھائی نے شہاب الدین کو علاقہ غزنی کا گورنر مقرر کیا۔ غزنوی خاندان کا آخری بادشاہ بھاگ کر لاہور چلا گیا۔

غزنی کا صوبیدار مقرر ہو کر شہاب الدین نے ملک کا بہت عمدہ انتظام کیا۔ سب سے پہلے سارے ملک میں امن قائم کیا۔ ہندوستان کے جو علاقے سلطنت غزنی کے کمزور ہونے کی وجہ سے پھر آزاد اور خود مختار ہو گئے تھے۔ حکومتِ غزنی کا وارث ہونے کے باعث شہاب الدین ان پر دوبارہ قبضہ کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا تھا۔ چنانچہ ملک کا انتظام درست کرنے کے بعد اس نے اپنی توجہ ان علاقوں کی دوبارہ تسخیر کی طرف مبذول کی۔ پہلے ملتان کو فتح کیا۔ پھر اُچھ کو تسخیر کیا۔ اس کے بعد گجرات پر حملہ کیا۔ زاں بعد پنجاب کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت لاہور میں خاندان غزنوی کا آخری بادشاہ خسرو ملک حکومت کرتا تھا جو غوریوں کی فتوحات کی وجہ سے غزنی سے بھاگ کر لاہور چلا آیا تھا۔ محمد غوری نے اس پر حملہ کیا اور اسے گرفتار کر کے اپنے بھائی سلطان غیاث الدین کے پاس بھیج دیا۔

ترا وڑی کی لڑائی

پنجاب کی پرانی راجدھانی بٹھنڈہ تھی یہ مقام آج کل ریاست پٹیالہ میں واقع ہے۔ یہاں ایک بہت مضبوط اور مستحکم قلعہ بنا ہوا تھا۔ غزنوی خاندان کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے بٹھنڈہ بھی آزاد ہو گیا تھا۔ محمد غوری نے ۱۱۹۱ء میں اسے دوبارہ فتح کیا۔ اور یہاں ایک گورنر مقرر کر کے غزنی جانے ہی والا تھا کہ اسے خبر ملی کہ دہلی اور

اجمیر کا راجہ پرتھی راج دو لاکھ فوج اور تین ہزار ہاتھیوں کے ساتھ اس پر حملہ کرنے کے لئے بڑی تیزی سے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ محمد غوری کے پاس اس وقت بہت تھوڑی سی جمعیت تھی۔ جو اتنے عظیم الشان اور جرار لشکر کا کسی صورت سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ محمد غوری چاہتا تو اس خبر کے سنتے ہی فوراً غزنی کو روانہ ہو جاتا۔ اور کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پا سکتا مگر محمد غوری نے یہ بات مردانگی اور بہادری کے خلاف سمجھی کہ دشمن کی آمد کی خبر سن کر راہِ فرار اختیار کی جائے پس باوجود ناکافی سامان اور قلت تعداد کے وہ نہایت شجاعت کے ساتھ اپنی مٹھی بھر فوج لے کر پرتھی راج کو روکنے کے لئے دہلی کی طرف چل پڑا۔ یہ امر اس کی انتہائی دلاوری کو ثابت کرتا ہے۔ ابھی ایک سو میل طے کئے تھے کہ تراوڑی کے مقام پر جو آج کل تھانیسر اور کرنال کے درمیان ریلوے سٹیشن ہے۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ اس کے بیس ہزار لشکریوں نے دو لاکھ ہندی سواروں کا مقابلہ کیا۔ تھوڑی دیر میں محمد غوری کو اپنی فوج میں شکست کے آثار نظر آنے لگے۔ بعض جان نثاروں نے مشورہ دیا کہ وقت خطرناک آ پڑا ہے۔ جان سلامت لے کر میدان سے نکل جائیے۔ مگر محمد غوری نے حقارت کے ساتھ اس مشورہ کو رد کر دیا اور کہا کہ فرار کا داغ میں اپنی پیشانی پر لگانا نہیں چاہتا اگر

فتح قسمت میں نہیں تو شہادت تو اپنے بس میں ہے۔ لڑ کر مارا جاؤں گا۔ لیکن میدانِ جنگ سے نہیں بھاگوں گا۔ یہ کہہ کر بڑی مردانگی کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا۔ لڑتے لڑتے سخت زخمی ہُوا اور بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گرا ہی چاہتا تھا کہ ایک سوار کود کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اور بے ہوش محمد غوری کو مضبوطی سے پکڑ کر نہایت برق رفتاری کے ساتھ میدان سے نکل گیا۔

اس کے نکل جانے کے بعد اسلامی فوج کو کھُلی شکست ہو گئی۔ بہت سے مارے گئے۔ بہت سے جان بچا کر بھاگے۔ اور لاہور پہنچ گئے۔ شہاب الدین بھی لاہور آ گیا تھا۔ مگر سخت زخمی تھا۔ یہاں ٹھہر کر زخموں کا علاج کیا اور جب کچھ آرام ہُوا۔ تو شکست خوردہ فوج کو لے کر واپس غزنی چلا گیا۔

محمد غوری کو اس شکست کا سخت صدمہ ہُوا۔ اس نے ان سرداروں کو جو میدانِ جنگ سے بھاگے تھے پکڑ کر ان کے منہ پر توبڑے چڑھوا دیئے۔ اور ان میں دانہ ڈلوا دیا۔ کہ تم انسان نہیں گدھے ہو جو میدان جنگ سے بھاگے اس لئے دانہ کھاؤ۔ ورنہ گردن اڑا دی جائے گی۔ اور ان کو غزنی کے بازاروں میں گھمایا گیا۔ اس نے اپنے لئے یہ سزا تجویز کی کہ شکست کے بعد نہ نہایا۔ نہ کپڑے بدلے۔ نہ کوئی مزے کا کھانا کھایا نہ کسی قسم کی آرام و آسائش سے واسطہ رکھا۔ اور اس تمام عرصہ میں جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ تاکہ اپنی

شکست کا انتقام لے سکے۔

تھانیسر کی عظیم الشان لڑائی

جب تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ تو دوسرے سال اس نے ایک لاکھ افغان فوج کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا۔ پرتھی راج بھی غافل نہ تھا۔ تین لاکھ کی زبردست جمعیت کے ساتھ دہلی روانہ ہوا۔ شمالی ہند کے ڈیڑھ سو راجے اس لڑائی میں اس کے مددگار اور معاون تھے تھانیسر کے میدان پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا محمد غوری نے پہلے راجہ کو تبلیغی خط لکھا۔ اور اسے نصیحت کی کہ اسلام کے جھنڈے تلے آ کر امن کے ساتھ زندگی گزارے۔ راجہ پہلی فتح کے نشے میں چور تھا۔ جواب دیا کہ ہزار جان لائے ہو تو ایک بھی سلامت نہ لے جاؤ گے۔ میرے پاس اس وقت بیشمار فوج موجود ہے اور برابر چلی آ رہی ہے کہ چشمِ فلک نے آج تک نہ دیکھی ہو گی۔ میرا یہ قہار لشکر تمہیں پیس کر رکھ دے گا۔ بھلا چاہتے ہو تو خاموشی کے ساتھ واپس چلے جاؤ۔ راجپوت اپنی آن کے خلاف سمجھتے ہیں کہ بھاگتے ہوؤں کا تعاقب کریں۔ تمہارا کوئی پیچھا نہ کرے گا۔ اگر مقابلہ کی ٹھانی تو پچھتاؤ گے میرے ساتھ تین ہزار ہاتھی ہیں۔ جو تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس کے بعد نہایت جوش و خروش کے ساتھ لڑائی ہونے لگی۔ اور دم کے دم میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ پرتھی راج لڑتا ہوا

مارا گیا۔ اکثر راجہ بھی کام آئے اور میدان محمد غوری کے ہاتھ رہا۔ بھاگتے ہوئے راجپوتوں کا افغان سپاہیوں نے دور تک تعاقب کیا۔ ہزاروں کو مارا۔ اور مظفرؒ و منصور واپس ہوئے۔

یہ تھا وہ ہولناک انتقام جو پچھلے سال کی شکست کا محمد غوری نے تھانیسر کے مقام پر لیا۔ مگر دیکھو۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ محمد غوری جس وقت فتح کے بعد دہلی پہنچا۔ تو اس نے وہاں نہ قتل و غارت کی نہ لوٹ مار مچائی۔ بلکہ پرتھی راج کے بیٹے کو بلایا کہ تمہارا باپ لڑائی میں مارا گیا۔ اس کا ہمیں افسوس ہے۔ مگر جنگوں میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ اچھا جو کچھ ہوا ہے۔ ہو چکا۔ مگر اجمیر کی سلطنت تمہارا حق ہے۔ ہم تم ہی کو بخشتے ہیں۔ بشرطیکہ تم سلطنت اسلام کے مطیع اور خیر خواہ رہو۔ اگر یہی اقرار تمہارا باپ کرتا تو لڑائی میں مارا نہ جاتا۔ پرتھی راج کے لڑکے نے اطاعت کا اقرار کیا۔ اور محمد غوری اسے اجمیر کی سلطنت سونپ کر غزنی واپس چلا گیا۔ جاتے ہوئے اپنی طرف سے سارے پنجاب کا حاکم قطب الدین ایبک کو بنا گیا جو اس کا ایک غلام تھا۔

فتح قنوّج

اس وقت قنوج کا راجہ جے چند تھا۔ جو پرتھی راج کا خالہ زاد بھائی تھا مگر دونوں میں نہایت سخت دشمنی تھی۔ جب پرتھی راج نے شہاب الدین غوری پر حملہ کیا۔ تو شمالی ہند کے سارے

راجاؤں نے اس کی دل کھول کر امداد کی۔ مگر جے چند بالکل الگ رہا۔ اگرچہ وہ بھی مسلمانوں کا ایسا ہی مخالف تھا۔ جیسے دوسرے تمام راجہ۔ مگر چونکہ اس کو پرتھی راج سے عداوت تھی۔ اس لئے وہ اس لڑائی میں شامل نہ ہوا۔ جے چند کی بیٹی سنجوگتا کو پرتھی راج قنوج سے بھگا لایا تھا اور اس سے شادی کر لی تھی۔ اس سے جو لڑکا پیدا ہوا۔ اسی کو شہاب الدین نے پرتھی راج کے قتل کے بعد اجمیر کی حکومت حوالے کی تھی۔ جب شہاب الدین واپس غزنی چلا گیا تو پرتھی راج کی دشمنی جے چند نے اس کے بیٹے سے نکالنی چاہی۔ اور اپنے نواسے پر حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔ جب پرتھی راج کے بیٹے کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے فوراً شہاب الدین کو مدد کے لئے خط لکھا۔ اس پر شہاب الدین ایک فوج لے کر ۱۱۹۴ء میں پھر ہندوستان آیا۔ یو۔پی کے شہر اٹاوہ کے قریب جے چند اور شہاب الدین کی فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ جے چند مارا گیا۔ جس کی وجہ سے قنوج اور بنارس کا علاقہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

۱۱۹۵ء میں شہاب الدین غوری کو پھر ہندوستان آنا پڑا۔ اس مرتبہ اس نے گوالیار پر فوج کشی کی۔ ابھی اس کا محاصرہ جاری تھا۔ کہ اشد ضرورت کے باعث اسے فوری طور پر غزنی واپس جانا پڑا۔

۱۲۰۲ء میں شہاب الدین غوری کا بھائی غیاث الدین مر گیا۔ اور شہاب الدین کے متعلق وصیت کر گیا جو اس

وقت تک صرف غزنی کا گورنر تھا۔ بھائی کی وفات کے بعد یہ کل ممالک محروسہ کا بادشاہ بنا۔ اور تاج شاہی سر پر رکھا۔ ہندوستان میں اس کا غلام قطب الدین ایبک بدستور اس کے وائسرائے کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ اور آخر تک اپنے آقا کا نہایت درجہ فرمانبردار اور مطیع رہا۔

کھوکھروں کی بغاوت

شہاب الدین کو بادشاہ ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اس کو ہندوستان میں کھوکھروں کی بغاوت کی اطلاع ملی یہ قوم پشاور سے لاہور تک کے تمام علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور انہوں نے سارے ملک میں ایک فسادِ عظیم برپا کر رکھا تھا۔ اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے شہاب الدین کو مجبوراً پھر ہندوستان کا رُخ کرنا پڑا۔ کھوکھروں کا زور اتنا بڑھ گیا تھا۔ کہ لاہور کا حاکم ان کے خوف سے سالانہ محاصل غزنی نہ بھیج سکا سلطان نے قطب الدین کو لکھا کہ تم دہلی سے فوج لے کر بڑھو۔ میں غزنی سے پہنچتا ہوں۔ غرض دونوں نے مل کر بڑی مشکل سے اس فتنہ کو رفع کیا۔ کھوکھر مطیع ہوئے اور انہوں نے آئندہ کے لئے اطاعت اور فرمانبرداری کے پختہ وعدے کئے۔ سلطان نے تاوان اور مالگذاری کی رقم لے کر ان کو معاف کر دیا۔

اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد جب سلطان واپس جا رہا تھا تو راستہ میں دریائے جہلم کے قریب چند

کھوکھر رات کے وقت اس کے خیمہ میں گھس گئے اور اسے مار ڈالا۔

محمد غوری کے خصائل

سلطان شہاب الدین غوری نہایت رحم دل۔ نیک خصلت خدا ترس۔ منصف مزاج۔ رعایا پرور اور بڑا فیاض بادشاہ تھا۔ غلاموں سے نہایت شفقت اور رحمت کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اور ان کو بہت عمدہ تعلیم دیتا تھا۔ اپنی اولاد کی مانند ان سے محبت کرتا اور اپنے لائق غلاموں پر ہمیشہ فخر کرتا تھا۔

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب حسب ذیل تھے :-

(۱) مسلمانوں کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا۔ کہ مسلمان مذہب کے بڑے پکے تھے۔ وہ دنیاوی فائدہ یا لالچ کے لئے نہیں لڑتے تھے۔ ان کا لڑنا خدائی احکام کے مطابق ہوتا تھا۔ اور یہ ان کے مذہب کا ضروری جزو تھا ان کا اس بات پر ایمان تھا کہ فتح کی صورت میں مجاھد اور غازی کہلائیں گے۔ اور اگر میدان جنگ میں کام آئے تو شہید اور سُرخرو ہوں گے۔ اس لئے ان کا لڑنا۔ ان کی موت۔ ان کی زندگی۔ غرضیکہ ہر چیز صرف خدا کے لئے تھی۔ وہ دشمن حتیٰ کہ موت سے بھی بالکل نہیں ڈرتے تھے۔ اور یہی چیز ان کی کامیابی کا باعث تھی۔

۲۔ مسلمانوں کی کامیابی کا دوسرا اہم سبب یہ تھا۔ کہ ان دنوں ہندوستان میں پھوٹ کا بازار گرم تھا۔ چھوٹی چھوٹی راجپوت ریاستیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ اور متحد ہو کر آنے والے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔

۳۔ مسلمان سرد ملک میں رہنے کی وجہ سے جفاکش اور بہادر تھے۔ بخلاف اس کے ہندوستان کی گرم آب و ہوا نے راجپوتوں کو سُست اور کمزور بنا دیا تھا۔

۴۔ مسلمان متحد اور منظم تھے۔ وہ ایک جرنیل کے ماتحت رہ کر جان توڑ کر لڑتے تھے۔ لیکن راجپوت فوج کئی سرداروں کے ماتحت ہوتی تھی ایک قبیلہ کا سردار دوسرے کے ماتحت ہو کر لڑنا کسر شان سمجھتا تھا۔

۵۔ مسلمان لوگ فنونِ جنگ میں زیادہ ماہر تھے۔ لیکن اہلِ ہند ہاتھیوں اور جنگی رتھوں پر بھروسہ کرتے تھے۔ یہ ہاتھی میدانِ جنگ میں ڈر کر عموماً اپنی ہی فوج کو روندنا شروع کر دیتے تھے۔

۶۔ مسلمان اپنے وطن سے بہت دور ہوتے تھے اس لئے وہ جانتے تھے کہ فتح ہوئی تو مال و ملک اپنا ہے۔ اگر شکست ہوئی تو بھاگنے کی راہ بھی نہیں رہے گی۔ اس خیال کے

زیرِ اثر وہ بڑی دلیری سے مقابلہ کرتے تھے۔

۷۔ ہندوستان میں اہنسا کے اصول نے عوام کو کمزور اور جنگ کے ناقابل بنا دیا تھا اس لئے وہ اپنی حفاظت نہ کر سکے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ بدھ مت کے مرکزی مقامات بنگال اور بہار آسانی سے فتح ہو گئے۔

۸۔ اسلامی مساوات بھی مسلمانوں کی کامیابی میں بہت ممد ثابت ہوئی۔ مسلمان سارے مسلمانوں کو بھائی سمجھتے تھے۔ غلام و آقا۔ شاہ و گدا میں ان کے نزدیک کوئی امتیاز نہ تھا۔ اس لحاظ سے ان کا نظامِ حکومت بہت معقول تھا۔ بخلاف اس کے راجپوتوں میں باہمی عناد اور دشمنی تھی۔ وہ ایک دوسرے کی تباہی پر خوش تھے۔ نیز ذات پات کی تمیز کی وجہ سے مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ جنگ آزمائی صرف کھشتریوں ہی کا فرض ہے۔

خاندانِ غلاماں

۱۲۰۶ء سے ۱۲۹۰ء تک

قطب الدّین ایبک

قطب الدّین ایبک ایک ترکی غلام تھا۔ قاضی فخرالدین کوفی نے جو امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ قطب الدّین ایبک کو نیشاپور سے سلطان شہاب الدّین محمد غوری کی خدمت میں بھیجا۔ قطب الدین ایبک اپنی قابلیّت اور لیاقت سے ترقی کر کے پہلے شاہی اصطبل کا داروغہ بنا۔ پھر سپہ سالار ہوُا اور آخر کار محمد غوری نے اسے ہندوستان میں وائسرائے مقرر کیا۔

قطب الدّین کی نیابت

۱۱۹۲ء سے ۱۲۰۶ء تک

تم پڑھ چکے ہو کہ محمد غوری نے پرتھی راج دہلی واجمیر کے راجہ کو شکست دینے کے بعد قطب الدّین ایبک کو دھلی میں اپنا نائب یا وائسرائے مقرر کیا۔ قطب الدین ایبک نے تخت سنبھالتے ہی جاٹوں کا زور توڑا۔ اور میرٹھ تک علاقہ فتح کر لیا۔ شہاب الدین محمد غوری نے پرتھی راج کو شکست دینے کے بعد اجمیر کی حکومت اسی کے ایک لڑکے کے سپرد کر دی تھی۔ وہاں کے راجپوتوں نے

اس راجہ کے خلاف جنگ آزمائی کی اور رنتھنبور کا محاصرہ کر لیا۔ جو ایک مسلمان سردار کے قبضے میں تھا۔ قطب الدین نے فوراً رنتھنبور کی طرف یلغار کی۔ باغیوں کے سردار نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی۔ اور اجمیر کا انتظام بدستور قائم رہا۔ اب قطب الدین کو سلطان نے غزنی طلب کیا۔ جہاں اس کی بہت عزت افزائی کی گئی۔ غزنی سے واپس آ کر قطب الدین نے دوآبے (جمنا اور گنگا) کے سرداروں کی بیخ کنی کا ارادہ کیا۔ اور علی گڑھ کو فتح کر لیا۔ اس اثنا میں سلطان محمد غوری نے غزنی سے راجہ جے چند والئی قنوج پر چڑھائی کی اور اسے شکست دے کر قنوج کا علاقہ بھی قطب الدین کے حوالہ کیا۔ اب قطب الدین کی حکومت بنارس تک پھیل گئی۔ اس کے بعد ۱۱۹۶ ع میں قطب الدین نے گوالیار کے راجہ کو اپنا باجگزار بنایا

راجپوتوں کی سرکشی

راجپوتانے کے راجاؤں نے مل کر مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنے کی سازش کی۔ اور دہلی پر حملہ کر دیا۔ قطب الدین فوج لے کر شہر سے نکلا۔ دن بھر لڑائی ہوئی۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ دوسرے دن راجہ بھیم دیو کی فوج بھی ہندو فوج سے آ ملی۔ اب قطب الدین کو شہر میں پناہ لینی پڑی۔ راجپوتوں نے کم و بیش ایک سال تک شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخرکار قطب الدین کی امداد کے لئے غزنی سے فوج آ گئی۔ راجپوت بھاگ

نکلے۔ قطب الدین نے کوہ آبو کے قریب بھیم دیو کی فوج کو شکست دی۔ اور اس کے پایۂ تخت انہلواڑہ تک بڑھ کر اسے خوب لوٹا۔

بہار اور بنگال کی فتح

ادھر سلطان محمد غوری خراسان اور وسط ایشیا کے جھگڑوں میں مبتلا تھا۔ ادھر قطب الدین نے چند سال خاموش رہ کر اپنی وسیع سلطنت کا انتظام خوب کیا۔ لیکن اس دوران میں محمد غوری کے دوسرے جرنیل محمد بن بختیار خلجی نے جو بنارس میں ملک حسام الدین گورنر اودھ کا جاگیردار تھا۔ بہار اور بنگال فتح کر لیا۔ اللہ کی قدرت ہے کہ اختیارالدین محمد بن بختیار خلجی اگرچہ بہادر اور جری تھا۔ لیکن غزنی میں اسے فوج میں بھرتی ہی نہ کیا گیا تھا۔ دہلی میں بھی اسے فوجی ملازمت نہ مل سکی تھی۔ لیکن اس نے بنارس کے قریب جاگیر حاصل کرنے کے بعد ۱۱۹۷ء میں بہار فتح کر لیا۔ قطب الدین نے اس کی اس خدمت کو بہت سراہا۔

محمد بن بختیار نے بہار کو دو صد سواروں کی مدد سے فتح کیا۔ ۱۲۰۲ء میں اس نے بنگال پر حملہ کیا۔ اور ندیا تک بڑھتا چلا گیا جو بنگال کا صدر مقام تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ صرف اٹھارہ سپاہی تھے۔ باقی فوج پیچھے تھی۔ وہ راجہ کے محل کے پہرہ داروں کو ہلاک کر کے اندر داخل ہو گیا۔ محل کے تمام آدمی پریشان ہو گئے۔ راجہ بنگال کھانا کھا رہا تھا۔ اسی حالت

میں کھڑکی کے راستے نکل بھاگا اور محل پر محمد بن بختیار خلجی نے قبضہ کر لیا۔ جب اس کی فوج آ پہنچی۔ تو اس نے باقی شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر سارے بنگال پر قابض ہو گیا۔ اور خود کو بنگال کا گورنر قرار دیا۔ خطبہ میں سلطان محمد غوری کا نام پڑھنے کا حکم دیا۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ محمد بن بختیار خلجی نے بنگال کے بعد تبت پر چڑھائی کر دی۔ اور اس کو فتح کرنا چاہا۔ لیکن ہمالیہ کے دشوار گزار پہاڑوں کی وجہ سے اسے ناکام واپس لوٹنا پڑا۔ ۱۲۰۲ء میں قطب الدین نے راجہ کالنجر کو مطیع کیا۔ پھر اس کے بیٹے نے بغاوت کی قطب الدین نے دوبارہ حملہ کر کے اس کو بھی زیر کر لیا۔ ۱۲۰۶ء میں محمد غوری وفات پا گیا۔ اور قطب الدین ایبک ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

قطب الدین ایبک کی بادشاہی
۱۲۰۶ء سے ۱۲۱۰ء تک

قطب الدین نے تخت نشینی کی رسم ۱۲۰۶ء میں لاہور میں ادا کی۔ وہ پنجاب پر اپنا تسلط مضبوط رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے تاج الدین یلدوز حاکم غزنی کی طرف سے خطرہ تھا۔ چنانچہ وہ جونہی تاجپوشی کے بعد دہلی گیا۔ یلدوز نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ قطب الدین فوراً واپس آیا اور یلدوز کو پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔ اور خود آگے بڑھ کر غزنی پر قبضہ کر لیا۔ مگر تاج الدین یلدوز نے واپس آ

کر اسے غزنی سے نکال دیا اور وہ واپس لاہور آ گیا۔ اس نے لاہور ہی کو اپنا دارالحکومت بنا لیا اور یہیں ۱۲۱۰ء میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے اس طرح گرا کہ جان دے دی۔

قطب الدین ایبک نہایت عقلمند اور قابل حکمران تھا۔ اس کے مختصر عہد میں رعایا خوشحال رہی۔ وہ شجاع اور بہادر ہونے کے علاوہ بہت سخی تھا۔ لوگ اسے لکھ بخش یا لکھ داتا کہتے تھے۔ اس نے دہلی میں ایک جامع مسجد اور قطب مینار تعمیر کرایا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ قطب مینار کی ایک منزل قطب الدین نے تعمیر کرائی تھی۔ باقی منزلوں کی تکمیل سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوئی۔ قطب الدین بیحد رحم دل تھا۔ اس نے کبھی بلا وجہ کسی انسان کا خون نہیں بہایا۔ اس نے کبھی قتل عام کا حکم نہیں دیا وہ پکا مسلمان تھا۔ لیکن کبھی کسی غیر مسلم کو نہیں ستایا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ اس کے عہد میں بھیڑ اور بھیڑیا دونوں ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔

اس نے اپنی دو لڑکیوں کی شادی یکے بعد دیگرے ناصر الدین قباچہ حاکم سندھ سے کی اور تیسری لڑکی کی شادی اپنے غلام شمس الدین التمش سے کی۔

آرام شاہ
۱۲۱۰ء تک

قطب الدین کے اچانک فوت ہو جانے پر امراء نے آرام شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ آرام شاہ میں

اپنے باپ قطب الدین کی کوئی خوبی نہ تھی وہ بہت نالائق اور نا اہل ثابت ہوا۔ ایک سال کے اندر ملک میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا۔ ناصرالدّین قباچہ نے اوچھ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ بنگال میں خلجی خود مختار ہو گئے۔ ہندو راجاؤں نے خراج بھیجنا بند کر دیا۔ چنانچہ امراء نے شمس الدین التمش کو بدایون سے بلایا التمش قطب الدین کا داماد اور غلام تھا۔ وہ فوراً بدایون سے فوج لے کر آیا۔ اور ۱۲۱۱ء میں دھلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

سلطان شمس الدّین التمش

۱۲۱۱ء سے ۱۲۳۶ء تک

التمش ترکی النسل تھا۔ اس کے سوتیلے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے اسے باپ سے علیحدہ کر کے ایک تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور اس نے آگے بیچ دیا۔ اس طرح کئی ہاتھوں سے گزر کر آخر قطب الدین کی غلامی میں آیا۔ قطب الدین نے التمش کی تعلیم و تربیّت اپنے بچوں کی طرح کی اور اپنی بیٹی سے اس کا عقد کر دیا۔

آرام شاہ کے بعد التمش کو جو حکومت ملی۔ وہ ایبک کی وسیع سلطنت کا تھوڑا سا باقی ماندہ حصّہ تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے نکلے ہوئے علاقوں کو واپس لینے کی فکر کی۔ اس نے تھوڑے ہی دنوں میں تمام دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔ ۱۲۱۴ء

میں تاج الدّین یلدوز غزنی میں شاہ خوارزم سے شکست کھا کر ہندوستان بھاگ آیا۔ اس نے لاہور پر قبضہ کرکے تھانیسر تک کا علاقہ اپنے تصرّف میں کر لیا۔ التمش نے اسے شکست دی اور قید کر لیا۔ وہ مرتے دم تک بدایون میں قید رہا۔ اسی سال ناصرالدین قباچہ نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ التمش نے قباچہ کو ایسی شکست دی کہ اس نے پھر کبھی اس طرف رُخ نہ کیا۔

چنگیز خاں ۱۲۲۱ء

۱۲۲۱ء میں جلال الدین بادشاہ خوارزم چنگیز خاں سے شکست کھا کر لاہور بھاگ آیا۔ چنگیز خاں بھی سمرقند۔ بخارا اور کابل کو فتح کرتا ہؤا اس کے تعاقب میں دریائے سندھ تک پہنچ گیا۔ یہاں جلال الدین نے شکست کھائی۔ اور سلطان التمش سے دہلی میں رہنے کی اجازت چاہی لیکن سلطان نے انکار کر دیا۔ جلال الدین نے کچھ عرصہ سندھ میں پناہ لی۔ اور پھر عراق چلا گیا۔ اسی اثنا میں چنگیز خاں کو ہرات سے بغاوت کی اطلاع پہنچی۔ اور وہ دریائے سندھ سے واپس ہو گیا۔ اس سے مغلوں کے حملہ کا خطرہ ٹل گیا۔

سندھ پر قبضہ

سلطان التمش نے جلال الدین کے سندھ سے عراق جانے کے بعد اُچ کا محاصرہ کر لیا۔ قباچہ دریائے سندھ کے کنارے قلعہ بھکّر کی طرف حفاظت کے لئے روانہ ہؤا وہاں سے ایک کشتی کے ذریعہ بھاگنا چاہا۔ لیکن چند امراء

سمیت دریائے سندھ میں ڈوب گیا۔ اس کی وفات پر التمش نے سندھ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

بنگال اور بہار کی فتح ۱۲۲۵ء

علی بن مردان خلجی گورنر لکھنوتی (بنگال)

قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد خود مختار ہو گیا تھا۔ لیکن امراء نے اس کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اسے ہلاک کر دیا۔ اور حسام الدین کو غیاث الدین کے لقب سے بنگال کا حکمران مقرر کر دیا۔ التمش چونکہ پنجاب کے معاملات میں مصروف تھا۔ اس لئے ۱۲۲۵ء سے پہلے بنگال کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ مگر اب غیاث الدین نے التمش کی اطاعت قبول کر لی اور خراج دینا منظور کیا۔ التمش نے بہار کو بنگال سے الگ کر کے بہار کا انتظام ایک نئے صوبیدار کے سپرد کیا۔ اودھ کی نظامت (گورنری) اپنے بیٹے ناصرالدین محمود کے حوالے کی جب التمش کی فوجیں بنگال سے واپس ہوئیں تو غیاث الدین نے پھر سرکشی کی۔ اس پر ناصرالدین محمود نے حملہ کر کے اسے شکست دی اور بنگال کو سلطنتِ دہلی میں شامل کر لیا۔

رنتھنبور ۱۲۲۷ء

قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد راجپوتوں نے رنتھنبور کے قلعہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ التمش نے بنگال سے واپس ہوتے ہوئے رنتھنبور پر حملہ کر کے راجپوتوں سے یہ قلعہ واپس لے لیا۔ شمالی ہندوستان میں یہ قلعہ بہت مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ اور راجپوتانہ کے راجاؤں کی سرکوبی کے لئے اس کا سلطان دہلی کے قبضہ میں رہنا بہت

ضروری تھا۔

خلافت کی سند ۱۲۲۹ء

سلطان التمش نے ۱۲۲۹ء میں بغداد کے عباسی خلیفہ سے سارے ہندوستان پر حکومت کرنے کی سند حاصل کر لی۔ خلیفۃ المسلمین نے سلطان کو خلعتِ خلافت بھیجا اور اب سلطان التمش کی حکومت سارے عالم اسلام میں تسلیم کر لی گئی۔

بنگال کی بغاوت

سلطان التمش کا لائق بیٹا ناصرالدین محمود صوبیدار بنگال تھا۔ وہ ۱۲۳۰ء میں فوت ہو گیا۔ اس کی وفات پر غیاث الدین کے بیٹے نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ التمش نے فوراً بنگال پہنچ کر اس کی سرکوبی کی اور بنگال کو دوبارہ فتح کر لیا۔

گوالیار کی فتح ۱۲۳۲ء

سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد گوالیار کے ہندوؤں نے بھی گوالیار کے قلعہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ التمش نے ۱۲۳۲ء میں گوالیار کے راجہ پر حملہ کیا اور دس ماہ کے محاصرہ کے بعد گوالیار فتح ہو گیا۔ مگر راجہ رات کو بھیس بدل کر بھاگ گیا۔

نربدا تک فتوحات ۱۲۳۴ء

التمش نے مالوہ کو فتح کر کے اپنی سلطنت دریائے نربدا تک پھیلا دی۔ جو شمالی اور جنوبی ہند کے درمیان قدرتی سرحد کا کام دیتا ہے۔ وہ ۱۲۳۴ء میں دہلی سے نکلا۔ اور بھیلسہ اجین فتح کر کے واپس لوٹا۔

آخری مہم ۱۲۳۵ء

التمش آخری مرتبہ ۱۲۳۵ء میں کھوکھروں کی سرکوبی کے لئے ملتان روانہ ہُوا۔ لیکن راستے میں بیمار ہو کر واپس لوٹ آیا۔ اور ۲۹ر اپریل ۱۲۳۶ء کو اس نے وفات پائی۔

التمش کے خصائل اور چلن

سلطان شمس الدین التمش خاندانِ غلاماں میں سب سے زیادہ اقبال مند بادشاہ تھا۔ قطب الدین کی وفات پر ملک میں ہر طرف فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ مگر اس نے اتنی وسیع سلطنت کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے کیا۔ التمش دین کے احکام کی پابندی نہایت سختی سے کرتا تھا۔ وہ عادل حکمران تھا۔ ظالموں کو سزا دینے اور مظلوموں کی دادرسی کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ وہ علم پرور اور ہنرشناس بھی تھا علماء کی صحبت کو پسند کرتا۔ اس نے کئی کالج اور مدرسے بھی کھولے۔ دہلی اور اجمیر میں چند عمارتیں بنوائیں۔ ۱۲۳۵ء میں قطب مینار کو مکمل کرایا۔ دہلی میں ایک جامع مسجد اور حوض شمسی تعمیر کرایا۔

سلطانہ رضیہ بیگم ۱۲۳۶ء سے ۱۲۴۰ء تک

سلطان التمش نے وصیت کی تھی۔ کہ اس کی وفات کے بعد اس کی بیٹی سلطانہ رضیہ بیگم کو تخت نشین کیا جائے۔ لیکن امرائے دربار نے اس کے بیٹے رکن الدین فیروز کو تخت نشین کر دیا۔ وہ بہت نالائق اور نکما ثابت ہُوا۔ اپنا وقت عیش و

تفریح میں گزارنے لگا۔ اس پر امراء نے چھ ماہ بعد بغاوت کر کے سلطنت رضیہ سلطانہ کو سونپ دی وہ بہت لائق اور دانش مند خاتون تھی۔ اپنے باپ کی غیر حاضری میں کئی بار بطور قائم مقام امورِ سلطنت انجام دے چکی تھی۔ وہ مردانہ لباس پہن کر دربار میں بیٹھتی اور معاملاتِ ملکی کی گتھیاں سلجھاتی۔ جنگ میں وہ ہاتھی پر سوار ہو کر فوج کی کمان کرتی۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی باغی امراء کی سرکوبی کی۔ اور ملک میں امن قائم کیا۔ دو تین سال تک کامیابی کے ساتھ سلطنت کو سنبھالے رکھا۔ لیکن امراء اور رعایا کے دل سے وہ یہ خیال نہ نکال سکی۔ کہ وہ ایک عورت ہے اور مردوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔

اُمراء کی بغاوت

رضیہ نے اپنے حبشی غلام جمال الدین یاقوت کو داروغہ اصطبل مقرر کیا ترکی امراء اس بات سے ناراض ہو گئے۔ ملک اعزالدین حاکم لاہور جسے رضیہ ایک بار معاف کر چکی تھی۔ باغی ہو گیا۔ لیکن جب سلطانہ نے اس پر لشکر کشی کی تو وہ پھر مطیع ہو گیا۔ اسی سال ملک اختیارالدین التونیہ نے جو بھٹنڈہ کا حاکم تھا بغاوت کی۔ رضیہ اس کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوئی۔ لیکن راستے میں امراء نے بغاوت کر دی۔ اس کا غلام یاقوت حبشی قتل ہو گیا۔ اور رضیہ کو قید کر کے بھٹنڈہ بھیج دیا گیا۔ التونیہ نے رضیہ سے شادی کر لی۔ اس اثناء میں امراء نے اس

کے بھائی بہرام شاہ کو بادشاہ بنا لیا۔ رضیہ نے التونیہ کی مدد سے دہلی پر حملہ کیا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی اس نے اپنی منتشر فوج لے کر دوبارہ حملہ کیا۔ مگر کیتھل کے قریب شکست کھائی۔ امراء نے رضیہ اور التونیہ دونوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

بہرام شاہ

۱۲۴۰ء سے ۱۲۴۲ء تک

التمش کے دربار میں چالیس امرا تھے التمش ان سب کو قابو میں رکھتا تھا۔ بہرام شاہ نے تخت نشین ہو کر ایک امیر کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ ۱۲۴۱ء میں امراء بغاوت پر آمادہ ہوئے لیکن اسی وقت مغلوں نے لاہور پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ وہ ملتان پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے حاکم ملتان کو مقابلہ پر آمادہ پایا۔ تو ملتان سے ہٹ کر لاہور کی طرف آ گئے۔ گورنر لاہور نے اگرچہ سختی سے مقابلہ کیا۔ لیکن دشمن نے آخرکار غلبہ پا لیا مغلوں کا بھی بہت نقصان ہؤا۔ لیکن انہوں نے لاہور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بہرام نے ناظم لاہور کی مدد کے لئے ایک فوج بھیجی۔ مگر وہ وقت پر نہ پہنچ سکی۔ ۱۲۴۲ء میں امراء نے بادشاہ دہلی کو گرفتار کر کے چند روز کے بعد اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کشلو خاں نے تخت پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن امراء نے سلطان التمش کے پوتے علاؤالدین مسعود کو تخت نشین کر دیا۔

علاؤالدّین مسعُود
۱۲۴۲ء سے ۱۲۴۶ء تک

علاؤالدین مسعود نے دو سال نہایت توجہ اور سرگرمی سے انتظامِ سلطنت میں حصّہ لیا۔ اور توقع ہو گئی۔ کہ وہ سلطنت کو سنبھال لے گا۔ لیکن دو سال کے بعد وہ عیش و عشرت میں پڑ کر امورِ ملکی کی طرف سے غافل ہو گیا۔ ۱۲۴۵ء میں مغلوں نے سندھ پر حملہ کر کے اوچھ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر جب انہوں نے سنا کہ دہلی سے شاہی فوج آ رہی ہے تو وہ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے سلطان کی غیر ہر دلعزیزی کو دیکھ کر چالیس امراء کی مجلس نے اسے تخت سے اتار کر اس کے چچا ناصرالدین محمود کو جو التمش کا چھوٹا بیٹا تھا۔ جون ۱۲۴۶ء میں بادشاہ بنا دیا۔

ناصرُالدّین محمُود
۱۲۴۶ء سے ۱۲۶۶ء تک

ناصرالدین محمود بڑا عابد اور خدا پرست بادشاہ تھا۔ وہ بے حد نرم دِل اور نرم مزاج تھا۔ شاہانہ شان و شوکت کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی زندگی بالکل سادہ اور درویشانہ تھی۔ شاہی خزانے سے اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں لیتا تھا۔ بلکہ قرآن شریف کی کتابت کرتا اور اس کے ھدیلے سے گزر کرتا۔ گھر میں بیگم کے سوا کوئی لونڈی یا غلام نہ تھا۔ چنانچہ بیگم ہی گھر کا سب کام کرتی اور خود کھانا پکاتی۔ لوگ ناصرالدین محمود کو درویش بادشاہ کہتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے اس کے نقل کئے ہوئے قرآن مجید میں کسی لفظ کو

غلط بنایا۔ اس نے لفظ کے گرد حلقہ بنا دیا۔ لیکن جب وہ شخص چلا گیا۔ تو پھر اس حلقہ کو مٹا دیا وجہ پوچھی گئی تو بتایا۔ کہ میں نے جو لفظ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ لیکن میں نے اس شخص کو یہ کہہ کر اس کی دل شکنی گوارا نہیں کی کہ تمہاری اصلاح غلط ہے اس کے زمانے میں ہر طرف باغی سرداروں نے سر اٹھایا۔ پنجاب میں گکھڑوں نے بغاوت کی۔ دوآبہ (یوپی) میں راجپوتوں نے شورش بپا کی اور الور کی حدود پر میواتیوں نے سر اٹھایا۔ مغلوں نے پے در پے حملے کئے۔ اس موقع پر قدرت نے اسے غیاث الدّین بلبن جیسا وزیر عطا کیا۔ جس نے سلطنت کو تمام آفتوں سے بچا لیا۔ اس نے باغیوں کو پس پا کیا۔ راجپوت راجاؤں کی سرکوبی کی۔ مغلوں کے حملوں کا انسداد کیا۔ ناصرالدین کے عہد میں دراصل مہماتِ ملکی کو غیاث الدّین بلبن ہی سرانجام دیتا تھا۔

پنجاب اور دوآب

۱۲۴۶ء سے ۱۲۴۹ء تک

سلطان ناصرالدّین کو تخت پر بیٹھے چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ اسے اطلاع ملی کہ مغلوں کا ایک لشکر سرحد پر نمودار ہوا ہے وہ اُلغ خاں (بلبن کا خطاب تھا) کے ہمراہ فوراً پنجاب کی طرف روانہ ہوا خود لاہور میں قیام کیا۔ اور بلبن کو کوہستانِ نمک کی طرف کھوکھروں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ وہ کھوکھروں کو شکست دے کر دریائے چناب پر بادشاہ سے واپس

آ ملا: ۱۲۴۷ء میں اس نے دوآبے کے راجپوتوں کی طرف مہم بھیجی۔ بادشاہ نے قنوج کا قلعہ فتح کرنے کے بعد خود کڑا میں قیام کیا۔ اور بلبن کو بندھیل کھنڈ روانہ کیا۔ بلبن راجہ بندھیل کھنڈ پر فتح پا کر ۱۲۴۸ء میں بادشاہ کے پاس واپس آیا۔ ۱۲۴۹ء میں اسے رنتھنبور اور میوات کی مہم پر بھیجا گیا۔

بلبن بطور نائب الملک
۱۲۴۹ء سے ۱۲۵۵ء تک

ان فتوحات سے بلبن کا اثر و اقتدار بڑھ گیا۔ بادشاہ نے اسے اپنا نائب مقرر کر کے اسے نائب الملک کا خطاب دیا۔ اس کے بھتیجے شیر خاں کو ملتان کا ناظم مقرر کیا۔ اور مغلوں کے روکنے کا فرض اس پر عائد کیا گیا۔ ۱۲۵۰ء میں بلبن کو دوآبے میں امن قائم کرنے کے لئے دوبارہ جانا پڑا۔ ۱۲۵۱ء میں ناگور کے تعلقہ دار نے بغاوت کی اور اُچ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن شیر خاں نے اسے معافی دلا دی اور اسے بدایون کا تعلقہ دار مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد بلبن نے وسط ہند کے راجاؤں کو مطیع کیا۔ بلبن کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر دربار میں اس کے دشمن پیدا ہو گئے۔ وہ چالیس امراء میں سے ایک تھا۔ لیکن اب سب کے سب اس سے حسد کرنے تھے۔ جب وہ سلطان کے ساتھ ۱۲۵۲ء میں پنجاب گیا تو امراء نے اس کے قتل کی سازش کی۔ مگر سازش ناکام رہی۔ پھر امراء نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ اسے اس کی جاگیر (ہانسی) میں واپس

بھیج دے۔ بلبن نے شاہی احکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنی جاگیر پر واپس جانا منظور کر لیا۔ اب وزیر اعظم عمادالدین ریحان بنا جو ایک نومسلم تھا۔ اس نے دربار سے بلبن کے تمام آدمیوں کو نکال دیا۔ عمادالدین امورِ سلطنت سے ناواقف تھا۔ اس لئے وہ کام نہ چلا سکا اور جلد ہی معزول ہوا۔ جنوری ۱۲۵۵ء میں بلبن کو واپس بلا لیا گیا۔ ریحان کو بدایون کی جاگیر پر بھیج دیا۔ وہاں اس کا رویہ مشتبہ پایا گیا تو بلبن نے ایک افسر کو بھیج کر اس کا کام تمام کرا دیا انہیں ایام میں قتلو خاں ناظم اودھ نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ بلبن نے فوراً بدایون کا رُخ کیا۔ لیکن قتلو خاں پنجاب کی طرف بھاگ گیا۔ بلبن نے واپسی پر راجہ سرمور پر فتح حاصل کی۔ جس نے قتلو خاں کے بغاوت کرنے میں اسے امداد دی تھی۔

مغلوں کا حملہ ۱۲۵۷-۵۸ء

بلبن نے اپنے حاسدوں اور بدخواہوں کا قلع قمع کیا ہی تھا کہ مغلوں نے پنجاب پر حملہ کر کے ملتان کا محاصرہ کر لیا۔ قتلو خاں بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ مغلوں نے ملتان کو برباد کر کے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کی۔ بلکہ خراسان کی طرف واپس لوٹ گئے۔ اور اس طرح مغلوں کی بلا ٹل گئی۔

میوات اور دوآبے کی بغاوت ۱۲۵۹ء

۱۲۵۹ء میں اودھ دوآبہ کے تعلقداروں نے اور میوات کے ہندو راجپوتوں نے بغاوتیں کیں۔ بلبن نے اس

موقع پر ذرا نرمی اور حکمتِ عملی سے کام لیا۔ دوآبے کی بغاوت کو تو دو یلغاروں میں ختم کر دیا۔ ۱۲۶۰ء میں اس نے میواتیوں پر حملہ کیا۔ ان لوگوں نے دہلی تک لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ بلبن نے ان میں سے اکثر کو قتل کرا دیا اور ۲۵۰ کو گرفتار کر کے دہلی لے آیا۔ ان کو دہلی میں مروا دیا۔ اس زمانے میں مغل سردار ہلاکو خاں نے دہلی میں دوستانہ سفارت بھیجی۔ بلبن نے ایک بڑا دربار منعقد کرایا۔ جس میں بادشاہ بھی شامل ہوا۔ اس موقع پر بلبن کو خان اعظم کا خطاب دیا گیا۔ ۱۲۶۶ء میں سلطان ناصرالدین محمود فوت ہو گیا۔ اور اس کی وصیت کے مطابق بلبن کو سلطان غیاث الدین کے لقب سے تخت نشین کر دیا گیا۔ اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال تھی۔

سلطان غیاث الدّین بلبن

۱۲۶۶ء سے ۱۲۸۶ء تک

بلبن نسل سے ترک تھا وہ بچپن میں مغلوں کے ہاتھ آ گیا۔ اور بغداد میں ایک غلام کی طرح فروخت کیا گیا۔ خواجہ جمال الدّین بصری نے بلبن کو خرید کر اپنے بیٹوں کی طرح اس کی تعلیم و تربیت کی۔ ۱۲۳۲ء میں اسے دہلی لایا گیا التمش نے اسے خرید کر اپنے خاصہ داروں میں شامل کر لیا۔ رضیہ کے عہد میں بلبن کو امیر شکار کا عہدہ ملا۔ بہرام اور علاؤالدین مسعود نے بھی اسے عہدے دیئے۔ سلطان ناصرالدین محمود نے اسے ریواڑی اور ہانسی کا جاگیردار مقرر کیا۔ اور وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر سرفراز کیا۔ سلطان کے

عہدِ حکومت میں فتوحات اور قیامِ امن کا اصلی باعث بلبن ہی تھا۔ جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱ میواتیوں کا قلع قمع ۱۲۶۶ء

بلبن کے عہدِ حکومت میں میواتیوں نے پھر سر اٹھایا۔ وہ دہلی کے گرد و نواح کے جنگلوں میں رہتے تھے۔ اور سرِ شام دہلی کے مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو اٹھا لے جاتے یا لوٹ لیتے۔ ان کے خوف سے تیسرے پہر ہی سے دہلی کے مغربی دروازے بند کر دیئے جاتے بلبن نے جا بجا چوکی پہرے مقرر کئے۔ اور ان کے علاقہ پر حملے کر کے دس بارہ ہزار میواتیوں کو قتل کیا۔ اب ان کا خطرہ ہمیشہ کے لئے دور کرنے کے واسطے اس نے ایک قلعہ تعمیر کیا۔ جس میں قابلِ اعتماد سپاہ رکھی۔

۲ دوآبہ گنگا و جمنا ۱۲۶۷ء

۱۲۶۷ء میں دوآبے کے ہندوؤں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا دہلی سے بنگال تک مسافروں کو سفر کرنا دشوار ہو گیا۔ بلبن نے زبردست افسر مقرر کئے۔ اور تمام جنگلوں کو چھان مارا۔ جس قدر ڈاکو اور راہزن ہاتھ آئے۔ تہ تیغ کر دیئے گئے۔ ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا۔ انتظام کی خاطر اس نے اس علاقے میں کئی قلعے تعمیر کرائے۔

بلبن نے آئندہ دو سال قلعہ لاہور کو مضبوط کرنے میں صرف کئے۔ اور شہر کو جو مغلوں کے حملوں سے تباہ ہو چکا تھا از سر نو آباد کیا۔ نیز دہلی سے سرحد تک کئی قلعے تعمیر کرائے۔ متعدد مقامات پر چھاؤنیاں بنائیں مغلوں

کے حملوں کی روک تھام کے لئے اپنے بیٹے شہزادہ محمدؒ کو ملتان کا گورنر مقرر کیا۔

بلبن کے اُمراء

بلبن اپنے دربار کے چالیس امراء کی کڑی نگرانی کرتا تھا خواہ وہ پایۂ تخت میں ہوں یا اپنی جاگیروں پر۔ کسی امیر کی شکایت پہنچتی تو اسے سخت سزا دیتا۔ اور ان کے اقتدار کو کم کرنے کی کوشش کرتا۔ ایک دفعہ بدایون کے گورنر نے اپنے ایک ملازم کو دوسرے ملازموں سے اتنا پٹوایا کہ وہ مر گیا۔ اس کی بیوی نے بلبن سے شکایت کی۔ بلبن نے گورنر کو طلب کیا۔ اور اپنے سامنے اسے اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ مر گیا۔ جس اخبار نویس نے یہ خبر وقت پر سلطان کو روانہ نہیں کی تھی، اس کو بھی پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس کا اپنا چچا زاد بھائی شیر خاں بھٹنڈا سامانہ اور سنام کا جاگیردار تھا۔ اور چالیس امراء میں شامل تھا وہ پنجاب کے مغلوں کے مقابلے میں قابلِ قدر خدمات انجام دے چکا تھا۔ اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔ شبہ کیا گیا کہ سلطان نے اسے زہر دے کر مروا دیا۔ کیونکہ اسے سلطان مشتبہ نظروں سے دیکھتا تھا۔

مغلوں کا عروج

شیر خاں کی موت سے مغلوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی پھر جرأت ہو گئی۔ اس دوران میں تاتاری مغل غزنی اور خراسان کو ھلاکو خاں کی سرکردگی میں تباہ کر چکے تھے بلکہ بغداد تک لوٹ مار مچا کر خلافتِ عباسیہ کو تباہ و

برباد کر دیا تھا۔ مغل غزنی پر قابض ہو چکے تھے۔ اس لئے بلبن کی سلطنت ہر وقت خطرے میں تھی۔ اس نے لاہور کے قلعہ کو مضبوط کیا۔ اور اپنے ایک بیٹے محمد خاں کو ملتان کا اور دوسرے بیٹے بغرا خاں کو سامانہ کا ناظم مقرر کیا۔ محمد خاں کا علاقہ بحیرۂ عرب کے کنارے سے شروع ہو کر جہلم تک تھا اور اسے مغلوں کی روک تھام کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ یہ شہزادہ علم و فضل کا شائق تھا۔ علماء اور شعراء کی صحبت کو پسند کرتا تھا شیر خاں کی موت کے بعد بلبن نے اسے ملتان کی نظامت اسی لئے دی کہ وہ عالم گورنر اور بہادر جرنیل ہے۔ چنانچہ اس کے عہد میں سندھ اور ملتان کے لوگوں کو امن و سکون حاصل ہوا۔

ملک طغرل کی بغاوت ۸۰-۱۲۷۹ء

۱۲۷۹ء میں سلطان کے غلام ملک طغرل حاکمِ بنگال نے سلطان کو بوڑھا اور کمزور سمجھ کر بغاوت کی۔ اور خراج بھیجنا بند کر دیا۔ بنگال میں اپنے نام کا سکہ جاری کر دیا اور مغیث الدین کا لقب اختیار کیا۔ بلبن نے اودھ کے ناظم امیر خاں کو ملک طغرل کی سرکوبی کا حکم دیا۔ امیر خاں نے بنگال پر چڑھائی کی مگر شکست کھائی۔ اور واپس لوٹ آیا۔ سلطان نے امیر خاں کو دار پر کھچوا دیا۔ اور ایک دوسری فوج بھیجی وہ بھی ناکام واپس آئی۔ تیسری مرتبہ سلطان خود بنگال گیا۔ اور طغرل بیگ کو شکست دے کر اسے قتل کر

دیا۔ اور اپنے بیٹے بغرا خاں کو ناظمِ بنگال مقرر کیا۔

شہزادہ محمد کی وفات ۱۲۸۵ء

مغل جو پنجاب کے سرحدی مقامات پر قابض ہو گئے تھے۔ وہ سندھ اور پنجاب میں ہر سال لوٹ مار کرتے تھے۔ ان کے خوف سے سلطان بلبن شہر دہلی سے باہر نہ نکلتا تھا۔ ۱۲۸۵ء میں مغلوں نے پھر سندھ پر حملہ کیا۔ شہزادہ محمد ان سے مقابلہ کرتا ہؤا مارا گیا۔ سلطان کو اس سے بہت محبت تھی۔ اس کی شہادت سے اس کو سخت صدمہ ہُوا اور بیمار ہو گیا۔ اس نے بغرا خاں کو بنگال سے طلب کیا۔ کہ وہ دارالسلطنت میں رہے اور اس کے مرنے پر فوراً تخت نشین ہو جائے لیکن بغرا خاں باپ کی اجازت کے بغیر واپس بنگال چلا گیا۔ سلطان نے سرکردہ امراء کو بلا کر کہا۔ کہ میرے بعد شہزادہ محمد کے بیٹے کیخسرو کو تخت نشین کیا جائے۔ سلطان بلبن تین یوم کے بعد وفات پا گیا۔ امراء نے اس کی وصیت کے خلاف ۱۲۸۷ء میں بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو تخت نشین کر دیا۔

بلبن کی خوبیاں

غیاث الدین بلبن اپنے وقت کے بادشاہوں اور سیاست دانوں میں ایک بلند درجہ رکھتا تھا۔ وہ اس وقت بادشاہ بنا جب مغلوں نے ایشیا کی اکثر اسلامی ریاستوں کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں ہر وقت مغلوں کے حملوں کا اندیشہ رہتا تھا۔ اس لئے ملک کے فساد پسند

لوگوں کو ہر وقت بغاوت کرنے۔ اور ڈاکوؤں۔ چوروں اور رہزنوں کو لوٹ مار کرنے کا موقع ملتا رہتا۔ لاہور۔ ملتان اور سندھ کے صوبوں پر مغل حملہ آور آئے دن یورش کرتے تھے۔ اور اندرون ملک میں راجپوت راجا۔ میواتی ڈاکو اور فسادی کھوکھر چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ بدیں وجہ شاہانِ دہلی کو اپنی سلطنت وسیع کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اور ان کی ساری زندگی بغاوتیں فرو کرنے ہی میں گزر جاتی تھی۔ بلبن نے مغل حملہ آوروں کو روکنے کے لئے لاہور۔ ملتان اور سندھ کے قلعے مضبوط کئے اور ان میں نہایت تجربہ کار افسر مقرر کئے۔ بلبن ہندوستان کا پہلا بادشاہ ہے۔ جس نے شمالی مغربی سرحدات کے حملوں کو روکنے کے لئے ایک مستقل پالیسی اختیار کی۔

بلبن کا خیال تھا کہ بادشاہ کو کسی کی رعایت نہیں کرنی چاہیئے۔ نہ کسی افسر سے دوستی یا محبت کا رشتہ قائم کرنا چاہیئے۔ مؤرخین نے اس کے دربار کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے دربار میں پچیس بادشاہ اور شاہزادے پناہ گزین تھے۔ جن میں پندرہ تاجدار تو اس کے عہد میں مغلوں کے خوف سے بھاگ کر بلبن کے پاس پناہ لینے آئے تھے۔ اس کے باڈی گارڈ میں سیستان کے تنومند نوجوان تھے جو ہر وقت ننگی تلواریں لے کر پہرہ دیتے تھے۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا سفیر بھی اس کے دربار میں رہتا تھا۔ اس کے دربار کی شان و شوکت کا یہ حال تھا۔ کہ جب راجے

اور دوسرے ملکوں کے سفیر بادشاہ کے دربار میں سلام کے لئے حاضر ہوتے۔ تو ان میں سے بعض سلطان کے رعب سے بے ہوش ہو جاتے۔

عام عادات و خصائل

بلبن عجمی شان و شوکت کو اگرچہ اسلامی روایات کے خلاف سمجھتا تھا۔ مگر اس کا یہ بھی خیال تھا۔ کہ امن قائم رکھنے کے لئے ظاہری رعب و جلال کی بھی ایک حد تک ضرورت ہے۔ اس لئے دربار میں درباری لباس کے بغیر آنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ اس نے کبھی کسی معمولی درجے کے آدمی کو منہ نہیں لگایا۔ جب تک ابتدار کی امانت اور دیانت کو جانچ نہ لیتا۔ اسے کوئی ملازمت نہ دیتا تھا۔ اس کے حضور میں کبھی کسی شخص کو سفارش کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ بلبن علم پرور اور ہنر شناس بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے شیخ سعدی شیرازی کو بھی ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن آپ بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے نہ آ سکے۔ سلطان بلبن نماز روزے کا سختی سے پابند تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتا تھا۔ منصف مزاج تھا۔ کسی پر بے جا سختی نہ کرتا تھا۔ لیکن اپنے دشمنوں کے ساتھ انتہائی درجہ کا سلوک کرتا تھا۔

کیقباد ۱۲۸۶ء سے ۱۲۹۰ء تک

بلبن کے بعد اس کے پوتے کیقباد کو تخت پر بٹھایا گیا۔ یہ سترہ سالہ نوجوان تھا۔ یہ انتظامِ سلطنت

ملک نظام الدین کے سپرد کر کے خود عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ اس کے باپ بغرا خاں نے بھی بنگال سے آ کر اسے ہدایت کی۔ مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اس کے عہد میں مغلوں نے لاہور پر حملہ کیا۔ مگر بلبن کی شیر دل فوج نے مغلوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ کیقباد نے نظام الدین کو ہٹا کر ملک جلال الدین فیروز خلجی کو سامانہ کی جاگیر سے بلایا اور فوج کا سپہ سالارِ اعظم مقرر کر دیا۔ تمام امراء اس خلجی کے تقرر اور اقتدار سے ناراض ہو گئے۔ انہوں نے کیقباد کو قتل کر کے اس کی لاش جمنا میں پھینک دی۔ اور اس کے کم سن لڑکے کو تخت پر بٹھا دیا۔ سپہ سالار جلال الدین خلجی کے لڑکوں نے فوراً کم سن بادشاہ کو اپنی حراست میں لے لیا اور دہلی کا تخت جلال الدین خلجی کے حوالے کر دیا اس طرح خاندانِ غلاماں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور خاندانِ خلجی کا دور شروع ہوا۔

خاندانِ خلجی

۱۲۹۰ء سے ۱۳۲۰ء تک

جلال الدین خلجی

کیقباد کے بعد ۱۲۹۰ء میں دہلی کے پٹھان سرداروں نے دہلی کی حکومت جلال الدین فیروز خاں حاکمِ پنجاب کے حوالے کر دی۔ فیروز خاں نے دہلی کے تخت پر قبضہ کر کے اپنا لقب جلال الدین خلجی اختیار کیا۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال کی تھی۔ جلال الدین خلجی بہت نرم آدمی تھا۔ اس نے لوگوں کے دل اپنی نرمی اور مہربانیوں سے جلد ہی موہ لئے۔ مگر یہ دشمنوں کے ساتھ بھی بہت نرمی سے پیش آتا تھا۔ اسی سبب سے اس کے عہد میں بغاوتیں ہونے لگیں۔

کشلو خاں کی بغاوت

ایک ہی سال کے بعد ملک کشلو خاں نے جو بلبن کا بھتیجا تھا۔ اپنے صوبے میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ جلال الدین بغاوت فرو کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ بدایون کے قریب کشلو خاں کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ کشلو خاں کو شکست فاش ہوئی اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر ایک گاؤں میں

جا چھپا۔ مگر گاؤں کے ہندو نمبردار نے اسے بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ کشنلو خاں جب سلطان جلال الدین کے سامنے لایا گیا تو اس کو اس کی حالت پر بہت رحم آیا۔ اور اسے ملتان میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دے دی۔ اور اس سے عزت کا سلوک کیا۔ جلال الدین بہت رحم دِل بادشاہ تھا۔ اس کے وزراء اور مشیر اسے اپنا باپ سمجھتے تھے۔ ان میں سے بعض نے ایک دن شراب کے نشے میں سلطان کے خلاف کچھ باتیں کہیں۔ تو سلطان نے ان سے جواب طلب کیا۔ امراء معافی کے طالب ہوئے تو سلطان نے انہیں معاف کر دیا۔ سلطان کی رحم دلی کی وجہ سے اس کا عہد لڑائیوں سے بالکل پاک ہے۔ اس نے صرف رنتھنبور کے قلعہ پر دو دفعہ حملہ کیا۔ لیکن اس خیال سے قلعے کا محاصرہ نہ کیا کہ قلعہ کی قیمت سے کہیں زیادہ قیمتی جانوں کا نقصان ہو گا۔ چنانچہ دونو دفعہ واپس لَوٹ آیا۔

الغو خاں

۱۲۹۲ء میں مغلوں نے پنجاب پر پھر حملہ کیا۔ جلال الدین نے اپنی نرمی اور ملائمت سے جنگجو مغلوں کو بھی موم کر لیا۔ اور انہیں اپنے ملک میں آزادانہ رہنے کی اجازت دے دی۔ بعض مغل سرداروں نے جن میں الغو خاں، ہلاکو خاں کا پوتا بھی تھا۔ دینِ اسلام قبول کر لیا۔ اور ان میں سے اکثر سرداروں نے سلطان کی ملازمت اختیار کر لی۔ ان نومسلموں کی بستی علیحدہ بسائی گئی۔

سیدی مولا جلال الدین نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی ظلم کا کام کیا۔ اور وہ تھا سیدی مولا کا قتل۔ سیدی مولا ایک درویش تھا جو بلبن کے وقت میں ہندوستان آیا اور حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چند روز پاک پٹن میں قیام کر کے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ بابا گنج شکر نے درویش کو ہدایت کی کہ خبردار! دہلی میں امرائے سلطنت سے کوئی سروکار نہ رکھنا۔ لیکن سیدی مولا نے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام لوگوں میں ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔ سیدی مولا حکومت یا عوام سے کچھ نہ لیتا تھا۔ نہ اس کی کوئی آمدنی تھی۔ مگر اس نے غریبوں کے لئے بڑے پیمانے پر لنگر جاری کر رکھا تھا۔ بعض امرائے سلطنت اور بلبن کے پرانے اہل کار درویش کی خانقاہ پر آتے جاتے تھے اس سے آہستہ آہستہ درویش کے متعلق بدگمانی پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ سلطان نے درویش کو ہاتھی کے پاؤں نیچے روندوا کر ھلاک کرا دیا۔

فتح دیوگری جلال الدین نے ۱۲۹۴ء میں اپنے بھتیجے علاؤالدین کو کشلو خاں کی بغاوت کے بعد ایک صوبے کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اسے بھیلسہ پر حملہ کرنے کو بھیجا۔ راستے میں اسے معلوم ہوا۔ کہ قریب ہی دیوگری ریاست ہے جو بیحد مالدار ہے۔ اس نے فوراً دیوگری پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ جب دیوگری کے راجہ رام دیو کو خبر ہوئی۔ تو وہ

بہت گھبرایا۔ کیونکہ اس کی کافی فوج اس کے بیٹے شنکردیو کے ساتھ گئی ہوئی تھی۔ جو یاترا کو گیا ہوا تھا۔ بہر حال راجہ رام دیو والئ دیوگری نے تھوڑی سی فوج جمع کی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ علاؤالدین نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور رسد کی راہ بند کر دی۔ راجہ نے گھبرا کر صلح کا پیغام بھیجا جو علاؤالدین نے قبول کر لیا۔ اور راجہ سے چھ سو من سونا۔ سات من موتی دو من جواہرات اور ایک ہزار من چاندی وصول کی۔ اس کے علاوہ راجہ نے سالانہ خراج بھی دینے کا وعدہ کیا۔

جلال الدین کا قتل

جب علاؤالدین اس فتح کے بعد شادیانے بجاتا ہوا بیحد مال و متاع لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ تو امراء نے جلال الدین کو علاؤالدین کے خلاف اکسانے کی کوشش کی۔ اور جلال الدین کو مشورہ دیا۔ کہ وہ دیوگری کا تمام مال و متاع علاؤالدین سے چھین لے۔ کیونکہ اس نے دیوگری پر سلطان کی اجازت کے بغیر حملہ کیا تھا۔ اس کی اطلاع پا کر علاؤالدین چچا سے ملاقات کئے بغیر اپنے صوبے پر چلا گیا۔ علاؤالدین کا بھائی الماس بیگ دہلی میں مقیم تھا۔ اس نے چچا کو مجبور کیا کہ وہ علاؤالدین سے ملنے کے لئے خود جائے۔ چنانچہ جلال الدین روانہ ہو گیا۔ اور ۱۲۹۶ء میں بھتیجے سے گنگا کے کنارے ملاقات کی۔ علاؤالدین نے

بغل گیر ہوتے وقت اپنے چچا سلطان جلال الدین کا کام خنجر سے تمام کر دیا۔

جلال الدّین کے خصائل

جلال الدین ابتدا میں بہت جنگ جُو اور دلیر تھا۔ لیکن دہلی کے تخت پر بیٹھتے ہی انتہا درجے کا نرم مزاج اور رحم دل ہو گیا تھا۔ وہ نہایت سادہ اور نیک تھا۔ اور انسانی خون بہانے سے ڈرنے لگا تھا۔ اسی لیے اس نے تخت دہلی حاصل کرتے ہی پُرُ امن زندگی گزارنے کی کوشش کی۔ لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ پرامن سیاست اور نرم دلی بادشاہ کی ھلاکت کا باعث ہوتی ہے اور اسی واسطے اسے اپنی نرمی اور نیک دلی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑی۔

علاؤالدّین خلجی

۱۲۹۶ء سے ۱۳۱۵ء تک

علاؤ الدین خلجی نے اپنے چچّا جلال الدّین خلجی کو قتل کرتے ہی اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ ادھر دھلی میں جلال الدین کی ملکہ نے اپنے چھوٹے بیٹے شہزادہ رکن الدین ابراہیم کو شہزادہ ولی عہد ارکلی خاں گورنر ملتان کے آنے تک تخت خالی نہ رکھنے کی وجہ سے تخت پر بٹھا دیا۔ ان حالات نے علاؤالدین کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اس نے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ اور ہر منزل پر زرو جواہر کی بارش کرتا ہوا دھلی پہنچا۔ اس نے اپنے افسروں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ نئی فوج بھرتی کریں۔ اور بیش بہا تنخواہیں دیں۔ چنانچہ اس طرح اس کے پاس

ساٹھ ہزار سوار اور ساٹھ ہزار پیادہ سپاہ ہو گئی اور اپنی داد و دہش کی وجہ سے وہ ہر دلعزیز بھی ہو گیا جب اس کے چچیرے بھائی رکن الدین نے یہ لاؤ لشکر دیکھا تو وہ اپنی والدہ کے ہمراہ ملتان کی طرف اپنے بھائی کے پاس بھاگ نکلا۔

اکتوبر ۱۲۹۶ء میں علاؤالدین نے بلبن کے قصر سرخ میں تخت پر جلوس کیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے ملتان کی طرف فوج روانہ کی۔ جہاں سلطان جلال الدین خلجی کے بیٹے مقیم تھے۔ ان شاہزادوں نے جلد ہی اطاعت قبول کر لی۔ علاؤالدین کی فوج نے انہیں گرفتار کر کے دہلی پہنچنے سے پہلے اندھا کر دیا۔ ان کی بقایا عمر گوالیار کے قلعے میں قیدی کی حیثیت سے گزری۔ ان کے امراء سے بھی برا سلوک کیا گیا۔ بعض قتل ہوئے۔ بعض قید کیئے گئے اور بعض سے زر و جواہر چھین لئے گئے۔

مغلوں کے حملے

علاؤالدین کے عہد میں پہلے بارہ سال میں وسط ایشیا کے مغلوں نے کئی دفعہ اس پر حملے کئے۔ پہلی دفعہ حملہ آور جالندھر تک بڑھتے چلے آئے۔ یہاں انہیں ظفر خاں حاکم پنجاب نے شکست فاش دی۔ بہت سے مغل میدان جنگ میں کام آئے۔ اس سے کچھ عرصہ بعد مغلوں نے ایک اور حملہ کیا۔ ظفر خاں نے انہیں پھر شکست دی اور مغل سالار اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار ہوا۔ ۱۲۹۹ء میں مغلوں نے دو لاکھ کے لشکر سے پھر ہندوستان پر چڑھائی کی۔

اور جمنا تک پہنچ گئے۔ راستے میں کسی شہری کو کچھ نہ کہا۔ غالباً اس مرتبہ مغلوں کا ارادہ لوٹ مار کا نہ تھا بلکہ ملک کو فتح کر کے باقاعدہ حکومت کرنے کی خواہش تھی۔ علاؤالدین کے بعض مشیروں نے رائے دی۔ کہ ان حالات میں لڑنے کی بجائے انہیں کچھ دے دلا کر ٹال دیا جائے۔ مگر علاؤالدین نے اس رائے کو پسند نہ کیا۔ بلکہ ایک جرار لشکر لے کر مغلوں کے مقابلہ کو نکلا۔ ظفرخاں حاکم پنجاب نے مغلوں پر بائیں جانب سے حملہ کیا۔ اور انہیں بھگا کر دور تک ان کا تعاقب کرتا چلا گیا۔ اس معرکے میں ظفرخاں اگرچہ مارا گیا لیکن مغلوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور علاؤالدین فتح کا جھنڈا لہراتا واپس دہلی میں آیا۔ مغلوں نے چوتھی بار پھر دہلی پر حملہ کیا اس مرتبہ ان کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار سپاہ تھی۔ علاؤالدین انہی دنوں چتوڑ کا قلعہ فتح کر کے واپس دہلی آیا تھا۔ اس لئے یہاں فوج بہت کم تھی۔ چنانچہ اس نے قلعہ بند ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ اور بہت جلد دشمنوں کو بھگانے میں کامیاب ہو گیا۔ سلطان کی اس فتح کا سبب حضرت شیخ نظام[1] الدین اولیاء کی دعا کی برکت سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] حضرت شیخ نظام الدین اولیاء جن کا مزار اب تک دہلی میں موجود ہے۔ بدایوں میں پیدا ہوئے دہلی میں تعلیم پائی تھی۔ آپ حضرت بابا فرید گنج شکر کے مرید ہوئے جن کا مزار اب بھی پاک پٹن میں موجود ہے۔ بعدازاں دہلی سے چھ میل دور موضع غیاث پور میں آپ نے سکونت اختیار کی۔ آپ کی خانقاہ نے ہر خیال کے لوگوں کو عقیدت تھی۔ خضر خاں ولی عہد سلطنت بھی آپ کے مرید تھے۔ کہا جاتا ہے کہ خانقاہ کی عمارت خضر خاں ہی نے تعمیر کرائی تھی۔

مغلوں کے حملوں کا تدارک

مغلوں کے پے در پے حملوں کی وجہ سے علاؤالدین کو خیال پیدا ہوا کہ سرحدات پر چھاؤنیاں تعمیر کرائی جائیں۔ اور چھاؤنیوں میں فوجیں رکھی جائیں چنانچہ اس نے ۱۳۰۴ء میں اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے تجربہ کار سپہ سالار سرحد کی طرف روانہ کئے جنہوں نے ہمالیہ کی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ مناسب مقامات پر چھاؤنیاں بنائیں۔ اس سے پہلے مغل حملہ آور صوبجات متحدہ تک بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اور انہیں راستے میں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اس لئے عوام کا جان و مال ہر وقت خطرے میں رہتا تھا۔ لیکن علاؤالدین نے چھاؤنیاں بنا کر لوگوں کو اپنے دورِ حکومت میں بیرونی حملوں سے بالکل محفوظ کر دیا۔

مغلوں کا ایک اور حملہ

پانچویں دفعہ مغلوں نے پھر یورش کی اور سندھ پار کر کے ملتان پر حملہ کیا۔ ملک تغلق حاکمِ ملتان نے مغلوں کا مقابلہ کر کے انہیں شکست فاش دی۔ چھٹی اور آخری مرتبہ مغلوں نے پھر حملہ کیا۔ اس دفعہ بھی ملک تغلق نے سختی سے ان کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں مغلوں کا سردار اقبال مند بھی مارا گیا۔ اور بہت سے مغل حملہ آور قتل ہوئے۔ جو زندہ گرفتار ہوئے تھے۔ وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔ ان شکستوں نے مغلوں کو ہمیشہ کے لئے ڈرا دیا اور انہوں نے علاؤالدین کے عہد میں پھر کبھی ہندوستان پر حملہ نہیں کیا۔ اس طرح علاؤالدین نے

اس خیال کو پورا کر دیا۔ جو بلبن کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ کہ مغلوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے روکا جائے۔

۱ گجرات کی فتح

علاؤ الدین نے اپنی سلطنت میں صرف امن و امان ہی قائم نہیں کیا۔ بلکہ اسے وسیع بھی کیا۔ ۱۲۹۷ء میں الف خاں اور نصرت خاں کو راجپوتانے پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے راجہ کو شکست دے کر گجرات کو حکومتِ خلجیہ میں شامل کر لیا۔ راجہ کرن دیوگری کی طرف بھاگ گیا۔ سلطان کی فوج گجرات سے بے حساب مالِ غنیمت لائی۔ جس میں راجہ کی خوبصورت رانی کملا دیوی اور کافور نامی غلام بھی تھا۔ کملا دیوی کو حرم شاہی میں داخل کر لیا گیا۔ ایک روز رانی نے سلطان سے عرض کی کہ اس کی بیٹی دیول دیوی دکن میں ہے۔ جب تک اسے دہلی نہ لایا جائے گا۔ اس کے دل کا کنول مرجھایا رہے گا۔ علاؤ الدین نے دیول دیوی کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ دیول دیوی کی شادی دکن کے ایک مرہٹہ سردار سے ہو چکی تھی۔ علاؤ الدین کی فوج نے عین اس وقت دیول دیوی کو گرفتار کر لیا۔ جبکہ وہ پالکی میں سوار ہو کر اپنے شوہر کے گھر جا رہی تھی۔ دیول دیوی کو نہایت عزت اور احترام کے ساتھ دہلی لایا گیا۔ اور اس کی شادی ولی عہدِ سلطنت خضر خاں سے کر دی گئی۔ امیر خسرو نے خضر خاں اور دیول دیوی کی شادی کو ایک کہانی کی صورت میں نظم کیا ہے۔

مذہب اور قانون

علاؤ الدین اگرچہ بے علم تھا۔ لیکن

کا بہادر اور زیرک تھا۔ اسے اپنی روز افزوں کامیابیاں دیکھ کر خیال پیدا ہؤا کہ ایک نیا مذہب جاری کرے۔ اور سکندرِ اعظم کی طرح ساری دنیا کو فتح کرے۔ اس نے اپنے وزیر اعظم سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ اس نے سلطان کو سمجھایا کہ بادشاہ کبھی دین کے بانی نہیں ہوئے۔ اگر کسی بادشاہ نے ایسا کیا تو اس کا دین کبھی کامیاب نہیں ہؤا۔ البتہ بعض پیغمبروں کو اللہ تعالےٰ نے بادشاہی ضرور عطا کی ہے پیغمبر تو بادشاہ ہو سکتا ہے۔ لیکن بادشاہ پیغمبر نہیں ہو سکتا باقی رہا سکندرِ اعظم کی پیروی کا ارادہ۔ سو اس کے لئے سارا دکن پڑا ہؤا ہے۔ اسے فتح کیجئے۔ اور اپنی سلطنت کو بڑھایئے۔ یہ مشورہ سلطان کو بہت پسند آیا۔ اور اس نے سارے دکن کو فتح کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔

رنتھنبور

علاؤ الدین نے ۱۲۹۹ء میں الف خاں اور نصرت خاں کو رنتھنبور پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ راجپوتوں کا ایک مشہور اور مضبوط قلعہ تھا۔ ان دونوں جرنیلوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ نصرت خاں محاصرہ کے دوران مارا گیا۔ اور الف خاں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ حالت دیکھ کر سلطان خود ایک لشکرِ جرّار سمیت دہلی سے الف خاں کی امداد کے لئے نکلا۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ بادشاہ کیمپ سے دور اکیلا سیر کر رہا تھا۔ کہ اس کے ایک بھتیجے نے اس پر حملہ کر کے سلطان کو زخموں سے چور چور کر دیا۔ سلطان نے بڑی سختی سے مقابلہ کیا لیکن زخموں کی شدت کی تاب نہ لا کر گر پڑا۔ حملہ آور نے

سمجھا۔ کہ سلطان مر گیا۔ اس نے کیمپ میں آ کر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ مگر فوراً ہی علاؤالدین مجروح حالت میں کیمپ پہنچ گیا۔ اور بغاوت پر قابو پا لیا۔ اس کے بعد رنتھنبور کی طرف بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اسی اثنا میں اس کی بہن کے لڑکوں عمر خاں اور منگو خاں نے بدایون اور اودھ میں بغاوت کر دی۔ اور دہلی میں بھی چند امراء نے علم بغاوت بلند کیا اور سلطان التمش کے خاندان کے ایک شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن یہ بغاوتیں جلد ہی دبا دی گئیں۔ اور باغیوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ اس قسم کی بغاوتیں جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ بادشاہ کی غیر حاضری میں ہندو کروایا کرتے تھے۔ تاکہ اسلامی سلطنت کے قدم ہندوستان میں جمنے نہ پائیں۔ بہرحال دہلی کی بغاوت سے بھی علاؤالدین کے عزم میں کچھ فرق نہ آیا اس نے رنتھنبور کا محاصرہ جاری رکھا۔ اور آخرکار جولائی ۱۳۰۱ء میں یہ قلعہ فتح کر لیا۔

چتوڑ کی فتح

۱۳۰۲ء میں سلطان علاؤالدین نے ریاست میواڑ پر حملہ کیا۔ یہ ریاست چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ یہاں ایک بہت مضبوط اور مشہور قلعہ چتوڑ واقع تھا۔ راجپوت قلعہ بند ہو گئے یہ خیال مشہور تھا کہ چتوڑ کو کوئی فتح نہیں کر سکتا کیونکہ وہ سر بفلک پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ علاؤالدین نے اللہ پر بھروسہ کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ راجپوت ایک شدید جنگ کے بعد اطاعت اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے

علاؤ الدین نے چتوڑ کی حکومت اپنے بیٹے خضر خاں کے حوالے کی اور ریاست کا نام خضر آباد رکھا۔ لیکن ۱۳۱۱ء میں علاؤ الدین نے چتوڑ پھر ایک راجپوت سردار کے حوالے کر دیا۔ یہ راجہ عمر بھر علاؤ الدین کا وفادار رہا۔ انگریزی دور کے ہندو مصنفین نے علاؤ الدین پر الزام لگایا تھا۔ کہ علاؤ الدین نے چتوڑ کے راجہ بھیم سین کی رانی پدمنی کو چھیننے کے لئے چتوڑ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔

وسط ہند کی ریاستیں

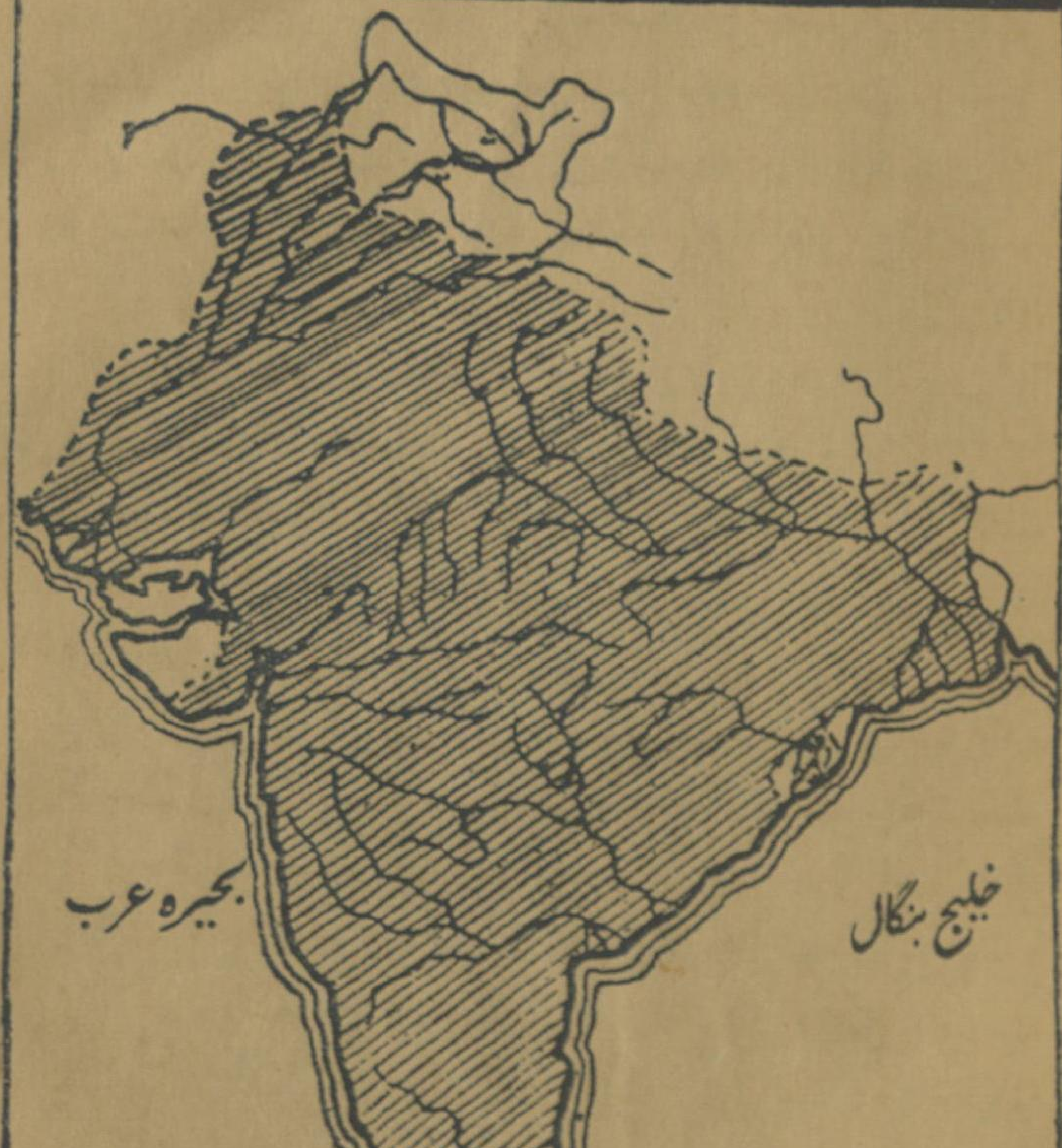
علاقہ میواڑ کی فتح کے بعد دکن کی دیگر ریاستوں کو فتح کرنے کا دروازہ کھل گیا۔ علاؤ الدین نے چند ہی روز میں ریاست مالوہ اور وسط ہند کی دوسری ریاستیں بھی سلطنت خلجیہ میں شامل کر لیں۔ ۱۳۰۵ء میں سلطان نے ایک لشکرِ جرّار جنوب میں حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ جس نے ریاست ہائے اجین۔ مانڈو۔ دھار اور چندیری فتح کر لیں۔ اس کے بعد ریاست مارواڑ کو بھی حکومتِ دہلی میں شامل کر لیا گیا۔

دکّن کی ریاستیں

علاؤ الدین کو سکندرِ اعظم ثانی کہلانے کا شوق تھا۔ اس لئے وہ فتوحات کے سلسلے کو اور وسیع کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ملک کافور کو ایلچ پور پر حملہ کرنے کے لئے مامور کیا۔ کیونکہ وہاں کے راجہ دھرم دیو نے تین سال سے خراج نہیں دیا تھا۔ ملک کافور نے ایلچ پور پر قبضہ کر کے دیوگری پر چڑھائی کر دی۔ گجرات کا مفرور راجہ کرن (جس کی رانی شاہی محل

G.A.Minhas

ہندوستان علاؤالدین خلجی کے عہد میں



میں اور بیٹی دیول دیوی شاہزادہ خضر کے نکاح میں تھی) بھی دیوگری میں پناہ گزین تھا۔ راجہ رام دیو نے اطاعت قبول کر لی اور بیش بہا تحائف پیش کئے اور آئندہ خراج ادا کرتے رہنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ علاؤالدین نے راجہ کو معافی دے دی۔ اور دیوگری کی حکومت اسی کے پاس رہنے دی۔ بعد ازاں اسے "راجۂ راجگان" کا خطاب بھی عطا کیا۔

تلنگانہ

۱۳۰۳ء میں ملک فخرالدین جوناخاں نے وارنگل پر حملہ کیا تھا۔ لیکن اس کو ناکام ہو کر واپس لوٹنا پڑا تھا۔ ۱۳۰۹ء میں علاؤالدین نے پھر وارنگل پر حملہ کرنے کے لئے ملک نائب اور خواجہ حاجی کو مامور کیا۔ یہ سپاہ رام دیو راجہ دیوگری کے علاقہ سے گزری۔ رام دیو نے فوج کی رسد رسانی اور آؤ بھگت میں گرمجوشی سے حصہ لیا۔ وارنگل کے راجہ کو جب خلجیوں کے حملے کا پتہ چلا تو وہ ایک مضبوط قلعہ میں بیٹھ گیا۔ جس کی دیواریں نہایت مضبوط تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ کی دیوار پر اگر نیزہ مارا جاتا تھا تو اس کی نوک مڑ جاتی تھی۔ اور دیوار پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ مگر شاہی فوجیں قلعہ کی دیوار کو توڑنے میں کامیاب ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ بہت سا زر و جواہر کافی تعداد میں ہاتھی اور گھوڑے بطور تاوان دیئے اور آئندہ دہلی کے بادشاہوں کو خراج دینا منظور کیا۔

دوار سمدرا کی فتح

۱۳۱۰ء میں ملک کافور نے دکن کی بقیہ ریاستوں پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ اور دیوگری کے علاقوں سے گزر کر دوار سمدرا کے راجہ پر حملہ کیا۔ دوار سمدرا ریاست بیلسور کا قدیم نام ہے۔ ملک کافور نے ۱۳۱۱ء میں اس ریاست کو فتح کر کے راجہ کو قید کر لیا۔ اور بعدازاں اسے دہلی بھیج دیا۔ اسی سال ملک کافور راس کماری تک جا پہنچا۔ اس طرح سارا ہندوستان علاؤالدین کے قبضے میں آ گیا۔

مدورا کی فتح

ملک کافور نے دکن سے واپس ہوتے ہوئے ریاست مدورا پر حملہ کیا۔ یہاں کے راجہ نے کوئی مقابلہ نہ کیا۔ یہاں سے بہت سی دولت ملک کافور کے ہاتھ لگی۔ اب ملک کافور سمندر کے کنارے کنارے چلا۔ سمندر کے کنارے ملک کافور نے سلطان علاؤالدین خلجی کے نام پر ایک مسجد بھی تعمیر کرائی اور واپس دہلی روانہ ہو گیا۔ کافور کی آمد پر سلطان نے ایک بڑا دربار منعقد کیا۔ اور امراء و رؤسا اور فوج کو انعامات عطا کئے۔

دیوگری کی فتح

۱۳۱۲ء میں دیوگری کے راجہ شنکر دیو نے بغاوت کر دی۔ اس لئے ملک کافور نے ایک بار پھر دکن کا رخ کیا۔ شنکر دیو کو شکست دے کر ریاست دیوگری کو حکومتِ شاہی میں شامل کر لیا گیا۔ دیوگری کا پہلا راجہ رام دیو اطاعت قبول کر لینے کے بعد حکومتِ دہلی کا وفادار رہا۔ لیکن اس کے

بیٹے شنکر دیو نے بغاوت کی ۔ اس لئے اس کی ریاست کو مرکزی حکومت میں شامل کرنا پڑا ۔ ہندو راجہ ہمیشہ مسلمان بادشاہوں کی اطاعت قبول کر لینے کے بعد پے در پے عہد شکنی کر کے بغاوتیں کرتے رہے ہیں ۔ تاکہ اسلامی سلطنت ہندوستان میں مستحکم نہ ہو سکے ۔

علاؤالدین کا انتظام سلطنت

(۱) مغلوں کے حملوں کی رکاوٹ :-
اس نے ملک کو مغلوں کے حملوں سے بچانے کے لئے پرانے قلعوں کی مرمت کرائی ۔ اور کوہ ہمالیہ کے ساتھ ساتھ بے شمار نئی چھاؤنیاں تعمیر کرائیں ۔

۲۔ فوجی نظام : فوج کو جدید طریقہ سے منظم کیا ۔ فوجی خدمات کے لئے جاگیریں دینے کے دستور کو منسوخ کر کے سپاہیوں کی نقد تنخواہیں مقرر کیں ۔ نیز گھوڑوں کو داغ دینے کا طریقہ رائج کیا ۔ تاکہ بددیانتی کا دروازہ بند ہو سکے ۔

۳۔ امراء پر پابندیاں : امراء کا زور کم کرنے کے لئے ان کی جاگیریں ضبط کر لیں ۔ نیز ایسے قاعدے اور اصول مقرر کئے ۔ کہ کوئی شخص زیادہ دولت جمع نہ کر سکے ۔ مزید برآں اس نے ایک قانون جاری کیا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ سلطان کی منظوری کے بغیر رشتے ناطے نہ کر سکیں ۔ جلسے اور ضیافتیں بھی بند کر دیں تاکہ انہیں سازش کا موقع ہی نہ ملے ۔

۴۔ شراب نوشی کا انسداد : اس نے شراب نوشی اور

شراب فروشی کو قانوناً ممانعت کر دی۔ جن لوگوں نے شراب اور دوسرے احکام کی خلاف ورزی کی انہیں سخت اور عبرت ناک سزائیں دیں۔ سلطان نے خود بھی شراب نوشی ترک کر دی۔ اور تمام آلاتِ مے کشی توڑ دیئے۔

۵۔ جاسوسی محکمہ: ملک بھر میں جاسوس مقرر کئے۔ جو ہر بات کی اطلاع بادشاہ تک پہنچاتے تھے قابلِ اعتماد جاسوسوں اور خفیہ پولیس کے ذریعے سلطان ہر امیر کے گھریلو معاملات سے بخوبی واقف رہنے لگا۔

۶۔ نرخ بندی: اس کے عہد میں لگان جنس کی صورت میں وصول ہوتا تھا۔ اور دہلی میں اناج کے ذخیرے کے لئے گودام بنے ہوئے تھے۔ سلطان نے تمام اشیاء و اجناس کے نرخ مقرر کر دیئے تھے۔ نیز وزن کے لئے باٹ مقرر کئے ہوئے تھے کمی بیشی کرنے والوں کو سخت سزا دی جاتی تھی۔

سلطان کے آخری ایام

سلطان علاؤ الدین ملک کافور سے بہت محبت کرتا تھا۔ اور ہر کام اس کے مشورے سے کرتا تھا۔ ملک کافور اور ولی عہدِ سلطنت خضر خاں میں ناچاقی تھی۔ سلطان کے آخری ایام میں ملک کافور نے موقع پا کر خضر خاں۔ اس کی ماں اور اس کے بھائی شادی خاں کو قید کروا کر گوالیار بھجوا دیا۔ ان حالات کو دیکھ کر دور دراز کے حکمران خودمختار بن بیٹھے۔ اور علاؤ الدین نے اسی غم میں ۱۳۱۶ء میں وفات

سلطان علاؤالدّین نے صرف بیس سال حکومت کی۔ اس قلیل عرصہ میں اسے چھ سات مرتبہ مغل حملہ آوروں سے معرکہ آرا ہونا پڑا۔ متعدد مرتبہ بغاوتیں فرد کیں۔ اور سارے جنوبی ہند کو بزورِ شمشیر فتح کیا۔ اتنی بڑی حکومت اس نے ایسے حالات میں حاصل کی۔ جبکہ اس کے گرد و پیش بدخواہ ہی بدخواہ تھے۔ اس نے ہر ایک بات کو پوری طرح سوچا جو سلطنت کی مضبوطی کا سبب بن سکتی تھی۔

اس نے جو قانون جاری کیا۔ اس سے غافل نہیں رہا۔ بلکہ اس قانون کی ترقی کی رفتار کو دیکھتا اور جانچتا تھا۔ قاضی مغیث الدّین نے ایک بار سلطان سے کہا۔ کہ "آپ نے کئی دفعہ احکامِ شریعت کے خلاف سزائیں دی ہیں"۔ سلطان نے جواب دیا۔ کہ بابا کیا کروں۔ ان پڑھ آدمی ہوں شریعت کے احکام سے واقف نہیں ہوں۔ اس لئے قابلِ معافی ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا۔ ملک اور رعایا کے فائدے کے لئے کیا ہے"۔ اس نے اپنے چچا جلال الدین کی نرم پالیسی کے بُرے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اس لئے تمام عمر سختی سے کام لیا۔

خاندانِ خلجی کا زوال
۱۳۱۶ء سے ۱۳۲۰ء تک

علاؤالدّین خلجی کی وفات پر ملک کافور نے اس کے چھوٹے بیٹے شہاب الدّین کو تخت پر بٹھایا اور خود اس کا سرپرست بنا۔ علاؤالدین کے دو بڑے

بیٹے خضر خاں اور شادی خاں تو قید میں اندھے کئے جا چکے تھے۔ مبارک خاں نے جو علاؤالدین کا ایک اور بڑا بیٹا تھا۔ ملک کافور کو قتل کر دیا۔ اور شہاب الدین کو بھی اندھا کرا کے چند روز کے بعد ٹھکانے لگا دیا۔ اور ۱۳۱۶ء میں خود بادشاہ بن گیا۔

قطب الدّین مبارک شاہ

مبارک خاں نے بادشاہ ہو کر قطب الدین لقب اختیار کیا اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے جو جاگیریں اور جائدادیں سلطان علاؤالدین نے ضبط کی تھیں۔ وہ امراء کو واپس دے دیں۔ اس طرح حکام اور امراء اپنے فرائض سے غافل ہو گئے۔ مبارک شاہ نے ۱۳۱۷ء میں دیوگری پر حملہ کر کے راجہ ہرپال کو شکست دے دی اور اپنے منظورِ نظر خسرو خاں نومسلم کو مدورا پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ اپنے خاص آدمیوں کو دکن میں بڑے بڑے عہدے دے کر ۱۳۱۸ء میں واپس دہلی آ گیا۔ ان دنوں سلطان عیش و عشرت میں مشغول تھا۔

قطب الدّین کا قتل

خسرو خاں پہلے ہندو تھا۔ قطب الدین مبارک شاہ سے دوستی تھی۔ اس نے محض دکھاوے کے لئے اسلام قبول کر لیا تھا۔ درحقیقت وہ منافق تھا۔ اور خلجی خاندان کا اقتدار ختم کر کے دہلی میں ہندو حکومت قائم کرنی چاہتا تھا۔ جب قطب الدین مبارک شاہ نے اسے تلنگانہ کی مہم پر بھیجا تو اس نے دکن میں اپنی

خود مختار سلطنت قائم کرنے کی ٹھانی - لیکن بعض وفادار افسروں نے بادشاہ کو خبر کر دی - تاہم سلطان نے کچھ پرواہ نہ کی - بلکہ خسرو خاں کو کہہ دیا - کہ اس قسم کی شکایتوں سے مجھے تمہارے اعتماد پر کچھ شک نہیں ہو سکتا - آخرکار خسرو خاں نے ۱۴ اپریل ۱۳۲۰ء کی رات کو قطب الدین مبارک کا کام محل میں تمام کر دیا - خسرو خاں نے اگلی صبح کو دربار منعقد کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا -

خسرو خاں

خسرو خاں نے تخت شاہی پر بیٹھتے ہی افسروں اور ذی اثر اشخاص کو زر و جواہر تقسیم کرنا شروع کیا - تاکہ لوگوں کو اس پر اعتماد ہو جائے مذہبی علماء اور مشائخ کے وظیفے مقرر کر دیئے - تاکہ وہ اس کے خلاف زبان نہ کھولیں - مگر اس نے خود اسلام کی بے حرمتی کرنا شروع کر دی - قرآن پاک کی توہین کی اور مسجدوں کو مسمار کرا دیا - علماء اور امراء دونوں خسرو کی کافرانہ حرکتوں کو دیکھتے تھے - مگر جان کے خوف سے آواز بلند نہ کرتے تھے - غازی ملک گورنر دیپال پور (پنجاب) کا بیٹا جونا خاں تغلق ان دنوں دربار میں تھا - وہ موقع پا کر باپ کے پاس دیپال پور چلا آیا - اور غازی ملک کو بتایا - کہ اسلام ہندوستان میں ختم ہو رہا ہے - غازی ملک نے جب بیٹے کی زبانی یہ حالات سنے تو اس کا دل تڑپ اٹھا اس نے تہیہ کیا کہ وہ ہندوستان میں اسلامی حکومت از سر نو

قائم کرے گا۔ چنانچہ اس نے دیگر گورنروں کو امداد کے لئے لکھا۔ گورنر ملتان نے اپنی فوج غازی ملک کی امداد کے لئے بھیج دی۔ دونوں گورنروں کی فوج نے دہلی کی طرف یلغار کی۔ خسرو خاں نے ایک فوج اپنے سوتیلے بھائی حسام الدین کے ماتحت بمقام سرسہ غازی ملک سے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ خسرو نے فوج کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے انہیں دو دو چار چار سال کی تنخواہیں بھی پیشگی دے دیں۔ ملاؤں اور علماء کو بھی تحائف دیئے۔ تاکہ وہ اس کی حمایت کریں۔ بہرحال دہلی کے قریب خسرو خاں اور غازی ملک کے درمیان جنگ ہوئی۔ خسرو خاں کو شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر غازی ملک کے روبرو قتل کیا گیا۔

غازی ملک نے اگلے روز خلجی خاندان کے امراء و وزراء کو بلایا۔ اور انہیں مشورہ دیا کہ خلجی خاندان کے کسی شہزادہ کو تخت پر بٹھایا جائے۔ لیکن اس خاندان کا کوئی شہزادہ باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے امراء نے اتفاق رائے سے ۱۳۲۰ء میں غازی ملک کو سلطنتِ دہلی کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس طرح خسرو خاں کی مشرکانہ اور منافقانہ حکومت کا خاتمہ ہوا۔

خاندانِ تغلق

۱۳۲۰ء سے ۱۴۱۴ء تک

غیاث الدین تغلق

۱۳۲۰ء سے ۱۳۲۵ء تک

غازی ملک خسرو خاں غاصب کو شکست دے کر امراء دربار کے اتفاق رائے سے تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا لقب غیاث الدین تغلق اختیار کیا۔ اس کا باپ ملک تغلق سلطان غیاث الدین بلبن کا غلام تھا۔ یہ ترکی النسل تھا۔ غیاث الدین اپنی قابلیت کی وجہ سے خلجی دور میں دیپالپور (پنجاب) کا ناظم بن گیا تھا۔ سلطان علاؤ الدین اس پر بہت اعتماد کرتا تھا۔

وہ ایک بہادر جرنیل۔ زبردست مدبر اور رحم دل بادشاہ تھا۔ اس لئے اس نے جلد ہی ملک میں امن و امان قائم کر دیا۔ اس نے تخت پر جلوس کرتے ہی خلجی خاندان کی عورتوں کی شادیاں کر دیں۔ اور ان کے پرانے ملازمین اور خادموں کو جاگیریں دیں۔ اور اپنے بیٹے جونا خاں کو ولی عہد سلطنت مقرر کیا۔ اس نے قلعے اور نہریں تعمیر کرائیں۔ زمین کے مالیہ کا ۹/۱۰ معاف کر کے صرف ۱/۱۰ حصہ رہنے دیا تاکہ زمیندار خوش حال ہوں اور زراعت کو ترقی ہو۔ اور بنجر زمینیں آباد ہوں۔ اس نے متعدد باغات بھی لگوائے۔ دہلی کے

قریب نیا شہر تغلق آباد کے نام سے تعمیر کرایا۔ محکمۂ عدل اور محکمۂ پولیس کی نئے سر سے تنظیم کی۔ شراب نوشی اور گداگری کو ختم کر دیا۔ چوروں اور ڈاکوؤں کی بیخ کنی کر کے سڑکوں کو پرامن اور محفوظ کر دیا۔ مغلوں کے حملوں کو روکنے کے لئے سرحدات پر کئی نئے قلعے تعمیر کرائے۔ اور چھاونیاں قائم کیں اور سپاہیوں کی تنخواہیں بڑھا دیں۔

ورنگل کی فتح

۱۳۲۳ء

سلطان علاؤالدین خلجی کے آخری ایام میں ورنگل کے راجہ نے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین نے ۱۳۲۱ء میں اپنے بڑے بیٹے جونا خاں کو ورنگل کے راجہ کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ لیکن اس کی فوج میں وبا پھوٹ پڑی۔ بغاوت کے آثار نمودار ہوئے اس لئے اسے ناکام واپس آنا پڑا۔ آخرکار ۱۳۲۳ء میں اس نے ورنگل کے راجہ کو اطاعت پر مجبور کیا۔ راجہ اہل و عیال سمیت دہلی لایا گیا اور ورنگل کو سلطنتِ دہلی میں شامل کر لیا گیا۔ ورنگل کی فتح کے بعد شہزادہ جونا خاں اڑیسہ کے راجہ کو باجگذار بنا کر دہلی لوٹا۔

مشرقی و مغربی بنگال

۱۳۲۵ء

مغربی بنگال میں بدامنی پھیل گئی شمس الدین جو سلطان بلبن کا پوتا تھا ۱۳۱۸ء میں مر گیا۔ اس کے کئی بیٹے تھے۔ یہ سب مغربی بنگال کی سلطنت حاصل کرنے کے لئے خانہ جنگی میں مبتلا ہوگئے۔ ان میں سے ایک نے جس کا نام ناصرالدین تھا۔ سلطان غیاث الدین

سے امداد چاہی۔ سلطان نے ظفرآباد کی طرف سے چڑھائی کی سلطان نے مشرقی بنگال پر قبضہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ لیکن مغربی بنگال کو ناصرالدین کے حوالے کر دیا۔ سلطان ۱۳۲۵ء میں دہلی کی طرف واپس لوٹا۔

غیاث الدین کی وفات

شہزادہ جونا خاں نے جو باپ کی جگہ دہلی میں قائم مقام بادشاہ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ باپ کے استقبال کی وسیع پیمانے پر تیاریاں کیں۔ شہر سے باہر افغان پور میں بادشاہ کے قیام کے لئے لکڑی کا ایک محل تیار کیا اور جشن کی تیاریاں کیں۔ بادشاہ اور اس کا چھوٹا بیٹا محل میں بیٹھے تھے۔ اور جونا خاں ہاتھیوں کی لڑائی دیکھ رہا تھا۔ کہ یکایک چوبی محل کی چھت گر پڑی اور بادشاہ ہلاک ہو گیا۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ محل اچانک گر گیا۔ شہزادہ کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔ محل کی بنیاد گیلی ہونے کی وجہ سے کمزور تھی۔ اس لئے ہاتھیوں کی لڑائی سے زمین ہلنے لگی اور محل گر پڑا۔

غیاث الدین کی خوبیاں

غیاث الدین کی حکومت کم و بیش پانچ سال رہی۔ اس عرصہ میں اس نے اپنی انتظامی قابلیت کے جوہر خوب دکھائے۔ وہ ایک عام سپاہی کی حیثیت سے ترقی کر کے علاؤالدین کے عہد میں دیپال پور کا ناظم (گورنر) بنا۔ اس نے کئی بار مغل حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ اور ہر بار شکست دی۔ اسی وجہ سے علاؤالدین نے اسے غازی بیگ یا غازی

ملک کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس نے نہ صرف بنگال اور دکن ہی کو فتح کیا بلکہ اپنی وسیع سلطنت کا انتظام بھی خوب کیا۔ اس کی پالیسی معتدل تھی۔ اس لئے اس کی رعایا کے ہر فرقے کے لوگ اس سے خوش تھے۔ سلطان علاؤالدین اور اس کے خاندان سے جو اسے محبت اور انس تھا۔ اسی نے اسے مجبور کیا کہ وہ غاصب خسرو خاں پر فوج کشی کرے اور اسی وجہ سے امرائے دہلی نے دہلی کا تخت اس کے حوالے کر دیا۔ غیاث الدین پکا مسلمان تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو اسلامی آئین کے ماتحت چلانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ متعصب نہ تھا۔ وہ ایک بہادر جرنیل۔ قابل سپہ سالار۔ بہترین مدبر اور پر شکوہ بادشاہ تھا۔

سلطان محمد تغلق

۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء تک

غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد جونا خاں محمد تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ وہ پہلے تغلق آباد میں جو اس کے باپ نے بسایا تھا۔ قیام پذیر تھا۔ تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لئے دہلی میں وارد ہوا تو عوام نے پرجوش خیر مقدم کیا۔ اور شہر کے کوچہ و بازار سجا کر اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کیا۔ محمد تغلق نے بھی اس موقع پر رعایا پر انعام و اکرام کی بارش کی۔ محمد تغلق متضاد خیالات کا آدمی تھا۔ کسی ایک خیال پر نہ ٹھیرتا تھا۔ مورخین نے اس کے حالات بیان کرتے ہوئے متعدد ایسے واقعات لکھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ محمد تغلق مجموعۂ اضداد اور عجیب الخلقت انسان تھا۔ اس کی غیر ہر دلعزیزی کا باعث یہ تھا۔ کہ وہ رعایا کی مرضی کے خلاف

اپنی سکیم پر عمل کرانا چاہتا تھا۔

وہ بڑا عالم۔ مستند ادیب۔ جادو بیان مقرر اور اعلیٰ پایہ کا فلسفی تھا۔ شاعر بھی تھا اور طبیب بھی۔ ریاضی دان بھی تھا اور نجوم و طبعیات کا ماہر بھی۔ اس کے علاوہ بہادر سپاہی اور اولوالعزم جرنیل بھی تھا۔ مذہب کا سختی سے پابند تھا۔ شراب نوشی اور عیش و عشرت سے دور رہتا تھا۔ علماء کی صحبت کو پسند کرتا تھا۔ غیر متعصب اور بے لاگ انسان تھا۔ ہندو مسلم سب سے یکساں سلوک کرتا تھا۔ محمد تغلق پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔ جس نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے برابر عہدے دیئے۔ اس نے ہندوؤں کی معاشرتی اصلاح کے لئے ستی کی رسم کو بند کرنے کی بھی کوشش کی۔ اس کے ارادے بہت بلند تھے۔ لیکن اسے سازگار ماحول نہ ملا۔ اس لئے اپنے ارادے پورے نہ کر سکا۔ وہ بے حد عادل تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ جن میں بتایا ہے کہ وہ بذات خود قاضی کے روبرو پیش ہوتا تھا۔ اور عدالت کے احکام کی تعمیل کرتا تھا۔ ایک نوجوان نے قاضی کی عدالت میں شکایت کی کہ مجھے سلطان نے بلا وجہ پٹوایا ہے قاضی نے نوجوان کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کو ۲۱ بید لگائے۔ جب اس کا باپ پنجاب کا ناظم تھا تو یہ خود دہلی میں امراء سلطنت میں شامل تھا۔ اور علاؤالدین بعض لڑائیوں میں اسی سے مشورہ کرتا تھا۔ ان سب خوبیوں کے باوجود وہ ایسا کامیاب بادشاہ نہ بن سکا۔ جیسا کہ اسے ہونا چاہیئے تھا۔ اس کی تمام سکیموں میں عوام کے لئے قریباً بہتری تھی۔ اس لئے وہ مخالفین کی

پروا نہ کرتا تھا۔ اور مخالفت کے باوجود اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی عادت کے باعث وہ کامیاب بادشاہ نہ بن سکا۔

ابنِ بطوطہ ابنِ بطوطہ ایک افریقی سیّاح تھا۔ جو ازمنہ وسطیٰ کا سب سے بڑا سیّاح ہے۔ اس نے اسلامی ممالک کی سیر میں ۲۵ سال بسر کئے اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں کی سیر کی۔ یہ سلطان محمد تغلق کے عہد یعنی (۱۳۳۳ء) میں ہندوستان آیا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ سے ملاقات ہو گئی۔ بادشاہ نے اسے دہلی کا قاضی مقرر کر دیا۔ کئی سال تک یہ بادشاہ کا منظورِ نظر رہا۔ لیکن فضول خرچی کی وجہ سے مقروض ہو گیا۔ اور بادشاہ کی نظروں سے گر گیا۔ اگرچہ سلطان نے بعد ازاں بھی اس سے مہربانی کا سلوک کیا۔ لیکن یہ بادشاہ کی سابقہ خفگی کو نہ بھول سکا۔ اور اس نے ہندوستان کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ جسے سفرنامۂ ابنِ بطوطہ کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں خاندانِ تغلق کے حالات نہایت وضاحت کے ساتھ لکھے ہیں۔

مالیات کی سکیم محمد تغلق کے باپ غیاث الدین تغلق نے ایک وسیع سلطنت چھوڑی تھی۔ جو ہمالیہ سے راس کماری تک اور دریائے سندھ سے دریائے برہم پتر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی سلطنت کے ۲۳ صوبے تھے۔ اس کی حکومت کے ابتدائی دس سال میں تو بالکل امن و امان رہا۔ لیکن جب اس نے اپنی سکیموں کو بروئے کار لانے کا آغاز کیا۔ تو ملک میں ابتری کی ابتدا ہو

گئی۔ سب سے پہلے اس نے مالیات کے متعلق ہر صوبے سے اعداد و شمار طلب کئے۔ شاید وہ سارے ملک میں مالیہ کی شرح میں یکسانیت پیدا کرنا چاہتا تھا۔

پایۂ تخت کی تبدیلی

چونکہ محمد تغلق کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ جس میں دہلی۔ لاہور ملتان۔ سرہند۔ سامانہ۔ اوچھ۔ ہانسی۔ سرسہ۔ مالابار۔ "تلنگانہ۔ گجرات۔ بدایون۔ اودھ۔ قنوج۔ بنگال۔ بہار۔ مالوہ اور دوار سمدرا وغیرہ صوبے تھے۔ ان میں سے گجرات۔ مالوہ۔ تلنگانہ۔ دوار سمدرا۔ مالابار۔ مشرقی بنگال۔ مغربی بنگال دوبارہ مطیع کر کے باجگذار بنائے گئے تھے۔ لیکن سلطان ان علاقوں سے محض خراج لینے پر اکتفا نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ انہیں مستقل طور سے اپنی سلطنت میں شامل رکھنا چاہتا تھا۔ چونکہ پایۂ تخت دہلی ان سے بہت دور تھا۔ اور اس وقت ذرائع آمد و رفت اچھے نہ تھے۔ اور دکن میں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس لئے اس نے ۲۷-۱۳۲۶ میں دہلی کی بجائے دولت آباد (دیوگری) کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ یہ شہر اس وسیع سلطنت میں مرکزی شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور شمال مغربی دروں سے دور ہونے کی وجہ سے محفوظ بھی تھا۔ سلطان نے لوگوں کی آمد و رفت کے لئے دہلی سے دولت آباد تک ایک عمدہ سڑک بھی تعمیر کرا دی۔ سڑک پر مسافر خانے تعمیر کرا دیئے۔ جن لوگوں کے لئے دہلی سے دولت آباد جانا ضروری تھا۔ ان کی جائدادوں کی قیمتیں خزانے سے دلا دیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں دولت آباد

ایک پُر رونق شہر بن گیا۔ اگرچہ سلطان نے لوگوں کی آسائش کے لئے تمام سہولتیں مہیا کر دیں تھیں۔ لیکن پھر بھی دہلی سے دولت آباد تک کئی سو میل لمبے سفر میں لوگوں کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جو لوگ تکلیف برداشت نہ کر سکے۔ وہ راستے ہی میں مر گئے۔ جو دولت آباد پہنچ گئے ان کا وہاں دل نہ لگا۔ خود سلطان کو ۱۳۲۷ء میں ملتان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے دہلی آ کر تین سال تک یہاں ٹھہرنا پڑا۔ اب اسے لوگوں کی تکلیف کا پورا پورا احساس ہوا۔ اس لئے اس نے دہلی کو دوبارہ پایۂ تخت بنایا اور لوگوں کو پھر واپس دہلی لے گیا۔ اگرچہ اس نے لوگوں کے نقصانات کی پوری پوری تلافی کر دی۔ مگر لوگوں میں وہ ہر دلعزیز نہ رہ سکا۔ البتہ اس نقل مکانی کا یہ فائدہ ضرور ہوا۔ کہ شمالی ہند کی اسلامی تہذیب سے جنوبی ہند کے لوگ اچھی طرح واقف ہو گئے۔

گنگا جمنا کا دوآبہ

گنگا اور جمنا کا دوآبہ زیادہ زرخیز تھا اس لئے اس علاقے کے زمین دار بہت مالدار تھے۔ مالدار ہونے کی وجہ سے اکثر سرکشی اور بغاوت کرتے تھے۔ اس لئے محمد تغلق نے ۱۳۳۰ء میں اس دوآبے کا لگان بہت بڑھا دیا۔ اور لوگوں پر کئی نئے ٹیکس بھی لگا دیئے۔ لیکن بدقسمتی سے اسی زمانہ میں بارش نہ ہوئی اور قحط پڑ گیا۔ سرکاری افسروں نے بھی لوگوں سے لگان وصول کرنے میں سختیاں کیں۔ کاشت کار سختیوں سے تنگ آ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ سلطان کو جب یہ علم ہوا تو

اس نے لگان بالکل معاف کر دیا۔ محصول کم کر دیئے سرکاری خرچ پر آبپاشی کا انتظام کر دیا۔ لوگوں کو بیج اور مویشی خریدنے کے لئے لاکھوں روپیہ بطور قرض دیا۔

مغلوں کا رشوت دینا

طرم شیریں

اس زمانے میں ایک مغل سردار طرم شیریں ہندوستان میں آیا۔ یہ ماوراء النہر کا بادشاہ تھا۔ دراصل یہ خراسان پر حملہ کرنے کے لئے نکلا تھا لیکن غزنی کے قریب اسے شکست ہو گئی۔ اور یہ چند پرانے ہمراہیوں کے ساتھ ہندوستان آ گیا۔ سلطان محمد تغلق نے اس سے نیک سلوک کیا اور ۵ ہزار دینار بطور تحفہ پیش کئے اس طرح اس مغل سردار سے محمد تغلق کے اچھے تعلقات ہو گئے۔ اور بعد ازاں اس مغل سردار نے اپنے داماد اور چند اور مغل سرداروں کو دہلی بھیجا۔ ان مغلوں کو فوج میں بڑے بڑے عہدے دیئے گئے اور ان سے وسط ایشیا میں سیاسی تعلقات قائم کرنے کا کام لیا گیا۔

خراسان پر حملے کا منصوبہ

وسط ایشیا کے مغل شہزادوں سے تعلقات کی بنا پر محمد تغلق نے خراسان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اپنی امداد کے لئے شاہِ مصر اور ماوراء النہر کے حاکم کو بھی آمادہ کر لیا۔ سلطان نے تین لاکھ ستر ہزار سپاہ بھرتی کی۔ اور اس کی ایک سال کی تنخواہ بھی پیشگی ادا کر دی لیکن خراسان کی سیاست میں یکایک تبدیلی ہو جانے کی وجہ سے سلطان نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور یہ ساری فوج فوراً توڑ دی۔ اس سے سلطان کو بے حد مالی نقصان ہوا۔ مگر ہزاروں

انسانوں کی جانیں بچ گئیں۔

خزانہ خالی ہو گیا دہلی سے دولت آباد اور دولت آباد سے دہلی میں پایۂ تخت منتقل کرنے لگان معاف کرنے۔ خراسان پر حملے کی سکیم اور دیگر مصارف کی وجہ سے خزانہ خالی ہو گیا۔ چاندی کم ہو گئی اس لئے سلطان محمد تغلق نے کاغذی سکہ کی طرح تانبے کا علامتی سکہ جاری کیا۔ لیکن سلطان کی یہ سکیم ناکام رہی۔ کیونکہ لوگوں نے ہزاروں لاکھوں جعلی سکے تانبے کے بنا لئے برنی لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں ہر ہندو کا گھر ٹکسال بنا ہوا تھا۔ سلطان جعلی علامتی سکے کا تدارک نہ کر سکا۔ اس لئے اس نے تانبے کا سکہ واپس لے لیا۔ اور اس کے بدلے چاندی کا سکہ دینا پڑا۔

قراچیل کی مہم ۱۳۳۷ء میں محمد بن تغلق نے قراچیل کی ریاست پر حملہ کرنے کے لئے ایک لاکھ جوانوں کا لشکر بھیجا۔ یہ پہاڑی ریاست چین اور تبت کے درمیان واقع تھی۔ اس ریاست کو زیر کرنے سے یہ مطلب تھا کہ ہندوستان بیرونی حملوں سے محفوظ ہو۔ اس ریاست کا راجہ تو مطیع ہو گیا لیکن فوج کی واپسی پر برسات شروع ہو گئی۔ اور آمد و رفت کی راہیں بند ہو گئیں۔ رسد پہنچ نہ سکی۔ وبائی امراض سے گھوڑے اور سپاہی ہلاک ہو گئے۔ جو باقی بچے انہیں پہاڑی قبائل نے ہلاک کر دیا۔ صرف ایک سردار اور دس سوار زندہ دارالحکومت میں واپس آئے۔

قحط

جب سلطان نے دارالحکومت تبدیل کیا تو اس وقت شمالی ہند میں قحط پڑا ہوا تھا۔ کئی سال تک بارش نہ ہوئی تھی۔ بادشاہ نے لوگوں کی مصیبت کم کرنے کے لئے لنگر خانے جاری کئے۔ غلہ مفت تقسیم کیا۔ کسانوں کو بیج۔ مویشی اور آلاتِ زراعت خریدنے کے لئے قرضے دیئے۔ ۱۳۳۶ء میں قحط زدہ لوگوں کے آرام کے لئے دہلی سے ۶۵ میل کے فاصلے پر ایک نیا شہر آباد کیا۔ جہاں اودھ سے بآسانی اناج آ سکتا تھا۔

ملک میں بغاوتیں

مندرجہ بالا سکیموں کا انجام دیکھ کر سلطنت کے کئی گورنر باغی ہو گئے بنگال کے مسلمان گورنر کو قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا ایک خادم فخرالدین آزاد ہو کر تخت نشین ہوا۔ اودھ میں عین الملک نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ سندھ میں لٹیروں نے اودھم مچا دیا۔ اور خلقت کو سخت تنگ کیا۔ سلطان محمد بن تغلق نے ان سب سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی اور بہت حد تک کامیاب ہوا۔

خلیفہ کی سند

۱۳۴۵ء میں محمد تغلق نے خلیفۃ المسلمین (مصر) سے درخواست کر کے ہندوستان کے محروسہ علاقوں پر حکومت کرنے کے لئے سند حاصل کر لی۔ کچھ عرصہ بعد عباسی خلیفہ کے ایک عزیز دہلی چلے آئے۔ اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ سلطان محمد تغلق نے عباسی شہزادے کی بہت تواضع کی اور ایک بہت بڑا آباد علاقہ جس میں سینکڑوں گاؤں تھے اسے بطور جاگیر عطا کیا۔

دکن کی بغاوتیں

۱۳۴۴ء میں کرناٹک اور وارنگل خود مختار ہو گئے۔ دکن میں سلطنت کے قبضے میں صرف گجرات اور دیوگری دو صوبے رہ گئے۔ چونکہ مالگزاری کی آمدنی کم ہو گئی تھی۔ اس لئے سلطان نے ان علاقوں کی طرف خاص طور سے توجہ کی۔ پہلے گجرات میں بغاوت ہو گئی سلطان نے فوراً گجرات پہنچ کر اس بغاوت کو دبا دیا۔ مگر ساتھ ہی دولت آباد میں بغاوت ہو گئی۔ ایک شخص اسمٰعیل نامی نے ناصرالدین شاہ کے نام سے دولت آباد میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ سلطان نے گجرات سے دولت آباد کا رخ کیا۔ اور دولت آباد کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ابھی جاری تھا کہ گجرات میں پھر علمِ بغاوت بلند ہو گیا۔ سلطان دولت آباد کا محاصرہ چھوڑ کر فوراً گجرات پہنچا۔ کہ دولت آباد میں ابوالمظفر علاؤالدین بہمن شاہ نے بہمنی سلطنت کی بنیاد ۱۳۴۷ء میں ڈالی۔ سلطان نے دارالحکومت سے تازہ دم فوج منگوانے کا حکم دیا۔ تاکہ ان باغی سرداروں کو سزا دے۔ لیکن ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء میں بادشاہ کو یکایک بخار ہو گیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔

انتظامِ سلطنت

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ کہ محمد تغلق بہت ہی متضاد خوبیوں کا بادشاہ تھا مگر اس کے لئے زمانہ سازگار نہ ملا۔ اس کی سلطنت سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور آمد و رفت کے ذرائع محدود تھے۔ اس لئے دور دراز کے صوبوں کو قابو میں رکھنا سلطان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے علاوہ اس کی سلطنت

کے زمانہ میں دس بارہ سال تک قحط پڑتا رہا۔ بادشاہ کی توجہ قحط کے انسداد اور قحط زدہ لوگوں کی طرف ہو گئی اور سرکش لوگوں کو بغاوت کرنے کا موقع ملا۔ اگرچہ محمد تغلق بے حد سمجھدار بادشاہ تھا۔ اس نے رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے نئی نئی اصلاحیں کیں۔ کروڑوں روپے قحط کے زمانے میں لوگوں کی امداد کے لئے خرچ کئے۔ قحط زدہ لوگوں کو کئی سال تک مفت اناج دیا۔ ہندو رعایا کے مذہبی جذبات کا پورا پورا احترام کیا۔ لیکن لوگوں نے اس کی مصلحتوں کو نہ سمجھا اور اس کی خوبیوں کی قدر نہ کی۔

فیروز شاہ تغلق

۱۳۵۱ء سے ۱۳۸۸ء تک

سلطان محمد تغلق کی وفات پر اس کے کیمپ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ منگول جو سلطان کی امداد کے لئے آئے تھے اور سندھی جنہیں وہ سزا دینا چاہتا تھا۔ دونو سلطان کی فوج پر پل پڑے۔ اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا سلطان چونکہ لاولد مرا تھا اس لئے امراء نے اس کے چچا زاد بھائی فیروز تغلق کو بادشاہ منتخب کیا۔ وہ سلطان غیاث الدین کے بھائی کا بیٹا تھا۔ دہلی میں وزیر اعظم خواجہ جہان نے یہ سمجھ کر کہ لڑائی میں فیروز تغلق بھی مارا گیا ہے۔ ایک خورد سال بچے کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور اسے سلطان محمد تغلق کا بیٹا مشہور کر دیا۔ لیکن فیروز تغلق کے دہلی پہنچنے پر یہ غلط فہمی دور ہو گئی۔ اور فیروز تخت نشین ہو گیا۔ اور خواجہ جہاں کو سامانہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا گیا۔

فیروز تغلق نے ۳۷ سال حکومت کی وہ بڑا نیک خصلت

پرہیزگار۔ مذہب کا پابند اور خدا ترس تھا۔ اسے ملک گیری کی مطلقاً ہوس نہ تھی۔ اس نے زیادہ تر انتظامی اصلاحات اور رفاہِ عام کے کاموں میں حصہ لیا۔ اس کا عہدِ حکومت امن و امان اور رفاہِ عام کے کاموں کے لئے مشہور ہے۔

فوجی مہمات

(۱) بنگال کا صوبے دار محمد تغلق کے عہد میں خود مختار ہو گیا تھا۔ جس کی سرکوبی کے لئے دو دفعہ فوج کشی کی۔ آخر خلقِ خدا کا خونِ ناحق ہوتے دیکھ کر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ اور صوبے دار ہی کو خود مختار حاکم تسلیم کر لیا۔

۲۔ اس کے بعد شاہی فوج نے سندھ کی بغاوت کو فرو کیا۔ لیکن باوجود فتح یابی کے سندھ کی سلطنت باغی راجہ کے بھائی کو سونپ دی۔

۳۔ اس نے اڑیسہ کے راجہ کو مطیع کیا اور نگرکوٹ کے راجہ کو باجگزار بنایا۔

۴۔ اس نے دکن کے علاقے کی طرف جو سلطنتِ دہلی کے ماتحت تھا۔ بالکل توجہ نہ کی۔ چنانچہ دکن بالکل خود مختار ہو گیا اور سلطان نے سلطنتِ بہمنی کی خود مختاری تسلیم کر لی۔

انتظامِ سلطنت اور رفاہِ عام کے کام

(۱) اس نے محمد تغلق کے زمانے کے سخت قانون منسوخ کر دیئے لگان کم کر دیا۔ اور دو کروڑ روپیہ کا قرضہ رعایا کو معاف کر دیا۔

۲۔ اس نے ناجائز اور بھاری ٹیکس معاف کر دیئے۔ اور

صرف وہی ٹیکس رہنے دیئے جو اسلامی شریعت کے مطابق تھے۔ اس سے تجارت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔

۳۔ اس نے تمام وحشیانہ سزائیں منسوخ کر دیں۔

۴۔ بوڑھے ملازمین کی پنشنیں مقرر کیں۔ اور بے روزگاری کا خاطر خواہ انسداد کیا۔

۵۔ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کے لیئے دیوانِ خیرات الگ محکمہ قائم کیا۔ جو یتیموں کی امداد کے علاوہ غریب لڑکیوں کی شادی کا انتظام بھی کرتا تھا۔

۶۔ اس نے غلاموں کی تربیت کا معقول انتظام کیا۔ اور انہیں مختلف ہنر اور دستکاریاں سکھا کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا دیا۔

۷۔ لوگوں کی تعلیم کے لیئے سکول اور کالج اور مریضوں کے لیئے متعدد خیراتی ہسپتال کھولے۔

۸۔ فیروز تغلق نے زراعت کی ترقی کے لیئے پوری پوری کوشش کی۔ آبپاشی کے لیئے دریائے ستلج اور جمنا سے نہریں نکلوائیں۔ موجودہ نہر جمن غربی اسی زمانہ کی بنی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے زمین کا لگان کم کر دیا اور اس کی وصولی میں ناجائز سختی کی ممانعت کر دی۔

۹۔ اس کے علاوہ دوسرے رفاہِ عام کے کاموں پر بھی توجہ کی۔ اس کے عہد میں بہت سی سڑکیں۔ پل۔ سرائیں حمام۔ شفاخانے اور محتاج خانے وغیرہ تعمیر ہوئے۔ بہت سے نئے باغات لگوائے۔ کئی شہر بسائے۔

جن میں سے فیروز آباد - حصار - فتح آباد - جون پور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۰- اس نے طریقِ منصب داری کو دوبارہ جاری کر دیا - یعنی فوجی افسروں کو نقد تنخواہوں کی بجائے جاگیریں دینی شروع کیں - فیروز تغلق کے زمانے میں تو اس انتظام میں کوئی خرابی واقع نہ ہوئی - لیکن اس کے بعد جاگیردار باغی اور سرکش ہو گئے - اور تغلق خاندان کے زوال کا باعث بنے۔

مذہبی پالیسی اور چال چلن

فیروز شاہ تغلق بڑا رحم دل- خدا ترس اور پرہیزگار بادشاہ تھا - ہر وقت رعایا کی بہبودی میں کوشاں رہتا تھا - اسے تاریخ میں بڑا بلند مرتبہ حاصل ہے - وہ شریعتِ اسلامی کا پورا پابند تھا - اس نے مسلمانوں کی کئی برائیوں کی اصلاح کی اس نے تمام خلافِ شریعت ٹیکس معاف کر دیئے چونکہ وہ بہت نیک دل بادشاہ تھا - اس لئے ہندو اور مسلمان سب اسے اچھا سمجھتے تھے۔

فیروز تغلق کی وفات

سلطان کا بڑا بیٹا فتح خاں جولائی ۱۳۷۴ء میں مر گیا - اس وقت سے سلطان کی صحت کمزور ہونا شروع ہو گئی - اس عرصہ میں وزیر خان جہان نے اثر و اقتدار بہت بڑھا لیا - اس نے ۱۳۸۷ء میں بادشاہ کے حکم سے ظفر خاں کو جو بنگال سے بادشاہ کے ساتھ آ گیا تھا - اور درباریوں میں شامل تھا قید کرا دیا لیکن اسے ایک دفعہ بادشاہ سے بات کرنے کا

موقع مل گیا اس نے سلطان کو بتایا کہ اصل میں خان جہان غدار ہے۔ اس نے حکم شاہی حاصل کر کے خان جہان کے گھر پر حملہ کیا۔ وزیر ایک خفیہ دروازے سے نکل بھاگا۔ اور میوات کے ایک چوہان شہزادے کے پاس پناہ گزین ہوا۔ سلطان نے اپنی زندگی میں اپنے پوتے شہزادہ تغلق کو جو سلطان کے بیٹے فتح خاں کا لڑکا تھا۔ اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اس کے بعد سلطان نے ۲۰ ستمبر ۱۳۸۸ء کو نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

فیروز تغلق کے جانشین

سلطان فیروز تغلق کی وفات کے بعد اس کا پوتا غیاث الدین تغلق ثانی ۱۳۸۸ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے چچا ناصرالدین محمود کے خلاف (جسے فیروز تغلق نے غیاث الدین سے پہلے آپ ہی اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا اور بعد میں معزول کر دیا تھا) کانگڑہ میں مہم بھیجی۔ ناصرالدین کو شکست ہوئی اور وہ کانگڑہ کے پہاڑوں میں روپوش ہو گیا غیاث الدین چونکہ نوجوان تھا۔ عیش و عشرت میں پڑ گیا اور اس کے بھتیجے ابوبکر نے موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔ اور خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ انہیں دنوں سامانہ میں بغاوت ہو گئی۔ ناصرالدین بھی باغیوں سے جا ملا۔ اور پچاس ہزار سواروں کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا۔ لیکن اسے شکست ہوئی اور وہ جلیسر کی طرف بھاگا۔ یہاں پہنچ کر خضر خاں بیتد اور وہ دوبارہ تخت دہلی کے خلاف اٹھے۔ مگر اس دفعہ بھی وہ دہلی کے تخت پر قابض نہ ہو سکا۔ اب ایک

سردار اسلام خاں نامی نے ابوبکر کے خلاف سازش کی اور ابوبکر کو میوات کی طرف بھاگنا پڑا۔ اب موقع پا کر ناصرالدین نے تختِ دہلی پر قبضہ کیا۔ اور ابوبکر کے تعاقب میں فوج بھیجی ابوبکر اور اس کے ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ناصرالدین نے اس کے ساتھیوں کو تو معافی دے دی۔ لیکن ابوبکر کو میرٹھ میں قید کر دیا۔ جہاں وہ کچھ عرصہ بعد مر گیا۔

زمینداروں کی بغاوت

۱۳۹۴ء میں دوآبہ گنگا۔ جمنا اور میوات کے زمینداروں نے بغاوت کر دی۔ ناصرالدین میواتیوں کی سرکوبی کے لئے جلیسر گیا۔ لیکن وہاں جاتے ہی فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں علاؤالدین سکندر شاہ کے لقب سے بادشاہ ہو گیا۔ لیکن یہ تین ماہ بعد ہی مر گیا۔

ناصرالدین محمود

سکندر شاہ کے بعد امراء نے ہمایوں کے بھائی ناصرالدین محمود کو تخت پر بٹھا دیا اس نے ۱۳۹۴ء میں شمالی ہند کے ہندو راجاؤں کی سرکوبی کے لئے ملک سرور کو مامور کیا۔ اس نے دوآبے کے زمینداروں کو مطیع کیا۔ اور جونپور بھی فتح کر لیا۔ لیکن یہاں اس نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ ادھر پنجاب میں کھوکھروں نے بغاوت کر دی۔ ادھر گجرات۔ مالوہ اور خاندیش بھی خود مختار ہو گئے۔ امراء میں بھی چپقلش شروع ہو گئی۔ انہوں نے فیروز تغلق کے ایک پوتے نصرت شاہ کو بادشاہ بنا دیا۔ اور فیروز آباد کو اس کا پایۂ تخت مقرر کیا۔ اس طرح دہلی اور فیروز آباد میں دو سلطان ہو گئے۔ جو امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے

ہوتے تھے۔ اور آپس میں لڑ رہے تھے۔ کئی سال تک دونوں سلطانوں میں خانہ جنگی جاری رہی۔ اس اثنا میں امیر تیمور والئے سمرقند نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ تیمور نے ۱۳۹۸ میں حملہ کر کے خاندانِ تغلق کا رہا سہا وقار بھی خاک میں ملا دیا۔

امیر تیمور کا حملہ

۱۳۹۷ء سے ۱۳۹۸ء تک

امیر تیمور سمرقند کے ایک امیر کا بیٹا تھا اور تاتاری ترکوں کا لیڈر تھا۔ تیمور ۱۳۳۶ء میں سمرقند کے نواح میں پیدا ہؤا اور ۳۳ سال کی عمر میں اس نے فتوحات شروع کیں۔ اس نے ایک طرف مغرب میں سلطنت عثمانیہ پر حملہ کیا اور دوسری طرف جنوب میں سلاطین تغلق کے پایۂ تخت دہلی تک لوٹ مار کی۔ تاتاری ترک قبولِ اسلام سے پہلے خانہ بدوش اور وحشی تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد مہذب اور شائستہ بن گئے۔ امیر تیمور بہادر سپاہی اور اولوالعزم جرنیل تھا۔ اس نے وسط ایشیا کے اکثر ممالک کو تاخت و تاراج کیا۔ ایران۔ عراق اور افغانستان تک کل علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت کو بڑھایا۔ جب اسے ہندوستان میں تغلق خاندان کی خانہ جنگی اور صوبیداروں کی بغاوتوں کا علم ہؤا تو ہندوستان فتح کرنے کا خیال بھی پیدا ہؤا۔ اس نے ۱۳۹۷ء میں اپنے پوتے پیر محمد والئے کابل کو ہندوستان روانہ کیا اس نے دریائے سندھ عبور کر کے سرحدی جاگیرداروں کو شکست دی مئی ۱۳۹۸ء میں ملتان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اپریل ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور خود ۹۲ ہزار سپاہیوں کا جرار لشکر لے کر سمرقند سے روانہ ہؤا۔ اگست میں دریائے کابل اور ستمبر میں

دریائے سندھ عبور کئے۔ نیز دیہات و قصبات کو لوٹتا اور جلاتا ہوا دہلی کے سامنے نمودار ہوا۔ اس وقت تک اس کے پاس ایک لاکھ قیدی جمع ہو گئے تھے۔

شاہی فوج سے مقابلہ

سلطان محمود تغلق کے جرنیل اقبال خاں نے تیمور کے مقابلے کے لئے لشکر تیار کیا۔ تو پیچھے سے ایک لاکھ ہندوستانی قیدیوں نے اپنی رہائی کے لئے بغاوت کر دی۔ تیمور کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے عورتوں اور بچوں کے سوا تمام قیدیوں کو قتل کرا دیا۔ اقبال خاں کے ساتھ دس ہزار سوار، چالیس ہزار پیادے اور ایک سو بیس جنگی ہاتھی تھے۔ دسمبر ۱۳۹۸ء میں دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی۔ جس میں ہندوستانی فوج نے شکست کھائی۔ سلطان محمود گجرات کے حاکم ظفر خاں کی پناہ میں چلا گیا اور تیمور نے دہلی میں داخل ہو کر تخت پر جلوس کیا اس نے دہلی کے باشندوں کو زرِ فدیہ ادا کرنے کی شرط پر امان دی مگر جب اس کے سپاہی زرِ فدیہ وصول کرنے کے لئے شہر میں داخل ہوئے۔ تو لوگوں سے جھگڑا ہو گیا اور تیمور کے چند سپاہی قتل کر دیئے گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ تیمور کے دل میں غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ تیمور کے سپاہیوں نے پانچ یوم تک دہلی کو لوٹا اور قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ خضر خاں حاکمِ پنجاب نے دہلی میں امیر تیمور کو نذر گزاری اور جب تک وہ ہندوستان میں رہا۔ خضر خاں اس کے ساتھ رہا۔ آخر میں خضر خاں نے ہندوستان میں تیمور کا نائب ہونے کی سند حاصل کر لی۔ شہر

دہلی بالکل ویران ہو چکا تھا۔ تیمور ۱۵ روز دہلی میں رہ کر جنوری ۱۳۹۹ء میں میرٹھ پہنچا اور اسے خوب لوٹا۔ اس کے بعد وہ ہردوار۔ کانگڑہ اور جموں کو تباہ و برباد کرتا ہوا ۱۹ مارچ ۱۳۹۹ء کو واپس دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا۔ اور وہاں سے افغانستان ہوتا ہوا عراق عرب میں سلطان بایزید یلدرم سے جا لڑا۔

خاندانِ تغلق کا خاتمہ

امیر تیمور کی واپسی پر ایک سردار نصرت شاہ نے قنوج سے آ کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۱۴۰۱ء میں محمود کے جرنیل اقبال خاں نے اسے دہلی سے نکالا۔ اور تخت پر خود قابض ہو گیا۔ محمود تغلق نے گجرات سے آ کر قنوج میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ نومبر ۱۴۰۵ء میں اقبال خاں امیر تیمور کے نائب خضر خاں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ محمود تغلق قنوج سے دہلی آ گیا اور فروری ۱۴۱۳ء تک برائے نام حکومت کرتا رہا۔ لیکن سلطنت کے اختیارات امراء کی ایک جماعت کے ہاتھ میں تھے۔ جن کا سردار لودھی خاں تھا۔ اس وقت دہلی کی سلطنت میں دہلی۔ رہتک۔ سنبھل اور دوآبے کا کچھ علاقہ شامل تھا۔ ۱۴۱۴ء میں خضر خاں نے دوآبے کو فتح کرنے کے بعد دہلی پر قبضہ کر لیا اور خاندانِ سادات کی بنیاد ڈالی۔

خاندانِ تغلق کے زوال کے اسباب

خاندانِ تغلق کی قسمت کا ستارہ محمد تغلق کے عہد میں چمکا۔ اس کی حکومت کشمیر کو

چھوڑ کر باقی سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن خاندانِ تغلق کا زوال بھی اسی کے عہد میں شروع ہو گیا۔ وارنگل اور کرناٹک اسی کے عہد میں خود مختار ہو گئے تھے دکن میں بہمنی اور وجے نگر کی دو بڑی ریاستیں قائم ہو گئیں محمد تغلق کے بعد فیروز تغلق بادشاہ ہؤا۔ یہ چونکہ بے حد رحم دل۔ نرم مزاج اور دیندار آدمی تھا۔ اس لئے اس نے ہاتھ سے گئے ہوئے صُوبے دوبارہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے عہد کے آخر میں مالوہ۔خاندیش۔ گجرات۔پنجاب اور جون پور کے علاقے بھی آزاد ہو گئے۔ ان علاقوں کی آزادی سے تغلق خاندان کی حکومت محدود ہو کر رہ گئی۔ خاندانِ تغلق کے زوال کے اسباب حسبِ ذیل تھے:۔

۱۔ سلطنت بہت وسیع تھی۔ لیکن آمد و رفت کے ذرائع محدود تھے۔ اس لئے دور دراز کے صوبے آئے دن باغی ہو کر خود مختار ہو جاتے تھے۔

۲۔ محمد تغلق کے عہد کی بدنظمی سے بادشاہ اور رعایا کے تعلقات بگڑ گئے۔ اور امیروں کو سازش کرنے کا موقع مل گیا۔

۳۔ فیروز تغلق کی نرم مزاجی، سرکشوں اور خود سروں کی بیخ کنی نہ کر سکی۔

۴۔ فیروز تغلق نے امراء کو جاگیریں دے کر انہیں اپنی طاقت بڑھانے کا موقع دے دیا۔ مرکزی حکومت کے کمزور ہو جانے پر ان جاگیرداروں نے خود مختار ریاستیں قائم کر لیں۔

۵- فیروز تغلق کے جانشین نالائق تھے۔ ان میں انتظام کی قابلیت نہ تھی۔ اور وہ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے۔

۶- امیر تیمور کو ہندوستان پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے وہ کاری ضرب لگائی۔ کہ خاندانِ تغلق کی حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

خاندانِ سادات

۱۴۱۴ء سے ۱۴۵۰ء تک

محمود تغلق کی وفات پر تیمور کے نائب خضر خاں نے دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا اور خاندانِ سادات کی بنیاد ڈالی۔ خضر خاں بہت دور اندیش اور نیک دِل بادشاہ تھا۔ اس نے آٹھ سال تک حکومت کی۔ اس خاندان کے کل چار بادشاہ ہوئے۔ اور ان کی حکومت ۳۶ سال تک رہی۔ ان کی حکومت دہلی اور آس پاس کے علاقے تک محدود تھی۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ سید علاؤالدین درویش خصلت انسان تھا۔ اس نے اپنی مرضی سے سلطنت پنجاب کے حاکم بہلول لودھی کے سپرد کر دی اور خود اپنی جاگیر بدایون میں چلا گیا۔ اس طرح سادات خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

عبدالمستعین قریشی عاجز

خاندان لودھی

۱۴۵۱ء سے ۱۵۲۶ء تک

بہلول لودھی
۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۹ء تک

بہلول خاں لودھی اس وقت دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ جب دہلی کی حکومت بالکل بے جان تھی۔ گرد و نواح کے تمام جاگیردار خود مختار ہو چکے تھے۔ سنبھل اور علی گڑھ پر دریا خاں اور عیسیٰ خاں حکمران تھے۔ بیانہ میں داؤد خاں آزاد ہو چکا تھا گوالیار اور کامپل کے ہندو راجہ خود مختار تھے۔ اس کے علاوہ پایۂ تخت بھی گروہ بندی کا مرکز بن چکا تھا۔ بہلول خاں نے تخت پر بیٹھتے ہی دہلی کی حکومت کو مضبوط کرنے کی ٹھان لی اور دہلی میں اپنے وفادار امراء کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

شاہِ جونپور کی یورش

ملتان کے گورنر شیخ یوسف نے سلطان سے التجا کی۔ کہ وہ افغان قبائل سے نجات دلائے۔ سلطان نے ملتان کا رُخ کیا۔ لیکن دیبالپور پہنچ کر اسے اطلاع ملی کہ محمود شاہ حاکمِ جونپور دہلی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ بہلول دیپال پور سے واپس لوٹ آیا۔ دریا خاں لودھی والئی سنبھل بھی محمود کے ہمراہ تھا۔ بہلول نے جمنا کے قریب دونوں کو شکست دی اور محمود کے جرنیل فتح خاں کو گرفتار کر لیا۔ دریا خاں کا

قصور معاف کر دیا گیا۔ کیونکہ اسے بوجہ مجبوری محمود کا ساتھ دینا پڑا تھا۔ اصل میں وہ دل سے اس کا مددگار نہ تھا۔

شاہِ جونپور کی دوسری یورش

بہلول لودھی ۱۴۷۲ء میں پھر حاکمِ ملتان کی مدد کے لئے چلا مگر دیپالپور پہنچ کر اسے خبر ملی۔ کہ نیا شاہِ جون پور حسین شاہ شرقی دہلی کی طرف آ رہا ہے۔ سلطان بہلول فوراً واپس دہلی پہنچا۔ جمنا کے کنارے حسین شاہ شرقی سے مقابلہ ہوا۔ بہلول نے شاہِ مالوہ سے مدد چاہی لیکن اسے مدد نہ ملی۔ اس لئے بہلول نے نہایت گری ہوئی شرائط پر صلح کرنی چاہی۔ مگر شاہِ شرقی طاقت کے غرور میں مست تھا۔ اس نے بہلول کی صلح کی التجا قبول نہ کی۔ اور دہلی کے گرد و نواح کے علاقوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ آخر بہلول نے جم کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اور شاہِ شرقی کی فوج پر حملہ کر دیا۔ غنیم بھاگنے پر مجبور ہوا۔ شاہِ شرقی کی بیوی اور بعض امراء کی بیویاں بہلول کے ہاتھ آ گئیں۔ جنہیں بہلول نے نہایت عزت کے ساتھ جونپور واپس بھجوا دیا اور شاہِ شرقی سے تین سال کے لئے صلح کر لی۔ بہلول نے میوات کو مہم بھیجی کہ احمد خاں کو سزا دے۔ جس نے حسین شاہ کی مدد کی تھی۔ احمد خاں بھاگ کر جونپور چلا گیا۔ حسین شاہ نے صلح نامہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دہلی پر پھر حملہ کر دیا۔ بہلول نے پھر شرائط صلح پیش کیں۔ لیکن حسین شاہ نے منظور نہ کیں لڑائی ہوئی اور حسین شاہ کو شکست ہوئی۔ ۱۴۷۶ء میں اس نے

اپنی فوجیں جمع کر کے پھر بہلول کا مقابلہ کیا۔ لیکن ایک بار پھر شکست کھائی۔ ۱۴۷۹ء میں حسین نے پھر حملہ کیا۔ جمنا کے قریب جنگ ہوئی۔ جس میں حسین کو پھر شکست ہوئی۔ اور اسے واپس جونپور جانا پڑا۔ بہلول نے تعاقب کر کے اس کے بہت سے ہاتھی۔ گھوڑے پکڑ لئے۔ اور کاپمل۔ شمس آباد۔ سکیت۔ جلیسر اور علی گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ حسین نے ان علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر شکست کھا کر گوالیار میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ بہلول لودھی نے آگے بڑھ کر جونپور پر قبضہ کر کے اسے مبارک خاں لودھی کے سپرد کر دیا۔ اور نواحی علاقے قطب خاں کے حوالے کئے۔ ۱۴۸۶ء میں بہلول نے جونپور کی حکومت اپنے بیٹے باربک شاہ کے حوالے کر دی۔ اور خود جمنا کے جنوب میں بعض جاگیرداروں کی سرکوبی میں مصروف ہوا۔

بہلول لودھی کی وفات ۱۴۸۹ء

تھوڑے عرصے کے بعد سلطان نے راجہ گوالیار کے خلاف یلغار کی۔ راجہ نے ایک بھاری رقم ادا کر کے صلح کر لی۔ اب سلطان کی صحت کمزور ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ گوالیار سے واپس آ کر بیمار ہو گیا۔ اور ۱۴۸۹ء میں فوت ہو گیا۔

بہلول کا چلن

بہلول لودھی کو اس وقت حکومت حاصل ہوئی۔ جب چاروں طرف دشمن اور سرکش موجود تھے۔ جونپور۔ مالوہ اور ملتان کی خودمختار ریاستوں کے علاوہ دارالحکومت میں بھی امراء اور زمیندار اپنا اقتدار

بڑھا رہے تھے۔ ان نازک حالات میں بہلول لودھی نے کمال دانش مندی۔ عزم استقلال اور بہادری کے ساتھ نہ صرف حکومت کی بلکہ تمام خود مختار ریاستوں کو بھی زیر کیا اور دربار کے امراء کو بھی درست کیا۔ سالہا سال تک شاہان جونپور سے جنگ کر کے جونپور کو فتح کیا۔ دوآبے کی آئے دن کی بغاوتوں کو فرو کیا۔ جسرتھ کھوکھر پر قابو پایا۔ اس کی تمام عمر لڑائیوں میں گزری اور اللہ تعالٰے نے اسے ہر موقع پر فتح دی۔ سلطان بہت سادہ مزاج تھا۔ اپنے امراء اور عزیزوں سے نیک سلوک کرتا تھا۔ دربار کے سوا گھریلو تقریبوں میں سب کے برابر بیٹھتا۔ ہر درجے کے لوگوں کو اپنے پاس بٹھاتا۔ تخت پر بیٹھتا تو آداب دربار کی پابندی کرتا تھا۔ مگر عام تقریبوں اور جلسوں میں سب کے ساتھ فرش پر بیٹھتا۔ غریبوں سے ہمدردی کا سلوک کرتا۔ اور ان کی امداد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا۔

سکندر لودھی

۱۴۸۹ء سے ۱۵۱۷ء تک

جب بہلول لودھی بیمار پڑا۔ تو اس کا بڑا لڑکا باربک شاہ جونپور میں تھا۔ دوسرے لڑکے نظام خاں کو بیماری میں پاس بلا لیا گیا تھا اور وہ بہلول کی وفات کے وقت وہیں موجود تھا۔ نظام خاں کے متعلق بادشاہ بنانے سے پہلے امراء میں سرگرم مشورے ہوتے رہے۔ آخر ۱۷ار جولائی ۱۴۸۹ء کو سکندر شاہ کا لقب دے کر نظام خاں کو تخت نشین کیا گیا۔ سکندر لودھی اپنے باپ کی طرح نہایت قابل تھا اور سلطنت کو وسعت دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔

اسے تخت نشین ہوتے ہی اپنے چچا عالم خاں کے خلاف یلغار کرنی پڑی۔

جونپور کی لڑائی

سکندر لودھی نے اپنے بڑے بھائی باربک شاہ کو جو جونپور کا حاکم تھا۔ پیغام بھیجا۔ کہ وُہ شاہِ دہلی کی اطاعت کرے۔ لیکن اس نے اس پیام کی پرواہ نہ کی۔ اور جنگ کے لئے تیاری شروع کر دی۔ قنوج کے قریب دونوں بھائیوں میں لڑائی ہوئی۔ جس میں بڑے بھائی کو شکست ہوئی۔ سکندر نے اس سے مہربانی کا سلوک کیا۔ اسے جونپور کی حکومت واپس دے دی۔ لیکن اپنے خاص آدمیوں کو اس علاقے میں جاگیریں دیں کہ آئندہ بغاوت کا خطرہ نہ رہے۔ سکندر کا بھتیجا اعظم ہمایوں کالپی کا جاگیردار تھا۔ سکندر نے اس کی جاگیر محمد خاں لودھی کو دے دی۔ والئی گوالیار نے اطاعت قبول کر کے شاہِ دہلی کو خراج دینا منظور کر لیا۔ اس لئے گوالیار کی ریاست اسی کے پاس رہنے دی گئی۔ بیانہ میں بغاوت کا سرغنہ شرف بن احمد جلوانی تھا۔ سکندر نے اس کی جاگیر چھین کر جس میں آگرہ بھی شامل تھا۔ ۱۴۹۲ء میں خانخاناں کی جاگیر میں شامل کر دی۔ سلطان سکندر یہ انتظامات کر کے دہلی واپس لوٹا ہی تھا۔ کہ جونپور کے زمین داروں کی بغاوت کی اطلاع پہنچی۔ باغیوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ انہوں نے سکندر لودھی کے بھائی کو بھی بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ سکندر لودھی دہلی سے چلا۔ گنگا کے کنارے اس کا بڑا بھائی حاکمِ جون پور بھی اس سے آملا۔ سکندر نے زمین داروں کو شکست دے کر جونپور کی حکومت پھر اپنے

بھائی کے حوالے کی۔ جونہی سکندر جونپور سے واپس ہوا ہندو زمین داروں نے پھر بغاوت کر دی۔ سکندر کو بھائی کی کمزوری پر بے حد غصہ آیا۔ اس نے بھائی کو گرفتار کر کے ہیبت خاں اور عمر خاں شیروانی کی حراست میں دے دیا۔ پھر وہ چنار کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں کی بغاوت کو فرو کیا۔ سکندر کو ان لڑائیوں میں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ ہندو زمین داروں نے حسین شاہ کو اپنے ساتھ ملا کر جونپور میں پھر علَم بغاوت بلند کیا۔

چنانچہ حسین شاہ، بہار سے ایک بہت بڑی فوج لے کر ہندو زمین داروں کی مدد کے لئے چلا۔ بنارس کے قریب سکندر لودھی کی فوجوں سے مقابلہ ہوا۔ حسین شاہ کو سخت ہزیمت کے بعد بھاگنا پڑا۔ سکندر نے اب بہار کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ بہار سے سکندر جونپور واپس آیا۔ اور ان افغان سرداروں کو سزائیں دیں۔ جو زمین داروں کی بغاوت کے وقت سلطان کی ناخوشی کا باعث ہوئے تھے افغانوں نے سکندر کے خلاف سازش کی اور اس کے چھوٹے بھائی فتح خاں کو سازش میں شامل کرنا چاہا۔ لیکن ماں کی فہمائش پر اس نے سازش کا حال سکندر کو بتا دیا۔ سلطان جونپور سے سنبھل میں آ گیا۔ اور ایک عرصے تک یہاں ٹھہر کر گرد و نواح کے علاقوں کا انتظام کیا۔

آگرہ کی بنیاد ۱۵۰۴ء

۱۵۰۲ء میں سلطان سکندر نے گوالیار اور دھول پور کے سرداروں پر بغاوت کی وجہ سے چڑھائی کی۔ اس نے دھول پور پر

قبضہ کر لیا۔ گوالیار کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ ۱۵۰۴ء میں سکندر نے آگرہ کو وسعت دے کر اسے اپنا دارالخلافہ بنا لیا۔ سکندر نے آگرہ کو صدر مقام محض اس لئے بنایا کہ وسط ہند کے راجاؤں کے قریب رہے۔ ۱۵۰۵ء میں اس نے گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور دوسرے سال راجہ مان سنگھ والئی گوالیار کا بہت سا علاقہ چھین لیا۔ دھول پور کی جاگیر ایک مسلم سردار کے حوالے کر دی۔ ۱۵۰۹ء میں محمد خاں حاکم ناگور نے سکندر کی اطاعت قبول کر لی۔ (ناگور جودھپور ریاست کا ایک ضلع ہے) اس کے بعد سلطان سکندر نے کئی چھوٹی چھوٹی مہمیں سر کیں۔ اور آخر ۱۵۱۷ء میں انتقال کیا۔

سکندر کے عادات وخصائل

سکندر، لودھی خاندان کے تینوں بادشاہوں میں سب سے زیادہ قوی تھا۔ اس نے باپ سے حاصل کی ہوئی سلطنت کو وسعت دی۔ اور سرکش زمین داروں اور جاگیرداروں کو پھر سے مطیع کیا۔ اس نے مغرور پٹھانوں کو اطاعت شعار بنایا۔ انہیں مجبور کیا کہ وہ باقاعدہ حسابات رکھیں۔ خائنوں اور غاصبوں کو سزائیں دیں۔ اس کے علاوہ سکندر نے لوگوں کے مفاد کے لئے متعدد اصلاحات رائج کیں۔ وہ غریبوں کی امداد کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس نے اناج سے محصول چونگی ہٹا دیا۔ جس سے تجارت اور صنعت کو فروغ ہوا۔ وہ ہر سال غریبوں میں اشیائے خورد و نوش تقسیم کرتا۔ تقریبات کے موقعوں پر قیدیوں کو رہا کرتا۔ عوام کو حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتا۔ افسروں کی نقل و حرکت

اور سرگرمیوں کی نگرانی کرتا۔ رعایا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ پکا مسلمان تھا۔ ہندوؤں نے اسے متعصب کہا ہے جو سراسر غلط ہے۔

سلطان ابراہیم لودھی

۱۵۱۷ء سے ۱۵۲۶ء تک

سکندر لودھی کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے مزاج اور عادات کے لحاظ سے اپنے باپ سے بالکل مختلف تھا۔ اس لئے دربار کے امراء اس سے خوش نہ رہ سکے۔ جاگیرداروں اور تعلقہ داروں کے متعلق بہلول لودھی کی پالیسی یہ تھی کہ اس نے انہیں برابری کا درجہ دیا۔ اور انہیں بڑھنے۔ ترقی کرنے اور آمدنی کے وسائل زیادہ کرنے کا موقع دیا تھا۔ لیکن ابراہیم لودھی نے اس پالیسی کو بدل کر امراء و روؤسا کی کڑی نگرانی کی اور ذراسی غلطی یا کمزوری پر انہیں سخت سزائیں دیں۔ لیکن انہوں نے ابراہیم کی اس پالیسی کو چلنے نہ دیا۔ ابراہیم نے جب بھی ذراسی سختی کی۔ امراء نے اس کا مقابلہ کیا۔ لہذا اس کی مختصر سلطنت کا زمانہ امراء ہی سے جھگڑنے میں گزرا۔

جلال کی بغاوت

۱۵۱۷ء سے ۱۵۱۸ء تک

جو امراء سلطان ابراہیم سے اختلاف رکھتے تھے۔ انہوں نے سلطان کے بھائی جلال کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ جلال نے جونپور پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اودھ کے ہندو زمین داروں کی ایک پارٹی کو اپنے ساتھ ملا کر اودھ کے ناظم کو وہاں سے نکال دیا۔ اور صوبہ اودھ پر قابض ہو گیا۔ سلطان نے کالپی کے مقام پر جلال کا مقابلہ کرنا چاہا

لیکن وہ بھاگ کر آگرہ پہنچ گیا۔ اور اطاعت کی درخواست کی۔ لیکن سلطان نے یہ درخواست منظور نہ کی۔ جلال بھاگ کر راجہ گوالیار کے پاس چلا گیا۔ ابراہیم نے گوالیار پر حملہ کرکے راجہ کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جلال نے مالوہ میں پناہ لینی چاہی۔ مگر محمود خلجی حاکم مالوہ نے اس سے کوئی ہمدردی ظاہر نہ کی۔ اتفاق سے وہ گونڈوانہ کے زمین داروں کے ہاتھ آگیا۔ انہوں نے اسے پکڑ کر سلطان کے حوالے کر دیا۔ اس نے اسے ہانسی کے قلعہ میں قید کرنے کے لئے بھیجا مگر راستے میں اسے قتل کر دیا گیا۔

ابراہیم اور افغان سردار

ابراہیم نے مغرور افغان امراء کو کمزور کرنے کے لئے اعظم ہمایوں شیروانی اور اس کے بیٹے فتح خاں کو آگرہ بلا کر قید کر دیا۔ اس پر اعظم ہمایوں کے دوسرے بیٹے اسلام خاں نے فوج کی کمان سنبھال لی اور بغاوت کر دی۔ اس نے بعض اور باغی امراء کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ سلطان ابراہیم نے چالیس ہزار سواروں کے ساتھ اس پر حملہ کیا۔ سخت خون ریز جنگ ہوئی۔ جس میں اسلام خاں مارا گیا۔

رانا سانگا

افغان سرداروں کی آپس کی لڑائیاں دیکھ کر میواڑ کا مشہور راجہ رانا سانگا اپنی طاقت برابر بڑھا رہا تھا۔ ابراہیم نے اس کے خلاف ایک مہم بھیجی ابتدا میں افغان سرداروں نے اس مہم میں ابراہیم کی مخالفت کی اور ان کے بہت سے سپاہی سلطان سے منحرف ہو گئے لیکن سلطان جلد ہی سنبھل گیا اور رانا پر سختی سے حملہ کیا۔ رانا

کو بڑی طرح شکست ہوئی۔

ابراہیم کے آخری ایام

ان حالات کو دیکھ کر ابراہیم امرا پر زیادہ سختی کرنے لگا لیکن افغان سردار جگہ جگہ بغاوت کرتے رہے اور ملک کا امن خطرے میں پڑ گیا۔ ان حالات میں دولت خاں لودھی ناظم لاہور کے بیٹے کو دہلی بلایا گیا۔ اس نے دربار کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر باپ کو خط لکھا جس میں اصلاح کی طرف سے مایوسی ظاہر کی۔ دولت خاں لودھی نے بابر بادشاہ کابل سے خط وکتابت کی اور اسے ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ بابر تیرہ ہزار سپاہ اور توپ خانہ لے کر ابراہیم پر حملہ آور ہوا۔ پانی پت کے میدان میں بابر اور ابراہیم لودھی میں لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی پانی پت کی پہلی لڑائی کہلاتی ہے ابراہیم میدانِ جنگ میں بہت بہادری سے لڑا لیکن مارا گیا۔ بابر کو فتح ہوئی۔ اس طرح ہندوستان میں خاندانِ لودھی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور خاندانِ مغلیہ کی حکومت قائم ہوئی۔

شمالی اور جنوبی ہندوستان کی آزاد سلطنتیں

سلطان محمد بن تغلق کے آخری ایام میں اس خاندان کی عظیم الشان سلطنت میں زوال کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوئے فیروز تغلق نے شمالی ہند کے علاقے ہی پر اکتفا کر لی۔ اور بہمنی سلطنت کی خودمختاری کو تسلیم کر لیا۔ لیکن اس کے کم زور جانشینوں کے عہد میں بہت سے صوبوں کے گورنر سلطنتِ دہلی سے تعلقات منقطع کر کے خودمختار بن بیٹھے۔ ان ریاستوں کے عروج و زوال کی مختصر سی تاریخ سلطنتِ دہلی کے زوال اور خاندانِ مغلیہ کے آغاز میں سمجھنے میں امداد دے گی۔

جونپور کی مشرقی ریاست

جونپور کا شہر مشرقی ہندوستان میں ایک اہم شہر بنا۔ فیروز شاہ تغلق نے اس کی بنیاد اپنی ایک مشرقی چوکی کے طور پر رکھی۔ اور اپنے بھائی سلطان فخرالدین جونا خاں کے نام پر اس کا نام رکھا۔ ۱۳۹۴ء میں اس کی حکومت ملک سرور کو ملی جو خواجہ جہان کہلاتا تھا۔ اسے ملک الشرق کا خطاب دیا گیا۔ جس نے اٹاوہ قنوج وغیرہ کے باغیوں کی سرکوبی کر کے جونپور کو اپنا صدر مقام قرار دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں سلطنت کو وسیع کر کے اردگرد کے سرداروں کو مطیع کر لیا۔ ۱۳۹۹ء میں اس نے وفات پائی اور اس کا متبنٰی ملک کرن پھول مبارک شاہ کے لقب سے گدی پر بیٹھا۔ مبارک شاہ کا بھائی شمس الدّین ابراہیم جو ۱۴۰۰ء میں بادشاہ بنا۔ اس خاندان کا سب سے بڑا حکمران تھا اس نے

سنبھل اور باران کے علاقے فتح کئے۔ حضرت قطب عالم نے (جو اس دور کے مشہور بزرگ تھے) اس سے بنگال کے راجہ گنیش پر حملہ کرایا۔ کیونکہ یہ راجہ مسلمانوں کو بہت تنگ کرتا تھا۔ راجہ نے اپنی پالیسی کو چھوڑنے کا وعدہ کیا۔ اور اپنے بیٹے کو قطب عالم کے پاس اسلام قبول کرنے کے لئے بھیجا۔ ابراہیم نے ۱۴۳۶ء میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمود شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے مالوہ کے حکمران محمود اول سے مل کر کالپی پر حملہ کیا۔ کیونکہ وہاں کا گورنر ناصر خاں اسلام کے احکام کی نافرمانی کرتا تھا۔ محمود کے بعد اس کا بیٹا بادشاہ بنا۔ مگر وہ ایک ہی سال میں قتل ہوا۔ پھر اس کا بھائی حسین شاہ تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا بہادر۔ جنگ جو اور عالی حوصلہ تھا۔ یہ سلطنتِ دہلی سے بھی برسرِ پیکار رہا۔ اور اڑیسہ اور گوالیار کے راجاؤں کو بھی مطیع کر لیا

جونپور کی یہ مشرقی ریاست ۱۴۷۹ء میں بہلول لودھی نے حسین شاہ کو شکست دے کر دہلی کی سلطنت میں شامل کر لی۔ اس خاندان نے جس کی حکومت کم و بیش اسّی سال تک رہی ہندوستان کی فنی اور ادبی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ ابراہیم شاہ کی مسجد اس خاندان کے فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ جونپور علم کا زبردست مرکز تھا۔ اور اسے ہندوستان کا شیراز کہا جاتا تھا۔

بنگال

بنگال کا زرخیز صوبہ سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں خود مختار ہو گیا۔ فیروز شاہ نے اسے دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی مگر اسے پوری کامیابی نہ ہوئی۔ سکندر شاہ جو اپنے باپ کی وفات پر ۱۳۵۷ء میں تخت پر بیٹھا۔ اپنے باغی بیٹے غیاث الدین اعظم کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ غیاث الدین ۱۳۹۶ء

تک حکمران رہا۔ اس کے بعد دو بادشاہ حمزہ اور بیازید بہت کمزور تھے۔ سلطنت کا انتظام راجہ گنیش دیناج پوری کے ہاتھ میں تھا۔ راجہ گنیش کا بیٹا کجو شیخ قطب عالم کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا تھا۔ جلال الدین محمد کے نام سے ۱۴۱۴ء میں تخت پر بیٹھا۔ آخر کار ۱۴۸۶ء میں ایک حبشی غلام نے بادشاہِ وقت کو قتل کر کے باربک شاہ کے لقب سے حکومت شروع کی۔

کچھ عرصہ تک اس علاقہ میں افراتفری رہی۔ ۱۴۹۳ء میں علاؤالدین حسین نے جسے امراء نے تخت پر بٹھایا تھا۔ انتظام سنبھالا۔ یہ بڑا قابل اور لائق تھا۔ اس کا شمار بھی بنگال کے بہترین بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اس نے اندرونی بدنظمی کو ختم کر کے اڑیسہ تک سلطنت کو بڑھایا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نصرت شاہ نے سلطنت سنبھالی۔ اس نے ان پٹھان مہاجروں کو پناہ دی جو پانی پت کی پہلی لڑائی کے بعد دہلی سے بھاگے تھے۔ اور سلطان ابراہیم لودھی کی لڑکی سے شادی کی۔ نصرت شاہ کو اس کے اپنے آدمیوں نے قتل کر دیا۔ پھر اس کا لڑکا فیروز بھی جلد ہی قتل ہوا اور غیاث الدین محمود شاہ بادشاہ بنا۔ یہ اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ اسے شیر خاں کے بیٹے جلال خاں نے شکست دے کر بنگال کا علاقہ شیر خاں کی سلطنت میں شامل کر لیا مگر شیر خاں کی وفات پر یہ علاقہ پھر ایک افغان خاندان کی سیادت میں خودمختار ہو گیا۔ آخر اکبر اعظم نے اسے ۱۵۷۶ء میں اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ بنگال کے بعض حکمران نہایت قابل تھے اور انہوں نے لوگوں کی سماجی اور اقتصادی حالت کو بے حد سنوارا۔ علماء اور فضلاء کی بے حد قدر کی اور ملک کی اخلاقی

و روحانی حالت کو چار چاند لگا دیئے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نہایت ہی مشہور صوفیا ہیں سے بعض جنہوں نے بنگال میں اسلام کی اشاعت کی۔ حضرت نظام الدین اولیا دہلوی کے مرید تھے۔ ان مسلمان بادشاہوں نے بنگالی ادب کی بھی بڑی خدمت کی۔

مالوہ دلاور خاں جسے فیروز تغلق نے مالوے کا گورنر بنایا تھا تیمور کے حملے کے بعد خود مختار ہو گیا۔ اس کے بیٹے الپ خاں نے ہوشنگ شاہ کے لقب سے ۱۴۰۶ء میں حکومت شروع کی اور مانڈو کو دارالحکومت بنایا۔ اسے مظفر شاہ والئے گجرات نے شکست دے کر قید کر لیا۔ مگر مظفر کے پوتے احمد نے اسے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد ہوشنگ ۱۴۳۵ء میں مر گیا۔ اس کا بیٹا غازی خاں ایک نالائق حکمران تھا۔ اسے اس کے برادر نسبتی محمود خلجی نے زہر دے کر مار دیا۔ اور خود حکمران بن بیٹھا۔ یہ نہایت قابل اور جنگ جو شہزادہ تھا۔ اس نے تئیس سال سے زائد نہایت خوبی سے حکومت کی۔ اور چاروں طرف کے علاقے فتح کر کے سلطنت کو وسیع کیا اجمیر اور بوندی بھی فتح کئے۔ ۱۴۶۱ء میں دکن پر حملہ کر کے بہمنی سلطنت کو شکست دی۔ اور بیدر پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں سلطان گجرات اسّی ہزار فوج لے کر دکن کی بہمنی سلطنت کی مدد کو آیا۔ محمود اس حملے کی تاب نہ لا کر مانڈو کی طرف واپس آ گیا۔ ۱۴۶۵ء میں اس نے پھر دکن پر حملہ کر کے کھریلا کو فتح کر لیا۔ سلطان بہلول لودھی نے بھی اس سے جونپور کے خلاف مدد مانگی۔ بہ کچھ شرائط کے بعد مدد

کرنے پر آمادہ ہو گیا مگر اسی سال اس کی وفات ہو گئی۔ محمود مالوہ کے حکمرانوں میں سب سے بڑا حکمران شمار ہوتا ہے۔ اس کی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ اس سے باہر بھی تھی۔ خلیفۂ مصر نے بھی اسے حکومت کی سند عطا کی۔ یہ عمارتیں بنانے کا بے حد شوقین تھا۔ مانڈو میں اس نے ایک مینار چتوڑ کے رانا پر فتح پانے کی یادگار میں تعمیر کیا۔ یہ بہادر اور قابل منتظم تھا۔ ہندو، مسلمان اس کے عہد میں بے حد خوش حال تھے۔

اس کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین تخت پر بیٹھا۔ یہ نیک اور پارسا آدمی تھا۔ جنگ سے اسے نفرت تھی۔ اس کا زیادہ وقت نماز اور عبادتوں میں گزرتا تھا۔ محلات کی دیکھ بھال کا اسے دلی شوق تھا۔ اس کے پوتے محمود ثانی نے ایک راجپوت سردار میدنی راؤ کو اپنے امرا کے خلاف مدد کو بلایا۔ مگر میدنی راؤ نے وہ زور پکڑا۔ کہ اب محمود کو بھاگ کر گجرات جانا پڑا۔ سلطان مظفر ثانی نے اسے پھر مالوہ کے تخت پر بٹھایا۔ ۱۵۳۱ء میں بہادر شاہ والیٔ گجرات نے مانڈو پر قبضہ کر کے مالوے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مگر پھر ۱۵۳۵ء میں ہمایوں نے یہ علاقہ فتح کر لیا جب شیر شاہ دھلی پر حکمران ہوا تو اس نے مالوہ فتح کر کے شجاعت خاں کے حوالے کیا۔ آخر اکبر نے باز بہادر خاں کو شکست دے کر اسے سلطنتِ دہلی میں شامل کر لیا۔

گجرات ۱۳۹۶ء سے ۱۵۷۲ء تک

ظفر خاں حاکم گجرات نے ۱۳۹۶ء میں اپنی

خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور مظفر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس کے بیٹے تاتار خاں نے تخت سے اتار کر اسے قید کر دیا۔ اور خود ناصرالدّین محمد شاہ کے لقب سے بادشاہ بن بیٹھا۔ مگر اس کے چچا نصرت خاں نے اسے زہر دے دیا اور اپنے بھائی کو قید سے نکال کر دوبارہ بادشاہ بنایا۔ سلطان مظفر کی وفات پر اس کا پوتا احمد اوّل تخت پر بیٹھا۔ جس نے احمد نگر کی بنیاد رکھی۔ دوسرا بڑا بادشاہ محمود بیگڑہ تھا جو ۱۴۵۸ء سے ۱۵۱۱ء تک حکمران رہا۔

گجرات کا آخری بڑا بادشاہ بہادر شاہ تھا۔ اس نے مالوہ فتح کیا۔ پھر چتوڑ کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ آخر ۱۵۷۲ء میں اکبر نے گجرات کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

خاندیش اس چھوٹی سی سلطنت کی بنیاد راجہ احمد نے ڈالی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اردگرد کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ ۱۳۹۹ء میں جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا ملک ناصر تخت پر بیٹھا۔ اس نے اسیر گڑھ کو فتح کر کے سلطنتِ خاندیش میں شامل کر لیا۔ یہ سلطنت گردونواح کے طاقتور حکمرانوں کی جولانگاہ بنی رہی اور اس کے کمزور بادشاہ اکثر مقابلے کی تاب نہ لا کر شکست کھاتے رہے۔ مگر پھر بھی یہ سلطنت گجرات اور مالوہ سے زیادہ دیر تک قائم رہی۔ اور ۱۶۰۱ء میں دہلی کی سلطنت میں شامل کر لی گئی۔

بہمنی اور وجے نگر کی سلطنتیں

سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ

۱۳۴۷ء سے ۱۳۵۸ء تک

جنوبی ہندوستان کے امراء نے محمد تغلق سے تنگ آ کر بغاوت پر کمر باندھی۔ اور حسن گنگوہ کو اپنا سردار ۱۳۴۷ء میں بنا لیا۔ اس نے علاء الدین حسن بہمن شاہ کے لقب سے حکومت شروع کی۔ اور گلبرگہ کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اپنی سلطنت کو چار صوبوں میں تقسیم کر کے ہر صوبے کا ایک گورنر مقرر کیا۔ اس نے سلطنت کو بڑھایا۔ ۱۳۵۸ء میں اس کی وفات ہوئی۔

محمد اوّل

حسن کے بعد اس کا بیٹا محمد اوّل تخت نشین ہوا۔ شروع شروع میں اس نے زیادہ توجہ انتظام حکومت کی طرف دی۔ چنانچہ اس نے آٹھ وزیر مقرر کئے اور ہر ایک کے سپرد علیحدہ علیحدہ محکمے کئے۔ سلطان محمد کو وارنگل اور وجے نگر کے راجاؤں سے لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ان کی وجہ ہندو راجاؤں کا نازیبا رویہ تھا۔ ان لڑائیوں میں اسے کامیابی ہوئی۔ اور ان ہندو راجاؤں کے غرور کو اس نے خاک میں ملا دیا۔ ۱۳۶۱ء میں اس کے بھائی نے دولت آباد میں بغاوت کی اس نے بغاوت کو فرو کر کے بھائی کو جلا وطن کر دیا۔ اس کے علاوہ انتظامِ سلطنت میں اور بہت سی اصلاحیں کیں۔ اور عمدہ عمدہ عمارات تعمیر کرائیں۔ گلبرگہ میں ایک نہایت

عالی شان مسجد تعمیر کی۔ جو اس زمانہ کی بہترین عمارتوں میں سے ایک ہے۔ ۱۳۷۷ء میں اس نے انتقال کیا اس کے بعد اس خاندان کا مشہور بادشاہ فیروز شاہ ہوا۔

فیروز شاہ

۱۳۹۸ء سے ۱۴۲۲ء تک

اس نے بھی وجے نگر کے راجاؤں سے جنگ کر کے انہیں نیچا دکھایا یہ نہایت فیاض اور شائستہ بادشاہ تھا۔ لیکن بعد میں اپنی فتوحات کی وجہ سے کچھ مغرور ہو گیا اس میں شک نہیں کہ یہ نہایت بہادر اور تجربہ کار سپاہی تھا اور یہی سبب اس کے تکبّر کا ہوا۔ فیروز کے بعد اس کا بھائی احمد شاہ ولی تخت پر بیٹھا۔ یہ بھی بڑا جنگ جُو اور بہادر تھا۔ اس نے وجے نگر۔ وارنگل۔ مالوہ اور گجرات کے راجاؤں پر ان کی بدعنوانیوں کی وجہ سے فوج کشی کی۔ اور سب کو شکست دی۔ اس کے زمانے کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ دکنی اور غیر ملکی امراء کی پارٹیاں علیٰحدہ علیحدہ بن گئیں۔ اور یہی چیز اس سلطنت کی تباہی کا باعث بنی۔

اس کے مرنے پر اس کا بیٹا علاء الدّین ثانی تخت نشین ہوُا اور اس کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا ہمایوں بادشاہ مقرر ہوُا۔ یہ بڑا ظالم تھا۔ رعایا اس سے بہت تنگ آ گئی۔ ۱۴۶۱ء میں اس کا بھی انتقال ہو گیا اس کے بعد اس کے دو چھوٹے بیٹے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے مگر سلطنت کا مکمل انتظام ان کی والدہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے محمود گاواں کی مدد سے حکومت کی۔ محمود گاواں دکن کا نہایت ہی قابل سیاست دان تھا۔ اور اس نے

بہمنی سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ جتنی اسے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ امراء کی طاقت کو ختم کر کے نہایت خوش اسلوبی سے متعدد اصلاحیں انتظامِ سلطنت میں کیں۔ امراء نے اس کے خلاف سازش کی۔ اور جعلی خطوط اس کی طرف سے بادشاہ تک پہنچائے۔ آخر بادشاہِ وقت محمد سوم نے وزیروں کے دھوکے میں آ کر اسے قتل کرا دیا۔ اور ایک وفادار جانباز سیاست دان نے کلمۂ توحید پڑھتے ہوئے جان دے دی۔ مرتے وقت اس کی عمر ۷۸ سال تھی۔

محمود گاواں نہایت عالم فاضل۔ منصف مزاج اور سادہ طبیعت کا آدمی تھا۔ اور اپنے انہی اوصاف کی وجہ سے رعایا میں بے حد مقبول تھا۔ ہر جمعہ کو رات کے وقت غریبوں کے ہاں جا کر ان کی مدد کرتا تھا۔ عالموں کا بے حد قدردان تھا۔ ایک سچے مسلمان کی طرح اسلامی طریقوں پر اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔

محمد شاہ کی وفات پر ۱۴۸۲ء میں اس کا بیٹا محمود شاہ بادشاہ ہوا۔ یہ نالائق حکمران تھا۔ اس لئے اس کے عہد میں بہمنی سلطنت کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ یوسف عادل شاہ بیجاپور میں خود مختار ہو گیا۔ اور ملک احمد نے دولت آباد میں اپنی حکمرانی و خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ عماد الملک برار میں اور قطب الملک نے گولکنڈہ میں خود مختاری اختیار کی۔ اور برید شاہی بیدر میں ایک خود مختار حکومت علیحدہ قائم ہو گئی۔ اس طرح بہمنی سلطنت پانچ ریاستوں میں منقسم ہو گئی۔ جن کو آخر کار سلطنتِ مغلیہ میں شامل کر لیا گیا۔

احمد نگر کی سلطنت

نظام شاہی خاندان کی بنیاد نظام الملک نے ڈالی جسے محمود گاواں نے اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ اس کے بیٹے ملک احمد نے خود مختاری کا اعلان کر کے احمد نگر کو پایۂ تخت بنایا۔ اس ملک کی تاریخ میں سب سے اہم واقعہ اکبر کے خلاف چاند بی بی کی مدافعت ہے۔ آخر میں شاہ جہان نے اسے سلطنتِ مغلیہ میں شامل کیا۔

بیجاپور

اس کا بانی یوسف عادل محمود گاواں کا غلام تھا۔ یہ ترقی کرتے کرتے ۱۴۹۰ء میں خود مختار بن بیٹھا۔ یہ نہایت زبردست حاکم تھا۔ اس نے وجے نگر کے خلاف جنگیں کر کے بیجاپور کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔

اس خاندان کا ایک اور مشہور بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ہُوا ہے۔ اس نے بیدر۔ گولکنڈہ اور وجے نگر کے خلاف لڑائیاں لڑیں۔ اس کے بیٹے علی عادل شاہ نے ہمسایہ مسلمان ریاست احمد نگر کے خلاف وجے نگر سے امداد لی۔ مگر وجے نگر کے ہندو راجہ نے مسلمانوں کے خلاف انسانیت سوز حرکات کیں۔ جس سے علی عادل شاہ کو ہوش آیا۔ اور اپنی ہمسایہ مسلمان ریاست سے صلح کر لی۔ آخر میں تمام مسلمان ریاستوں نے مل کر وجے نگر کے راجہ کو شکست فاش دی۔ اور وجے نگر کے ہندو راجاؤں کا دکن میں ہندو سلطنت قائم کرنے کا خواب ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ بیجاپور کو آخرکار اورنگ زیب نے سلطنتِ مغلیہ میں شامل کر لیا۔

گولکنڈہ

اس کا بانی قطب الملک تھا۔ اس نے ۱۵۱۸ء میں سلطنتِ گولکنڈہ کی بنیاد رکھی۔ ان بادشاہوں

کی پالیسی عموماً بیجاپور کے ساتھ دوستانہ تعلقات پر مبنی تھی۔ ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے اسے بھی سلطنتِ مغلیہ میں شامل کر لیا۔

برار کو احمد نگر کے بادشاہوں اور بیدر کو بیجاپور کے بادشاہوں نے اپنے اپنے ملک میں ملا لیا تھا۔ اس لئے ان کے خاتمے کے ساتھ ہی ان کا وجود پہلے ہی ختم ہو چکا تھا اب بالکل مٹ گیا۔

وجے نگر کی سلطنت ۱۳۳۶ء

اس کی بنیاد ہری ہر اور بکا دو بھائیوں نے رکھی۔ تغلق بادشاہوں کی کمزوری کی وجہ سے اس خاندان کے راجاؤں نے زور پکڑا۔ اور سلطنت کو وسعت دی۔ اس کا سب سے مشہور راجہ دیوا رایا ثانی تھا۔

اس سلطنت میں ایک مسلمان سیاح عبدالرزاق ۱۴۴۳ء میں ہرات سے آیا۔ اور اس کے حالات تحریر کئے ایک اور اٹلی کے سیاح نکولوکونٹی نے بھی اس سے پہلے اس ریاست کے حالات لکھے ہیں۔ ان راجاؤں کو عمارتوں کا بہت شوق تھا۔ یہ راجہ بڑی شان و شوکت سے حکومت کرتے تھے ان کا دور زیادہ تر بہمنی سلطنت کے بادشاہوں سے لڑنے بھڑنے میں گزرا۔ آخر وجے نگر کے راجاؤں کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ کر بیجاپور۔ احمد نگر۔ گولکنڈہ اور بیدر کی متحدہ افواج نے تلی کوٹ کے مقام پر رامارایا کو شکست فاش دی۔ راجہ رایا اپنے ایک لاکھ ساتھیوں کے ساتھ کام آیا۔ اس شکست نے ہندوؤں کے حوصلے دکن میں پست کر دیئے۔

اور انہوں نے پھر کبھی سر نہ اٹھایا۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول کا اثر

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کا ملاپ ناگزیر تھا چونکہ دونو قومیں مذہبی اختلاف کے باوجود ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھیں۔ اس لئے قدرتی طور پر مذہب۔ رسم و رواج اور عادت پر گہرا اثر پڑا چنانچہ:۔

۱۔ کئی ہندوؤں نے ذات پات کی قید سے تنگ آ کر اور مسلمانوں کے اصول مساوات سے متاثر ہو کر مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ اس کے علاوہ کئی ہندو عورتوں نے مسلمانوں سے شادیاں کر لیں۔ اس طرح ہندوؤں کے بہت سے رسم و رواج مسلمان گھرانوں میں رائج ہو گئے۔

۲۔ ہندو عورتوں میں پردے کا رواج زیادہ ترقی کر گیا۔ بچپن کی شادی اور ستی کی رسم کا رواج کم ہو گیا۔

۳۔ مذہب اسلام کے اثر سے ہندو بھی خدا کی وحدانیت پر زور دینے لگے۔ ذات پات اور چھوت چھات کی مخالفت شروع ہو گئی۔

۴۔ ہندوؤں کی زبان پراکرت تھی۔ اور مسلمان فارسی بولتے تھے۔ اس لئے ان دونو کے میل جول سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی۔ جس کا نام اردو تھا۔ اردو زبان کو بعد میں بہت ترقی ہوئی۔ اس وقت اردو ہی ایک ایسی زبان ہے۔ جو ہندوستان کے ہر گوشے میں بولی

اور سمجھی جاتی ہے۔

۵۔ چونکہ مسلمانوں نے اس ملک میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس لئے دونو قومیں آپس میں محبت اور رواداری سے رہنے لگیں۔ اور نفرت و اختلاف کی جو خلیج ان کے درمیان حائل تھیں۔ رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ اس زمانے میں بہت سے مسلمان صوفی اور صلح کل بزرگوں نے دونوں قوموں کو اتفاق و اتحاد کی تعلیم دی اور بہت سے ایسے ہندو راہنما بھی پیدا ہوئے۔ جو محض ایک خدا کی عبادت اور محبت پر زور دینے لگے۔

سوالات

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات مختصر طور پر بیان کرو۔

۲۔ عروج اسلام کی بابت تم کیا جانتے ہو۔ مسلمانوں نے کب اور کیوں کر ہند پر حملہ کیا۔ سندھ میں مسلم حکومت کے اثرات بیان کرو۔

۳۔ تم سبکتگین اور اس کے پنجاب پر حملے کی بابت کیا جانتے ہو؟۔

۴۔ محمود کون تھا۔ اور اس کے مشہور حملوں کا حال بیان کرو۔ اس کے حملوں کا مدعا کیا تھا۔ اس میں اسے کہاں تک کامیابی ہوئی۔ اس کے خصائل پر ایک نوٹ لکھو۔

۵۔ فردوسی اور البیرونی پر مختصر نوٹ لکھو۔

۶۔ محمد غوری کون تھا۔ ہندوستان پر اس کے حملوں اور فتوحات کا مختصر حال بیان کرو۔

۷۔ پرتھی راج پر مختصر تاریخی نوٹ لکھو۔

۸۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا بانی محمود غزنوی تھا۔ یا محمد غوری؟ دلائل سے واضح کرو۔

۹۔ قطب الدین ایبک پر مختصر نوٹ لکھو۔ بتاؤ۔ کہ اس کو خاندان غلاماں کیوں کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ حسب ذیل اشخاص کی مختصر حالات زندگی بیان کرو:۔

(۱) التمش

(۲) رضیہ

(۳) ناصرالدین

(۴) بلبن

۱۱۔ چنگیز خاں پر مختصر نوٹ لکھو۔

۱۲۔ خلجی خاندان کے بانی کا حال بیان کرو۔

۱۳۔ علاؤالدین خلجی کی زندگی۔ فتوحات۔ طرزِ حکومت اور خصائل کو مختصر طور پر بیان کرو۔

۱۴۔ ملک کافور اور پدمنی پر مختصر نوٹ لکھو۔

۱۵۔ محمد تغلق کے عہدِ حکومت کا حال مندرجہ ذیل عنوانات کے ماتحت تحریر کرو۔

ا۔ مشہور واقعات۔

ب۔ اس کی ناکامی کے اسباب۔

ج۔ اس کا چال چلن۔

۱۶۔ فیروز تغلق کے عہدِ حکومت کا حال خصوصاً اس کی

ا۔ مذہبی پالیسی۔

ب۔ زرعی پالیسی۔

ج۔ عمارات اور

د۔ چال چلن

بیان کرو۔ نیز بتاؤ۔ کہ وہ اپنے خاندان کے تنزل کا کہاں تک ذمہ دار ہے

۱۷۔ تم امیر تیمور اور ہند پر اس کے حملے اور نتائج کی بابت کیا جانتے ہو۔

۱۸۔ لودھی خاندان کی حکومت کا مختصر حال بیان کرو۔ اور بتاؤ۔ کہ

کس طرح اس خاندان کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۔ شمالی ہند میں پٹھانوں کی حکومت کب سے کب تک رہی ان کے زوال کے اسباب کیا تھے۔

۲۰۔ بہمنی سلطنت کے عروج و زوال کا حال بیان کرو۔

۲۱۔ سلطنت وجے نگر کا مختصر حال بیان کرو۔ اور اس کے انتظامِ سلطنت پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔

۲۲۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی میل جول کا ایک دوسرے پر کیا اثر ہوا۔

۲۳۔ بھگتی تحریک سے کیا مراد ہے۔ اس تحریک کے مشہور پیشواؤں کا مختصر حال بیان کرو۔

۲۴۔ عربوں کی فتح سندھ کا حال بیان کرو۔ نیز یہ بھی بتاؤ۔ کہ یہ فتح کیوں مستقل ثابت نہ ہوئی۔

۲۵۔ محمود غزنوی کے مشہور ہندوستانی حملوں کا حال بیان کرو۔ ان حملوں کا کیا نتیجہ ہوا۔ محمود کا چال چلن بھی لکھو۔

۲۶۔ محمد غوری کے ہند پر حملوں کا حال لکھو۔

۲۷۔ خاندانِ غلاماں کا بانی کون تھا۔ اس کے عہد حکومت کے حالات بیان کرو۔

۲۸۔ خاندانِ غلاماں کے مشہور بادشاہوں کا حال بیان کرو۔

۲۹۔ خاندان خلجی کے بانی کا حال بیان کرو۔

۳۰۔ علاؤ الدین خلجی کی سوانحِ عمری بیان کرو۔ اس کی فتوحات اور انتظام سلطنت کا حال لکھو۔

۳۱۔ ملک کافور پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔

۳۲۔ خاندانِ تغلق کے بانی کا حال بیان کرو۔

۳۳۔ محمد تغلق کا چال چلن اور اس کے عہدِ حکومت کے حالات بیان کرو۔ یا ثابت کرو کہ محمد تغلق کا چال چلن متضاد اوصاف کا مجموعہ تھا۔
۳۴۔ فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت کا حال بیان کرو۔
۳۵۔ امیر تیمور کے حملے کا حال لکھو۔
۳۶۔ خاندانِ لودھی کے بادشاہوں کے عہدِ حکومت کے حالات بیان کرو۔
۳۷۔ بہمنی سلطنت کے عروج اور زوال کا حال بیان کرو۔
۳۸۔ سلطنت وجے نگر کا مختصر حال بیان کرو۔
۳۹۔ بھگتی مت کی تحریک سے کیا مراد ہے۔ اس تحریک کا کیا اثر ہوا۔

خاندانِ مُغلیہ تیمُوریہ

تُرک اور مُغل مغل اور ترک بھائی بھائی ہیں۔ منگول لڑاکے ایشیا کے باشندے اور بے پناہ بہادر اور جنگ جُو لوگ تھے۔ مغل خاں کی اولاد سے ایک مشہور فاتح سردار چنگیز خاں ہوا ہے۔ جس نے التمش کے زمانہ میں ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کو تاخت و تاراج کیا۔ ترک نسل سے مشہور فاتح امیر تیمور ہوا۔ جس نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر چڑھائی کی اور دہلی میں قتلِ عام کرایا۔ ۱۵۲۶ء میں بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دھلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا اور ایک نئے خاندان کا بانی ہوا۔

وجہ تسمیہ بابر چھٹی پشت میں امیر تیمور کا پوتا تھا۔ اور اس کی ماں چنگیز خاں کی نسل سے تھی۔ گویا بابر باپ کی طرف سے ترک اور ماں کی طرف سے مغل تھا اس لئے ہندوستان میں یہ شاہی خاندان مغلیہ نام سے مشہور ہوا۔ دوسری وجہ اس نام کی شہرت کی یہ ہوئی۔ کہ چنگیز خاں کے بعد جس قوم نے بھی شمال مغربی دروں سے ہندوستان پر حملہ کیا۔ ہندوستانیوں نے انہیں مغل ہی کہا۔ ورنہ تیمور کے تعلق سے سلطنتِ بابریہ کو سلطنتِ ترکیہ کہنا غلط نہیں۔

سلطنتِ مغلیہ کا ابتدائی دورِ حکومت ہندوستان کی انتہائی

ترقی اور شان و شوکت کا زمانہ ہے۔ ان دو صدیوں ہی میں ہندی غیر مسلموں نے اصل معنوں میں تہذیب و شائستگی کا سبق سیکھا۔ حالانکہ اس سے پہلے افغان بادشاہوں کے عہد میں ان کی تین صد سالہ کوششوں کے باوجود ہندوؤں نے کپڑے پہننے تک بھی ٹھیک طرح نہ سیکھے۔ چنانچہ بابر اپنے تزک میں لکھتا ہے۔ کہ ہندوستان کی بیشتر آبادی ننگا رہنے کو عار نہیں سمجھتی۔

ظہیرالدّین بابر بادشاہ غازی

بابر کی ابتدائی زندگی

بابر ترکستان کی ریاست فرغانہ کے سلطان عمر شیخ مرزا کے ہاں ۶ محرم ۸۸۸ھ (فروری ۱۴۸۳ء) کو پیدا ہؤا۔ اس کا باپ عمر شیخ مرزا خوش صحبت۔ شگفتہ مزاج۔ زندہ دل اور نیک طینت انسان تھا۔ وہ پابندِ صوم و صلوٰۃ اور راسخ عقیدہ حنفی مسلمان تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بچپن ہی میں فنونِ سپاہگری کے ساتھ ساتھ علومِ اسلامیہ کی تعلیم شروع کرا دی تھی۔ مگر بابر ابھی بارہ سال ہی کا تھا کہ اچانک باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بابر کو باپ کی رحلت کی اطلاع اخسنی میں دوسرے دن ملی تو وہ اپنے اتالیق کے ساتھ پایۂ تخت اندجان میں آیا مگر ایک طرف سے چچا نے اور دوسری طرف سے ماموں نے چڑھائی کر دی۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں کبھی ہارا اور کبھی جیتا۔ انہی پریشانیوں میں دس سال گزر گئے مگر

یہ ہمت والا ہراساں نہ ہوا اور اپنوں بیگانوں کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا رہا۔ آخر جب شیبانی خاں نام ایک ازبک بخارا و سمرقند (تمام ترکستان) پر چھا گیا۔ اور باپ کے نمک حرام نوکروں نے یاری نہ کی۔ تو ناچار اسے بھی آبائی وطن چھوڑنا پڑا اور یکہ و تنہا مصیبتیں جھیلتا تین دن کا پیاسا ایک گاؤں میں پہنچا۔ اتفاق سے وہاں چند پرانے نوکر مل گئے۔ اور ماں بھی مصیبت کی ماری کہیں سے وہیں آ نکلی۔ اب یہ اس بے سرو سامانی کے ساتھ کابل کی طرف چلا۔ وہاں خسرو نامی وزیر اس کے چچا کو قتل کر کے بادشاہ ہوا تھا۔ اور لوگ اس کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے۔ یہ حدود افغانستان میں داخل ہوا۔ تو لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ خسرو نے یہ حال دیکھا تو وہ بھی پیش کش لے کر حاضر ہوا اور بابر محض قسمت کی یاوری سے ۱۵۰۴ء میں کابل کا بادشاہ بن بیٹھا۔ تھوڑا عرصہ بعد قندھار و ہرات پر بھی قبضہ ہو گیا۔

ہندوستان پر بابر کے حملے

۱۵۱۹ء سے ۱۵۲۶ء تک

افغانستان میں کچھ دل جمعی سے حکومت کرنی نصیب ہوئی تو بابر کو ہندوستان کی تسخیر کی سوجھی۔ جسے وہ امیر تیمور کا پوتا ہونے کی وجہ سے اپنی میراث خیال کرتا تھا۔ چونکہ دس سال آبائی وطن میں ترکوں سے اور پندرہ سال افغانستان کے سرشور افغانوں سے رات دن لڑتے بھڑتے رہنے سے اسے بہت تجربہ ہو گیا تھا۔ اس لئے ہندوستان پر یک بارگی فیصلہ کن حملہ کرنے سے

احتراز کیا۔ اور یہی مناسب جانا۔ کہ پہلے کامیابی کے لئے زمین ہموار کر لی جائے۔ چنانچہ اس نے ۱۵۱۶ء سے ۱۵۲۶ء تک کئی آزمائشی حملے کئے۔ اور ہر دفعہ کوئی نہ کوئی علاقہ فتح کر کے اس کا انتظام اس خوش اسلوبی سے کرتا رہا کہ ہندوستانی رعایا اس کا دم بھرنے لگی۔

تیسرا حملہ: ۱۵۱۹ء میں بھیرہ پنجاب پر کیا۔ شہر فتح ہو گیا۔ تو اپنے لشکریوں کو لوٹ مار سے منع کیا۔ اور جو علاقے قدیم سے ترکوں سے متعلق تھے۔ ان کے چودھریوں کو بلا کر تالیفِ قلوب کی۔

چوتھا حملہ: ۱۵۲۵ء میں کیا۔ اس دفعہ وہ دیپالپور اور لاہور تک پہنچا۔

پانچواں حملہ: ۱۵۲۶ء میں فیصلہ کن جنگ کے ارادہ سے کیا جس کی مختصر کیفیت یہ ہے:-

پانی پت کی پہلی لڑائی ۱۵۲۶ء

ابراہیم لودھی شاہ دہلی ایک تندخو اور ناتجربہ کار نوجوان تھا۔ اس کے غرور اور لالچ کی وجہ سے خود اس کے خاندان کے لوگ اس سے مایوس ہو گئے۔ اس کا چچا عالم خاں کابل جا کر بابر سے ملا۔ اور ہندوستان کی حالتِ زار اس سے بیان کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی دولت خاں لودھی نے بھی بابر سے راہ و رسم پیدا کی۔ بابر نے ان کی دل جمعی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ عالم خاں بابر کی مدد کے بھروسے پر ہندوستان آیا اور تیس چالیس ہزار کی جمعیت سے دہلی پر چڑھ دوڑا۔ لیکن ناکام رہا اور شکست

کھا کر پنجاب کی طرف بھاگا۔

بابر یلغار کرتا ہوا اور قلعہ پر قلعہ فتح کرتا سیالکوٹ آ پہنچا یہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ دولت خاں عہد سے پھر گیا اور اس نے بابر سے لڑنے کے لئے دو تلواریں کمر سے باندھی ہیں۔ اس لئے بابر نے لاہور کی فوج کو بھی سیالکوٹ طلب کر لیا۔ اور دولت خاں لودھی بھی پکڑا آیا۔ بابر نے اپنے احسانات اور وعدے جتا کر اسے شرمندہ کیا اور پھر قید کر دیا۔ چنانچہ وہ قید ہی میں مر گیا۔

پنجاب کا پورا بندوبست کر کے بابر آگے بڑھا اور شکست خوردہ عالم خاں لودھی اس سے آ ملا۔ انبالہ پہنچ کر خبر ملی کہ ابراہیم لودھی ایک لاکھ سواروں۔ بڑا بھاری توپ خانہ اور ہزار جنگی ہاتھی لئے بڑی شان و شوکت سے بڑھا آ رہا ہے۔ بابر نے انبالہ کو جنگ کے لئے مناسب خیال نہ کیا۔ اور آگے بڑھ کر پانی پت کے وسیع میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور ابراہیم کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی فوج کو سلیقے سے ترتیب دیا۔ لشکر کے دائیں ہاتھ پانی پت شہر کے مکانات کی آڑ لی اور بائیں ہاتھ درخت کاٹ کر پشتہ باندھا۔ اور مٹی ریت سے بورے بھر کر دمدمے باندھے۔ سامنے توپوں کا زنجیرہ جمایا اور خندقیں کھود کر لشکر کو قلعہ نشین بنا دیا۔ چھ سات روز بعد ابراہیم لودھی اپنے ٹڈی دَل لشکر کو لے کر آیا تو کھلے میدان میں بے ترتیب اتر پڑا۔ رات کو بابر نے شب خون مارا۔ لیکن ناکام رہا۔ صبح ہوتے ہی

ابراہیم نے جنگ کا نقارہ بجوا کر ہاتھیوں کو آگے بڑھایا ادھر سے بابر نے توپوں کے منہ کھول دیئے۔ جن کی بے پناہ آتش باری اور تیروں کی بوچھاڑ سے ہاتھی پیچھے ہٹے اور اپنے ہی لشکر کو روندنے چلے گئے۔ بابر نے دائیں بائیں بازو کی فوجوں کو حملے کا حکم دیا۔ اور ایک خاص دستے کو دشمن کے پیچھے بھیج کر پوری طرح گھیرا ڈال لیا۔ دوپہر تک خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اور اور ظہر کی نماز سے پہلے ہندوستانی فوجیں بھاگ نکلیں۔ بابر نے یہ سمجھ کر کہ ابراہیم زندہ میدان سے بھاگ گیا ہے حکم دیا کہ آگرہ تک اس کا تعاقب کیا جائے۔ نمازِ ظہر پڑھی تھی کہ معلوم ہوا۔ ابراہیم لودھی کی لاش چار پانچ ہزار جان نثاروں کے مردوں میں پڑی ہے۔ بابر نے شکریہ ادا کیا۔ بابر کے اندازہ میں پندرہ ہزار ہندوستانی اس جنگ میں کام آئے۔

اس جنگ میں بابر صرف بارہ ہزار جان نثاروں کو لے کر ایک لاکھ کے ٹڈی دَل سے معرکہ آرا ہوا۔ اس لئے جنگ سے پہلے اس کے اکثر سپاہی اس وہم میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ان کا سردار نادانی سے انہیں بے سوچے سمجھے لے کر ایک غیر ملک میں چلا آیا ہے۔ ایسے بڑے لشکر کے مقابلے میں ان کا وہم بجا تھا۔ لیکن ان دونو لشکروں کے سپہ سالاروں کی لیاقتوں میں اتنا فرق تھا۔ کہ ایک لشکر کی کمی اور اس کے سپہ سالار کی لیاقت کی زیادتی، دوسرے لشکر کی زیادتی اور اس کے سپہ سالار کی لیاقت کی کمی و بے تدبیری کا آپس

میں ہوازنہ کرتی تھی۔ چنانچہ بابر خود لکھتا ہے کہ ابراہیم ناتجربکار اور کنجوس تھا۔ وہ فنِ سپاہ گری کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا تھا اس نے دشمن کے سامنے کھڑے رہنے میں بدسلیقگی کا اور لڑنے میں اپنی عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیا۔

اس لڑائی سے پٹھانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی۔

جہادِ بابری جنگِ کنواہہ ۱۵۲۷ء

اسبابِ جنگ :۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد دہلی اور آگرہ پر بابر کا قبضہ ہو گیا۔ اور اس نے اردگرد کے علاقوں کا انتظام شروع کر دیا لیکن کئی افغان سردار تھے جنہوں نے پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم کا ساتھ نہ دیا۔ اور سب سے بڑھ کر ہندو راجپوتوں کا سرتاج رانا سانگا یہ آس لگائے بیٹھا تھا۔ کہ بابر اپنے دادا تیمور کی طرح پٹھانوں کی فوجی طاقت کو ختم کر کے واپس چلا جائے گا۔ اور پھر میں بچے کھچے مسلمانوں کو نکال کر ہندو راج قائم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا چنانچہ اس نے کوئی دو سو شہروں کے مسلمانوں کو تباہ کر کے ان کی مسجدوں تک کو مسمار کر دیا تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ بابر ایک نئی سلطنت قائم کرنے لگا ہے۔ تو وہ ہندو راجپوتوں کی تمام طاقت سمیٹ کر مرنے مارنے پر اتر آیا۔ اور اس کے جھنڈے تلے دس بڑے بڑے نامور ہندو راجوں کی فوجیں آ جمع ہوئیں۔ حسن خاں میواتی بھی بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس سے مل گیا۔ اور ابراہیم لودھی کی شکست خوردہ فوج بھی اس کے ساتھ مل کر

پچھلی شکست کا دھبہ دھونے پر آمادہ ہو گئی۔ رانا سانگا خود ایک جانباز بہادر اور مردِ میدان تھا۔ اس نے اپنی عمر میں سینکڑوں معرکے دیکھے تھے۔ اس کے جسم پر تلوار اور برزوں کے اسی زخموں کے نشان تھے۔ ایک لڑائی میں اس کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی۔ دوسری لڑائی میں ایک ٹانگ کٹ کر بے کار ہو گئی تھی۔ ایسے تجربہ کار، جہاندیدہ جرنیل کے زیر کمان جب ایک لاکھ سے زیادہ سوار اور پیادہ سپاہی اور ہزاروں جنگی ہاتھی جمع ہو گئے تو وہ قوی دل ہو کر بابر کے مٹھی بھر سپاہیوں کو مار بھگانے کے درپے ہوا۔

اس زبردست غنیم کے مقابلے میں بابر کے پاس وہی چند ہزار جان نثار تھے۔ جو بارہ ہزار میں سے پانی پت کی جنگ کے بعد بچے تھے۔ اور وہ بھی اپنے وطن سے دور ایک ایسے ملک میں تھے۔ جہاں کی گرم آب و ہوا نے انہیں دل برداشتہ کر دیا تھا۔ اتفاق سے انہی دنوں کابل سے ایک نجومی آیا۔ اس نے حکم لگایا۔ کہ اس لڑائی میں ہماری شکست ہو گی۔ جس سے بابری لشکر میں اور بھی بددلی پھیل گئی۔ مگر بابر نے مطلق پروا نہ کی۔ اور ہندو دشمن کی لڑائی کو جہاد قرار دے کر شہادت کے لئے عزم بالجزم کر لیا۔ امیروں کو مشورہ کے لئے طلب کیا تو امراء نے عرض کی کہ دشمنوں نے ہر طرف سے ہجوم کیا ہے۔ اور ملک پر ابھی تک تسلط نہیں جما۔ مناسب یہی ہے کہ آپ پنجاب میں جا کر عنایتِ الٰہی کے منتظر رہیں۔ اور جان نثار دادِ مردانگی

دیں۔ اگر فتح ہوئی تو آپ تشریف لے آئیں۔ نہیں تو پنجاب و کابل آپ کو مبارک رہے۔ مگر بابر نے کہا کہ دوستو! ہزاروں جان نثاروں کو ھلاک کرا کے یہ وسیع سلطنت حاصل کی ہے اب اگر ایک ہندو کے سامنے سے ہٹ جاؤں تو غور کرو دنیا جہان کے بادشاہ کیا کہیں گے؟ چنگیز خاں اور تیمور کے نام کو داغ لگانے سے مر جانا بہتر ہے۔ جو تمہارا حال سو میرا حال۔ خدا نے آج یہ سعادت نصیب کی ہے۔ کہ غالب رہے تو غازی کہلائے۔ مر گئے تو شہید ہوئے۔ سرداروں نے دعا کی اور فوج مع توپخانہ روانہ ہوئی۔ اور فتح پور سیکری میں کنواہہ کے مقام پر جا مقیم ہوئی۔ یہاں بھی پانی پت کے میدان کی طرح فوجوں کی انتظیم کی۔ شام کو سپاہ کی موجودات لی۔ تو سپاہ کو بدستور بددل پایا۔ بابر نے ایک پُر تاثیر تقریر کی اور کہا۔ جمعیت کے گھٹنے کا مضائقہ نہیں۔ مگر دیکھتا ہوں کہ دل گھٹے جاتے ہیں۔ غریب الوطن بادشاہ کے رفیقو! خدا نے تمہیں وہ ملک دیا ہے۔ جس کی آرزو دنیا بھر کے بادشاہوں نے کی اور محروم رہے۔ اگر ذرا بھی قدم پیچھے ہٹا تو یاد رکھو۔ پَر لگا کر بھی اڑوگے تو وطن نہ پہنچ سکوگے جو پیدا ہوا۔ اسے ایک روز مرنا ضرور ہے۔ جب مرنا ہے۔ تو پھر مرنے سے کیا ڈرنا۔ لو۔ اب یہ قرآن شریف تمہارے سامنے ہے۔ تم جانو اور یہ جانے۔ قرآن دیکھتے ہی سب نے سر جھکا دیئے اور قسم کھائی کہ جب تک دم میں دم ہے جو بادشاہ سے پھرے۔ خدا اور کلامِ خدا سے پھرے۔ سب قوی دل ہو کر خیموں کو پھرے۔

اس موقع پر بابر نے شراب پینے سے توبہ کی - دو دن پہلے انگوری شراب کابل سے آئی تھی - اس میں نمک ڈلوا دیا - کہ سرکہ بن جائے - تین سو امیروں اور مقربوں نے بھی توبہ کرنے میں ساتھ دیا - شراب کے تمام برتن، جو سونے چاندی کے تھے - تڑوا کر غریبوں مسکینوں کو بانٹ دیئے - اس کے ساتھ خلافِ شرع تمام کاموں سے یہاں تک کہ داڑھی منڈانے سے بھی توبہ کی اور منت مانی - کہ اگر فتح ہوئی تو زمین کے لگان کے سوا مسلمانوں کو تمام محصول معاف کر دوں گا -

رات توبہ و استغفار میں بسر کی - صبح ہوتے ہی بابر نے طبلِ جنگ بجوا دیا - اور توپوں کے منہ کھول دیئے - دوپہر تک راجپوت بہت بے جگری سے لڑے مگر دن ڈھلتے ہی ان کے اوسان خطا ہونے لگے - بابر اسی وقت کے انتظار میں تھا - اس نے حکم دے رکھا تھا - کہ کوئی سپاہی میرے حکم بغیر اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے - اب اس نے فتح کا نقارہ بجوایا - عام یورش کا حکم دے کر خود بھی لڑنے لگا - دائیں اور بائیں بازو کی فوجوں نے اپنے سامنے کی صفوں کو الٹ دیا اور رانا سانگا کے بڑے بڑے نامی سرداروں کو مار گرایا - سرداروں کے مرتے ہی راجپوتوں میں بھاگڑ مچ گئی - ترکوں نے دُور تک ان کا پیچھا کیا - بھاگ دوڑ میں ہزاروں مارے گئے اور ہزاروں گرفتار ہوئے - رانا سانگا جان بچا کر نکل جانے میں کامیاب تو ہو گیا - لیکن اس شکست کا صدمہ برداشت نہ کر سکا - اور سال کے اندر ہی اندر مر گیا - بابر

نے سجدہ شکر ادا کیا۔

بابر نے اس فتح کے بعد ایک رباعی لکھی - جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے واسطے میں صحرا میں آوارہ ہؤا کفار ہنود سے لڑا - میں نے تو ارادہ کیا تھا کہ شہید ہوں اللہ نے غازی بنا دیا۔

اس شکست نے ہندو راجپوتوں کی ان آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا - جو ہندو راج قائم کر لینے کے متعلق پیدا ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد بابر کو فرمانوں پر بادشاہِ غازی لکھا جانے لگا۔

بابر کی مزید فتوحات

جنگِ کنواہہ اگرچہ ایک فیصلکُن جنگ تھی اور اس فتح عظیم سے بابر کی دھاک تمام ہندوستان میں بیٹھ چکی تھی - لیکن پھر بھی بہت سے علاقوں میں افغان اور راجپوت سردار خودمختاری کا دم بھر رہے تھے۔

مسلمان سرداروں میں حسن خاں میواتی سارے فتنے کا بانی مبانی تھا اور اس کے باوجود کہ بابر نے اس کے بیٹے طاہر خاں کو رہا کر دیا تھا۔ وہ جنگِ کنواہہ میں رانا سانگا سے مل کر لڑا تھا۔ اور وہیں مارا بھی گیا تھا۔ اس لئے بابر نے میوات کو برباد کرنے کا حکم دیا اور یہ علاقہ جلد مطیع ہو گیا۔

چندیری کا محاصرہ

۱۵۲۸ء

رانا سانگا کا ایک جرنیل میدنی رائے چندیری کے قلعے پر قابض تھا۔ بابر نے اس کا محاصرہ کیا راجپوتوں

نے جوہر کی رسم ادا کی اور خوب دل کھول کر لڑتے ہوئے مارے گئے۔ میدنی رائے قتل ہو چکا۔ تو قلعے پر قبضہ ہو گیا۔ بابر نے یہاں فتح کی یاد میں ایک قلعہ تعمیر کروایا۔

بنگال و بہار کا فتنہ اور گھاگرا کی لڑائی

اس کے بعد چتوڑ اور ہندوستں کے دوسرے مشہور قلعوں کو فتح کرنے کا ارادہ تھا لیکن چونکہ بنگال اور بہار میں محمود لودھی کے ماتحت افغان زور پکڑتے جاتے تھے اس لئے پہلے ان کی طرف متوجہ ہؤا۔ ۱۵۲۹ء میں پٹنہ کے قریب دریائے گھاگرا کے کنارے محمود شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اور حاکمِ بنگالہ نے اطاعت قبول کر لی۔ بابر واپس ہونے لگا تو اس نے پھر سرکشی کی۔ اس لئے بابر نے بنگال جنید برلاس کے سپرد کر دیا۔

رنتھنبور کا قلعہ

اس قلعہ میں رانا سانگا کے ایک بیٹے بکرماجیت نے قدم جمائے تھے اس نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو ایک تاج اور بیش قیمت کمربند پیش کش گزار کر درخواست کی کہ رنتھنبور کے عوض بیانہ کا قلعہ اسے دے دیا جائے۔ لیکن بابر نے شمس آباد کا قلعہ اسے عطا کیا۔

انتظامِ سلطنت

بابر نے آگرہ کو پایۂ تخت مقرر کیا اور ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کر کے ہر صوبہ ایک مغل افسر کے سپرد کیا یہ افسر صوبے میں امن بحال رکھنے اور مالیہ جمع کر کے شاہی خزانہ

میں داخل کرنے کے ذمہ دار تھے۔

بابر نے شراب اور خلافِ شرع امور کی ممانعت کے لئے خاص فرمان جاری کیا۔ اور مسلمانوں کو زمین کے لگان کے سوا ہر قسم کے محصول معاف کر دیئے۔

بابر کا چال چلن

بابر بڑا بہادر اور مستقل مزاج بادشاہ تھا۔ ترکی سرداروں نے اس کے بہادرانہ کارناموں کی وجہ ہی سے اسے بابر یعنی شیر کا خطاب دیا تھا۔ بچپن کی مشکلات نے اسے جفاکش اور دلیر بنا دیا تھا۔ اس کی جفاکشی کا یہ حال تھا کہ گھوڑے پر سوار ایک دن میں ۸۰ میل مسافت طے کر جاتا تھا۔ تیراک ایسا کہ اس نے ہندوستان کے تمام دریا تیر کر ہی عبور کئے۔ گو اس کی طبیعت بے حد سخت تھی۔ مگر وہ اپنے پیش رو مغلوں کی طرح ظالم اور بے رحم نہیں تھا۔ اسے قدرتی مناظر دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک اچھا مصنف اور شاعر بھی تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے حالات "تُوزکِ بابری" میں خود لکھے ہیں۔ جس میں ہندوستان کے لوگوں کی تہذیب و تمدّن کا ذکر ہے۔

بابر کی موت

محنتِ شاقہ اور مسلسل جدوجہد سے اس کی صحت بگڑ گئی۔ اور دسمبر ۱۵۳۰ء میں اس نے وفات پائی۔ اس کی موت کی کہانی بھی عجیب و غریب ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کی جان بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ اس کی وصیت کے مطابق اسے کابل کے ایک خوبصورت باغ میں

دفن کیا گیا۔ بعد میں شاہ جہان نے وہاں عالی شان مقبرہ تعمیر کروایا جو آج تک باغ بابر کے نام سے مشہور ہے۔

نصیر الدّین ہُمایوں

بابر نے بستر مرگ پر اپنے بڑے بیٹے ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اس وقت ہمایوں کی عمر ۴۷ سال کی تھی۔

ہمایوں کی مُشکلات

ہمایوں نے بادشاہ ہو کر باپ کی وصیت کے مطابق بھائیوں سے اچھا سلوک کیا۔ اور انہوں نے جو علاقے مانگے بے دریغ دے دیئے۔ چنانچہ کابل اور قندھار کامران کو ملے۔ میوات کا علاقہ مرزا عسکری کو۔ سنبھل (روہیل کھنڈ) مرزا ہندال کو بخش دیا۔ لیکن بھائی اس پر بھی خوش نہ ہوئے اور انہوں نے ہمایوں جیسے بھائی کو پریشان کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

دوسرے چونکہ بابر کو اتنی فرصت نہ ملی تھی کہ سلطنت کو مستحکم بنا جاتا۔ اور افغان سرداروں کا زور بالکل ختم کر چھوڑتا۔ اس لیے اس کی آنکھیں بند ہونے کی دیر تھی کہ افغان سردار جو موقع کی تاک میں تھے۔ مغلوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اور جب انہوں نے سنا کہ ہمایوں کے بھائی کوتاہ اندیش ہیں۔ اور وہ دل سے اس کے ساتھ نہیں تو وہ اور بھی قوی دل ہو گئے۔ چنانچہ مشرق میں بنگال و بہار کے افغانوں نے جتھہ بندیاں شروع کیں۔ جن کے سرکردہ محمود خاں اور شیر خاں بنے۔ جنوب مغرب میں گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کو سلطان

بہلول لودھی کے بیٹے علاؤالدین نے آگرہ پر چڑھ دوڑنے کی ترغیب دی۔ ہندو راجپوت اگرچہ کنواہہ کی شکست فاش کے بعد مایوس ہو گئے تھے۔ وہ بھی ایک دفعہ پھر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔

بابری فوج کے اکثر جان باز سپاہی اور جان نثار سردار مسلسل جنگ و قتال کی وجہ سے مر کھپ گئے تھے۔ اور جو باقی تھے۔ ان کو دولت کی ریل پیل نے بہت زیادہ عیش پرست بنا دیا تھا ایسی حالت میں اگر ہمایوں کے بھائی اس کے حسن سلوک کی قدر کرتے تو ہمایوں میں اس قدر شجاعت اور صلاحیت تھی کہ ان سب مشکلات پر قابو پا لیتا۔ اور آئندہ خطرات سے بچ جاتا لیکن مرزا کامران کا خیال تھا کہ ہمایوں کے سامنے ہمارا چراغ روشن ہونا مشکل ہے۔ یہ کانٹا درمیان سے ہٹ جائے تو پھر ہندوستانی دشمن کیا چیز ہیں۔ میں تنہا ہی سب سے نبٹ لوں گا۔ اس لئے اس نے کابل و قندھار پر صبر نہ کیا۔ بلکہ پنجاب پر بھی قبضہ کر لیا۔ ہمایوں چھوٹے بھائی کی اس حرکت پر بھی مشتعل نہ ہوا۔ بلکہ اب بھی بیس چشمی کا ثبوت دیا اور خاموش ہو رہا۔ کامران نے لگے ہاتھ ایک اور چرکہ لگایا کہ ان صوبوں کے جوانوں کو ہمایوں کی فوج میں بھرتی ہونے کی ممانعت کر دی اور یہی وہ صوبے ہیں۔ جن سے بابر اپنی جرار فوج بھرتی کیا کرتا تھا۔ کامران کی طرح دوسرے بھائی در پردہ ہمایوں کی تباہی و بربادی چاہتے تھے۔ ہمایوں نے ہر موقع پر کوشش کی کہ بھائی دشمنوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ مل کر سینہ سپر ہوں۔ لیکن اتفاق نہ ہونا تھا۔ نہ ہوا اور

ہمایوں کی بربادی کے بعد انہیں بھی برباد ہونا پڑا۔

ہمایوں کی لڑائیاں

تخت نشینی کے بعد ہمایوں نے کالنجر پر چڑھائی کی۔ وہاں کے راجہ نے اطاعت قبول اور بارہ من سونا بطور نذرانہ پیش کیا۔

۲۔ جونپور پر فوج کشی

سکندر لودھی کے بیٹے سلطان محمود نے جونپور کی طرف سرکشی کا جھنڈا بلند کیا۔ ۱۵۳۱ء میں اسے لکھنؤ کے قریب شکست ہوئی۔ محمود پٹنہ اور بنگال کی طرف بھاگ گیا۔ اور اسی طرف اپنی موت مر گیا۔ چنار کا قلعہ شیر خاں سوری کے پاس تھا۔ اس پر حملہ کیا۔ مگر اس شرط پر صلح ہو گئی۔ کہ قلعہ شیر خاں کے پاس رہے اور اس کا بیٹا قطب خاں ہمایوں کی ملازمت میں رہے۔

۳۔ تسخیر بنگال کا ارادہ

۱۵۳۵ء میں ہمایوں نے بنگال کے خرخشوں کو ہمیشہ کے لئے مٹانے کا ارادہ کیا۔ کالپی کی حدود تک آیا تھا۔ کہ گجرات کے سلطان بہادر شاہ نے قلعہ چتوڑ پر حملہ کیا۔ ان دنوں چتوڑ میں رانی کرناوتی اپنے خورد سال بچے اودے سنگھ کی سرپرست تھی۔ اس نے ایک راکھی[1] ہمایوں کو بھیج کر اپنی حفاظت و امداد کی درخواست کی۔ ہمایوں نے ایک مظلوم بیوہ کی امداد

---

[1] ہندو دستور کے مطابق اگر کوئی عورت کسی مرد کو راکھی بھیجے۔ اور وہ اسے قبول کرلے۔ تو وہ دونوں بھائی بہن بن جاتے ہیں۔ اور ایسے شخص پر اپنی منہ بولی بہن کی حفاظت و امداد ہر حال میں فرض ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کے لئے مال و جان کی قربانی کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔

سے پہلوتہی کرنا۔ مردانگی کے خلاف جانا اور راکھی کو قبول کر کے اپنی "منہ بولی" بہن کی حفاظت و امداد کے لئے مہم بنگالہ کو ملتوی کر کے آگرہ واپس آ گیا۔

۵۔ گجرات پر فوج کشی

۱۵۳۵ء میں ہمایوں نے بنگال سے واپس آ کر چتوڑ کی طرف فوج کشی کی۔ لیکن جس وقت ہمایوں راستہ میں چتوڑ پہنچا۔ قلعہ پر بہادر شاہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور نامی گرامی راجپوت سردار تلوار کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ رانی نے اودے سنگھ کو اس کے ماموں کے ہاں بھیج دیا تھا اور وہ چتا میں جل کر مر گئی تھی ہمایوں اس ہولناک حادثہ کی تاب نہ لا سکا اور اس نے اپنی پوری طاقت سے بہادر شاہ پر حملہ کر دیا۔ بہادر شاہ ایک بھاری توپ خانہ لے کر سامنے ہوا۔ لیکن یہ توپخانہ کسی کام ہی نہ آیا۔ اور ہمایوں نے رسد پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ توپخانہ کا قلعہ گجراتیوں کے لئے بندی خانہ بنا دیا۔ آخر تنگ آ کر بہادر شاہ مانڈو کو روانہ ہوا۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کا تعاقب کیا۔ بہادر شاہ بھاگ نکلا اور گجرات پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا۔ چتوڑ گجراتیوں سے خالی ہو گیا تو ہمایوں نے اودے سنگھ کو پھر وہاں کا رانا مقرر کر دیا۔

اس کے بعد ہمایوں نے قلعہ چمپانیر کا محاصرہ کیا یہاں اس نے حیرت انگیز بہادری دکھائی۔ ستر اسی لوہے کی میخیں دیوار پر ٹھونکی گئیں۔ اور جوانوں کو چڑھنے کا حکم دیا۔ انتالیس آدمی چڑھے تھے۔ کہ ہمایوں نے خود چڑھنے کا قصد کیا۔ بیرم خاں نے عرض کی ذرا توقف کیجئے۔ یہ کہہ کر وہ پہلے خود چڑھا۔ اور پھر اکتالیسویں نمبر پر ہمایوں چڑھا۔ خود بادشاہ نے

کھڑے ہو کر تین سو آدمیوں کو اوپر چڑھایا اور پھر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ سردار قلعہ کو امان دی گئی اور قلعہ فتح ہو گیا

ہمایوں گجرات کا صوبہ مرزا عسکری کے سپرد کر کے بندر دیلو کی طرف جانا چاہتا تھا۔ جہاں بہادر شاہ نے پناہ لی تھی۔ کہ دارالسلطنت آگرہ سے اطلاع ملی۔ کہ بہار میں افغانوں نے سر اٹھایا ہے۔ ناچار ہمایوں آگرہ کی طرف چلا۔ اس کے پیٹھ موڑنے کی دیر تھی۔ کہ گجرات میں شورش برپا ہو گئی اور عسکری مرزا بے لڑے ہی بھاگ کھڑا ہوا بہادر شاہ نے آ کر پھر گجرات پر قبضہ جما لیا۔

شیر خاں کی بغاوت

شیر خاں کا اصلی نام فرید خاں تھا اس کے باپ حسن خاں کی بہار میں سہسرام کی جاگیر تھی۔ فرید خاں سوتیلی ماں سے تنگ آ کر جونپور آیا۔ کچھ دنوں پڑھتا رہا۔ پھر کسی طرح ابراہیم لودھی سے سہسرام کی جاگیر کا فرمان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم مارا گیا تو یہ سہسرام میں تھا ایک موقعہ پر بابر کی قیافہ شناس نظر اس پر پڑی تو اس نے اس کے چہرے پر جہان بانی کی علامتیں تاڑ لیں۔ یہ بھی غضب کا ذہین تھا۔ تاڑ گیا اور چپکا ہی کھسک آیا۔ اور سلطان محمد حاکم بہار کا ملازم ہو گیا۔ سلطان کے ساتھ ایک روز شکار میں تھا کہ اس نے تلوار سے شیر کا شکار کیا۔ سلطان نے اسے شیر خاں کا خطاب دیا۔ اور اپنے خورد سال بیٹے جلال خاں کا اتالیق و نائب مقرر کیا۔

جب صوبہ بہار پر ہمایوں نے فوج کشی کی تو شیر خاں نے

دیکھا کہ افغان سرداروں میں اتفاق نہیں۔ کامیابی مشکل ہے پھر خود تباہ ہونے کی ضرورت کیا ہے۔ اس نے کسی ذریعہ سے ہمایوں کو یقین دلایا کہ میں عین لڑائی کے وقت الگ ہو جاؤں گا۔ چنانچہ لکھنؤ کے قریب لڑائی ہوئی۔ تو شیر خاں بے جنگ اپنی فوج لے کر چلتا بنا۔ سلطان محمود کی فوج تباہ ہو گئی۔ سب نامی سردار مارے گئے۔ محمود نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

اب ہمایوں نے شیر خاں کی طرف پیغام بھیجا کہ قلعہ چنار حوالے کر دے مگر شیر خاں نے صاف انکار کر دیا۔ ہمایوں نے قلعہ کو گھیر لیا۔ لیکن شیر خاں اہل و عیال کو لے کر کوہستان بہار کنڈہ میں چلا گیا تھا۔ قلعہ میں اس کا بیٹا جلال خاں تھا۔ محاصرے نے طول کھینچا۔ شیر خاں جانتا تھا کہ گجرات کے بادشاہ نے مانڈو پر قبضہ کر لیا ہے اور دہلی لینے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس لئے ہمایوں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھیر سکتا۔ اس لئے اپنا وکیل بھیج کر درخواست کی۔ کہ میں شہنشاہ دہلی کا غلام ہوں۔ لکھنؤ کی لڑائی میں میری خدمات حضور کے سامنے ہیں۔ چنار کا قلعہ مجھے عنایت ہو۔ میں کسی ایسے مخالف کو زندہ نہ چھوڑوں گا جو حضور کے ملک میں غدر مچائے۔ قطب خاں میرا بیٹا حضور کی خدمت میں رہے گا۔ ہمایوں کو جلد آگرہ پہنچنے کی فکر تھی۔ شیر خاں کی درخواست منظور ہوئی اور ہمایوں نے آگرہ کی طرف کوچ کیا شیر خاں کو فرصت ملی۔ اس نے پہلے تو بہار کو اپنے مخالفوں سے صاف کیا۔ پھر افغانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرنے اور

سپاہی بنانے لگا۔ اس نے اعلان کر دیا۔ کہ جو افغان سپاہی نہ بنے گا۔ اسے مار ڈالوں گا۔ افغان جانتے تھے کہ شیر خاں افغانوں کی نگہداشت کرتا ہے۔ اور لڑائی میں ایک افغان کی جان بھی فضول ضائع ہونا گوارا نہیں کرتا۔ اس لئے جوق در جوق آنے اور بھرتی ہونے لگے۔ اس نے ان میں قومی روح پھونک دی اور سب کو یک جان ہو کر لڑنے مرنے پر آمادہ کر لیا فوج تیار اور حکم کی دیوانی ہو تو کامیابی مشکل نہیں۔ ۱۵۳۶ء میں حاکمِ جونپور مر گیا۔ اب شیر خاں نے جونپور پر قبضہ کر لیا۔ بنارس کو تاخت و تاراج کیا۔ گورکھ پور کا محاصرہ مدتوں رکھا۔ غرض کھلم کھلا مغلوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

چھ مہینے کی مہلت شیر خاں کے لئے بہت تھی۔ اس نے اس عرصے میں بنگال لے لیا اور گور (بنگال کا پرانا پایۂ تخت) کا محاصرہ کر کے فتح کر لیا۔ ہمایوں قلعہ چنار فتح کر کے بنارس آ گیا تھا۔ کہ بنگال کا بادشاہ سید محمود زخمی ہو کر بنگال سے پہنچا۔ اور شیر خاں کے خلاف استغاثہ کیا ہمایوں نے اس ستم رسیدہ کی خاطرداری کا خیال کر کے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ برسات کا موسم قریب تھا۔

شیر خاں نے برسات میں شاہی لشکر کو حیران و پریشان کرنے کی ٹھان لی۔ وہ خود تو اہل و عیال اور خزانوں کو لے کر رہتاس کے مضبوط قلعہ میں جا بیٹھا۔ بادشاہ بنگال میں داخل ہو کر بغیر مقابلہ گور پر قابض ہو گیا۔ بنگال کی شادابی اور آب و ہوا ہمایوں کو بھلی معلوم ہوئی۔ گور کا نام جنت آباد

رکھا۔ اور عیش و عشرت میں مصروف ہؤا۔ امراء بھی اس کی ریس میں بے فکر عیش کرنے لگے۔ شیر خاں نے مغلوں کی اس عیش پسندی سے فائدہ اٹھایا۔ وہ پہاڑوں کی راہ سے بہار میں داخل ہؤا۔ اور ادھر ادھر لشکر پھیلا کر ہمایوں کی واپسی کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اس طرح بادشاہ اپنی سلطنت سے بالکل علیحدہ ہو گیا۔ اور شیر خاں نے بہار پر قبضہ کر کے بنارس کو بھی فتح کر لیا اور جونپور کی طرف لپکا۔

یہی زمانہ تھا جب مرزا ہندال ہمایوں کی لشکرگاہ سے نکلا اور آگرہ پہنچ کر اس نے قیادت کا علم بلند کر دیا اب ہمایوں کی آنکھیں کھلیں۔

بنگال سے ہمایوں کی واپسی

آگرہ کی خبریں جب ایک ہی دفعہ ہمایوں کو پہنچیں تو وہ سٹ پٹا گیا اور اس نے واپسی کا حکم دے دیا۔ اس وقت سپاہ میں بیماری نے آفت مچا رکھی تھی۔ گھوڑے مرے جاتے تھے۔ سپاہ کو کیچڑ پانی میں سے سفر کرنا تھا۔ اس کے باوجود اگر بادشاہ گنگا کے شمالی کنارے کنارے چلا جاتا تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ راستے میں اسے کمک بھی ملتی جاتی۔ مگر ہمایوں نے اس خیال سے کہ شیر خاں ڈینگ مارے گا۔ کہ بادشاہ نے مجھ سے ڈر کر جنوبی راہ چھوڑ کر شمال کی راہ اختیار کی۔ جنوبی کنارے کی طرف عبور کرنے کی کوشش کی۔

شیر خاں کا لشکر اگرچہ دور نہ تھا مگر نظروں سے غائب تھا۔ اب اس نے پیچھا دبایا۔ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔

یہاں تک کہ شاہی لشکر چونسہ کے مقام پر پہنچ گیا۔

چونسہ کی لڑائی ۱۵۳۹ء

چونسہ کے مقام پر شاہی لشکر پہر دن چڑھے پہنچا تھا۔ کہ مشرق کی جانب سے۔ شیر خاں ان کے سر پر آ موجود ہوا۔ اگر ہمایوں اسی وقت لڑ پڑتا تو شاید کامیاب ہوتا۔ مگر اس نے سستی کی۔ شیر خاں نے راتوں رات اپنے لشکر کے گرد خندقیں کھود لیں اور مورچے بنا کر قلعہ نشین ہو بیٹھا۔ ہمایوں کی سپاہ تھوڑی اور بے سرو سامانی کی حالت میں تھی دونوں لشکر دو مہینے تک آمنے سامنے پڑے رہے ہمایوں نے بھائیوں کو خط پر خط لکھے۔ منت سماجت کی۔ خاندانی لاج اور تیموری غیرت کے واسطے دیئے۔ لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ یہاں مشکل یہ تھی کہ نہ تو بادشاہ کھلے میدان میں لڑ سکتا تھا۔ اور نہ دشمن کے سامنے سے ہٹ کر گنگا پار ہو سکتا تھا۔ آخر ہمایوں نے صلح ہی میں مصلحت جانی۔ ایلچی بھیجا کہ جس نے جا کر دیکھا۔ کہ نیا بادشاہ شیر شاہ کدال ہاتھ میں لئے سپاہیوں کے ساتھ خندق کھود رہا ہے۔ مختصر گفت و شنید کے بعد آخر یہ قرار پایا۔ کہ کل ملک بنگال اور بہار شیر خاں کی جاگیر میں رہے گا۔ اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھوائے گا۔ اس عہد و پیمان کے بعد دونوں لشکروں نے سفر شروع کیا۔ مغل لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور اس کے سپہ سالاروں نے پہرہ چوکی کا انتظام بھی توڑ دیا۔ شیر خاں نے سمجھا۔ کہ یہی وہ وقت ہے۔ جس میں بادشاہ پر حملہ کر کے خاندانِ بابری

کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنے سپہ سالار کو لشکر جرار دے کر بھیجا کہ شاہی لشکر کے گرد چکر لگائے اور دشمن کو دریا کی طرف چوکائے۔ کشتیوں پر قبضہ کر لے۔ غرض شاہی لشکر کو بے خبری میں افغانوں نے آ دبوچا۔ اور بے دریغ قتل عام شروع کیا۔ ہمایوں قرآن پڑھ رہا تھا۔ گھبرا کر اس نے فوج کی تیاری کا نقارہ بجوایا۔ اور حکم دیا کہ حاجی بیگم کو لاؤ۔ بیگم صاحبہ گرفتار ہو چکی تھیں جو گیا مارا گیا۔ تاہم شیر شاہ نے مردانگی سے کام لیا۔ کہ بیگم کے خیمے پر پہرہ بٹھا دیا۔ ہمایوں سپاہ کو جمع کر رہا تھا کہ افغان سپاہیوں نے ایک ہاتھی کو اس پر پیلا۔ ہمایوں نے خادم سے نیزہ لے کر مستک پر ایسا مارا۔ کہ وہ اس کے اندر گھس گیا۔ ہاتھی پر سے ایک تیر انداز نے بادشاہ پر تیر چلایا۔ جس سے وہ زخمی ہوا۔ ہمایوں لڑنے مرنے پر جم گیا تھا۔ کہ امیروں نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اور دریا کی طرف لے گئے۔ پل توڑ دیا گیا تھا۔ اس لئے ہمایوں نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا مگر وہ ران سے نکل گیا۔ ڈوبنے کو تھا کہ نظام نامی ایک سقے نے اپنی مشک پر ڈال کر کنارے لگایا۔ ہمایوں نے کہا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا دو پہر کی بادشاہت ہمایوں بولا کہ آگرہ پہنچ کر یاد دلاؤ۔ غرض نہایت بُرے حالوں آگرہ پہنچے۔ بھائیوں کو بہت لعنت ملامت کی انہوں نے شرمسار ہو کر معافی چاہی۔ ہمایوں نے جیسا کہ اس کی عادت تھی معاف کر دیا۔

نظام سقّے کی بادشاہت اور چام کے دام

نظام سقہ دربار میں حاضر ہُوا۔ ہمایوں نے دو پہر یعنی چھ گھنٹے کی بادشاہت دے کر اعلان کر دیا۔ کہ سب امیر اس کے حکم کی تعمیل کریں اور نذریں گزاریں۔ نظام نے بادشاہ ہو کر اپنی مشک کٹروائی اور چام کے دام چلائے۔ مرزا کامران نے ناگواری کا اظہار کیا تو ہمایوں نے کہا۔ تم بھائیوں سے تو یہ سقہ ہی اچھا ہے۔ جس نے میری جان بچائی۔

قنّوج کی لڑائی ۱۵۴۰ء

آگرہ آ کر ذرا اطمینان ہوا تو ہمایوں ہر روز بھائیوں کو بلاتا۔ سب نشیب و فراز سمجھاتا اور کہتا کہ شیر خاں بہت بڑی بلا ہے۔ مگر وہ کوتاہ اندیش تھے۔ کسی طرح ان کے دل صاف نہ ہوئے۔ دکھانے کو سب نے دشمن کو مٹانے کی تیاریاں کیں۔ مگر کامران، ہمایوں کے جاہ و جلال کو اپنے حق میں زہر سمجھتا تھا وہ بیماری کے بہانے اپنی فوج سمیت لاہور چلا گیا اور اس کے جاتے ہی سے ایک بار خاندان بابریہ کو ہندوستان سے نکلنا پڑا۔

اس عرصے میں شیر خاں تیار ہو کر گنگا پار اترا اور اپنے بیٹے قطب خاں کو کالپی اور اٹاوہ پر حملہ کرنے کو بھیجا ہمایوں نے اس حدود کے جاگیرداروں کو لڑنے کا حکم دیا۔ قطب خاں مارا گیا۔ فتح مند سپہ سالار نے ہمایوں کو مشورہ دیا۔ کہ خود لڑنے کے لئے چلے۔ چنانچہ وہ آگرہ سے روانہ ہوا۔ مگر اس کی فوج کے بہادر اور تجربہ کار سپاہی بنگال کی مہم میں کام آ چکے

تھے۔ کامران مرزا کے سپاہی جنگ جو علاقوں کے تھے وہ اس کے ساتھ چلے گئے تھے۔ اس سے اس کی سپاہ میں نئی بھرتی کے لوگ رہ گئے۔ جنہیں میدانِ جنگ کا تجربہ ہی نہ تھا۔ غرض ۱۷ مئی ۱۵۴۰ء کو قنوج کے مقام پر لڑائی ہوئی شیرخاں کی فوج دس بارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اور اس کے مقابلے میں شاہی فوج چالیس ہزار کے قریب تھی۔ مگر حملہ ہوتے ہی سب ایسے بدحواس ہوئے کہ نہ توپچی نے ایک گولہ پھینکا اور نہ کسی تیرانداز کی کمان سے ایک تیر نکل سکا غرض سب امیر اور سپاہی جن میں سے ایک بھی زخمی نہیں ہؤا تھا۔ جان بچانے کی خاطر دریا کی طرف بھاگے۔ دشمن نے تعاقب کیا اور مغلوں کو اتنی بھی فرصت نہ ملی۔ کہ زرہ بکتر اور ہتھیار اتار کر تو دریا میں کودیں۔ بڑے بڑے نامی سردار اور بہادر اس طرح دریائے نامرادی میں ڈوب مرے۔ جو بچے ان کے جہاں سینگ سمائے چلے گئے۔ بادشاہ دریا سے نکلا تو وہ ننگے سر۔ ننگے پاؤں ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ جو کسی سردار نے مانگا دیا تھا۔

ہمایوں کی صحرانوردی

ہمایوں آگرہ پہنچا۔ تو ہر طرف فتنہ برپا پایا۔ خیرخواہوں نے صلاح دی کہ لاہور چلو۔ شاید مرزا کامران دور اندیشی سے کام لے اور بگڑی بات کو بنانے میں مدد کرے۔ ہمایوں سیکری میں آ کر ٹھہرا۔ اور مرزا ہندال کو حکم دیا۔ کہ اہل و عیال اور خزانہ و جواہر جو لا سکے لیتا آئے۔ ہمایوں باغ میں تھا۔ کہ ایک روز صبح کے وقت سیکری کی طرف سے ایک تیر آ کر

اس کی بغل میں پڑا۔ مرزا حیدر اور ایک افسر تیرانداز کی تلاش میں نکلے۔ وہ بھی زخمی ہو کر واپس آئے۔ بادشاہ نے خستہ حالت میں دہلی کی طرف کوچ کیا۔ لاہور پہنچ کر کامران کو بہت سمجھایا۔

اس نے ظاہر میں تو بھائی سے بہت عہد و پیمان کئے مگر خفیہ شیر شاہ کے پاس ایلچی بھیجا کہ پنجاب میرے پاس بدستور رہے۔ تو وہ اس کی خدمت بجا لائے گا۔

ہمایوں کے بعض خیرخواہوں نے مشورہ دیا کہ لشکر کے یک دل ہونے کی تدبیر صرف یہی ہے کہ مرزا کامران کا کام تمام کر دیا جائے۔ جو بادشاہ کے معزول کرنے کی سازشیں کر رہا ہے۔ ہمایوں نے کہا میں اس فانی دنیا کے لئے اپنے بھائی کے خون سے ہاتھ آلودہ نہ کروں گا۔ بلکہ میں ہمیشہ اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ اس کے یہ الفاظ کہ ہرگز ہرگز بھائیوں کے درمیان کشاکش نہ کرنا۔ اور بدنیت نہ ہونا" میرے دل پر پتھر کی لکیر ہیں جو کسی طرح مٹائے نہیں مٹیں گے۔

غرض ہمایوں ہر طرف سے مایوس ہو کر بھکر کو فتح کرنے کے درپے ہوا۔ چھ مہینے قلعے کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔ یہ ہمایوں کے لئے سخت تکلیف کا زمانہ تھا اور حالات اسے مجبور کر رہے تھے کہ وہ ہندوستان چھوڑ دے۔ اس عرصہ میں اس کی شادی ایک سردار کی لڑکی حمیدہ بانو بیگم سے ۱۵۴۱ء میں ہوئی۔

یہاں سے ہمایوں مصیبتیں بھرتا، ٹھوکریں کھاتا ملتان اور بیکانیر کے ویران راستے سے عازم جودھپور ہوا۔ جودھپور کے قریب پہنچا تو خفیہ خبر لانے کو آدمی بھیجا۔ اس نے پتہ چلایا

کہ پہلے تو راجہ رفاقت کے دم میں تھا۔ لیکن اب شیر شاہ کے وکیل پہنچنے سے اس کا ارادہ بدل گیا ہے اور چاہتا ہے کہ ہاتھ آ جائے۔ تو ہمایوں کو شیر شاہ کے حوالے کر دے ناچار گرتے پڑتے پھر پلٹے اور بادشاہ صرف سات آدمیوں کے ساتھ امرکوٹ میں داخل ہوا۔ وہاں کا راجہ عالی ہمتی سے پیش آیا اس نے درخواست کی کہ ٹھٹھہ اور بھکر کو فتح کیجئے۔

اکبر کی پیدائش

ہمایوں اس طرف روانہ ہوا۔ حمیدہ بانو بیگم قلعہ امرکوٹ میں تھی۔ وہاں اس کے بطن سے ۱۴ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں امرکوٹ سے بارہ کوس پر مقیم تھا۔ کہ رفیقوں نے مبارک باد دی۔ ہمایوں کے پاس اس مفلسی کی حالت میں کیا تھا کہ دوستوں کو دیتا۔ آخر اسے یاد آیا کہ کمر میں مشک نافہ بندھا ہے اسی میں سے تھوڑا مشک تقسیم کیا۔ اور دعا کی۔ کہ باری تعالیٰ جس طرح اس مشک کی بو پھیلی ہے۔ اسی طرح میرے بچے کا شہرہ دنیا میں پھیلائیو!

ہمایوں کا ایران جانا

ہمایوں کی فوج راستہ میں ایک دشمن سے لڑ رہی تھی۔ کہ بیرم خاں گوالیار اور گجرات کی راہ اس کے پاس پہنچا۔ اور کمال یہ کیا۔ کہ سیدھا میدانِ جنگ میں گھس کر ہمایوں کی طرف سے مردانہ وار لڑنے لگا۔ سب نے اسے فرشتۂ غیب جانا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ بیرم خاں ہے۔ تو سب نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور ہمایوں اس کی آمد سے خوش دل ہوا ہمایوں امرکوٹ سے قندھار کی طرف روانہ ہوا۔ کہ شاید عسکری

مرزا مدد کرے۔ مگر جب قریب پہنچا تو ایک خیرخواہ نے آ کر عسکری کی بدنیتی کی خبر دی۔ ناچار بیرم خاں کے مشورہ سے بیوی کو ساتھ لے کر بچے کو چھوڑ کر بیالیس جان نثاروں کے ساتھ سیستان کی راہ ایران چلا گیا۔ بیرم خاں نے آگے بڑھ کر ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں سفارت کے فرائض انجام دیئے۔ شاہ نے خندہ پیشانی سے اس عالی قدر مہمان کا خیر مقدم کیا اور حکم دے دیا کہ کوئی شخص کسی صورت بھی ہمایوں کے روبرو شکست کا لفظ منہ پر نہ لائے ہمایوں چار سال تک ایران میں رہا۔ آخرکار شاہ نے بارہ ہزار جانباز سوار دے کر رخصت کیا۔ جس کی مدد سے ہمایوں نے ۱۵۴۵ء میں عسکری مرزا کو شکست دے کر قندھار فتح کیا۔ عسکری مرزا گلے میں ننگی تلوار ڈال کر معافی کے لئے حاضر ہوا۔ ہمایوں نے اسے معاف کر دیا۔

اس کے بعد ہمایوں نے کابل کا رخ کیا۔ کامران نے مقابلہ کیا مگر تاب نہ لایا۔ اور رات کو دیوار توڑ کر بھاگ گیا۔

ہندوستان پر ہمایوں کی فوج کشی

ہندوستان میں شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ بھی چند سال حکومت کر کے چل بسا تھا اور سوری خاندان کا شیرازہ ایسا بکھرا تھا۔ کہ سلطنت پانچ بادشاہتوں میں بٹ گئی تھی۔ ہمایوں کو یہ کیفیت معلوم ہوئی۔ تو اس نے ۱۵۵۵ء میں پنجاب پر حملہ کیا۔ اور سکندر سوری کو سرہند کے مقام پر شکست دے کر کوہِ شوالک کی طرف بھگا دیا۔ اس فتح کے بعد ہمایوں، دہلی اور آگرہ پر قابض ہوگیا۔

ہمایوں کی وفات

آگرہ اور دہلی پر قابض ہوئے چھ ماہ بھی نہ ہوئے تھے۔ کہ ایک شام ہمایوں محل کی چھت پر چڑھا ہوا تھا۔ اترنے لگا تو نمازِ مغرب کی اذان سنی۔ تعظیماً دوسری سیڑھی پر بیٹھنے کا قصد کیا۔ مگر عصا سنگِ مرمر کی سیڑھیوں سے پھسل گیا۔ اور وہ ایسا بے ڈھب گرا۔ کہ بے ہوش ہو کر پھر ہوش ہی میں نہ آیا۔ اٹھا کر اندر لے گئے۔ طبیبوں نے بہت تدبیریں کیں۔ مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ چوتھے دن مر گیا۔

ہمایوں کے خصائل

بابر نے ہمایوں کی تعلیم و تربیت خاص اہتمام سے کرائی تھی علوم عقلی اور نقلی سے پوری طرح آگاہ تھا۔ علمِ ریاضی کی استعداد اچھی تھی۔ ریاضی دانوں اور صاحبِ حکمت لوگوں کی قدر کرتا تھا۔ رصدگاہ بنانے کا اسے شوق تھا۔ طبع موزون پائی تھی فارسی کے اچھے شعر کہہ لیتا تھا۔ اس کی طبیعت میں ایجاد و اختراع کا مادہ تھا۔ مگر انتظامِ ملکی میں اسے اصلاح و اختراع کی فرصت بھائیوں نے نہ دی۔

ہمایوں ذاتی طور پر شجاع اور دلیر تھا۔ مگر باپ کی طرح موقع محل کے مطابق لوگوں سے کام لینے میں ہوشیار نہ تھا۔ رحم دل ایسا تھا کہ دوست اور بھائی تو ایک طرف دشمن بھی قتل و غارت کے بعد سامنے آتا اور معافی مانگتا تو معاف ہی کر دیتا۔ بابر کہا کرتا تھا۔ کہ ہمایوں سے بہتر دوست دنیا میں نہیں مل سکتا۔ باپ کے اس مقولہ اور اس کی وصیت پر اس نے عمل کر دکھایا۔ بے وفا بھائیوں نے کیا کیا جفائیں اس

پڑ گئیں۔ مگر جب وہ اس کے قابو میں آ گئے۔ تو معاف کر کے گلے سے لگا لیا اور دل میں کدورت نہ رکھی۔ ہمایوں اخیر عمر میں افیون بھی کھانے لگا تھا۔ ہمایوں اپنی زندگی میں ایک ... و فرمان بردار بیٹا۔ نیک دل بھائی۔ وفا شعار دوست اور امن پسند و رعایا پرور بادشاہ ثابت ہؤا۔

ہمایوں صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ اکثر کلام مجید کی تلاوت کرتا رہتا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر رکھتا۔ کبھی قسم نہ کھاتا۔ اور فحش لفظ زبان پر نہ لاتا۔ بہت ہی غصہ ہوتا تو صرف لفظ سفیہ بولتا۔ شیر شاہ کے مقابلے میں اس کی ناکامی کا باعث امراء کی عیش پسندی، رشوت ستانی اور بھائیوں کی کوتاہ اندیشی و غداری ہوئی۔

Abdul Qadir

خاندانِ سوری

۱۵۴۰ء تا ۱۵۵۵ء

شیر شاہ کی ابتدائی زندگی

شیر شاہ کا اصلی نام فرید خاں تھا وہ ۱۴۸۶ء میں پیدا ہوا اس کا باپ حسن خاں صوبہ بہار میں سہسرام کا جاگیردار تھا۔ فرید خاں سوتیلی ماں اور باپ کے ناملائم سلوک سے دل برداشتہ ہو گیا۔ اور اوائل عمر ہی میں جون پور چلا گیا۔ یہاں وہ تحصیلِ علم میں مصروف ہوا۔ اور جلد ہی فارسی اور عربی زبان میں عبور حاصل کر کے اس نے کئی علومِ مروّجہ میں کافی استعداد پیدا کر لی۔ فرصت کے اوقات میں پچھلے بادشاہوں کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرتا۔ اور ان کی سیرتوں پر غور کرتا چند سال بعد باپ بیٹے میں صلح صفائی ہو گئی اور باپ نے اسے جاگیر کا منتظم بنا دیا۔ فرید خاں نے دونو پرگنوں کا انتظام ایسا اچھا کیا۔ کہ تھوڑے عرصے ہی میں ساری رعایا اور سپاہ نہال ہو گئی۔ تمام مفسد سیدھے ہو گئے۔ حسن خاں بہت خوش ہوا اور صوبے بھر میں اس کے حسنِ انتظام کی شہرت ہو گئی۔ مگر فرید خاں کی سوتیلی ماں حسد کے انگاروں پر لوٹنے لگی۔ اس کے تنگ کرنے سے حسن خاں نے پھر جاگیر کا انتظام اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ فرید خاں

آزردہ ہو کر اب پھر آگرہ پہنچا اور دولت خاں کا نوکر ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد حسن خاں مر گیا۔ تو دولت خاں نے سلطان ابراہیم لودھی سے دونوں پرگنوں کا فرمان فرید خاں کے نام لکھوا دیا۔ اس کے بعد فرید خاں بہار کے سلطان کی خدمت میں حاضر ہؤا اور محنت و کوشش سے اسی کا مقرب ہو گیا۔ ایک روز شکارگاہ میں فرید نے تلوار سے شیر کا شکار کیا۔ سلطان نے اسے شیر خاں کا خطاب دیا۔ اسی طرح سلطان بہار کی خدمت میں کئی سال گزارے۔ کچھ عرصہ آگرہ کے قریب مغلوں میں رہ کر اس نے ان کے اطوارِ جنگ۔ تدبیرِ ملک داری اور ارکانِ دولت کی روش کا علم حاصل کیا۔ جب اس نے اچھی طرح جان لیا کہ مغل عیش پرست اور رشوت خور ہیں تو افغانوں کی مجلسوں میں کہنے لگا کہ اگر قسمت یاوری کرے اور افغان میرے جھنڈے تلے آ جمع ہوں۔ تو میں مغلوں کو ملک سے ایسے نکال باہر کروں گا۔ جیسے دودھ سے مکھی۔ افغان دوست جب اس کی باتوں پر ہنستے تو وہ کہتا۔ دوستو! افغان شمشیر زنی میں مغلوں سے فائق ہیں۔ انہوں نے سلطنت محض اپنی نااتفاقی کے سبب کھوئی ہے اگر دولت کسی طرح میرے ہاتھ آ گئی۔ تو دیکھنا میں افغانوں کو کس طرح اپنے گرد جمع کر کے متفق کر دیتا ہوں۔

انہی ایام میں ایک روز وہ بابر کی مجلسِ طعام میں شامل ہؤا۔ کوئی چیز کاٹ کر کھانے کی تھی۔ شیر خاں نے بے تکلف تلوار سے کاٹی اور اس کی نوک سے چھید کر قاش منہ میں رکھ لی۔ بابر غضب کا قیافہ شناس تھا۔ اس نے اس کے

بشری سے آثارِ شاہی پڑھ لیئے۔ اور مغل سرداروں سے کہا اسے نگاہ میں رکھو۔ شیر خاں ترکی زبان نہ جانتا تھا مگر سمجھ گیا۔ کہ اسی کے متعلق کچھ کہا ہے۔ رات ہی کو اپنے لشکر سے نکل گیا اور اپنی جاگیر میں آ رہا۔

ان دنوں شاہِ بنگال نے بہار افغانوں سے چھیننا چاہا۔ شیر خاں نے افغانوں کو جمع کر کے مقابلہ کیا۔ اور کامیاب رہا۔ جب جلال خاں حاکم بہار شاہِ بنگال سے ملنے کو گیا تو شیر خاں نے میدان خالی دیکھ کر بہار پر قبضہ کر لیا۔ شاہِ بنگال لشکر لے کر بہار فتح کرنے آیا تو شیر خاں نے اسے بھی شکستِ فاش دی۔ قلعہ چنار سے اسے بہت دولت ملی۔ غرض آہستہ آہستہ وہ بہار و بنگال کا مالک اور صاحبِ خزانہ ہو گیا۔ جب ہمایوں نے بہار و بنگال پر حملہ کیا تو شیر خاں نے ۱۵۳۹ء اور ۱۵۴۰ء میں اسے شکستیں دے کر ہندوستان سے نکال دیا۔ اور خود شیر شاہ کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔

فتوحات آگرہ میں تخت نشین ہونے کے فوراً بعد شیر شاہ نے پنجاب پر قبضہ کر لیا اور لشکر سمیت دریائے جہلم تک مغلوں کے تعاقب میں خود گیا۔ اس موقعہ پر گکھڑوں کا بڑا سردار اس کے دربار میں حاضر نہ ہوا تھا۔ اس لئے کوہستان میں لشکر سمیت گشت لگا کر اس نے مناسب مقام پر رہتاس کا قلعہ بنایا۔ تاکہ اس کی واپسی پر گکھڑوں کی سرکوبی اور مغلوں کی روک تھام کے لئے فوج رہ سکے۔ یہ قلعہ اب تک کابل و ہندوستان کی حد پر موجود ہے۔

۱۵۴۳ء میں مالوہ پر چڑھائی کی۔ اور مارواڑ۔ میواڑ اور

رنتھنبور کے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے مطیع کیا۔

۱۵۴۵ء میں شیر شاہ نے بیر سنگھ دیو بندیلہ کو دربار میں بلایا۔ وہ نہ آیا۔ اور کالنجر کے راجہ کرت سنگھ کے پاس چلا گیا۔ شیر شاہ نے راجہ کالنجر کو لکھا کہ اس باغی کو حوالے کرے اس نے انکار کیا۔ اس لئے شیر شاہ نے کالنجر پر چڑھائی کی۔ اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کو دیر ہوئی تو ایک روز شیر شاہ نے آتشیں گولے قلعے میں پھینکنے کا حکم دیا اور خود گولوں کے ذخیرے کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ایک گولہ دیوارِ قلعہ پر لگ کر لوٹ آیا اور گولوں کے ذخیرے میں جا پڑا۔ سب کو آگ لگ گئی اور شیر شاہ کے کپڑوں کو بھی آگ لگ گئی۔ نیم مردہ حالت میں اسے اٹھا کر لائے۔ آفرین ہے اس کے دِل گردہ پر کہ اس حالت میں بھی امیروں کو بلا کر حکم دیا کہ میری پروا نہ کرو اور قلعہ فتح کرو۔ ظہر کے وقت چاروں طرف سے قلعہ پر حملہ ہوا۔ اور مغرب کے وقت فتح کی خوشخبری شیر شاہ کو ملی۔ سنتے ہی اس کا چہرہ بشاش ہو گیا اور وہ الحمد للہ کہہ کر چل بسا۔

انتظامِ سلطنت

شیر شاہ ایک معمولی سپاہی سے ترقی کر کے ۶۵ سال کی عمر میں بادشاہ ہوا چنانچہ جب شاہی لباس پہن کر آئینہ دیکھتا تو وہ خود کہا کرتا تھا کہ "عید ہوئی مگر شام کو"۔ پھر بادشاہ ہو کر بھی پانچ سال کا قلیل عرصہ جو اسے ملا۔ اس کا بھی بیشتر حصہ لڑائیوں میں صرف ہوا۔ مگر اس حال میں بھی وہ انتظامِ ملکی میں ایسے آئین و قوانین بنا گیا۔ جنہیں اختیار کر کے بعد کے بادشاہوں

نے شہرت و عزت کے دربار میں نام پیدا کیا۔
شیر شاہ عادل۔ مدبر اور منتظم بادشاہ تھا۔ اس نے رعایا کی بہبود۔ زراعت کی ترقی اور امن و امان کی بحالی کے لئے اپنی عقل و رائے سے کئی قانون بنائے۔ اور بعض آئین داناؤں کی کتب سے اخذ کر کے جاری کئے۔

۱۔ ملک کو صوبوں اور پرگنوں میں تقسیم کر کے ان پر دیانت دار حاکم مقرر کئے۔

۲۔ تمام زمین کی پیمائش کر کے ہر سال بندوبست کا آئین جاری کیا۔ اور مال گزاری کی وصولی کے قاعدے مرتب کئے۔ عام طور پر پیداوار کا ایک تہائی لگان تجویز کیا۔

۳۔ سرحدی مقامات پر مضبوط قلعے تعمیر کرائے اور مختلف مقامات پر چھاؤنیاں تعمیر کیں۔ جن میں سپاہیوں کو باقاعدہ قواعدِ حرب و ضرب سکھائے جاتے تھے۔

۴۔ سپاہ کے گھوڑوں کو داغ لگانے کا طریق جاری کیا۔ تاکہ جاگیردار دھوکہ نہ دے سکیں۔ اور رسالہ کے سپاہیوں اور سواروں کی تعداد پوری رہے۔

۵۔ سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ جن کی ادائیگی کا انتظام باقاعدہ کیا۔

۶۔ غریب سپاہیوں کو گھوڑے اور ہتھیار سرکار سے دینے منظور کئے۔

۷۔ جاگیرداروں (امراء اور منصب دار) کے علاوہ خاص فوج خالصہ میں ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچیس ہزار پیادے تھے جن کے پاس توڑے دار بندوقیں اور تیر کمان ہوتے

تھے۔ ان کی تنخواہ وہ اپنے سامنے تقسیم کراتا تھا اور جنگ میں خاص نگہداشت کرتا تھا۔ کہ کوئی افغان سپاہی فضول نہ مارا جائے۔

۸۔ دو دیانت دار امراء کو ملک میں سے چوری اور رہزنی دور کرنے کے لئے مقرر کیا۔ جب تمام پرانے ڈاکوؤں کا خاتمہ ہو گیا تو اس نے ہر گاؤں کے مقدم کو ذمہ دار ٹھہرایا جو اپنی حدود میں ہونے والی چوری کا سراغ لگائے۔ یا خود معاوضہ ادا کرے۔

۹۔ زمانہ جنگ و امن میں فوج کو رعیت کی فصل کا نقصان کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ اور اگر کوئی سپاہی ایک خوشہ بھی توڑ لیتا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی اس لئے سپاہ خود ہی حفاظت کرتی۔ کہ کہیں کسی اور کے کئے کی سزا نہ پائیں۔

۱۰۔ مسافروں کے آرام کے لئے سڑکیں بنوائیں۔ سڑکوں پر ہر چند کوس کے فاصلے پر سرائیں تعمیر کرائیں۔ ایک سڑک قلعہ رہتاس (پنجاب) سے سنار گاؤں تک جو بنگال میں سمندر کے کنارے ہے بنوائی۔ اور ان کے دونوں طرف میوہ دار درخت لگوائے۔ ان سڑکوں پر ستره سو سرائیں تھیں۔ جن میں ہندو مسلمان مسافروں کے لئے جدا جدا مکان تھے۔ اور مسافروں کو کھانا مفت ملتا تھا۔ ہر سرائے میں مسجد تھی۔ جس کے لئے امام و مؤذن مقرر تھے۔

۱۱۔ ہر سرائے میں ڈاک کے گھوڑے بندھے رہتے تھے

جن پر سوار ہو کر ہرکارے ایک چوکی سے دوسری چوکی تک ڈاک پہنچاتے تھے۔ ہر سرائے میں کوتوال اور پولیس کے سپاہی مقرر تھے۔ جو گشت لگاتے رہتے تھے۔

۱۲۔ فقراء۔ مساکین اور محتاجوں کے لئے لنگر خانے جاری کئے۔ جن کا روزانہ خرچ پانچسو اشرفی تھا۔

شیر شاہ کے خصائل

شیر شاہ نوعمر ہی تھا کہ اس کو باپ اور سوتیلی ماں کی بدسلوکی سے گھر چھوڑنا پڑا۔ اس نے نہایت محنت اور توجہ سے علم حاصل کیا۔ اور سپاہیانہ زندگی اختیار کر کے اس رتبے کو پہنچا کہ وہ ہندوستان کے چوٹی کے بادشاہوں میں سب سے بڑا اور مشہور سمجھا جاتا ہے۔ امارت اور بادشاہت کو پہنچ کر بھی اس نے کبھی سستی۔ غفلت اور عیاشی کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ میدانِ جنگ میں وہ سپاہیوں کے ساتھ کدال لے کر خندق کھودنے لگ جاتا تھا۔ عدل و انصاف کا ایسا شیدائی تھا کہ لوگ اسے بادشاہِ عادل کہتے تھے کمزور حالت میں تو ضرور اس نے ایک دو دفعہ مکر و حیلہ سے کام نکالا اور عہد و پیمان کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ لیکن قوی دست ہونے پر اس نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی۔ چنانچہ جب ہمایوں کی بیوی حاجی بیگم چونسہ کے میدان میں پیچھے رہ گئی تھی۔ اس کو نہایت حفاظت و عزت سے کابل بھجوا دیا اس جواں مردی اور عالی ہمتی پر سب مؤرخوں نے اس کی تعریف کی ہے۔

شیر شاہ نہایت متین اور شرعِ اسلام کا پابند تھا وہ کہا

کرتا تھا۔ کہ بادشاہ کو لازم ہے کہ خدا کی عبادت کرے۔ تاکہ اس کی رعیت کو بھی عبادت کی طرف رغبت ہو وہ کہا کرتا تھا۔ کہ بادشاہوں کو نہیں چاہیئے کہ خدا کی امرو نواہی کے خلاف کوئی کام کریں۔ جو بادشاہ خدا کی خدمت میں کمر نہیں باندھتا۔ رعیت اس کی خدمت کے لئے بھی کمر نہیں باندھتی۔

امورِ ملکی اور انتظام و مہمات سلطنت میں وہ بذاتِ خود مصروف رہتا۔ اس نے اپنا معمول بنایا تھا۔ کہ تہائی حصہ رات رہے۔ بیدار ہو اور غسل کر کے تہجد کی نماز گزارے اور چار گھڑی تک وظائف پڑھے۔ اس کے بعد وہ روزمرہ کا حساب دیکھتا۔ اور حاکموں کے لئے دستور العمل لکھتا۔ پھر جماعتِ کثیر کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتا۔ اس کے بعد امراء اور سپاہ کے سلام لیتا۔ ایک گھڑی دن چڑھے نماز اشراق ادا کرتا پھر امیروں اور سپاہیوں سے پوچھتا۔ کوئی بے جاگیر تو نہیں۔ پھر پوچھتا کوئی مظلوم ہے کہ میں اس کا انصاف کروں۔ اس کا مقولہ تھا کہ کوئی طاعت عدل کے برابر نہیں۔ عدل کا ایسا شوق تھا کہ جب ستم رسیدہ آتا تو سب کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ اور ظالم خواہ اس کا بیٹا ہی ہو۔ سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔

ایک پہر اور دو گھڑی دن چڑھے وہ اٹھتا اور علما و مشائخ کے ساتھ کھانا کھاتا۔ پھر دوپہر تک سلطنت کا کام کرتا پھر قیلولہ کرتا اور اس کے بعد نمازِ ظہر جماعت سے پڑھتا۔ اور قرآن شریف کی تلاوت کرتا۔ اس کے بعد پھر امورِ سلطنت

سرانجام دیتا۔ سفر میں بھی اس معمول میں فرق نہ آتا وہ کہا کرتا تھا۔ کہ بڑے آدمی کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہر وقت کام میں مصروف رہے۔

مغرب کی نماز کے بعد پھر تلاوت قرآن کرتا۔ اس کا دسترخوان خدائی دسترخوان تھا۔ چنانچہ حکم عام تھا کہ سپاہی رعیت۔ کاشت کار غرض جو بھی بھوکا آئے۔ وہ شاہی دسترخوان پر کھا جائے۔

مذہبی رواداری اس کا ذاتی شعار تھا اور عدالت و ملازمت میں حق و لیاقت کو دیکھتا۔ راجہ ٹوڈرمل اسی کا تربیت یافتہ تھا جو اکبر اعظم کے عہد میں بہت بڑا وزیر مال ہوا ہر پرگنہ میں جہاں ایک کارکن فارسی نویس تھا وہاں ایک ہندو کارکن ہندی نویس بھی ہوتا تھا۔

وہ عالموں، فاضلوں کی عزت کرتا۔ اندھے۔ لاوارث بیمار اور لولے لنگڑوں کے روزینے مقرر کرتا۔ اور اپنی ہندو رعایا سے فیاضانہ برتاؤ کرتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی عوام کی بہبودی اور اصلاح کے لئے وقف کر دی تھی۔

سلیم شاہ سوری
۱۵۴۵ء تا ۱۵۵۳ء

شیرشاہ کی وفات پر اس کا چھوٹا بیٹا جلال خاں ۲۵ مئی ۱۵۴۵ء کو سلیم شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ بڑا بیٹا عادل خاں قلعہ رنتھنبور میں تھا وہ آگرہ آیا تو سلیم شاہ نے تخت سے دست برداری چاہی۔ لیکن بڑے بھائی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا۔ خود بنگال چلا گیا۔ لیکن بڑے بھائی کی اس اطاعت پر بھی سلیم شاہ مطمئن نہ ہوا

اور غازی خاں کے ہاتھ سونے کی زنجیر بھیجی۔ کہ عادل خاں کو اس میں جکڑ کر لائے۔ عادل خاں خبردار ہو کر میوات میں خواص خاں شیر شاہی سپہ سالار کے پاس پہنچا۔ اور سلیم شاہ کی بے وفائی اور کینہ توزی کی شکایت کی۔ خواص خاں اس کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور لشکر لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ لڑائی ہوئی۔ جس میں سلیم شاہ غالب رہا اور عادل خاں لاپتہ ہو گیا۔

بادشاہ ہو کر سلیم شاہ نے اپنے چھ ہزار سواروں کو جو حالتِ شہزادگی میں اس کے پاس تھے۔ خاص ترقیاں دیں۔ اور شیر شاہی قوانینِ جاگیر کو یک قلم منسوخ کر دیا۔ دوسرے افغان امراء اور سپاہیوں نے اس کو اپنی بے عزتی سمجھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یگانگت کا جو رشتہ افغانوں میں شیر شاہ نے پیدا کیا تھا۔ ٹوٹ گیا۔

سلیم شاہ اپنے زمانۂ حکومت میں افغان امراء کے اقتدار و اختیار کو گھٹانے میں مصروف رہا۔ تاکہ تخت کا کوئی دعویدار نہ ہو سکے۔ اس کی یہ حکمتِ عملی اپنے نامور باپ کے برعکس تھی۔ جس نے اپنی فراست و ذہانت کے زور سے اپنی محبت و بزرگی امراء کے دلوں میں بٹھائی تھی۔

زمانۂ شہزادگی میں سلیم شاہ نے بہت سی لڑائیوں میں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ صاحبِ لیاقت جرنیل تھا۔ بادشاہ ہو کر امورِ سلطنت کے سرانجام دینے میں بھی باپ کے نقشِ قدم پر چلا اور افغانوں کی مخالفت کے باوجود انتظامِ سلطنت کو بگڑنے نہیں دیا۔

سلیم شاہ کے جانشین

سلیم شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا فیروز شاہ تخت پر بیٹھا۔ مگر تیسرے روز ہی اس کے ماموں نے جو شیر شاہ کا بھتیجا تھا اسے قتل کر دیا اور خود محمد شاہ عادل کے لقب سے بادشاہ ہوا۔ یہ بادشاہ بڑلے درجے کا جاہل و عیاش تھا ادنیٰ درجے کے لوگ اس کے مصاحب تھے۔ اس نے ہیمو بقال کو جو ریواڑی کا بنیا تھا۔ وزیر مقرر کیا۔ ہیموں بہت سیانا نکلا۔ اس نے افغانوں کو دم دلاسہ دے کر رام کر لیا۔ اور وکرماجیت کا لقب اختیار کر کے دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے خواب دیکھنے لگا۔

بادشاہ گردی

عادل شاہ کی بدعنوانیاں دیکھ کر امراء کو بھی سرکشی کا حوصلہ ہو گیا۔ ادھر ابراہیم خاں سوری دہلی کے گرد و نواح پر قابض ہوا ادھر سکندر سوری ابراہیم پر چڑھائی کر کے دہلی اور آگرہ پر قابض ہو گیا۔ ہیموں اپنے آقا عادل شاہ کی طرف سے ابراہیم اور حاکمِ بنگال سے لڑا۔ اور غالب رہا۔ آخر ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے سکندر سوری کو سرہند کے مقام پر شکست دیکر پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔ اور خود دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا اور سوری خاندان کو ختم کیا۔

جلال الدّین اکبر

۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء

اکبر کا بچپن جب ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا تو امر کوٹ (سندھ) میں اکبر پیدا ہوا ہمایوں قندھار پہنچا تو عسکری مرزا نے اسے گرفتار کرنا چاہا۔ ناچار ہمایوں ایران کو روانہ ہوا۔ مگر اکبر اور اس کی انا کو ساتھ نہ لے جا سکا عسکری نے پیچھے ڈیروں کو لوٹا اور اکبر کو نظر بند کر دیا۔ جب کئی سال بعد ہمایوں ایرانی فوجیں لے کر واپس ہوا تو قندھار کو فتح کر کے کابل کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو اکبر اس وقت کامران کے پاس کابل میں تھا۔ اس بے رحم چچا نے قلعے کی فصیل پر اکبر کو وہاں بٹھا دیا۔ جہاں ہمایوں کا توپ خانہ گولے برسا رہا تھا۔ لیکن اکبر کی زندگی تھی۔ توپ خراب ہو گئی اور بچ رہا۔ اس موقع پر اکبر کی انا اسے گود میں لے کر بیٹھی تھی۔ اکبر نے اس کی اس جان نثاری کا ہمیشہ خیال رکھا۔

کابل کا قلعہ فتح ہوا تو اکبر سوا چار سال کی عمر میں باپ اور ماں سے ملا۔ مکتب میں پڑھنے کے لئے بھیجنا چاہا۔ تو اکبر چھپ گیا اور بالکل ان پڑھ رہا۔ اکبر تیرہ سال کا ہوا۔ تو ہمایوں نے دہلی اور آگرہ کو دوبارہ فتح کیا اور بیرم خاں کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا گیا۔

تخت نشینی ہمایوں نے اچانک وفات پائی۔ تو اکبر

کلانور ضلع گورداس پور میں تھا۔ بیرم خاں کو جونہی اس حادثہ کی خبر ملی ۔ اس نے کلانور میں اینٹوں کا ایک چبوترا بنوا کر اکبر کی تاج پوشی کی رسم ادا کی ۔ چند روز بعد ہیموں بقال نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا ۔ بیرم خاں نے اکبر کو لے کر دھلی کی طرف کوچ کیا۔

پانی پت کی دوسری لڑائی ۱۵۵۶ء

آگرہ اور دہلی لے کر ہیموں کا دل بڑھ گیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ اکبر دہلی کی طرف آ رہا ہے تو اپنا توپ خانہ پانی پت کے میدان کی طرف پہلے روانہ کیا ۔ اور خود چند روز بعد بہت بھاری لشکرِ جرار لے کر لڑنے کو بڑھا ۔ بیرم خاں نے بھی علی قلی خاں کو دس ہزار سواروں کے ساتھ پہلے روانہ کیا ۔ وہ پانی پت میں پہنچا تو معلوم ہوا ۔ کہ ہیمو کا توپ خانہ وہاں آ گیا ہے ۔ اس نے پیش دستی کر کے توپ خانہ چھین لیا ۔ ہیمو کو اس توپ خانہ پر بہت ناز تھا ۔ اس کے چھن جانے کی خبر پائی تو جھلاّ گیا اور یلغار کرتا ہوا پانی پت پہنچا ۔ بہت گھمسان کی لڑائی ہوئی ۔ اور فریقین کے جوانوں نے خوب داد مردانگی دی ۔ لیکن قدرت کو منظور نہ تھا ۔ اچانک ایک تیر ہیموں کی بھینگی آنکھ میں بیٹھا اور افغانوں میں بھاگڑ مچی ۔ مگر دال خور ہیمو کی ہمت قابلِ داد ہے ۔ کہ وہ اس حالت میں بھی ہودج میں کھڑا سرداروں کے نام لے لے کر بلا رہا تھا ۔ اتنے میں ایک مغل نے اس کے ہاتھی کو آ گھیرا اور قابو کر کے اکبر کے سامنے لے گیا ۔ جہاں وہ بیرم خاں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

اس فتح عظیم کے بعد اکبر اور بیرم خاں دہلی اور آگرے پر قابض ہو گئے۔ اس شاندار فتح سے اکبر کی سلطنت کی بنیاد ایسی مضبوط ہو گئی کہ اس کے خاندان نے دو سو برس تک ہندوستان میں شان و شوکت سے حکومت کی۔

بیرم خاں اور اس کا عروج و زوال

بیرم خاں ترک نسل سے تھا وہ چھوٹی عمر میں یتیم ہو گیا اور ہندوستان پہنچ کر بابر کا نوکر ہوا یہاں اپنی خوش خلقی اور لطیفہ گوئی سے ہمایوں کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا۔ قنوج کی لڑائی میں ہمایوں سے جدا ہوا۔ تین سال بعد گجرات کی راہ سندھ میں ہمایوں سے جا ملا۔ اور ایران تک اس کے ساتھ گیا۔ واپسی پر اکبر کا اتالیق مقرر ہوا۔ ہمایوں نے وفات پائی۔ تو اسی کے حسن تدبّر سے پانی پت کی دوسری لڑائی میں فتح ہوئی۔ اکبر اسے خان بابا کہتا اور اس کی بے حد عزّت کرتا تھا۔ اکبر نے اسے خان خاناں کا خطاب دے کر مدارالمہام بنا دیا تھا۔ اس نے اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں پنجاب۔ اجمیر۔ گوالیار۔ لکھنؤ اور جونپور کو فتح کیا۔ دشمنوں کا خدشہ مٹ گیا تو اکبر کی انّا اور دوسرے امیروں کو بیرم خاں کا اقتدار کھٹکنے لگا۔ اور اس کی سخت گیری جو زمانۂ جنگ میں مفید ثابت ہوئی۔ اب ناگوارِ خاطر گزرنے لگی۔ انہوں نے اندر باہر بیرم خاں کے خلاف اکبر کے کان بھرنے شروع کئے۔ اکبر بھی بالغ ہو چکا تھا اور مطلق العنان ہونا چاہتا تھا۔ آخر اس نے ۱۵۶۰ء میں انتظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بیرم خاں کو حکم دیا کہ حج کو چلا جائے۔ بیرم خاں کو اپنی

وفاداریوں اور جان نثاریوں کا خیال تھا۔ وہ حج کے لئے چل پڑا۔ لیکن حاسد امراء نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس پر بیرم خاں پنجاب کی طرف پلٹ آیا۔ کہ کم ظرف امیروں کو سزا دے کر حج کو جائے۔ بادشاہ نے اس بات کو کھلی بغاوت سمجھا اور فوج کشی کا حکم دے دیا۔ مختصر لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف سے اپنے رفیقوں کو مرتا دیکھ کر بیرم خاں کا دل بھر آیا۔ اور گلے میں ننگی تلوار ڈال کر اکبر کے سامنے پیش ہوا۔ اکبر نے اس کی چالیس سالہ خدمات کا خیال کیا اور معاف کر دیا اور پوچھا۔ خان بابا! کسی صوبہ کی حکومت پسند ہے یا مکّۂ معظمہ جانا چاہتے ہو بیرم خاں نے مکہ شریف جانا پسند کیا لیکن راستہ میں ایک پٹھان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ بیرم خاں کے بیٹے عبدالرحیم خاں کو اس کے نوکروں نے اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ اکبر نے اس کی تعلیم و تربیت اپنی نگرانی میں کرائی۔ یہی بچہ بعد میں خانخاناں مشہور ہوا۔

گوالیار۔ اجمیر اور جونپور کے علاقے بیرم خانی عہد میں فتح ہوئے۔ جونپور اور ممالکِ شرقی میں افغانوں کی سرکوبی کا سہرا علی قلی خاں کے سر ہے۔ جس کو ان خدماتِ جلیلہ کے صلہ میں خان زمان کا خطاب ملا۔

جب اکبر نے عنانِ حکومت خود سنبھالی تو اس کے سامنے تین اہم مسائل تھے:۔

۱۔ خود سر امیروں پر اپنا اقتدار جمانا۔

۲۔ خود مختار علاقوں کو فتح کرنا۔

۳۔ انتظامِ سلطنت درست کر کے ممالکِ محروسہ میں امن وامان

قائم کرنا۔

امیروں کی خودسری

بیرم خاں کے بعد اکبر کی انّا اور اس کے بیٹے ادھم خاں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ ادھم خاں نے مالوہ میں بغاوت کی اور بغیر اجازت دہلی آکر شمس الدین وزیر کو قتل کر دیا۔ اکبر نے اسے فصیل قلعہ سے گروا کر مروا ڈالا۔ بیٹے کے صدمہ سے چالیس روز بعد اکبر کی انّا بھی مر گئی۔ اس طرح اور کئی سرداروں کی سرکوبی کی گئی۔

اکبر کی فتوحات

۱۔ تسخیر مالوہ ۱۵۶۲ء: مالوہ میں بازبہادر نامی ایک افغان سردار حکمران تھا۔ اکبر نے خود فوج کشی کی اور اسے شکست دے کر مالوہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

۲۔ گونڈوانہ ۱۵۶۴ء: موجودہ صوبجات متوسط کا شمالی حصّہ گونڈوانہ مشہور تھا۔ یہاں ایک راجپوت رانی درگاوتی حکمران تھی۔ آصف خاں نے فوج کشی کی۔ جبل پور کے نزدیک لڑائی ہوئی۔ رانی کو جب فتح کی امید نہ رہی۔ تو اس نے خودکشی کر لی۔ اور ریاست اکبری عمل داری میں شامل ہوئی۔

۳۔ چتوڑ ۱۵۶۷ء: چتوڑ کے رانا اودے سنگھ نے اکبر کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اکبر نے اس پہ چڑھائی کی۔ رانا قلعہ کو اپنے سپہ سالار کے سپرد کر کے خود بھاگ گیا اس نے کوئی چار مہینے جواں مردی سے مقابلہ کیا لیکن ایک رات وہ قلعہ کی فصیل پر گشت لگا رہا تھا۔ کہ اکبر نے خود اس کو گولی کا نشانہ بنایا۔ اس کی موت

سے راجپوتوں کے حوصلے پست ہو گئے اور قلعہ پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔

اودے سنگھ نے پہاڑوں میں اودے پور ایک نیا شہر بسا کر اسے اپنی راج دھانی بنا لیا۔

۴۔ رنتھنبور اور کالنجر ۱۵۶۸ء : چتوڑ کے بعد اکبر نے رنتھنبور اور کالنجر کے قلعے فتح کئے اور اس طرح تقریباً تمام راجپوتانہ مطیع ہو گیا۔

۵۔ گجرات ۱۵۷۲ء گجرات میں مظفر شاہ بادشاہ تھا۔ اکبر نے اس پر فوج کشی کی اور اسے شکست ہوئی۔ اکبر نے ملک پر قبضہ کر کے مظفر کی پنشن مقرر کر دی۔ اس فتح سے سورت اور بعض دوسری بندرگاہوں پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ جس سے تجارت کو ترقی ہوئی اور سرکاری آمدنی میں کافی اضافہ ہوا۔

اگلے سال گجرات میں بغاوت ہو گئی۔ اکبر ۳۰۰ جانباز سرداروں کو لے کر یلغار کرتا ہوا نو دن میں ۶۰۰ میل طے کر کے جا پہنچا اور دشمنوں کو مار بھگایا۔

۶۔ بنگال ۱۵۷۶ء : بنگال کے افغان حکمران داؤد خاں نے اطاعت قبول نہ کی تھی کہ اکبر نے فوج کشی کی۔ داؤد شکست کھا کر اڑیسہ کی طرف بھاگ گیا۔ اکبر اس مہم کو راجہ ٹوڈر مل اور دوسرے امراء کے سپرد کر کے خود آگرہ واپس آ گیا۔ کئی سال لڑائی جاری رہی آخر ۱۵۷۶ء میں داؤد خاں لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور بنگال کا زرخیز صوبہ سلطنتِ مغلیہ میں شامل ہو گیا۔

۹۔ کابل ۱۵۸۵ء: کابل میں حکیم مرزا حکمران تھا۔ ۱۵۸۰ء میں اس نے بغاوت کی۔ اکبر نے ایک لشکر روانہ کیا۔ مرزا کو شکست ہوئی۔ اکبر نے معافی دے کر پھر کابل کی حکومت اسے دے دی۔ ۱۵۸۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا تو اکبر نے راجہ مان سنگھ کو کابل کا صوبہ دار مقرر کیا۔

۱۰۔ کشمیر ۱۵۸۶ء: یوسف شاہ حاکمِ کشمیر کو شاہی فوج نے شکست دے کر کشمیر کو سلطنتِ مغلیہ میں شامل کیا۔

۱۱۔ سندھ اور اڑیسہ: ۱۵۹۱ء میں سندھ کا صوبہ فتح کیا اور ۱۵۹۲ء میں اڑیسہ کا علاقہ فتح ہو کر اکبر کی عملداری میں شامل ہوا۔

۱۲۔ قندھار ۱۵۹۵ء: ہمایوں نے قندھار فتح کر کے شاہِ ایران کے حوالے کر دیا تھا۔ ۱۵۹۵ء میں مظفر حسین حاکمِ قندھار نے اپنی مرضی سے قندھار کا علاقہ اکبر کو دے دیا۔

دکن کی فتوحات

جب شمالی ہند پر اکبر کا قبضہ مکمل ہو گیا تو اس نے دکن کی طرف توجہ کی اور اس وقت دکن میں پانچ اسلامی ریاستیں اور چند ہندو ریاستیں تھیں۔ اسلامی ریاستوں کو ہندو راجے متحد ہونے نہ دیتے تھے۔ اور وہ آپس میں لڑتی بھڑتی رہتی تھیں۔ اکبر نے ان ریاستوں کے حکمرانوں کے پاس اپنے سفیر بھیجے کہ اطاعت قبول کر کے اس کی شہنشاہی کو تسلیم کریں۔ خاندیش کے سوا باقی سب ریاستوں نے انکار کر دیا۔ اکبر نے ۱۵۹۵ء میں اپنے بیٹے مراد کو لشکر دے کر بھیجا کہ احمد نگر کو فتح کر لے۔ احمد نگر کا سلطان نابالغ تھا۔ اس کی پھوپھی چاند بی بی سلطانہ جو بیجاپور کے

سلطان کی بیوہ تھی۔ بھتیجے کی حمایت کو آ پہنچی۔ اس نے شاہی لشکر کا مقابلہ مردانہ وار کیا۔ اور مراد کو نامراد ہونا پڑا۔ آخر صلح ہو گئی۔ اگلے سال شہزادہ دانیال کو بھیج کر احمد نگر فتح کر لیا۔

خاندیش کے حاکم نے ۱۵۹۱ء میں اطاعت قبول کر لی تھی۔ لیکن پھر سرکشی اختیار کی۔ ۱۶۰۰ء میں اکبر نے فوج کشی کی اور گیارہ ماہ کے محاصرہ کے بعد قلعہ اسیر گڑھ فتح کر لیا۔ اور شہزادہ دانیال کو دکن میں اپنا نائب مقرر کیا۔

اکبر اور راجپوت

اکبر کو وہ نصیحت یاد تھی۔ جو شاہِ ایران طہماسپ نے اس کے باپ ہمایوں کو کی تھی کہ دوبارہ ہندوستان کی بادشاہت نصیب ہو تو وہاں کی ہندو رعایا سے میل جول بڑھانا کہ برے وقت کام آئیں۔" جب وہ اپنے امیروں کی اصلاح کر چکا تو اس نے اس نصیحت پر عمل کرنا شروع کیا۔ چنانچہ راجہ بیربل کو اس نے اپنا آلۂ کار بنایا اور اس کے ذریعے راجپوت راجاؤں سے ناطہ رشتہ کر کے اتحاد قائم کرنے کی صورت نکالی۔ چنانچہ سب سے پہلے راجہ جودھ پور کی بیٹی جودھ بائی سے اس نے خود شادی کی۔ جس کے بطن سے شہزادہ سلیم (جہانگیر) پیدا ہوا۔ جودھ پور کے راجہ کی دیکھا دیکھی اور کئی راجپوت راجاؤں نے بھی اکبر سے رشتے ناطے کر لئے اور اس رشتہ داری کی وجہ سے وہ اکبر کی وفاداری کا دم بھرنے لگے۔ اکبر نے بھی ان کی جاں نثاریوں کا صلہ دینے میں کوتاہی نہ کی۔ اور انہیں انتظام ملکی میں اعلیٰ عہدوں پر سرفراز کیا۔ چنانچہ راجہ بہاری مل کا بیٹا بھگوان داس بہت بڑا منصب دار ہوا۔ پھر بھگوان داس کے بھتیجے راجہ مان سنگھ

کو اکبر نے سپہ سالارِ فوج اور کابل کے خالص اسلامی صوبہ کا گورنر بنایا
سلیم بادشاہ ہوا تو وہ خیر سے راجپوتوں کا بھانجا تھا۔ راجپوت اس
کو اپنا انگ سمجھتے تھے اس لئے اس کے اور شاہ جہان کے
عہدِ حکومت میں راجپوت سلطنت کے وفادار اور قوی بازو ثابت ہوئے۔
اکبر کی یہ حکمتِ عملی وقتی طور پر تو مفید ثابت ہوئی۔ لیکن
اس کی وجہ سے اس کی نسل دوغلی ہو گئی اور آہستہ آہستہ تیموری
خون کی کمی ہوتی گئی۔ جس کے باعث آخری مغل بادشاہوں میں
تیموری شجاعت و غیرت نام کو بھی نہ رہی اور چونکہ اکبر کی دیکھا دیکھی
مغل امراء نے بھی ہندو عورتوں سے شادیاں کیں۔ اس لئے
مغل قوم ساری کی ساری کمزور ہوتی گئی۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یک
یہ بھی ہوا کہ ہندو رسوم مسلمانوں میں رواج پاتی گئیں اور مسلمانوں
میں سے اسلامی رُوح ختم ہوتی گئی۔

شاہزادہ سلیم کی بغاوت

شہزادہ سلیم بڑی منتوں کے
بعد ۱۵۷۰ء میں پیدا ہوا۔ اکبر اس
سے بیحد محبت کرتا اور لاڈ چاؤ سے رکھتا تھا۔ اس لئے وہ ضدی
ہوتا گیا اور ۱۶۰۱ء میں اکبر دکن کی تسخیر کے لئے آگرہ سے
روانہ ہوا تو سلیم کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے شہنشاہی کا خطاب
دیا اور اجمیر کو اس کا صدر مقام قرار دیا۔ منشا یہ تھا۔ کہ وہ
راجپوتوں کو ساتھ لے کر اودے پور کے رانا کو نیچا دکھائے۔
مگر سلیم تن آسانی اور شراب نوشی کی وجہ سے عیش و عشرت کا
دل دادہ تھا۔ رانا کی شورشوں سے پریشان ہو کر آگرہ کی
طرف چل پڑا۔ آگرہ کا قلعہ دار بہت عقل مند اور باتدبیر امیر تھا۔
اس نے استقبال کیا اور نذر پیش کر کے خیر خواہی کی ایسی باتیں

کیں کہ سلیم نے اس کو قلعہ داری پر بحال رکھا۔ اکبر کی ماں زندہ تھی۔ اس نے پوتے کو بہت پیار سے پالا تھا۔ وہ سلیم کو سمجھانے کے لئے باہر آئی۔ سلیم نے سنا تو وہ کشتی میں الہ آباد چل دیا۔ دادی مایوس ہو کر واپس آ گئی۔ الہ آباد آ کر اس نے اودھ اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ دکن میں اکبر نے سلیم کی سرکشی کے ساتھ ہی شہزادہ دانیال کے انتقال کی خبر سنی۔ بہت آزردہ ہؤا آخر ابوالفضل کو دکن میں چھوڑ کر اکبرآباد (آگرہ) آیا۔ سلیم کو محبت بھرے خطوط لکھے۔ لیکن وہ خاطر میں نہ لایا اور لشکر لے کر اٹاوہ سے اکبرآباد کی طرف بڑھا۔ اکبر نے اسے لکھا۔ کہ باپ کے گھر میں لاؤ لشکر لے کر بیٹے کا آنا اگر اپنی شان و شوکت دکھانے کے لئے ہے تو خیر۔ اور اگر نیت صاف نہیں۔ تو واپس چلے جاؤ۔

اس کے بعد شہزادہ نے ابوالفضل کو قتل کرا دیا۔ جس سے بادشاہ اور بھی ناراض ہؤا۔ بیگمات نے شہزادہ کی سفارش کی ناچار بادشاہ نے اپنی سلیمہ بیگم کو جو دانائی میں مشہور تھی، بھیجا وہ سلیم کو اپنے ساتھ اکبرآباد لے آئی۔ سلیم قریب پہنچا۔ تو دادی دوڑی گئی۔ اور شہزادہ کو لا کر اکبر کے قدموں میں ڈال دیا۔ اکبر نے اسے اٹھا کر گلے لگایا اور معاف کر دیا۔

اکبر کی وفات ۱۶۰۵ء

پے در پے صدمات کی وجہ سے اکبر کی صحت روز بروز گرتی گئی۔ آخر اسہال کے مرض نے اس کو نڈھال کر دیا۔ اور ۱۶۰۵ء میں رحلت کر گیا۔ بستر مرگ پر اس نے سلیم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور اسے اپنے جان نثار امیروں کی نگہداشت کی وصیت کر کے

امراء کو تاکید کی کہ سلیم کے وفادار رہیں۔

اکبر کی اصلاحات

اکبر کو مذہبی رواداری کا خاص خیال تھا۔ اس نے راجپوتوں کو جو ہندوؤں میں سب سے زیادہ شجاع مشہور تھے۔ اپنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور جب ان سے گھل مل گیا تو ان کی خوشنودی کے لئے پہلے یاترا ٹیکس معاف کیا اور پھر شرعی محصول جزیہ بھی معاف کر کے اس نے مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز اٹھا دیا گویا ایک طرح سے تبلیغ اسلام میں رخنہ ڈال دیا۔ ستی کو بند کرنے کی کوشش کی۔ اور حکم دے دیا۔ کہ اگر کوئی بیوہ اپنی خوشی سے ستی نہ ہونا چاہے تو اس کو ہرگز مجبور نہ کیا جائے۔ کہ وہ ستی ہو۔

بچپن کی شادی کے خلاف اور بیواؤں کی دوبارہ شادی کی حمایت میں بھی اس نے کوششیں کیں۔

اکبر کا انتظامِ سلطنت

اکبر نے تمام سلطنت کو اٹھارہ صوبوں میں تقسیم کر کے ہر صوبے میں ایک ناظم مقرر کیا۔ اور اس کے ماتحت فوجی اور دیوانی افسر مامور کئے۔ مقدمات کے فیصلے کے لئے قاضی رکھے۔ اور امن و امان بحال رکھنے کے لئے پولیس اور کوتوال مقرر کئے۔ دیہات میں پنچائتوں کا بندوبست تھا جو چھوٹے چھوٹے مقدمات کا فیصلہ کرتی تھیں۔

بادشاہ بذاتِ خود ہر روز دربارِ عام میں مظلوموں کی فریادیں سنتا اور ان کی داد رسی کرتا۔ صوبوں کے حاکموں کے خلاف اپیلیں سنتا اور حاکموں کی عرض داشتوں پر غور کرتا تھا۔ مجرموں

کو عبرت ناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ بادشاہ کی زبان ہی قانون تھی اور وہ ہر معاملے میں مطلق العنان تھا۔

فوجی عہدہ دار تینیس درجوں میں منقسم تھے۔ چھوٹے سے چھوٹا عہدہ دار دس سواروں کا افسر ہوتا تھا۔ اور بڑے سے بڑا دس ہزاری کہلاتا تھا۔ یہ منصب دار کہلاتے تھے۔ اور ان کو اپنے منصب کے مطابق فوج رکھنی پڑتی تھی۔ شروع میں تو منصب داروں کو جاگیریں دینے کی رسم تھی۔ بعد میں اکبر نے جاگیرداری کا طریقہ منسوخ کر دیا اور سپہ سالاروں اور سپاہیوں کو خزانۂ شاہی سے نقد تنخواہیں دینا تجویز کیا۔ بری فوج کے علاوہ اکبر نے بحری فوج بھی بھرتی کی۔ اور ان پر ایک افسر کو امیر البحر مقرر کیا۔ جس کا فرض تھا۔ کہ دریائی شاہراہوں کی حفاظت کرے۔ اور جنگی و تجارتی جہاز و کشتیاں فراہم کرے۔

بندوبست مال گزاری

اکبر نے مالی اصلاحات کے لئے راجہ ٹوڈر مل سے کام لیا۔ جو شیر شاہ سوری کا تربیت یافتہ تھا۔ اس نے زمین کی پیمائش کے لئے نیا پیمانہ (جریب) مقرر کیا اور اس کے مطابق تمام زمین کی پیمائش کرائی۔ مزروعہ زمین کی پیداوار کا تخمینہ کیا۔ زمین کی شادابی اور زرخیزی کے لحاظ سے اسے تین درجوں میں تقسیم کیا اور درجہ وار لگان مقرر ہوا۔ یہ لگان جنس کی صورت میں یا نقدی کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا۔ قحط کے دنوں میں نہ صرف مالیہ معاف کیا جاتا تھا۔ بلکہ زمین داروں کو تقاوی بھی دی جاتی تھی۔ محصلوں کو نقد تنخواہیں شاہی خزانہ

سے ملتی تھیں۔ رشوت خور ملازموں کو سخت سزا ملتی تھی اس لئے رشوت ستانی بند ہو گئی تھی۔

اکبر کا مذہب

اول اوّل اکبر مذہب اسلام کا بہت پابند تھا۔ لیکن علماء کی باہمی رقابتوں سے وہ بے علم بادشاہ شک و شبہ کا شکار ہوتا گیا۔ اور برسرِاقتدار علماء کے پھندوں سے آزاد ہونے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اتفاق سے شیخ مبارک کے بیٹے فیضی اور ابوالفضل اس کو مل گئے۔ جنہوں نے پرانے عالموں کے زور کو آہستہ آہستہ کم کیا اور پھر بادشاہ کو خدا کا نائب قرار دے کر تمام علماء سے فتوے لے لئے کہ اکبر خلیفۃ اللہ ہے۔ اور متنازعہ مسائل میں اس کا فیصلہ قابلِ تسلیم ہے۔ اس طرح جب اکبر نے مذہبی احکام کا سررشتہ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ادھر ہندوؤں کو خوش کرنے کا بھوت اس کے سر پر سوار ہوا تو اس نے ہندو مسلمانوں کو ایک ایک کر کے متحدہ قومیت پیدا کرنے کی سوجھی۔ چنانچہ غیر مسلم عورتوں سے مسلمانوں کو شادی کرنے کی بدعت شروع کرنے کے بعد اس نے ایک نئے مذہب کا اعلان کیا۔ جس کا نام "دینِ الٰہی اکبر شاہی" رکھا گیا۔ اس مذہب کے اصول مختلف مذاہب سے لئے گئے۔ اور بنیادی اصول یہ قرار دیا تھا۔ کہ خدا ایک ہے۔ اکبر اس کا نائب ہے اور سورج۔ چاند۔ ستارے، خدا کا ظاہری جلوہ ہیں۔ اس لئے ان کی پرستش جائز ہے۔" اکبر صبح سویرے جھروکے میں بیٹھ کر سورج کے درشن کرتا۔ اور لوگ جھروکہ کے سامنے آ کر اس کو سلام کرتے تھے اس مذہب میں صرف چند خوشامدی امراء ہی شامل ہوئے۔ اور اکبر

کے مرتے ہی اس مذہب کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اکبر کے خصائل

اکبر بالاقد۔ خوبصورت اور قوی ہیکل تھا اور اس کے چہرے سے شاہانہ جاہ و جلال ٹپکتا تھا۔ وہ اگرچہ بالکل ان پڑھ تھا لیکن عالموں کی صحبت میں اور عالمانہ باتیں سنتے رہنے سے علمی مسائل کو سمجھنے لگا تھا۔ اس کی زبان بہت صاف اور شستہ ہو گئی تھی۔ ذہن رسا اور قوی حافظہ پایا تھا۔ سیاسی جوڑ توڑ خوب جانتا تھا۔ اس کی جنگی قابلیت اور مستقل مزاجی حیرت انگیز تھی۔ وہ جنگی ہاتھیوں کی لڑائی کا بہت شائق۔ شکار اور پولو کا شیدائی تھا وہ بہترین شہسوار اور غضب کا دلیر و شجاع تھا۔ اس نے ایک دفعہ اجمیر سے آگرہ تک ۲۴۰ میل کا سفر ایک دن رات میں گھوڑے پر طے کیا۔ اس کے دماغ میں ایجاد کا مادہ بھی بہت تھا فوجی معاملات میں بہت سی اختراعات کیں کپڑے کی صنعت میں ایجادات کیں۔ مذہبی رواداری اس کی مشہور ہے۔ غیر مذاہب کو بھی اشاعتِ مذہب کی اجازت اس نے دے دی۔ عیسائی پادریوں نے اس کے عہد میں گرجے تعمیر کرائے۔

اکبری دربار کے رتن

دربار اکبری میں ہر فن کے باکمال ملک ملک سے آ کر جمع ہو گئے تھے۔ ان میں خان خاناں۔ بیرم خاں۔ راجہ ٹوڈر مل۔ بھگوانداس۔ راجہ مان سنگھ اور راجہ بیربل کا ذکر تم اس کے حال میں پڑھ چکے ہو۔ فیضی شیخ مبارک کا بڑا بیٹا، شاعری کے وسیلے سے دربار میں پہنچا۔ علم وادب اور فلسفہ و حکمت میں اسے خاص

کمال حاصل تھا۔ اکبر نے اس کے لئے ملک الشعراء کا عہدہ دربار میں نکالا۔ وہ فارسی و عربی کے علاوہ سنسکرت کا بھی جید عالم تھا۔

فیضی کے چند سال بعد ابوالفضل اس کا چھوٹا بھائی بھی دربار میں پہنچا۔ جو بڑا عالم۔ اعلےٰ درجے کا مدبر، سیاست دان اور بہادر جرنیل تھا۔ اس نے اپنی لیاقت اور وفاداری سے اکبر کا دل موہ لیا تھا۔ اکبر نامہ اور آئین اکبری اسی کی تصنیفات سے ہیں۔ اکبر کے مزاج میں ابوالفضل کو اس درجہ دخل تھا۔ کہ شہزادہ سلیم کو بھی اس پر حسد ہوا۔ اور اسی وجہ سے اس نے ابوالفضل کو قتل کرا دیا۔

مرزا عبدالرحیم خان خاناں، بیرم خاں کا فرزند تھا۔ جو اکبر کی نگرانی میں پروان چڑھا۔ مروّجہ علوم میں اس کی استعداد مسلّمہ تھی فہم و فراست اور سخاوت اس کی ضرب المثل ہے۔ فارسی اور ہندی زبان کا بہترین شاعر اور اہلِ علم شعراء کا مُربّی تھا اٹھارہ برس کی عمر میں اکبر نے اسے شہزادہ سلیم کا اتالیق مقرر کیا۔ اس کے بعد سپہ سالار ہوا اور خانخاناں خطاب پایا۔ تان سین اکبری دربار کا مشہور گویا تھا۔ جس نے دیپک راگ کو مکمل کر دکھایا۔

نورالدین جہانگیر
۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء

اکبر کے دو بیٹے مراد اور دانیال تو اس کی زندگی ہی میں مر گئے تھے۔ بڑا بیٹا سلیم زندہ تھا۔ لیکن اس نے کچھ جوانی کی مستی میں اور کچھ نادان مصاحبوں کی رائے سے ایسی نا ملائم حرکتیں کیں کہ اکبر بیمار رہنے لگا۔ اس رنج اور بیماری کی حالت میں اس نے ایک آدھ دفعہ کہا کہ اس نالائق باپ

(سلیم) سے تو یہ بیٹا (خسرو) ہی اچھا ہے۔ ان باتوں سے خسرو کے دماغ میں باپ سے سرکشی کی ہوا سمائی۔ شہزادہ خسرو، راجہ مان سنگھ کا بھانجا اور خان اعظم کا داماد تھا۔ اور یہی دونو امیر اس وقت سب سے زیادہ صاحبِ اقتدار سمجھے جاتے تھے خسرو کی ماں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے بیٹے کو سمجھایا مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس پر وفا شعار رانی نے سوچا۔ کہ جب بیٹا باپ کے خلاف تلوار سونت کر نکلے گا تو میں خاوند کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ اس لئے اس نے افیون زیادہ مقدار میں کھا لی اور مر گئی۔ جب اکبر کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو خانِ اعظم اور راجہ مان سنگھ نے دوسرے امیروں کو اپنے ساتھ ملا کر چاہا کہ سلیم کو گرفتار کر لیں۔ اور خسرو کو شہنشاہ بنا دیں مگر مجلس میں سمندخاں چغتائی نے چلاّ کر کہا کہ بکتے ہو؟ سلیم کے ہوتے بیٹا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ ہم چغتائی ترکوں کا یہ آئین نہیں۔ دوسرے امراء نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ اور سب اٹھ کر سلیم کے پاس چلے۔ سلیم روزانہ دستور کے مطابق کورنش کے لئے باپ کی طرف جا رہا تھا۔ جب کشتی قلعے کے نیچے پہنچی تو ایک سردار نے کشتی میں کود کر سلیم کو سازش کی اطلاع دی۔ سلیم نے کشتی واپس کرائی اور بچ کر اپنے محل میں آ پہنچا۔ اس کے بزدل مصاحبوں نے عرض کی کہ دشمنوں نے محل کو اڑا دینے کی سازش کی ہے۔ الہ آباد چلو۔ وہ بھاگنے کو تیار ہوا۔ مگر اس کے ایک ملازم رکن الدین نے سمجھایا کہ میرے جان باز سپاہی موجود ہیں۔ آپ مستقل مزاج رہیں اور دیکھیں۔ دو گھنٹے میں کیا ہوتا ہے۔ اتنے میں سب امراء حاضر ہوئے۔ یہاں تک کہ خانِ اعظم شرمندگی کی حالت میں آ پہنچا۔ سلیم امراء کو ساتھ

لے کر قریب المرگ باپ کے پاس گیا۔ اور اپنا سر باپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ اکبر نے آنکھیں کھول کر دیکھا اشارہ کیا۔ کہ وہ دستار اور خلعت لاؤ جو شہزادہ خسرو کے لئے تیار ہؤا ہے۔ اور میرا خنجر سلیم کی کمر میں باندھو۔ اس کے بعد اس نے رحلت کی۔ سلیم نے قلعہ کی ڈیوڑھی تک باپ کے جنازہ کو کندھا دیا پھر قلعہ اور خزانہ راجہ رام داس کے سپرد کر کے اپنے محل میں گیا۔ یہاں آ کر معلوم ہؤا کہ راجہ مان سنگھ خسرو کو لے کر بنگال چلا گیا ہے اس نے راجہ کے بھائی مادھو سنگھ کو بھیجا کہ اطمینان دلا کے دونو کو واپس لے آؤ۔ اس نے جا کر بھائی کو لعنت ملامت کی اور دونو کو لے کر حاضر ہؤا۔ خسرو باپ کے قدموں میں گر پڑا اس نے اٹھا کر گلے لگایا اور شاہانہ شفقتوں سے دونو کا اطمینان کر دیا۔

جہانگیر کی تاجپوشی

۸۔ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ مطابق اکتوبر ۱۶۰۵ء کو ۳۸ برس کی عمر میں سلیم نے تخت پر جلوس فرمایا اور نورالدین جہانگیر کے لقب سے آگرہ میں جشن تاجپوشی منایا۔ اس وقت کابل سے لے کر دریائے زبدا تک تمام سلطنت میں امن و امان تھا۔

زنجیرِ عدالت

تخت پر بیٹھتے ہی اس نے حکم دیا۔ کہ زنجیرِ عدالت لٹکائی جائے۔ تاکہ اگر مظلوموں کی دادرسی میں عدالتیں تساہل کریں تو وہ اس زنجیر کو ہلائیں اور بادشاہ ان کی آواز پر آگاہ ہو کر ان کا انصاف چکائے۔ یہ زنجیر چار من خالص سونے کی تھی۔ اس کا طول تیس گز تھا اور اس میں ساٹھ گھنٹیاں لٹکتی تھیں۔ اس کا ایک سرا قلعہ کے بُرج سے باندھا گیا۔ اور دوسرا سرا جمنا کے کنارے پر ایک پتھر نصب

کر کے اس میں باندھا گیا۔ اس کے ہونے ہوئے مظلوموں کو دربانوں کی خوشامد سے نجات مل گئی۔

جہانگیر کے دس احکام

جہانگیر نے بادشاہ ہوتے ہی دس قوانین سلطنت کے مختلف صیغوں کے لئے بنائے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے :۔

۱۔ سڑکوں۔ دریاؤں۔ شہروں۔ قصبوں۔ گھاٹوں اور بندرگاہوں پر محصُول اور چونگی نہ لی جائے۔ اور نہ بھینٹ دی جائے۔

۲۔ جن راہوں پر چوری ہوتی ہو اور وہ آبادی سے دُور ہوں۔ اس نواح کے جاگیردار اور سرکاری عامل وہاں سرائے۔ مسجد اور کنوئیں تعمیر کرائیں اور انہیں آباد کریں۔

۳۔ مُردہ کا مال اسباب اس کے وارثوں کو دیا جائے لاوارث مرے تو اس کے مال و اسباب کو دیانت داری سے شرعی مصارف میں خرچ کیا جائے۔

۴۔ نشیلی چیزیں شرابؔ۔ بھنگ وغیرہ نہ کوئی بنائے۔ اور نہ ہی بیچے۔

۵۔ سرکاری آدمی کسی کا مکان ضبط نہ کریں۔ کسی کا بے گھر کر دینا اچھا نہیں ہوتا

(ف) اپنے تزک میں وہ خود لکھتا ہے کہ میں اٹھارہ سال کی عمر سے اب تک شراب پیتا ہوں۔ اور عرق دو آتشہ کے بیس پیالے روزانہ پیتا ہوں پھر لکھتا ہے کہ اس حکم کے بعد کم کرنے لگا۔ تو سات سال کے عرصہ میں بیس پیالوں سے چھ سات روزانہ پر آیا ہوں۔ پھر لکھتا ہے کہ اب صرف ہضمِ طعام کے لئے شراب پیتا ہوں۔ اخیر میں حضرت مجدد صاحب الف ثانی کے ہاتھ پر بیعت کرکے توبہ کر لی تھی۔

۶۔ کسی جُرم کی سزا میں ناک کان نہ کاٹے جائیں۔
۷۔ کوئی سرکاری ملازم رعیت کی زمین چھین کر خود کاشت نہ کرے۔
۸۔ سرکاری ملازم جس پرگنہ میں ہوں۔ شاہی حکم کے بغیر وہاں رشتہ ناطہ نہ کریں۔
۹۔ بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے کھولے جائیں۔ جن میں دوا اور غذا بیماروں کو سرکاری خرچ سے ملا کرے۔
۱۰۔ اس کے علاوہ حکم دیا کہ سکوں پر کلمہ طیبہ کندہ کرایا جائے۔ جو اکبر نے بند کر دیا تھا۔

خسرو کی بغاوت ۱۶۰۶ء

جہانگیر نے تخت نشین ہو کر خسرو پر شاہی الطاف و اکرام کا دریا بہا دیا اور ایک لاکھ روپیہ دیا کہ منعم خاں کے محل کو اپنے لئے درست کرے۔ لیکن خسرو کا دل صاف نہ ہؤا۔ کہ وہ چند ہی ماہ بعد دادا کی قبر کی زیارت کے بہانے گیا اور رات کو لاہور کی طرف چل دیا۔ صبح ہی جہانگیر اس کے تعاقب میں نکلا۔ خسرو نے شہر اور قلعہ لاہور پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ جہانگیر یلغار کرتا ہؤا اس کے تعاقب میں پہنچا۔ خسرو کو لاہور کے قریب شکست ہوئی اور وہ کابل کی طرف بھاگا لیکن دریائے چناب کو پار کرتا ہؤا پکڑا گیا۔ جہانگیر کے سامنے پیش ہؤا تو دونو باپ بیٹا رو رہے تھے۔ اس کے سات سو ہمراہی بھی گرفتار ہوئے۔ جنہیں عبرت ناک سزائیں دی گئیں۔ لیکن خسرو کو قید کر دیا۔ ۱۶۲۰ء میں شہزادہ خرم باپ سے درخواست کرکے اسے اپنے ساتھ دکن لے گیا۔ جہاں دو ۱۶۲۲ء میں

مر گیا۔

ملکہ نورجہاں

جہانگیر کے عہدِ سلطنت کا سب سے اہم واقعہ ملکہ نورجہاں کی شادی ہے۔ یہ ملکہ عقل و دانش کی پُتلی اور حسنِ تدبیر میں یگانۂ روزگار تھی۔ اس کا دادا محمد شریف ایران کے بادشاہ کا وزیر تھا۔ محمد شریف کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مرزا غیاث ایسا تنگ دست ہوا۔ کہ تلاشِ معاش میں اہل و عیال سمیت گھر سے نکلا۔ اور ہندوستان کا رُخ کیا۔ راستے میں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مسافرت میں تنگدست ماں باپ نے اس ننھی جان کو ساتھ لے چلنا مشکل جانا اور خدا کے بھروسے وہیں چھوڑ کر آگے چل دیئے۔ پیچھے پیچھے ایک قافلہ آ رہا تھا۔ قافلے والوں نے اسے پڑا پایا تو رحم آ گیا۔ اٹھا کر سالارِ قافلہ ملک مسعود کے سامنے لائے۔ اسے مرزا غیاث کا حال معلوم تھا۔ سمجھ گیا۔ بلا کر یہ بچّی اسے دی۔ سواری کو گھوڑا اور زادِ راہ بھی دیا۔

دھلی پہنچ کر ملک مسعود نے اکبری دربار میں مرزا غیاث کو پیش کیا اور اس کے خاندان اور لیاقت کی تعریف کی۔ ہمایوں بادشاہ جب ہندوستان سے بھاگ کر ہرات پہنچا تھا تو محمد شریف ہرات کا حاکم تھا۔ اس نے ہمایوں کی بہت خدمت کی تھی۔ ذاتی لیاقت کے ساتھ مرزا غیاث کے باپ کی خدمات کام آئیں اور اکبر نے اسے ایک امیر مقرر کر دیا۔ چونکہ محاسب۔ خوش نویس اور شاعر خوش بیان تھا۔ اس لئے ترقی کرتا گیا۔ اور میر خزانہ کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔ اس طرح دن پھرے تو وہ ننھی بچّی جو سفر میں پیدا ہوئی تھی جس کا نام مہرالنساء رکھا تھا۔ ناز و نعمت میں پرورش پانے لگی جوان

ہوئی تو اس کی شادی ایک نوجوان افغان علی قلی خاں حاکمِ بردوان کے ساتھ ہو گئی۔ یہ نکاح اکبری عہد میں ہوا۔ جہانگیر بادشاہ ہوا۔ تو علی قلی خاں نے لاہور کی شکارگاہ میں بغیر ہتھیار کے چیتے کا شکار کیا۔ جہانگیر نے خوش ہو کر اسے شیر افگن کا خطاب دیا اور بنگال کا حاکم بنا دیا۔ ۱۶۰۷ء میں بنگال میں بغاوت ہو گئی۔ جہانگیر کو شیر افگن کی وفاداری پر بھی شبہ ہوا۔ اس نے قطب الدین کو بنگال بھیجا۔ کہ شیر افگن سے وجہ دریافت کرے۔ ملاقات کے دوران میں قطب الدین نے نامناسب الفاظ استعمال کئے۔ شیر افگن برداشت نہ کر سکا۔ اور اس نے خنجر سے قطب الدین پر حملہ کیا۔ اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں اور مر گیا۔ قطب الدین کے سپاہیوں نے شیر افگن کو گھیر لیا اور وہ جاں باز تنہا لڑتا ہوا مارا گیا۔ مہرالنسأ اور اس کی بیٹی قید ہو کر آگرے پہنچیں۔ جہاں مہرالنسا کا باپ اور بھائی ملازمِ شاہی تھے۔ بیوہ ہو کر مہرالنسا نے کئی ایجادات کیں۔ پھول دار چکن اور عطر گلاب اسی کی ایجادات سے ہیں اس کی شہرت محل تک پہنچی تو جہانگیر کی والدہ نے مہرالنساء کو بلایا وہ اکثر اس کی خدمت میں رہنے لگی۔ جہانگیر کو اس کی خداداد قابلیت اور سلیقہ شعاری کا علم ہوا تو اس نے ماں کی معرفت پیغام دیا اور ۱۶۱۱ء میں مہرالنساء کا نکاح جہانگیر سے ہو گیا۔

جہانگیر نے پہلے اس کا نام نور محل اور پھر نور جہاں رکھا چونکہ نور جہاں عقل مند۔ تعلیم یافتہ اور بہت باسلیقہ خاتون تھی۔ اس لئے اس نے جہانگیر کے دل میں گھر کر لیا۔ اور آہستہ آہستہ امورِ سلطنت کو بھی اپنے سے متعلق کر لیا۔ اب اس کا باپ وزیرِ اعظم تھا۔ اور بھائی آصف خاں فوج شاہی میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھا۔ اِس

مدبرّ خاتون نے انتظامِ سلطنت اس خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ جہانگیر حیران رہ گیا اور مؤرخوں کو لکھنا پڑا۔ کہ جہانگیر کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس کو نورجہاں جیسی سیاست دان ملکہ مل گئی۔ ورنہ اس مست بادشاہ کے ہاتھ سے سلطنت چھن جاتی۔

نورجہاں بہت رحم دل اور فیاض عورت تھی۔ اس نے ہزاروں یتیم بچوں کی پرورش اور ہزاروں لاوارث بچیوں کی شادی اپنے خرچ سے کی۔ اس نے ہندوستانی عورتوں کے لباس میں بہت اختراع کی۔ اور آدابِ مجلس و خانہ داری میں اصلاح کی۔ وہ شاعرہ بھی تھی۔ نورجہاں شروع میں اپنے بھائی کے داماد شہزادہ خرّم کی طرف دار تھی۔ لیکن بعد میں جب اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کا نکاح جہانگیر کے چھوٹے بیٹے شہریار سے ہوا تو قدرتاً وہ شہریار کی بادشاہی کے لئے تدبیریں سوچنے لگی مگر کامیاب نہ ہوئی اور اس کے بھائی آصف خاں کا داماد خرّم بادشاہ ہوا خرّم نے شاہ جہاں کے لقب سے بادشاہ ہو کر نورجہاں کو امورِ سلطنت سے الگ کر دیا۔ اور اس کی پنشن سولہ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دی۔ جہانگیر کے بعد وہ اٹھارہ سال زندہ رہی۔ اور ۱۶۴۵ء میں فوت ہوئی۔ اس عرصے میں اس نے ہمیشہ سفید کپڑے پہنے اور سوگوار رہی۔ شاہدرہ میں جہانگیر کے مقبرہ کے قریب ہی مگر فصیل سے باہر دفن ہوئی۔ اس کی قبر پر یہ شعر کندہ ہے۔ جو خستہ مقبرہ کی حالتِ زار اور نورجہاں کی آخری زندگی کا آئینہ دار ہے:۔

بر مزارِ ما غریباں نے چراغ دنے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

اُودے پور کی مُہم

جہانگیر بادشاہ ہُوا تو ان دنوں اودے پور میں رانا پرتاب کا بیٹا امر سنگھ حکمران تھا۔ جہانگیر نے جشنِ تاجپوشی کے بعد شہزادہ پرویز کو رانا کے خلاف بھیجا۔ رانا امر سنگھ اطاعت قبول کر کے اپنے بیٹے کرن کو دربار میں بھیجنے پر رضامند ہونے والا تھا کہ خسرو باغی ہو گیا اس لئے جہانگیر خود تو اس کے تعاقب میں پنجاب روانہ ہوا۔ اور شہزادہ پرویز کو حکم دیا کہ جلد صلح کر کے آگرہ پہنچ جائے۔ ناچار پرویز نرم شرائط پر صلح کر کے لَوٹ آیا۔ اس کے بعد جہانگیر نے شہزادہ خرم کو بھیجا۔ جس نے رانا کو شکست پر شکست دیکر اس کا ناطقہ بند کر دیا۔ آخر ۱۶۱۴ء میں امر سنگھ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور اپنے بیٹے کرن کو دربارِ جہانگیری میں بھیج دیا۔ جہاں اسے پانچہزاری منصب عطا ہُوا۔ جہانگیر نے اس کامیابی کو قابلِ فخر سمجھا کیونکہ اکبر رانا کو مطیع کرنے میں ناکام رہا تھا۔ شہزادہ خرم سے خوش ہو کر اس نے خرم کو بیس ہزاری منصب عطا کیا۔

دکن کی مُہم

چاند بی بی کے قتل ہو جانے کے بعد احمد نگر پر اکبری تسلط ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی تک وہاں شورش برپا تھی۔ اور احمد نگر کا جلشی وزیر ملک عنبر جو بہت دانا اور صاحب تدبیر تھا۔ اس نے مغل افسروں کو ملک سے نکال کر خود مختار حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ آخرکار شہزادہ خرّم کو شورش دور کرنے کے لئے احمد نگر کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس نے ۱۶۱۶ء میں ملک عنبر کو شکست دے کر احمد نگر پر قبضہ کر لیا۔ ملک عنبر کی وفات کے بعد یہ ریاست پوری طرح مطیع ہو کر شاملِ سلطنت ہوئی۔ شہزادہ خرّم کو اس خدمت کے صلہ

میں تیس ہزاری منصب اور شاہ جہان کا خطاب عطا ہوا۔

کانگڑہ کی تسخیر

۱۶۲۰ء میں جہانگیر نے کانگڑہ کا پہاڑی قلعہ فتح کیا۔ اس فتح پر بھی اسے بہت ناز تھا۔ کیونکہ اکبر بھی اس قلعہ کو فتح نہ کر سکا تھا۔

قندھار کا ہاتھ سے جانا

قندھار کا علاقہ اکبر کے عہد میں بے لڑے ہی ہاتھ آ گیا تھا لیکن ۱۶۲۲ء میں ایران کے بادشاہ عباس نے اسے واپس لے لیا۔

قندھار کی تسخیر کا عزم اور شہزادہ خرم کی بغاوت ۱۶۲۲ء

جہانگیر کو قندھار کے نکل جانے کا افسوس ہوا۔ اس نے قندھار کی تسخیر کے لئے شہزادہ خرم کو دکن سے طلب کیا نورجہاں کی ایک بیٹی تھی جو شیر افگن کے ہاں پیدا ہوئی تھی۔ اس نے اس کا نکاح جہانگیر کے چھوٹے بیٹے شہریار سے کیا تھا۔ اور وہ چاہتی تھی۔ کہ شہریار ولی عہد ہو جائے۔ لیکن اس کا باپ اعتمادالدولہ جو بہت عقل مند اور دور اندیش وزیر تھا۔ نورجہاں کو ایسی فساد کی باتوں سے روکنا چاہتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو امورِ سلطنت کلی طور پر نورجہاں کے ہاتھ میں آ گئے۔ تو وہ خرم کو جو جہانگیر کا چہیتا اور شجاع بیٹا تھا۔ اس کی نظروں سے گرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی تھی۔ اس موقع پر اس نے قسم کھا کر جہانگیر کو یقین دلایا کہ دوسرے بیٹوں کے موجود ہوتے ہوئے شاہ جہان کو دور سے بلانا اور پھر دکن کو جو فسادِ جنگ کا گھر ہے خالی چھوڑ دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ مہم شہریار کے سپرد ہونی چاہیئے۔ اور مرزا رستم صفوی جو مدتوں قندھار میں کامیاب رہا ہے۔ اسے شہریار کا اتالیق بنا

کر ساتھ بھیجا جائے۔ جہانگیر نے شہریار کو بارہ ہزاری منصب دے کر پنجاب اور دوسرے زرخیز علاقے جاگیر میں دے دیئے جو پہلے شاہجہان کی درخواست پر اسے دیئے گئے تھے شاہجہان کو معلوم ہوا تو اس نے نہایت ادب کے ساتھ اس بارہ میں اپنی آزردگی کا اظہار کیا۔ اور تغیر جاگیر کو نورجہاں کی غرض مندی کا نتیجہ بتایا۔ شاہجہان نے حاضر دربار ہونے کی اجازت چاہی مگر نورجہاں اور اس کے خوشامدیوں نے بادشاہ کے دل میں اس کا باغی ہو جانا بٹھا دیا۔ اور اس کی سرکوبی کے لئے مہابت خاں کو کابل سے طلب کیا گیا۔

چنانچہ جہانگیر کے حکم سے بے شمار شاہی لشکر مہابت خاں کی سرداری میں شاہ جہان کی سرکوبی کے لئے دکن کی طرف بھیجا گیا شاہ جہان کو ناچار اپنی جان کی حفاظت کے لئے لڑنا اور ادھر ادھر بھاگنا پڑا۔ شاہی لشکر اس کے پیچھے مالوہ سے دکن اور دکن سے بنگال گیا۔ شاہ جہان پھر دکن میں جا پہنچا۔ اور باپ کو معافی نامہ لکھ بھیجا۔ جہانگیر نے اپنے ہاتھ سے فرمان لکھا۔ کہ اگر داراشکوہ اور اورنگ زیب کو بھیجو اور رہتاس و آسیر کے قلعوں کو ہمارے آدمیوں کے سپرد کردو تو تمہارے قصور معاف ہو جائیں گے۔ شاہ جہان نے باپ کی رضاجوئی کے لئے ۱۶۲۵ء میں دونو بیٹوں کو دس لاکھ روپے کی پیش کش کے ساتھ بھیج دیا۔ اور رہتاس اور آسیر کے قلعداروں کو لکھا۔ کہ جس جس کے نام شاہی فرمان آئے۔ قلعے اس کے حوالے کرکے میرے پاس آ جاؤ۔

مہابت خاں کی بغاوت

شاہ جہان کے بعد مہابت خاں کی باری آئی۔ آصف خاں نے

بنگال کے ہزاروں فریاد خواہ جن پر مہابت خاں نے سختیاں کی تھیں۔ بادشاہ کے حضور میں پیش کیے۔ یہ تمام آگ آصف خاں نے لگائی تھی نورجہاں مہابت خاں کو بچانا چاہتی تھی۔ مگر جہانگیر ستم رسیدہ لوگوں کی فریاد سننے کا بہت پابند تھا۔ اور غریب مظلوموں کے خلاف وہ نورجہان کی طرفداری کی مطلق پرواہ نہ کرتا تھا۔ غرض مہابت خاں پر خیانت اور رعایا پر ظلم وستم کا الزام لگا کر جوابدہی کے لئے آصف خاں نے اسکو طلب کرایا۔ مہابت خاں پانچ ہزار من چلے راجپوت ساتھ لے کر آیا اور اس وقت پہنچا۔ جب بادشاہ دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر ٹھہرا ہوا تھا اور عبور کر کے کابل جانا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے مہابت خاں کو حکم دیا۔ کہ جب تک اس کے خلاف شکایتوں کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ وہ ملازمت سے محروم رہے۔

دریا پر پُل بن گیا تو دستور کے مطابق تمام امراء اور لشکر دریا پار ہو گئے۔ صرف بادشاہ اور بیگم چند خدمتگاروں کے ساتھ رہ گئے۔ ایک رات مہابت خاں نے چپکے سے پُل اور گھاٹ روک کر شاہی خیموں کے گرد راجپوت پھیلا دیئے اور گھوڑے پر سوار قناتوں کے اندر بارگاہِ شاہی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ حرم سرا میں غل مچ گیا۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھا اور تلوار لے کر باہر آیا اور کہا۔ نمک حرام مہابت خاں! کیا کہتا ہے؟ اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ دشمنوں کے ہاتھ سے جان بچا کر حضور کی پناہ میں آیا ہوں۔ جہانگیر نے چاہا کہ اس بے ادب کو سزا دے۔ مگر رک گیا اور مہابت خاں کو معاف کر دیا۔

سر طامس رو
۱۶۱۵ء تا ۱۶۱۸ء

انگلستان کے بادشاہ جیمز اوّل نے سر طامس رو کو اپنا سفیر مقرر کر کے جہانگیر کے دربار میں بھیجا۔ وہ یہاں تین سال رہا۔ اس نے آصف خاں سے میل جول بڑھایا۔ اور اس کے ذریعے سے سورت اور احمد آباد میں انگریزی تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت حاصل کی۔

مجدد الف ثانیؒ کی نظربندی

بعض خوشامدی۔ خود غرض لوگوں نے مکتوبات میں سے چند عبارتیں ایسی پیش کر کے جہانگیر کو بھڑکا دیا۔ جن میں آپؒ نے اپنے مقامات کا ذکر کیا ہے۔ اور سلطنت کا تختہ الٹنے کی سازش کرنے کا محرک بنایا۔ اس پر جہانگیر نے آپ کو نظربند کر دیا۔ لیکن حقیقتِ حال کھل جانے پر خلعت اور ہزار روپیہ نذر کر کے آزاد کر دیا۔

جہانگیر کی وفات

آخر عمر میں جہانگیر کو دمہ کی بیماری ہو گئی تھی۔ کشمیر کی آب و ہوا اس کے مزاج کے موافق تھی۔ اس لئے ہر سال گرمیوں میں کشمیر جاتا اور وہاں سے تر و تازہ ہو کر سردیوں میں ہندوستان آجاتا تھا۔ اکتوبر ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپس آ رہا تھا کہ دمہ کے مرض نے زور کیا۔ اور ۲۸ر اکتوبر ۱۶۲۷ء کو راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ نورجہاں اس کی نعش کو لے کر لاہور پہنچی۔ اور قاسم خاں کے باغ میں جہاں نورجہاں مقیم ہوئی۔ دفن کیا گیا۔ شاہدرہ میں اس کا مقبرہ قابلِ دید عمارت ہے۔

جہانگیر کی سیرت

جہانگیر کی زندگی اکبر کی آخری زندگی

کا عکس تھی۔ گویا اکبر اصل تھا اور جہانگیر اس کی نقل۔ اس میں باپ کی بہت سی خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ وہ اپنے قدیمی نوکروں پر سخاوت کے دریا بہانے اور ان کے قصوروں کو معاف کر دینے میں دوسرا اکبر تھا۔ راجہ مان سنگھ اور خانِ اعظم کے قصور اس نے فراخ دلی سے معاف کر دئیے۔ خسرو جیسے نالائق بیٹے کو شفقتِ پدری سے محروم رکھنا گوارا نہ کیا۔ ستم رسیدہ اور مظلوموں کی دادرسی کے خلاف کسی کی سفارش کو نہ مانا۔ غرض عدل و انصاف اور فیاضی اس بادشاہ کے ذاتی جوہر تھے۔ خود عالم اور عالموں کا قدردان تھا۔ فنونِ لطیفہ اور مصوری سے اسے بہت دلچسپی تھی۔ سیر و شکار کا شائق تھا ملکی انتظام میں بھی اس نے کئی اصلاحیں کیں۔ وہ باپ کی طرف سے ترک اور ماں کی طرف سے ہندو تھا اور ہندوؤں کے ساتھ بہت اچھا سلوک روا رکھتا تھا۔ لیکن توحید کا قائل تھا بُت پرستی اور ہندوؤں کے خلافِ عقل باتوں سے نفرت کرتا تھا۔ شراب پینے کی عادت تھی۔ اس سے پیچھا چھڑانے کی بہت کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے مزاج ذرا اعتدال سے ہٹ گیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے حالات خود ایک کتاب میں لکھے ہیں جو "تزکِ جہانگیری" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مدبر و عادل بادشاہ ہونے کے علاوہ بڑا محقق اور بات کی تہہ کو پہنچنے والا۔ صاف گو انسان تھا وہ غضب کا مردم شناس تھا۔ سلطنت کے معاملات میں وہ خویشی اور فرزندی کا لحاظ نہ کرتا تھا۔ چنانچہ خسرو کے تعاقب میں بھیجتے وقت سپہ سالار کو اس نے کہا کہ اگر سیدھے راستے

پر نہ آنے تو لحاظ نہ کیا جائے۔

شہاب الدین شاہجہان

۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۸ء

شاہ جہان کی تخت نشینی: جہانگیر نے وفات پائی۔ تو اس کے دو بیٹے خرم اور شہریار زندہ تھے۔ ان میں سے خرم تو نورجہاں کے بھائی اور وزیر سلطنت آصف خاں کا داماد تھا۔ اور نورجہاں نے اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کو جو شیر افگن خاں سے تھی۔ شہریار سے بیاہ دیا تھا یہ دونوں بہن بھائی مدت سے اپنے اپنے داماد کی بادشاہت کے لئے راہ ہموار کر رہے تھے۔ نورجہاں عورت ذات تھی اور اس کا اقتدار محض جہانگیر کے دم سے تھا۔ جہانگیر کی آنکھیں بند ہوتے ہی بھائی نے بہن کو نظر بند کر دیا۔ اور سب بیرول کو گانٹھ کر شہزادہ خرم کے پاس ایک تیز رفتار ہرکارے کے ہاتھ اپنی انگوٹھی بھیجی۔ جو دو مہینے کی منزلیں بیس دن میں طے کر کے دکن پہنچا اور آصف خاں کی انگوٹھی جا پیش کی۔ خرم انگوٹھی کو دیکھتے ہی سمجھ گیا۔ اور گجرات کی راہ آگرہ کی طرف بڑھا۔ ادھر آصف خاں نے جہلم و چناب کو لشکر شاہی سمیت عبور کر کے لاہور کا قصد کیا۔ جہاں شہریار قلعہ پر قبضہ کر کے بادشاہی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ آصف خاں نے معمولی لڑائی کے بعد شہریار کو پکڑ کر قید کر دیا اور خسرو کے بیٹے داور بخش کو مصلحتاً تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد جب اسے اطلاع ملی کہ شاہجہان دکن سے روانہ ہو کر آگرہ کے قریب پہنچ چکا ہے۔ تو اس نے خرم کے اشارے سے شہریار۔ داور بخش تمام ایسے شہزادوں کو جن سے کھٹکا ہو سکتا تھا۔ تلوار کے

گھاٹ اتار دیا۔

خرم منزل بہ منزل آگرہ پہنچا اور شاہ جہان کے لقب سے بے کھٹکے بادشاہ بن گیا۔ اور داو و دہش سے ان سب لوگوں کے منہ بند کر دیئے جو کسی مقتول شہزادے سے ہمدردی رکھتے تھے یا زمانۂ شہزادگی میں اس کے مخالف تھے۔

خان جہاں لودھی کی بغاوت

جہانگیر کے حکم سے مہابت خاں کی طرح خان جہاں لودھی نے بھی شاہ جہان کے تعاقب میں سرگرمی دکھائی تھی۔ مہابت خاں تو جہانگیر کی زندگی ہی میں کابل سے بھاگ کر پہلے ہی شاہ جہان سے آ ملا تھا۔ مگر خان جہاں آخر وقت تک خلاف رہا۔ شاہجہان باپ کی وفات پر دکن سے چلا تو اس نے خان جہاں لودھی کو معافیٔ تقصیر کا فرمان بھیج کر دکن کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ اور مہابت خاں کو سپہ سالار بنا کر اپنے لشکر کے آگے آگے روانہ کیا تھا۔ آگرہ پہنچ کر شاہجہان نے امورِ سلطنت کی دیکھ بھال شروع کی تو خان جہان لودھی کو مالوہ کا صوبہ دار مقرر کیا لیکن وہ شاہجہان کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اس لئے اس نے عرضداشت بھیجی کہ اگر بادشاہ اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر مجھے اختیار دے کہ آئندہ ملازمت کروں۔ یا گوشہ نشین ہو جاؤں تو میرا وہم دور ہو سکتا ہے۔ شاہجہان نے نیک نیتی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے امان نامہ اسے لکھ دیا۔ لیکن اس کا وہم دور نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔ آخر شاہجہان نے خواجہ ابوالحسن کو خان زمان اور دوسرے امرا کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ خان جہان دکن میں بڑی جوانمردی

کے ساتھ سب کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر ایک دن لڑتے لڑتے مارا گیا۔

پرتگیزوں کی سرزنش

پرتگیزوں نے اکبر و جہانگیر کے عہد حکومت میں مغربی ساحل اور بنگال میں تجارتی کوٹھیاں بنا لی تھیں۔ لیکن وہ عام تجارتی کاروبار کے علاوہ لوٹ مار بھی کرتے تھے۔ اب انہوں نے غلاموں کی تجارت بھی شروع کی۔ اور بنگال میں ہندوستانی بچوں کو پکڑ کر عیسائی بھی بنانے لگے۔ جب ان کے ظلم وستم کی اطلاع شاہجہان کو ہوئی تو اس نے قاسم خاں کو ان کی سرکوبی کا حکم دیا۔ جس نے ہگلی کو فتح کر لیا۔ اور چار ہزار چار سو پرتگیزوں کو پکڑ کر قید کیا۔

دکن کی مہم

خان جہاں لودھی کی بغاوت سے تمام دکن میں ہل چل مچ گئی تھی۔ شاہجہان نے شہزادہ اورنگ زیب کو دکن کا صوبہ دار مقرر کر کے دکن میں امن و امان قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس نے احمد نگر کے حاکم فتح خاں کو پے در پے شکستیں دے کر ۱۶۳۷ء میں احمد نگر کی ریاست کو شامل سلطنت کر لیا۔

بیجاپور اور گولکنڈہ کی اطاعت

بیجاپور اور گولکنڈہ کے تاجداروں نے احمد نگر کے بادشاہ کی مدد کی تھی۔ اس لئے اورنگ زیب نے ان کے خلاف بھی فوج کشی کی۔ ان دونو ریاستوں نے خراج دینا منظور کر لیا۔

قندہار کی مہم ۱۶۴۹ء — ۱۶۵۳ء

تم پڑھ چکے ہو۔ کہ

صوبہ قندھار ہمایوں نے شاہِ ایران کو دے دیا تھا۔ مگر اکبر کے عہد میں قندھار کے حاکم نے شاہِ ایران سے ناراض ہو کر یہ صوبہ اکبر کے حوالے کر دیا تھا۔ مگر شاہ عباس والئ ایران نے جہانگیر کے عہد میں اسے پھر فتح کر لیا۔ شاہجہان کے عہد میں علی مردان خاں وہاں کا ایرانی حاکم تھا۔ شاہ عباس نے علی مردان خاں سے ناراض ہو کر اسے اپنے دربار میں طلب کیا۔ علی مردان خاں نے قندھار شاہجہان کے حوالہ کر دیا۔ اور خود شاہجہان کا ملازم ہو گیا۔ شاہجہان نے اسے کشمیر کا صوبہ دار مقرر کیا۔ ۱۶۴۸ء میں ایرانیوں نے لڑ بھڑ کر قندھار پر پھر قبضہ کر لیا۔ شاہجہان نے اسے واپس لینے کے لئے اورنگ زیب کو بھیجا۔ تسخیر قلعہ کی امید ہوئی۔ تو دارا شکوہ بھی بھاری لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اورنگ زیب کو رنج ہوا۔ اور اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ دارا شکوہ کو ناکام واپس آنا پڑا۔ اور قندھار ہمیشہ کے لئے مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

شاہجہانی عمارتیں

شاہجہان شان و شوکت کا دل دادہ اور خوب صورت عمارتیں بنوانے کا شائق تھا اس کے عہد میں فن تعمیر کو بہت ترقی ہوئی۔ اس نے آگرہ دہلی اور لاہور میں شاندار عمارتیں اس کثرت سے بنوائیں۔ کہ تاریخ میں وہ "انجینئر بادشاہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ فن تعمیر میں اس کے عہد کی چند مشہور یادگاریں یہ ہیں:۔

۱۔ جہانگیر کا مقبرہ: لاہور کے قریب شاہدرہ میں جہانگیر کا مقبرہ۔ اس کے قریب ہی آصف خاں کا مقبرہ بنا۔ جس کے گنبد کا سنگِ مرمر سکھ گردی میں اتار کر دربار صاحب امرتسر

پر صرف کیا گیا۔

۲۔ روضۂ تاج محل: یہ خوب صورت مقبرہ شاہجہان نے اپنی چہیتی بیوی ممتازِ محل کی قبر پر آگرہ میں بنوایا۔ جو شہر آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے مغل فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے اور دنیا میں سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ سنگِ مرمر کا یہ روضہ صرفِ کثیر سے بائیس سال میں بن کر تیار ہوا شاہجہان کا ارادہ تھا کہ دریا کے دوسرے کنارے اپنا مقبرہ سنگِ اسود سے بنوائے۔ لیکن اورنگ زیب نے شاہجہان کو بھی تاج محل ہی میں دفن کر دیا۔

۳۔ موتی مسجد: آگرہ میں قلعہ کے اندر سنگِ مرمر کی ایک خوبصورت مسجد بنوائی۔ جو اپنی چمک دمک کے باعث موتی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔

۴۔ شاہجہان آباد اور لال قلعہ: شاہجہان نے دہلی کو نئے سرے سے اپنے تیار کردہ نقشے کے مطابق تعمیر و آباد کرایا۔ اور پھر آگرہ کی بجائے اسے اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔ دہلی کا چاندنی چوک اسی کے عہد کی یادگار ہے۔ وہاں دریائے جمنا کے کنارے سرخ پتھر کا ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کرایا جو لال قلعہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں دیوانِ خاص دیوانِ عام اور ایک مسجد قابلِ دید ہیں۔ دیوانِ خاص کی ایک دیوار پر کندہ ہے:-

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمیں است و ہمیں است و ہمین است

۵۔ جامع مسجد دہلی: دہلی میں لال قلعہ کے سامنے مغرب کی

طرف ایک نہایت کشادہ و خوبصورت مسجد شاہجہان نے تعمیر کرائی۔ اس مسجد کی بنیاد رکھنے کے لئے شاہجہان نے اعلان کیا۔ کہ جس شخص نے کبھی بے وضو آسمان کی طرف نہ دیکھا ہو۔ وہ اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھے۔ جب کوئی شخص آگے نہ بڑھا تو اس نے خود یہ فرض ادا کیا اور کہا۔ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد کبھی بے وضو آسمان کو نہیں دیکھا۔ اس ایک واقعہ سے شاہجہان کی دین داری کا پتہ چلتا ہے۔

۶۔ شالامار باغ اور نہر: لاہور کا شالامار باغ اور نہر علی مردان خاں کی زیر نگرانی شاہجہان نے بنوائے۔

۷۔ تختِ طاؤس: شاہجہان نے خزانہ شاہی اور توشہ خانوں میں ہزاروں قسم کے قیمتی پتھر بے کار پڑے دیکھے تو اسے خیال ہوا۔ کہ عوام کو انہیں دیکھنے کا موقع دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے خالص سونے کا ایک تخت بنوایا۔ جس پر ایک کروڑ روپے کا سونا صرف ہوا۔ اس میں بارہ مرصع ستونوں پر محرابیں اور جڑاؤ مینا کاری کی چھت آراستہ کی گئی تھی۔ محراب پر ایک سنہری درخت سبزہ و الماس سے سرسبز اور لعل و یاقوت سے گل رنگ کر کے دھرا گیا تھا۔ اس کے ارد گرد دو مور جواہرات سے مرصع چونچ میں موتیوں کی تسبیحیں لئے کھڑے تھے۔ بادشاہ تیسری سیڑھی پر جب قدم رکھتا تو مور ناچنے لگتے۔ اور تسبیحوں کے موتی گھومنے لگتے۔ پشت کا تکیہ دس لاکھ روپے کی لاگت کا تھا۔ شاہجہان نے پہلی دفعہ اس پر قدم رکھا تو آب دیدہ ہو کر بولا "بندگانِ خدا! فرعون

نے آبنوس اور ہاتھی دانت کے تخت پر خدائی کا دعوٰی کیا گواہ رہو کہ جس غرور سے اس نے وہ دعوٰی کیا تھا۔ میں اس سے لاکھ مرتبہ عجز و نیاز کے ساتھ خدا کا بندہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔" یہ کہا اور دیر تک سجدہ میں پڑ کر نیازمندی کا اظہار کرتا رہا۔

شاہجہان کا انتظامِ سلطنت

شاہ جہان کے عہدِ حکومت میں عام طور پر امن و امان رہا۔ اور دکن کی چند لڑائیوں کے سوا کوئی خاص شورش نہیں ہوئی۔ سڑکیں محفوظ اور راستے پُر امن تھے۔ چوری چکاری کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ راجپوت شاہ جہان کو اپنا نواسہ سمجھتے اور دل و جان سے اس کے وفادار تھے۔ سلطنتِ اکبری آئین کے مطابق مختلف صوبوں میں منقسم تھی۔ جن کے صوبہ دار نہایت وفاداری سے خدمات سرانجام دیتے تھے۔ چاروں شہزادے جوان اور علم بردار تھے۔ کابل و ملتان میں دارشکوہ گورنری کرتا تھا۔ شجاع بنگال میں۔ اورنگ زیب دکن میں اور مراد گجرات میں حکمران تھا۔ اور ہر ایک اپنے اپنے علاقے میں حقِ نیابت ادا کر رہا تھا۔ اور شہنشاہ خود تمام امورِ سلطنت کی نگرانی کرتا تھا۔ غیر ملکی سیاحوں نے اس کے دربار کی شان و شوکت کی بھی بہت تعریف لکھی ہے اس لئے مؤرخین شاہ جہان کے عہد کو مغلیہ سلطنت کا سنہری زمانہ کہتے ہیں۔

شاہجہان کی اولاد

شاہ جہان کے چار بیٹے۔ دارا۔ شجاع۔ اورنگ زیب۔ اور مراد تھے۔ اور دو بیٹیاں جہان آرا بیگم اور روشن آرا بیگم تھیں۔ جن میں سے جہان آرا بیگم جو سب سے بڑی تھی۔ شاہ جہان کی لاڈلی اور دارا کی طرفدار

تھی۔ روشن آراء سب سے چھوٹی اورنگ زیب کی ہمدرد تھی۔

۱۔ دارا: دارا سب بھائیوں سے بڑا اور شاہ جہان کا چہیتا بیٹا تھا۔ وہ پنجاب اور ملتان کا صوبیدار تھا۔ لیکن چونکہ شاہجہان اسے اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا اس لئے وہ باپ کے پاس ہی رہتا تھا۔ وہ آزاد خیال عالم تھا اور راجپوتوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ہندوؤں سے گھلا ملا رہتا تھا۔ باپ کے بے جا لاڈ نے اسے ضدی اور خودسر بنا دیا تھا۔

۲۔ شجاع: یہ بنگال کا صوبہ دار تھا اور بہادری میں اسم بامسمیٰ تھا لیکن شراب نوشی اور عیاشی نے اسے نکما کر دیا تھا اور بقول شاہ جہان سیرچشمی کے سوا اس میں اور کوئی وصف نہ تھا۔ ترک امراء اس کو پسند نہ کرتے تھے۔

۳۔ اورنگ زیب: دکن کا صوبیدار تھا۔ وہ سب بھائیوں سے زیادہ ہوشیار اور بہادر۔ بے دار مغز اور مدبّر تھا۔ شاہ جہان خود بھی جانتا تھا کہ اگر سلطنت کے بارِ گراں کا کوئی متحمل ہو سکتا ہے تو وہ اورنگ زیب ہی ہے۔ مگر دارا کی محبت سے مجبور تھا۔

۴۔ مُراد: سب سے چھوٹا بیٹا گجرات کا صوبیدار تھا۔ اس کی بہادری اور سخاوت میں تو کلام نہیں۔ لیکن سیاسی جوڑ توڑ سے ناواقف، سادہ لوح ترک تھا۔ وہ شراب کا متوالا اور شکار کا دِل دادہ تھا۔

شاہجہان کا آخری دورِ حکومت

شاہجہان کے عہد میں تمام دور پر ملک میں امن و

امان رہا۔ اس کا دربار شان و شوکت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھا۔ اس کے درباری کسی صورت میں بھی اکبری امراء سے کم نہ تھے۔ علامہ سعداللہ خاں اس کا وزیر اعظم اکبر کے وزیر ابوالفضل کا ہم رتبہ تھا لیکن افسوس اس کا انتقال جلد ہو گیا۔ اور شاہجہان کو اس کا نعم البدل نہ ملا۔ اسی لئے مؤرخوں کا خیال ہے۔ کہ سعداللہ کی بے وقت موت شاہجہان کی مصائب کا سبب ہوئی شاہجہان خود اگرچہ دین دار اور نیک نیت بادشاہ تھا لیکن بادشاہ ہونے کے بعد وہ خود کبھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ اس کے بہادر بیٹے اور تجربہ کار جرنیل ہی جب کبھی سرحد پر ضرورت ہوتی۔ جنگی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اور وہ آگرہ یا دہلی میں قلعہ نشین ہو کر آرام کی زندگی بسر کرتا تھا۔ سعداللہ خاں کی وفات کے بعد اس نے جب دیکھا۔ کہ چاروں شہزادوں کا دارالسلطنت میں یکجا رہنا اس کی پریشانی کا باعث ہے۔ تو اس نے چاروں کو سلطنت کے چار سرحدی صوبوں میں نائب مقرر کر دیا بعد میں یہ سیاسی غلطی ثابت ہوئی۔

شاہجہان کی علالت اور بیٹوں کی کشمکش

۷ ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ (۱۶۳۱ء) میں شاہ جہان دہلی میں بیمار ہوا اور روز بروز کمزور ہوتا گیا۔ داراشکوہ نے سلطنت کا سارا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بدتدبیری یہ کی کہ بنگال۔ دکن اور گجرات جانے والے قافلوں کو روک لیا۔ اور راستوں پر پہرے بٹھا دیئے تاکہ بادشاہ کی علالت کا علم بھائیوں کو نہ ہو۔ اس سے سلطنت کے گوشے گوشے میں یقین کر لیا گیا کہ شاہ جہان مر چکا ہے۔

شجاع نے بنگال میں اور گجرات میں مراد نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن اورنگ زیب نے باپ کی رضاجوئی اور متابعت کی راہ سے قدم باہر نہ رکھا۔ اور سرکشی و نافرمانی کے فاسد خیالات سے دور ہی رہا۔ حالانکہ داراشکوہ نے وہ تمام امیر اور فوجیں جو بیجاپور کے محاصرہ میں اس کی کمک کے لیے گئی تھیں۔ شاہ جہان کی طرف سے فرمان لکھ کر واپس بلا لی تھیں۔ تاکہ اورنگ زیب میں اس کے مقابلے کی سکت نہ رہے۔

داراشکوہ کے صلاح کار

شجاع کی خودمختاری اور پٹنہ کی طرف کوچ کی اطلاع ملتے ہی داراشکوہ عین شدتِ مرض میں جبکہ آرام کی ضرورت تھی۔ بادشاہ کو دھلی سے آگرہ لے آیا۔ تاکہ اس کی زندگی ہی میں شجاع اور مراد کا خاتمہ کر دے اور اس کے بعد دل جمعی سے سارے لشکرِ شاہی کو لے کر دکن میں اورنگ زیب سے نمٹ لے۔

آگرہ پہنچ کر شاہجہان نے باغی شہزادوں کی سرکوبی کے لئے دو لشکر مرتب کئے۔ چنانچہ پہلا لشکر راجہ جے سنگھ اور دارا کے بڑے بیٹے سلیمان شکوہ کی زیرکمان شجاع کے خلاف روانہ ہوا۔ اور دوسرا لشکر راجہ جسونت سنگھ کی سرداری میں مراد کے خلاف بھیجا گیا۔

بہادر پور کی لڑائی اور شجاع کی شکست

راجہ جے سنگھ اور سلیمان شکوہ کی فوجیں بنارس سے گزر کر بہادرپور کے قریب شجاع کے لشکر کے سامنے خیمہ زن ہوئیں۔ اور صبح سویرے ہی کہ ابھی شاہ شجاع بے پروا خوابِ غفلت میں پڑا

تھا۔ راجہ جے سنگھ نے بے خبری میں شجاع کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اچانک حملے سے شجاع کے لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ اور وہ خود بھی پٹنہ اور منگیر کی راہ بنگال بھاگ گیا۔

اورنگ زیب کا باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا عزم

اورنگ زیب کا وکیل جو شاہی دربار میں تھا اسے داراشکوہ نے بلاوجہ قید کر دیا۔ پھر اس کے نتائج بد سے خوف زدہ ہو کر اسے اورنگ زیب کے پاس بھیج دیا۔ اس نے دربار کے تمام حالات اورنگ زیب کو سنائے۔ اورنگ زیب جانتا تھا کہ داراشکوہ ہندوؤں کے دین کی طرف مائل ہے اور ہندو سنیاسیوں۔ جوگیوں اور برہمنوں سے گھلا ملا رہتا ہے اس لئے اورنگ زیب جو ہندوستان میں اسلامی شریعت کو سختی سے رواج دینا چاہتا تھا۔ فکرمند ہوا۔

اور اس نتیجے پر پہنچا کہ بھائی اور باپ کے لئے اپنی ھلاکت کو تو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن داراشکوہ کی مطلق العنانی سے اسلامی شریعت میں جس خلل کے پیدا ہونے کا امکان ہے اس کا برداشت کرنا غیرت کے خلاف اور حمیت کے منافی ہے ان خیالات وحالات کے ماتحت اس نے ارادہ کر لیا — کہ اورنگ آباد سے آگرہ شاہ جہان کی خدمت میں جائے اور اسے داراشکوہ کی قید سے چھڑائے۔ اور پھر باپ کی خدمت میں رہ کر سلطنت کا نظم ونسق ایسا کرے کہ سلطنت کے ارکان و قواعد میں فتور نہ آنے پائے۔

مراد بخش سے خط وکتابت

بادشاہ کی خدمت میں حاضر

ہونے کا ارادہ کرکے اورنگ زیب نے اپنے صوبہ دکن کا انتظام ٹھیک کیا۔ اس کے بعد مراد کے ساتھ خط و کتابت کی۔ اور قرار پایا کہ اورنگ زیب بادشاہ کی خدمت میں مراد کی عفوِ تقصیرات کی سفارش کرے گا۔ اور اگر دارا شکوہ سے جنگ ہوئی تو کامیابی کی صورت میں مالِ غنیمت کا تیسرا حصّہ۔ اور کابل۔ پنجاب۔ کشمیر اور سندھ کی حکمرانی مراد کو ملے گی۔ اس قرارداد کے بعد اورنگ زیب نے مراد کو لکھا کہ وہ پورے سامانِ جنگ اور عمدہ لشکر کے ساتھ مالوہ کی طرف کوچ کرے۔ اور نربدا کے پار ہمارے لشکر سے آملے۔

ساموگڑھ کی لڑائی ۱۶۵۸ء

دارا شکوہ نے لشکر شاہی کو دھول پور کی راہ ساموگڑھ کے میدان میں جنگ کے لئے ترتیب دیا تھا۔ شاہ جہان خوب جانتا تھا کہ اورنگ زیب کے سامنے دارا شکوہ کی پیش نہ جائے گی اس لئے اس نے چاہا کہ دریا کی راہ سے دونو لشکروں کے درمیان جائے۔ اور بھائیوں میں صلح صفائی کرا دے چنانچہ اس کے حکم سے دونو لشکروں کے درمیان شاہی خیمہ نصب بھی کر دیا گیا۔ لیکن دارا شکوہ نے بادشاہ کو قلعہ سے باہر نہ جانے دیا۔ اور خود اپنے چھوٹے بیٹے کو لے کر میدانِ جنگ میں جا پہنچا۔ اورنگ زیب ۶ رمضان کو دارا شکوہ کے لشکر سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر آکر مقیم ہوا۔

اورنگ زیب کو تجربہ نے بتا دیا تھا۔ کہ فتح و ظفر کا انحصار تائیدِ خداوندی کے بعد سردارِ لشکر کے استقلال و ثابت قدمی پر ہے۔ اس لئے وہ کبھی دشمن کے لشکر کی کثرت سے خوف زدہ

نہ ہوتا تھا۔ ایک دن جب لڑائی شروع ہوئی تو وہ نہایت اطمینان کے ساتھ قلبِ لشکر میں آ موجود ہوا۔ توپ و تفنگ کی آگ اور تیروں کی بارش سے طرفین نے ایک دوسرے کا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر بعد جب میدانِ جنگ خوب گرم ہوا۔ تو راجہ روپ سنگھ جوشِ شجاعت میں دشمن کی صفیں چیرتا ہوا اورنگ زیب کی سواری کے ہاتھی کے قریب پہنچ گیا۔ اور گھوڑے سے کود کر بہادری کے جوہر دکھانے لگا۔ اورنگ زیب اس کی شجاعت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ حکم دیا۔ کہ اسے زندہ گرفتار کیا جائے مگر اورنگ زیب کے فدائی، راجہ کی گستاخی کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ اس سے پہلے کہ اورنگ زیب کی آواز ان کے کانوں تک پہنچے۔ وہ اس کی بوٹیاں بھی اڑا چکے تھے۔

اس جنگ میں اورنگ زیب کے چیدہ سے چیدہ رسالے پسپا ہو چکے تھے اور میدانِ جنگ میں اس کے ساتھ صرف وہی دس ہزار غلام رہ گئے تھے۔ جن کی جانیں اس کے لئے وقف تھیں۔ اور جو ہر وقت اس کے گرد حلقہ باندھے رہتے تھے اس عالم میں اس نے حکم دیا کہ میرے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دو۔ تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔ میں شام سے پہلے اس جنگ کا فیصلہ کر کے رہوں گا۔ یا تخت یا تختہ۔

ادھر دارا شکوہ کو جونہی معلوم ہوا کہ رستم خاں اور دوسرے بہادر راجپوت سردار جو اس کے قوتِ بازو تھے۔ مارے گئے تو گھبرا کر ہاتھی سے ننگے پاؤں کود کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایسا بھاگا۔ کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ سپاہ نے اس کا ہودج خالی پایا تو بدحواس ہو کر بھاگ نکلی۔

اورنگ زیب نے اپنی سپاہ کو بھاگتوں کا تعاقب کرنے سے روک دیا تھا۔ مگر اس کے باوجود آگرہ تک جگہ جگہ مُردے اور زخمی پڑے تھے۔

اورنگ زیب کا معذرت نامہ

اس فتح عظیم کے بعد اورنگ زیب سجدۂ شکر بجا لایا۔ اور اسی روز باپ کے پاس معذرت نامہ لکھا جس میں صورتِ حال۔ صف آرائی کا عُذر اور دارا شکوہ کے ساتھ جنگ کا سبب درج کیا اور نہایت ادب کے ساتھ معافی چاہی اس معذرت کا جواب شاہجہان نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر واپس بھیجا اور اس کے بعد "عالمگیر" نامی ایک تلوار بھیجی۔

شاہجہان کی نظربندی

مراد کے نوکروں نے شہر آگرہ میں لوٹ مار کرنی چاہی۔ مگر اورنگ زیب نے اپنے بیٹے محمد سلطان کو بھیج کر امن و امان کر دیا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے چاہا کہ باپ کی خدمت میں حاضر ہو اور شاہ جہان بھی اس کے ملنے کا اشتیاق کر رہا تھا۔ چنانچہ اورنگ زیب سوار ہو کر قدم بوسی کے لئے چلا تو آدھی راہ میں اسے ایک قاصد نے شاہ جہان کو خط دکھایا جو اس نے دارا کو لکھا تھا کہ تم دھلی ٹھہر کر انتظار کرو۔ ہم ادھر کا بندوبست کر کے جلد پہنچتے ہیں۔ اورنگ زیب سمجھ گیا! کہ باپ مجھے قلعہ میں بلا کر قید کرنا چاہتا ہے اس لئے اس نے شہزادہ محمد سلطان اور اپنے ماموں شائستہ خاں کو بھیج کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس طرح شاہ جہان نظربند ہو گیا۔

داراشکوہ کا تعاقب اور مُراد کی نظربندی

شاہ جہان کو نظربند کرنے کے بعد اورنگ زیب، داراشکوہ کے تعاقب میں چلا۔ مراد نے ساتھ جانا نہ چاہا۔ مگر پھر چلا تو اورنگ زیب کے لشکر سے دو میل پیچھے رہنے لگا۔ اورنگ زیب نے اس کے بدلے ہوئے اطوار سے سمجھ لیا۔ کہ اس کے دماغ میں پھر فتور آیا۔ اور وہ اپنی شہنشاہیت کے خواب دیکھنے لگا ہے۔ اس لئے اس نے مناسب سمجھا کہ مراد کی خودسری اور مخالفت سے خلقِ خدا کی آسائش میں جو خلل آنے والا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے مراد کو نظربند کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے مراد کو متھرا کے قریب گرفتار کر کے سلیم گڑھ کے قلعے میں بھیج دیا کہ نظربند رہے۔

اورنگ زیب کی تخت نشینی ۱۶۵۸ء

اورنگ زیب کی تخت نشینی کی تاریخ نجومیوں نے روز جمعہ یکم ذی قعد مقرر کی تھی اور اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ دہلی میں داخل ہو کر خاندان کے آئین و رسم کے مطابق تخت نشین ہو۔ اس لئے ساعتِ مقررہ پر اعزاز آباد کے باغ ہی میں تختِ سلطنت پر بیٹھا اور سکہ و خطبہ کو جلوسِ ثانی پر موقوف رکھا۔

شاہجہان کی وفات اور عادات

شاہ جہان کو نظربند ہونے کے بعد قلعہ آگرہ سے باہر نکلنا نصیب نہ ہوا۔ اور سات سال بعد ۷۴ سال کی عمر میں وہیں (۱۶۶۶ء) وفات پائی اور روضہ تاج محل میں اپنی پیاری

بیگم کے پہلو میں دفن ہوا ۔ نظربندی کے ایام میں بڑی بیٹی جہان آرا بیگم اس کے پاس رہی ۔ اور اس نے باپ کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ اورنگ زیب نے باپ بیٹی کے سامانِ آرام و آسائش میں کوئی تخفیف نہ کی ۔ وہ آخری دم تک باپ کی عزت کرتا رہا ۔ شروع میں تو شاہجہان کچھ ناراض رہا ۔ لیکن جب اورنگ زیب کو مؤدب اور فرمان بردار پایا تو اس کو سلطنت کے اہم معاملات میں مشورہ دینے لگا ۔ اگرچہ باپ بیٹے میں پھر ملاقات نہ ہو سکی ۔ لیکن اخیر عمر میں شاہ جہان نے اورنگ زیب کو معاف کر دیا ۔ اور اس کے حق میں کئی دفعہ دعائے خیر بھی کی ۔

مُحیُ الدّین اورنگ زیب عالمگیر

۱۶۵۸ء سے ۱۷۰۷ء تک

بادشاہ ہونے کے بعد اورنگ زیب لشکر سمیت دارا شکوہ کے تعاقب میں روانہ ہوا ۔ دارا شکوہ دھلی سے لاہور پہنچا اور پنجاب سے لشکر جمع کر کے جنگ کی تیاری کرنے لگا ۔ مگر اورنگ زیب کی ہیبت کی وجہ سے در پردہ ملتان کے رستے قندھار جانے کا بندوبست کر رہا تھا اس لئے اس کے امیر چپکے چپکے کھسکنے لگے اور جب اورنگ زیب کے لشکر ستلج اور بیاس پار کر گئے تو وہ سب کچھ سمیٹ کر ملتان کی طرف بھاگ گیا ۔ پھر وہاں سے سندھ گجرات کی راہ راجپوتانہ پہنچا ۔ اورنگ زیب کو اس وقت شجاع کو آگے بڑھنے سے روکنے کی جلدی تھی ۔ اس لئے اس نے قابلِ اعتبار امراء کو قندھار و کابل کے راستوں کی حفاظت پر چھوڑا ۔ اور خود آگرہ پہنچ کر شجاع کی روک تھام کا انتظام کرنے لگا راجہ جسونت سنگھ جو معافی مانگ کر اورنگ زیب کے ساتھ ہو گیا

تھا۔ اس نے دارا شکوہ کو خفیہ طور پر بلاوا بھیجا۔ کہ وہ راجپوتانہ آ جائے۔ اس لئے دارا شکوہ اس کی دوستی کے بھروسے پر اجمیر آ گیا۔ اب راجہ جسونت سنگھ نے شجاع سے سازباز کر کے عین لڑائی کے رات اورنگ زیب سے غداری کی اور جودھپور آ کر دارا شکوہ کی مدد کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن جلد ہی راجہ جے سنگھ نے اس کو ہندو قوم کی بھلائی کا واسطہ دے کر دارا شکوہ کی حمایت سے روک دیا۔ اس لئے اس نے دارا شکوہ کی منت سماجت کی پرواہ نہ کی اور ٹال مٹول کرنے لگا۔ دارا شکوہ نے جب یہ دیکھا تو شاہی لشکر سے خود ہی لڑنے کو تیار ہو گیا لیکن شکست کھا کر نہایت بے سروسامانی کی حالت میں بھاگا۔ اور احمد آباد ہوتا ہؤا علاقہ کچھ میں پہنچا۔ مگر سندھ جاتے ہوئے راستہ میں گرفتار ہؤا۔ اور شاہی نوکروں کے حوالے کر دیا گیا۔ دارا شکوہ اور اس کا چھوٹا بیٹا سپہر شکوہ دہلی پہنچے۔ تو اورنگ زیب نے دارا شکوہ کو علماء کے شرعی فتوے کی رو سے ہندوانہ عقائد رکھنے کی بنا پر الحاد و کفر کے الزام میں قتل کرا دیا اور سپہرِ شکوہ کو قلعہ گوالیار میں قید کر کے بھیج دیا۔

شجاع کا حشر

اورنگ زیب شروع سے شجاع کی موافقت کا دم بھرتا تھا۔ اور ہمیشہ اس کی مدد کرتا تھا۔ چنانچہ جب دارا شکوہ نے بنارس کے قریب اسے شکست دی تو اسے اس کا بے حد ملال ہؤا۔ وہ دِل سے چاہتا تھا کہ دوبارہ اس کی حالت سدھر جائے۔ جب سامو گڑھ کے میدان میں دارا شکوہ کو شکست ہوئی۔ اور سلطنت کا انتظام اورنگ زیب کے ہاتھ میں آیا تو پہلا کام اس نے یہ کیا کہ شاہجہان

سے اسے معافی دلا کر صوبہ بنگال کی سرداری کے علاوہ منگھیر۔ بہار اور پٹنہ کے علاقے بھی دلائیے اور اپنے خط میں لکھا کہ تمہاری بہتری کی اور بھی کوشش کروں گا۔ یہ خط پڑھ کر شجاع پھولا نہ سمایا۔ اس نے بھائی کا شکریہ ادا کر کے دارا شکوہ پر فتح پانے کی مبارک باد دی۔ مگر جب اسے معلوم ہؤا کہ اورنگ زیب پنجاب میں بہت دور چلا گیا ہے اور دارا شکوہ کی مہم کا سرانجام پانا جلد ممکن نہیں۔ تو میدان خالی پا کر اس کو جُرأت ہوئی کہ لشکر جمع کر کے الہ آباد تک جائے۔ اور پھر اگر ہو سکے تو آگرہ پر قبضہ کر کے بادشاہ بن جائے۔

اورنگ زیب کو جب شجاع کے ارادوں کی اطلاع پہنچی۔ تو اس نے محبت بھرے الفاظ میں نصیحت آمیز خط لکھے۔ کہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھے۔ مگر وہ نہ مانا۔ آخر اورنگ زیب نے دہلی آ کر ایک دفعہ پھر اس کی اصلاح کی کوشش کی۔ لیکن جب یقین ہو گیا۔ کہ اسے سلطنت کا سودا اس درجے ہے کہ کوئی نصیحت اثر نہ کرے گی۔ تو وہ اس کی مدافعت کے لئے چلا۔ دو تین منزل پہنچ کر معلوم ہؤا کہ شجاع الہ آباد آ گیا ہے اور وہاں کے قلعہ دار نے داراشکوہ کی ہدایت کے مطابق قلعہ اس کو دے دیا۔ تو دونو لشکر کھجوہ کے مقام پر آمنے سامنے ہوئے۔ لڑائی کے دن ہاتھی پر سوار ہؤا۔ اس وقت اورنگ زیب کے ہم رکاب دو ہزار سوار سے زیادہ نہ تھے۔ مگر وہ خود استقلال کا ایک پہاڑ تھا۔ اس نے اپنے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیریں ڈلوا دیں۔ اور کھلی عماری میں کھڑا ہو کر خود تیر اندازی کرنے لگا۔ اس کی جُرأت اور ثابت قدمی کو دیکھ کر اس کی سپاہ کے دل بڑھ گئے۔ اور شجاع کے لشکر میں پریشانی پھیل گئی۔ بیسیوں مشہور سردار مارے گئے۔ جن

کی موت سے شجاع کا دل ٹوٹ گیا اور وہ بھاگ نکلا۔ عالمگیر ہاتھی سے اتر کر سجدۂ شکر بجا لایا۔ اور شہزادۂ محمد سلطان اور معظم خاں کو شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا۔ شجاع حیران و سرگردان، بنگال میں پھرتا رہا۔ جب کہیں ٹھکانا نہ ملا۔ تو اراکان کے راجہ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ مگر اس نے زرو جواہر کی طمع میں بے وفائی کی۔ ناچار شجاع لڑتا ہوا قبیلے سمیت وہیں مر کھپ گیا اور نگ زیب نے بعد میں اس راجہ سے بدلہ لیا۔

اورنگ زیب کا جشنِ تاجپوشی

ساموگڑھ کی فتح کے ایک سال بعد ۲۴ رمضان کو جشنِ تاجپوشی منایا گیا۔ بادشاہ نے تخت پر قدم رکھا۔ منبر پر ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر غازی کے نام و لقب سے خطبہ پڑھا گیا۔ پہلے سکوں پر کلمہ طیبہ اور خلفائے راشدین کے نام ہوتے تھے۔ عالمگیر نے بے ادبی کے خیال سے یہ لکھوانا بند کر دیا۔ اور اسی ٹیکس جو غیر شرعی تھے۔ معاف کر دیئے اور کہا کہ میں بُت پرستوں کی بت پرستی کے محصول سے بیت المال کو گندہ کرنا نہیں چاہتا۔

مراد کا قتل

مراد گوالیار کے قلعہ میں قید تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک رات کمند ڈال کر اسے نکال لے جانا چاہا۔ مراد نے بھاگ نکلنے سے پہلے اپنی محبوبہ سوسن بائی سے ذکر کیا۔ وہ رونے پیٹنے لگی۔ پہرہ دار ہوشیار ہو گئے۔ اور انہوں نے کمند لگی ہوئی پکڑ لی۔ عالمگیر کو اندیشہ ہوا اتفاق سے انہی دنوں گجرات کے ایک سید نے استغاثہ کیا۔ کہ میرے باپ علی نقی کو مراد نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔

قصاص دلایا جائے۔ عالمگیر نے اسے گوالیار کے قاضی کے پاس
بھیج دیا۔ کہ شرع اسلام کے مطابق فیصلہ کرلے۔ قاضی نے
مراد کو سزائے موت دی۔

بھائیوں کے جھگڑے ختم ہو جانے کے بعد اورنگ زیب
نے سلطنت کو بڑھانے کی طرف توجہ کی۔

آسام کی لڑائی

چنانچہ بنگال کے صوبیدار میر جملہ نے ۱۶۶۲ء
میں کوچ بہار اور آسام پر چڑھائی کی۔
آسام کے راجہ نے تاوانِ جنگ ادا کر کے خراج دینے کا وعدہ
کیا۔ میر جملہ آسام سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں بیمار ہو کر
مر گیا۔

اراکان کی تسخیر

راجہ اراکان، شجاع کے ساتھ بدسلوکی سے
پیش آیا تھا۔ اورنگ زیب نے میر جملہ
کے بعد اپنے ماموں شائستہ خاں کو صوبیدار بنگال مقرر کر کے
حکم دیا کہ راجہ اراکان سے انتقام لے۔ اس نے چٹاگانگ سے
بحری ڈاکوؤں کو مار بھگایا اور اراکان پر قبضہ کر لیا۔

سیواجی کی چھیڑ چھاڑ

اورنگ زیب باپ کی بیماری کے
باعث دکن سے چلا آیا۔ تو اس
کی غیر حاضری میں ایک مرہٹہ سردار سیواجی نے زور پکڑ لیا۔ اور
بیجاپور کے کئی قلعوں پر قابض ہو گیا۔ شاہ بیجاپور نے اپنے
سپہ سالار افضل خاں کو اسے سزا دینے کے لئے بھیجا۔ لیکن
سیواجی نے ملاقات کے بہانے دھوکے سے اسے قتل کر دیا۔
افضل خاں کے بیٹے فاضل خاں نے کچھ عرصہ بعد باپ کا بدلہ
لینے کی کوشش کی۔ سیواجی اپنے دوستوں سمیت ایک دئے

میں گھر گیا۔ لیکن لومڑی کی طرح ساتھیوں کو قربانی کا بکرا بنا کر خود زندہ سلامت نکل گیا اس کے بعد اس نے مغلوں کے علاقے میں بھی لوٹ مار شروع کر دی۔

اورنگ زیب نے دکن کے صوبیدار شائستہ خاں کو اسے سزا دینے کے لئے حکم دیا اور راجہ جسونت سنگھ کو اس کام میں مدد کرنے کی ہدایت کی۔ مگر راجہ جسونت سنگھ ایک ہندو مرہٹے کی تباہی دل سے نہ چاہتا تھا۔ اس نے دانستہ بے پروائی کی۔ سیواجی کو موقع مل گیا۔ اور وہ ایک فرضی برات بنا کر پونا کے کھلے شہر میں داخل ہؤا۔ اور رات کو شائستہ خاں کے محل پر چھاپہ مارنے میں کامیاب ہو گیا۔ شائستہ خاں کی جان تو بچ گئی۔ مگر اس کا بہادر بیٹا ابوالفتح مارا گیا۔ اگلے سال سیواجی نے سورت کی بندرگاہ کو جا لوٹا۔ عالمگیر نے سمجھ لیا۔ کہ یہ راجہ جسونت سنگھ کی شرارت ہے۔ اس لئے اس کی جگہ راجہ جے سنگھ اور دلیرخاں کو سیواجی کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا۔ انہوں نے سیواجی کو بُری طرح گھیرا اور اس کے تمام قلعے ایک ایک کر کے فتح کر لئے۔ سیواجی کے مادری قبیلے اور خویش و اقارب ایک قلعے میں تھے۔ دلیرخاں نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اب تو سیواجی کی جان مٹھی میں آ گئی۔ جان کی امان مانگ کر دست بستہ راجہ جے سنگھ کے سامنے گیا اور کہا ذلیل مجرم کی طرح آیا ہوں۔ خواہ بخشو۔ خواہ مارو۔ عزت و آبرو آپ کے ہاتھ ہے۔ راجہ نے اسے امان دے کر دلیرخاں کے پاس بھیج دیا۔ دلیرخاں نے قلعے سے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور قلعہ کے سات ہزار محصور مرد و زن کو امان دی۔ راجہ نے بادشاہ کو عرضی لکھی۔ اورنگ زیب نے خطا بخشی کا

فرمان معہ خلعت بھیج دیا۔ سیواجی نے ۲۳ قلعے شاہی افواج کے حوالے کئے اور کچھ عرصہ بعد دربارِ شاہی میں حاضر ہوا یہاں اسے پنج ہزاری امراء میں جگہ دی گئی۔ اور ان دنوں یہی منصب راجہ جے سنگھ کا تھا۔ لیکن یہ رتبہ اس کی امید سے کم تھا۔ اس لئے وہ ناراض ہو کر دہلی سے بغیر اجازت بھاگ گیا اور دکن میں جا کر پھر اپنا پرانا پیشہ اختیار کر لیا۔ ۱۶۷۴ء میں اس نے راجہ ہونے کا اعلان کیا اور چھ سال بعد مر گیا۔

ست نامیوں کی شورش ۱۶۷۲ء

ہندو سادھوؤں کا ایک فرقہ ست نامی کہلاتا تھا۔ میوات اور نارنول کے اردگرد ان لوگوں کے چار پانچ ہزار گھرانے آباد تھے۔ گو ان کا لباس فقیرانہ تھا لیکن کھیتی باڑی اور تجارت کر کے گزرِ اوقات کرتے تھے۔ روزی حلال کماتے تھے اور مالِ حرام کے پاس نہ جاتے تھے۔ ہتھیار باندھتے اور بے جا حکومت کسی کی نہ مانتے تھے۔

ایک دن قصبہ نارنول کے قریب ایک سرکاری پیادے اور ایک ست نامی کسان میں سخت بات چیت ہو گئی۔ پیادے نے لاٹھی چلائی تو ست نامی کا سر پھٹ گیا۔ ست نامیوں نے ہجوم کر کے پیادے کو مار ڈالا۔ نارنول کے فوجدار کو پتہ چلا۔ تو اپنی فوج کے ساتھ موقع پر پہنچا۔ ست نامیوں نے اسے بھی اس کے ساتھیوں سمیت مار ڈالا۔ اور ایک بڑا فساد ہو گیا شاہی فوج کے ایک دو دستے گئے تو ست نامیوں نے انہیں بھی ختم کر دیا۔ اس پر عوام میں شہرت ہو گئی۔ کہ ست نامیوں کو جادو آتا ہے۔ جس کے اثر سے کسی کا تیر اور گولی ان پر اثر نہیں

کرتی۔ اور وہ لکڑی کے گھوڑے پر عورت کو سوار کر کے ایسا منتر پڑھتے ہیں کہ گھوڑا دشمن کو برباد کرتا آگے آگے چلتا ہے۔ ایسی بے سروپا باتوں سے شاہی فوج کے سپاہی ان کے مقابلے پر جانے سے بچنے لگے۔ اورنگ زیب کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے ہاتھ سے قرآنی آیتیں لکھ کر تعویذوں کے طور پر سپاہیوں کو دیں۔ اور اعلان کر دیا۔ کہ جادو کا اثر ان تعویذوں سے زائل ہو جائے گا۔ آخر خاں حامد خاں۔ راجہ بشن سنگھ اور یحییٰ خاں نے ان کا تعاقب کر کے ان ست نامیوں کا نام و نشان مٹا دیا۔ جو کہتے تھے کہ ہم ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اور ستر جون بدلتے ہیں۔

ہندوؤں کی مخالفت

اکبر نے ہندو راجاؤں کی بیٹیوں سے غیر شرعی نکاح کو رواج دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی اولاد میں تیموری خون کم ہوتا گیا۔ اور ہندو خون ملنے کی وجہ سے راجپوت یہ امید کرنے لگے۔ کہ آہستہ آہستہ مغل بادشاہ ہندو مذہب قبول کر لیں گے اور ہند میں ہندو راج قائم ہو جائے گا۔ حکومت کی وفاداری کا دم بھرنے لگے۔ جہانگیر اور شاہجہان دونوں کی مائیں ہندو رانیاں تھیں۔ اس لئے راجپوت انہیں اپنا انگ خیال کرتے تھے۔ لیکن شاہجہان کے چاروں بیٹوں کی ماں ایک ایرانی خاتون ممتاز محل تھی۔ اس لئے راجپوتوں نے ان میں سے دارا شکوہ کو ہندو مذہب کا فیدائی اور اپنے ڈھب کا دیکھ کر اس کی حمایت میں تلوار اٹھائی۔ لیکن قدرت نے اسے ناکام رکھا۔ اورنگ زیب کامیاب رہا۔ اس کے بعد شمالی ہند میں راجہ جسونت سنگھ اور اس کے ہم خیال راجاؤں نے

اورنگ زیب کی بربادی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور دکن میں سیواجی مرہٹے نے اپنی مکاریوں اور قزاقیوں سے مغل حکومت کو پریشان کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ناچار اورنگ زیب ہندوؤں کی ظاہری اطاعت اور دھوکوں سے بچنے کے لئے احتیاط برتنے اور کھوٹے کھرے کو پرکھنے لگا۔

جزیہ اور زکوٰۃ جزیہ ایک شرعی محصول ہے جو اسلامی حکومت میں ان غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے۔ جو اطاعت قبول کر کے مسلمانوں کی حفاظت میں آ جائیں۔ چونکہ ایسی رعایا خدا اور رسول کی ذمہ داری میں آ جاتی ہے۔ اس لئے وہ "ذمی" کہلاتی ہے۔ اور مسلمانوں کا فرض ہو جاتا ہے۔ کہ ان کی جان و مال کی حفاظت کریں اس حفاظت و ذمہ داری کا معاوضہ جزیہ ہے۔ جزیہ پٹھان بادشاہ بھی ہندوستان میں لیتے تھے۔ لیکن اکبر نے ہندو راجاؤں کی بیٹیوں سے شادیاں کر کے یہ جزیہ معاف کر دیا۔ اور اس کے بجائے اور بہت سے غیر شرعی محصول لگا دیئے جو ہندو عوام سے وصول ہوتے تھے اورنگ زیب بادشاہ ہؤا تو اس نے راجہ جسونت سنگھ کی پے در پے غداریوں کے سلسلے میں معلوم کیا کہ ہندو در پردہ اسلامی حکومت کا تختہ الٹنے کی فکر میں ہیں۔ اور ان کا فوجی خدمات سرانجام دینا بھی دراصل ہندوؤں میں فوجی ذہنیت کو بحال رکھنے کے لئے ہے اس لئے اس نے راجپوتوں کی فوجی امداد سے بے نیاز ہو جانے اور ان کی فوجی طاقت کو ختم کرنے کا عہد کر لیا۔ اور ۱۶۷۷ء میں ہندوؤں پر "جزیہ" لگا دیا۔ لیکن پھر بھی اتنی رعایت کی۔ کہ جو ہندو حکومت کی فوجی خدمات سرانجام دے۔ وہ جزیہ سے بری

ہے۔ جزیہ کی عام شرح تو چھ روپے تھی۔ لیکن امراء سے بیس روپے سالانہ جزیہ لیا جاتا تھا۔ اس سے زیادہ کسی کو نہ دینا پڑتا تھا۔

بیس سال سے کم اور پچاس سال سے زیادہ عمر والے مرد۔ عورتیں۔ لنگڑے۔ لولے۔ اپاہج۔ اندھے۔ پاگل اور غریب لوگ (جن کے پاس دو سو درہم سے کم ہوں) جزیہ نہ دیتے تھے۔

دکن میں جہادِ عالمگیری

۱۶۵۷ء میں شاہجہان بیمار ہوا تو اورنگ زیب نے بیجاپور کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ قریب تھا۔ کہ مکمل فتح ہو جائے اور اس کے بعد اورنگ زیب، سیواجی کو جو ابھی لیٹرا ہی تھا آئندہ شورش برپا کرنے کے قابل ہی نہ رکھے۔ لیکن اسے تخت نشینی کی جنگ کے باعث دکن سے آنا پڑا۔ اس لئے معمولی شرائط پر شاہِ بیجاپور نے صلح کر لی۔ تخت نشینی کے بعد اگرچہ وہ جنوبی ہند کے معاملات سے غافل نہیں رہا اور وہاں کے صوبیداروں کے ذریعے امن قائم کرنے کے وسائل اختیار کرتا رہا۔

وہ ۱۶۸۲ء میں خود دکن کی مہم کے لئے دہلی سے روانہ ہوا۔ اس کو یقین تھا کہ مرہٹے اور دکن کی ریاستوں کے مالک سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ اس لئے اس نے پہلے بیجاپور اور گولکنڈہ کی مکمل تسخیر کا بیڑا اٹھایا چنانچہ ۱۶۸۶ء میں بیجاپور اور ۱۶۸۷ء میں گولکنڈہ کی ریاست کو فتح کر کے مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا۔ بیجاپور کے والی سکندر عادل شاہ کو سکندر خاں کا خطاب دے کر ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور گولکنڈہ کے والی ابوالحسن تانا شاہ کو دولت آباد بھیج دیا۔ اور اس کی شان کے لائق زمین مقرر کر دی۔ تاکہ

فارغ البالی سے زندگی بسر کرے۔

ریاست سکھر کی تسخیر

بیجاپور اور حیدر آباد کے درمیان سکھر کی ریاست تھی۔ جہاں ایک ہندو راجہ حکمران تھا۔ جس کے پاس بارہ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادہ فوج تھی۔ وہ بیجاپور اور حیدر آباد کی برابری کا دعویٰ کرتا تھا اور کوئی مسلمان اس کو زیر نہ کر سکا تھا۔ قلعہ گولکنڈہ فتح ہوا تو اسے ہوش آیا۔ اور ایلچی بھیج کر جان و عزت کی سلامتی چاہی۔ اورنگ زیب نے امان دی۔ اس نے ۱۶۸۸ء میں قلعہ سپرد کیا اور اس قلعے کی پہاڑی پر ایک مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔

مرہٹوں کے خلاف جہاد

بیجاپور اور گولکنڈہ کے بعد اورنگ زیب نے مرہٹوں کی بیخ کنی کی طرف توجہ دی۔ جو دکن میں اصل فساد کی جڑ تھے۔ سیواجی ۱۶۸۰ء میں مر چکا تھا۔ اور اس کا بیٹا سنبھاجی لٹیروں کا سردار تھا۔ سنبھاجی شرابی اور عیاش تھا۔ اس میں سیواجی کی سی تیزی۔ پھرتی اور چالاکی نہ تھی۔ اس سے کچھ نہ بن سکا۔ اورنگ زیب نے مرہٹوں کے میدانی ملک پر تو پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا۔ پہاڑی قلعے باقی تھے۔ وہ انہیں بھی نہ سنبھال سکا۔ آخر ۱۶۸۹ء میں گرفتار ہوا۔ مقرب خاں جب اسے اور اس کے وزیر کو پا بزنجیر کر کے بادشاہ کے پاس لے چلا تو راستے میں ہر گاؤں اور بستی کے ہندو اور مسلمان اس کو دیکھنے خوشی خوشی آتے اور خدا کا شکر کرتے۔

سنبھاجی اس ذلت کی تاب نہ لایا۔ بادشاہ کے سامنے گیا

تو اس نے بادشاہ سے گزر کر خدا اور رسول کو بے نقط سنائیں اورنگ زیب نے گستاخی اور زبان درازی کے جرم میں پہلے اس کی زبان گدی سے کھینچ کر نکلوائی۔ اور پھر قتل کروا دیا مرہٹے اگرچہ سنبھاجی کی کاہلی اور عیاشیوں سے تنگ تھے۔ لیکن پھر بھی وہ اسے دیوتا کا بیٹا سمجھتے تھے اس لئے اس کا مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جانا برداشت نہ کر سکے۔ اور مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب میں آ کر متحد ہو گئے۔ اور سنبھاجی کے بیٹے ساہو کو گدی پہ بٹھا کر مرنے مارنے پر تل گئے۔ ۱۶۹۰ء میں نابالغ راجہ ساہو اور اس کی ماں بھی گرفتار ہوئے۔ بادشاہ نے ان کو عزت و احترام سے رکھا اور مرہٹوں سے ملنے کے سوا ان پر کوئی پابندی نہ لگائی۔ مرہٹوں نے سنبھاجی کے بھائی راجہ رام کو قید سے نکال کر راجہ بنا لیا۔ مرہٹے دس سال اس کی سرداری میں شاہی فوجوں کو پریشان کرنے کے علاوہ لوٹ مار کرتے رہے آخر ۱۷۰۰ء میں وہ رات دن کے تعاقب سے وتق آ گیا۔ اور بیمار ہو کر مر گیا۔ اس کے بعد سیواجی دوم کا نابالغ بیٹا گدی پر بیٹھا۔ اب اورنگ زیب نے مرہٹوں کے تمام قلعے فتح کر لئے۔

پرتگیز اور انگریز جہانگیر اور شاہ جہان کے عہد میں پرتگیز اور انگریز تاجروں نے اجازت لے کر سمندر کے کنارے تجارتی کوٹھیاں بنائی تھیں۔ تجارتی سرمائے تو ان کے چند لاکھ سے زیادہ نہ تھے۔ لیکن سمندر پر اکے دُکے جہاز کو لوٹ لینا ان کا کام تھا۔ اورنگ زیب کو ۱۶۹۴ء میں پرتگیزوں کی لوٹ مار کی اطلاع ہوئی تو اس نے ان کو نکال دینے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے بہت عاجزی سے درخواست

کی کہ ہم سمندر میں مفسدوں کے شر کو دور کرنے کی خدمت بے تنخواہ سرانجام دیں گے۔ اورنگ زیب نے مصلحتاً انہیں معاف کر دیا۔ انگریزوں نے ۱۶۹۵ء میں ایک شاہی جہاز کو جو جدّہ سے واپس آرہا تھا۔ اور اس پر پچاس توپیں تھیں گھیر لیا اور اس سے اڑہائی لاکھ روپے کا نقد و جنس لوٹ لیا اور مردوں کو قتل کر کے بچّوں کو لے گئے۔ بادشاہ نے سورت اور بمبئی میں انگریزوں کے گماشتوں کو پکڑنے کا حکم دیا۔ بمبئی میں ان دنوں انگریزوں کا سرمایۂ تجارت بیس لاکھ سے زیادہ نہ تھا۔ باقی دولت کا مدار حاجیوں کے جہازوں کے لوٹنے پر تھا۔

نظامِ اسلامی کا قیام

اورنگ زیب نے جونہی سلطنت کے مدعیوں کی سازشوں سے فرصت پائیؔ اس نے سلطنت کو خدا کی مقدس امانت سمجھ کر شرعِ اسلام کے مطابق نظامِ حکومت کو مضبوط کرنے کی ٹھان لی۔ اور اپنے باپ دادا کے رواج دیئے ہوئے تمام غیر اسلامی قانون اور رسمیں فوراً بالکل بند کر دیں۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے حکم دیا کہ مقدماتِ دیوانی اور فوجداری کے فیصلے شرعِ اسلام کے مطابق ہوا کریں۔ رہنمائی کے لئے قانون کی کتاب تیار کی جو فتاویٰ عالمگیری کے نام سے مشہور ہے اور سارے اسلامی ممالک میں مستند مانی جاتی ہے۔

درشن جھروکے کی رسم اس نے بند کی۔ غیر اسلامی سلام کورنش اور مجرا بجا لانے کی ممانعت کی۔ عام حکم ہوا۔ کہ جب مسلمان بادشاہ سے ملاقات کریں۔ سلام شرعی سلام علیک پر اکتفا کریں کافروں کی طرح ہاتھ سر پہ نہ رکھیں۔ راگ رنگ کی مجلسیں قائم

کرنے کی قطعی ممانعت کر دی۔ درباری شاعروں۔ نجومیوں۔ بھاٹوں اور گویوں کی تنخواہیں بند کر کے حکم دیا۔ کہ یہ رقم طالب علموں کے وظیفوں اور عالموں کے روزینوں پر صرف کی جائے۔ اگر کوئی گویا یا مطرب تائب ہو کر اپنا پیشہ چھوڑ دیتا تو وہ اس کا روزینہ مقرر کرتا۔ یا زمین دیتا۔ امیروں کو حکم دیا کہ رنگین۔ ریشمی اور زرووزی لباس پہننا ترک کر دیں۔ اور اس زنانہ لباس کے بجائے شرعی لباس اختیار کریں۔ مردوں کو زیورات و جواہر پہننا اور زیب و زینت کرنا زیبا نہیں۔ ۱۶۵۹ء میں اس نے عالم وادوغہ مقرر کئے جو شراب۔ بھنگ اور دوسری نشے والی حرام چیزوں کے کھانے پینے اور بُرے کام کرنے سے لوگوں کو منع کرتے تھے۔

موت کی سزا موقوف کر دی۔ اور کسی کی مجال نہ رہی۔ کہ وہ اپنے نفس کی تسکین کے لئے کسی دوسرے کی زندگی ہی کو ختم کر دے۔ سزائے موت شرعی تحقیقات کے بعد بادشاہ تک محدود رکھی۔ آخر میں سزائے موت قطعاً موقوف کر دی۔

عام حکم جاری کیا۔ کہ اگر بادشاہ نے کسی کا شرعی حق دبایا ہو تو عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ چنانچہ سب عدالتوں میں وکیل شرعی مقرر کئے۔ کہ لوگوں کی طرف سے عدالت میں ایسے مقدمے دائر کر کے شریعت کے مطابق تحقیقات کرائیں۔

اورنگ زیب تعلیم قرآن کے مطابق یقین رکھتا تھا کہ جب تک مسلمان تلوار پکڑ کر دینِ اسلام کے لئے کافروں سے جہاد نہ کرے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ خود آخری دم تک جہاد میں سرگرم رہا اور مسلمانوں کو جہاد کی عملی تعلیم دیتا رہا۔ ہر صوبہ اور سرکار میں سوانح نگار مقرر کئے۔ جو روزنامچہ لکھتے اور یہ روزنامچے بادشاہ کی نظر

سے گزرتے تھے۔ جن پر بادشاہ بے تکلف ھدایتیں لکھاتا تھا۔ اس طرح سلطنت کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر بات اس کی نظر میں رہتی تھی۔ اور کوئی اہل کار رعایا پر زیادتی نہ کر سکتا تھا۔

انتظامِ سلطنت

عالمگیر نے اپنی وسیع سلطنت کو اکیس صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر صوبے میں ایک تجربہ کار اور معتمد امیر صوبیدار ہوتا تھا جو خود اس کی طرح دیوانی اور فوجی امور میں پوری مہارت رکھتا تھا۔ صوبیدار اپنے صوبوں میں بادشاہی اوقات کے مطابق دربار لگاتے اور عدل و انصاف کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ لطف یہ کہ لوگوں کو انصاف حاصل کرنے کے لئے کورٹ فیس ادا نہ کرنی پڑتی تھی۔ حکومت کی آمدنی زیادہ تر زمین کے لگان سے ہوتی تھی۔ اس نے تمام زمین کی پیمائش دوبارہ کرائی اور پیداوار کے موافق لگان تجویز کرایا عام طور پر پیداوار کا ایک تہائی لگان وصول کیا جاتا تھا۔

وسعتِ سلطنت

اورنگ زیب کی سلطنت افغانستان کی غربی سرحد سے لے کر مشرق میں اراکان و آسام تک اور شمال میں سطح مرتفع پامیر سے لے کر جنوب میں راس کماری تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس وسیع سلطنت میں بادشاہ کی انصاف پسندی۔ فرض شناسی کی وجہ سے ہر طرح امن وامان تھا۔ اور رعایا بے حد خوش حال تھی۔

اورنگ زیب کی وفات اور وصیت

دکن کی لڑائیوں سے فارغ ہو کر وہ نوّے برس کی عمر میں بائیس سال بعد میدانِ جنگ سے احمد نگر آیا۔

میدانِ جنگ میں اس نے سپاہیوں کی طرح مصیبتیں جھیلی تھیں اور شوقِ جہاد میں معمولی سپاہیوں کی طرح اکثر گھاس کے بستر پر لیٹتا تھا۔ آخر وقت میں اعظم و کام بخش دو بیٹے پاس تھے اس نے سوچا۔ کہ اس کی موت کے بعد زنجیروں سے آزاد دو شیروں کا لشکر میں رہنا خلق اللہ کی تباہی کا باعث ہوگا۔ اس لئے اس نے کام بخش کو علَم و نقارہ دے کر بیجاپور روانہ کیا۔ دو تین روز بعد اعظم کو بھی حکم دیا۔ کہ صوبہ مالوہ کو رخصت ہو اور ہر پانچ کوس کے بعد دو روز قیام کرتا جائے۔ شہزادوں کی روانگی کے بعد بخار تیز ہو گیا۔ مگر وہ خدا کا شیر چار روز شدتِ مرض کے باوجود پانچ وقت نماز با جماعت پڑھتا رہا۔ آخر جمعہ کے روز ۲۸ ذیقعد ۱۱۱۸ھ کو صبح کی نماز پڑھ کر کلمۂ توحید کا ذکر شروع کیا۔ اور اس حال میں ایک پہر دن چڑھے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

اس کی وصیت کے مطابق تابوت کے بغیر اورنگ آباد میں شیخ زین الدین کے مقبرے کے اندر اسے اس قبر میں دفن کیا گیا۔ جو اس نے اپنی زندگی میں خود بنوائی تھی۔ وفات کے وقت اس کی عمر اکیانوے سال تیرہ یوم کی تھی۔

وصیت نامہ

تکیہ کے نیچے سے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا وصیت نامہ نکلا۔ جس میں محمد معظم کو شمالی ہند اور شمالی مشرقی صوبوں کا بادشاہ مقرر کر کے، دہلی دارالسلطنت تجویز کیا تھا۔ اور اعظم کو آگرہ و جنوب مغربی صوبہ پر دکن تک حاکم بنایا تھا اور آگرہ اس کا دارالسلطنت قرار دیا تھا گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاستیں کام بخش کو دی تھیں۔

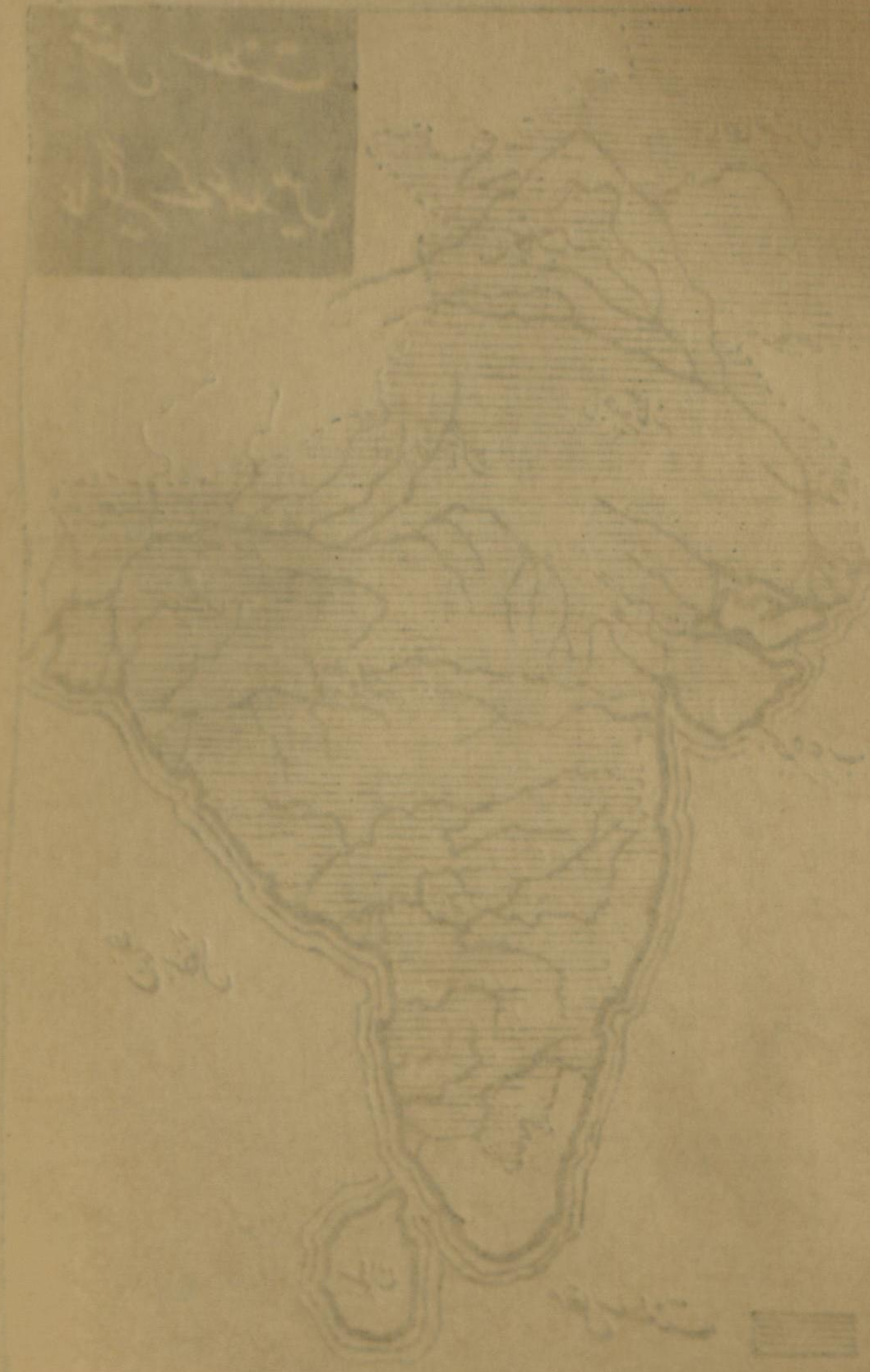
اس کے علاوہ ایک اور وصیت نامہ تھا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ ساڑھے چار روپے جو میرے ہاتھ کی ٹوپیوں کی سلائی سے بچے ہیں۔ ان سے تجہیز و تکفین کی جائے۔ اور آٹھ سو پانچ روپے جو قرآن نویسی کی اجرت سے بچے ہیں۔ مسکینوں میں بانٹ دیئے جائیں۔

اورنگ زیب کے خصائل

اورنگ زیب تیموری خاندان کا شاہکار تھا اس میں تیموری شجاعت و غیرت۔ بابر کا سا استقلال و جفاکشی۔ ہمایوں کی سیرچشمی و فیاضی۔ اکبر کا سا تدبر و بیدار مغزی۔ جہانگیر کا انصاف و عدل۔ شاہجہان کی دینداری بطور وراثت موجود تھیں۔ ان سب صفات پر اس نے احتیاط۔ فرض شناسی اور زہد و تقویٰ کا اضافہ کیا تھا۔ وہ دیندار اور پابند شریعت۔ حافظ قرآن مسلمان تھا۔ مذہب نے جن باتوں سے منع کیا ہے وہ کبھی وقت بھی ان کے پاس تک نہیں پھٹکا۔ شراب اور دوسری نشیلی چیزوں کو اس نے کبھی منہ نہ لگایا۔ اکلِ حلال کا اس درجہ پابند تھا۔ کہ اس نے اپنی پچاس سالہ حکومت کے زمانے میں ایک کوڑی بھی شاہی خزانہ سے لے کر اپنی ذات پر صرف نہ کی۔ اپنی روزی وہ خود پیدا کرتا تھا۔ گانے بجانے اور راگ رنگ سے اسے دلی نفرت تھی۔ اور ایسی باتوں کو وہ قوم کی بربادی و تباہی کا باعث سمجھتا تھا۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج، اور جہاد کی ادائیگی کا اسے ہر وقت خیال تھا۔ اس کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ ہمیشہ باجماعت پڑھتا۔ نماز جمعہ مسجد جامع میں عوام کے ساتھ ادا کرتا۔ زکوٰۃ بچوں تک کی ادا کرتا تھا۔ حج کی تمنا اسے تھی۔ مگر سلطنت کے جھمیلوں کی وجہ سے نہ جا سکا۔ اس کے بدلے



مغل سلطنت
عالمگیر کے عہد میں
افغانستان
راجپوتانہ
سندھ
بنگال
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
سیلون
مغل سلطنت



میں وہ حج کو جانے والوں کے ساتھ ہر سال اس درجہ سلوک کرتا تھا۔ کہ اس کا حج بمنزلۂ حج اکبر ہو جاتا تھا۔ غرض وہ شب بیدار تہجد گزار۔ مرد مجاہد۔ عادل و منصف دیندار بادشاہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے ہر بات میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ اور شاہی میں گدائی کر کے سپاہیانہ اور سادہ زندگی کا بہترین نمونہ پیش کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

مرہٹے

مرہٹے مہاراشٹر یعنی احاطہ بمبئی کے علاقہ کے باشندے تھے۔ اس علاقے میں جابجا پہاڑ اور جنگل ہیں۔ زمین ناہموار اور راستے نہایت پیچیدہ اور دشوار گزار ہیں۔ ان طبعی حالات کے اثرات نے مرہٹوں کو بہت بہادر۔ جنگ جو اور جفاکش بنا دیا تھا۔ دوسرے وہاں پہاڑوں میں محفوظ مقامات پر قلعے بنے ہوئے تھے۔ جہاں مرہٹے جنگ کے زمانے میں چھپ جایا کرتے تھے اور موقع پا کر مغلیہ فوج پر حملے اور چھاپے مارتے رہتے تھے۔ بعض مورخین مرہٹوں کو سیتھین اور ساکا قوموں کی نسل سے بتاتے ہیں لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ راٹھور راجپوتوں کی نسل سے ہیں۔

قومی خصائل

مرہٹے پست قد۔ جفاکش۔ محنتی اور جنگجو تھے وہ چست و چالاک۔ تکلیفیں برداشت کرنے کے عادی اور غضب کے مستقل مزاج تھے۔ شروع میں یہ لوگ دکن کی اسلامی ریاستوں کے باجگزار تھے۔ اور ان کی فوجوں میں بھرتی ہو کر جنگوں میں حصہ لیتے تھے۔ اس زمانے کی مذہبی تحریکوں نے ان کے قومی جوش کو ابھارا۔ جس زمانہ میں سیواجی

پیدا ہُوا۔ اس وقت مرہٹوں میں قومیت کا احساس پیدا ہو چکا تھا۔

سکھ

گورو نانک سکھ مذہب کے بانی گورو نانک دیوجی ۱۴۶۹ء میں موضع تلونڈی (موجودہ ننکانہ صاحب) ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں ہندوؤں میں بے معنی رسوم اور بت پرستی کا زور شور تھا۔ ذات پات کی تمیز کی وجہ سے برہمنوں کا اقتدار بڑھ گیا تھا۔ گورو نانک جی ان باتوں کو فضول سمجھتے تھے۔ شروع ہی سے ان کی طبیعت توحید کی طرف مائل تھی چنانچہ ۳۰ سال کی عمر میں گھر بار چھوڑ کر پرچار کرنے لگے۔ وہ لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتے تھے اور ہندو مسلمانوں کو یکساں عزیز سمجھتے تھے۔ وہ مذہبی تنگ نظری اور جھگڑوں کے بالکل خلاف تھے اور آپس میں پیار و محبت سے رہنے کی تلقین کرتے تھے آپ کی تعلیم اور نصیحتیں گرنتھ صاحب اور ساکھی گورو نانک میں درج ہیں۔ آپ نے ۱۵۳۸ء میں ستر سال کی عمر میں کرتارپور کے مقام پر وفات پائی۔

گورو انگد جی گورو نانک دیوجی کی وفات پر ان کے چیلے گورو انگد جانشین مقرر ہوئے۔ آپ نے گورمکھی حروف ایجاد کیے۔ اور ۱۵۵۲ء میں وفات پائی۔ گورو نانک دیوجی کی سوانعمری ان ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

گورو امرداس جی یہ سکھوں کے تیسرے گورو تھے۔ انہوں نے سکھ مذہب کی اشاعت میں بہت حصہ لیا اور کئی پرچارک مقرر کیے۔ علاوہ ازیں موضع گوندوال ضلع امرتسر

میں ایک بڑی باؤلی بھی تعمیر کروائی۔ جسے سکھ بہت مقدس سمجھتے ہیں۔

گورو رام داس جی

گورو امرداس جی کے بعد گورو رام داس جی گدی پر بیٹھے۔ آپ اکبر بادشاہ سے لاہور میں ملے۔ اکبر نے انہیں بہت سا علاقہ عطا کیا۔ جہاں انہوں نے دربار صاحب کی تعمیر کر کے امرت سر شہر کی بنیاد ڈالی جو سکھوں کا متبرک مقام ہے۔ دربار صاحب کا سنگ بنیاد ایک مسلمان بزرگ حضرت میاں میرؒ نے رکھا تھا۔ اس واقعہ سے سکھوں اور مسلمانوں کے اس وقت کے خوش گوار تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔

گورو ارجن دیو جی

گورو رام داس کے بعد ان کے بیٹے گورو ارجن دیو جی گدی نشین ہوئے۔ انہوں نے گرنتھ صاحب کو ترتیب دیا۔ اور نذرانے وصول کرنے کی رسم جاری کی۔ چونکہ دیوان چندو شاہ سے ان کی اَن بن تھی۔ اس لئے اس کے اشارہ پر جہانگیر بادشاہ نے انہیں قید کر دیا۔ آخر گورو صاحب نے قید ہی میں وفات پائی۔

گورو ہرگوبند جی

گورو ارجن دیو کے بعد ان کا بیٹا گورو ہرگوبند جی گدی پر بیٹھا۔ آپ نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے دیوان چندو شاہ کو قتل کر دیا۔ اس لئے جہانگیر نے انہیں گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا مگر کچھ عرصہ بعد سکھوں کی بے چینی دیکھ کر انہیں رہا کر دیا۔ انہوں نے سکھوں کو ایک فوجی فرقہ بنایا۔

گورو ہر رائے جی

ساتویں گورو ہر رائے تھے۔ جو دارا کے

طرف دار تھے۔ انہوں نے سیاسی معاملات میں کبھی حصّہ نہیں لیا۔ اورنگ زیب نے ڈیرہ دون اور میانمیر میں انہیں جاگیریں عطا کیں۔

گورو ہرکشن جی

ان کے بعد گورو ہرکشن جی گدی پر بیٹھے لیکن کم عمری ہی میں آپ نے وفات پائی۔

گورو تیغ بہادر جی

گورو ہرکشن جی کے بعد گورو تیغ بہادر جی گورو مقرر ہوئے۔ آپ نے سکھوں کو قومی جماعت کی حیثیت دے دی۔ اور پنجاب کے مختلف علاقوں کو تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا۔ اس لئے انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔

گورو گوبند سنگھ جی

یہ سکھوں کے دسویں اور آخری گورو تھے۔ وہ بہت بہادر اور دلیر تھے انہوں نے کئی مفید اصلاحات جاری کر کے سکھوں کو پُرجوش جنگی فرقہ بنا دیا اور مذہبی نشان کے طور پر پانچ چیزیں (کیس۔ کڑا۔ کچھ کرپان۔ کنگھا) ہر وقت اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا۔ اس وقت سے وہ سکھ کے بجائے سنگھ (شیر) کہلانے لگے! گورو گوبند سنگھ اورنگ زیب سے اپنے باپ گورو تیغ بہادر کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مغلوں سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ جن میں انہیں کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ چونکہ اورنگ زیب ان ایام میں دکن میں تھا۔ اس لئے بعض شاہی عہدیداروں نے انہیں ناجائز طور پر تنگ بھی کیا۔ اس پر انہوں نے اپنی تمام داستان اورنگ زیب تک دکن میں بھجوائی۔ بادشاہ نے اپنے عہدہ داروں کو تنبیہہ کی۔ اور گورو صاحب کو دکن میں اپنے پاس

طلب کیا۔ مگر اس اثنا میں اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد بہادر شاہ گورو صاحب کے ساتھ بہت عزت سے پیش آیا اور انہیں دریائے گوداوری کے کنارے جاگیر عطا کر دی۔ جہاں کچھ عرصہ انہوں نے قیام بھی کیا۔ آخر ۱۷۰۸ء میں وہیں کسی ذاتی دشمن نے انہیں زخمی کیا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

بندہ بیراگی

گورو گوبند سنگھ نے اپنے بعد بندہ بیراگی کو سکھوں کا رہنما مقرر کیا۔ وہ دراصل ریاست پونچھ واقع کشمیر کا رہنے والا تھا۔ اور اس کا اصل نام لچھمن دیو تھا۔ گورو گوبند سنگھ کی وفات کے بعد بندہ بیراگی پنجاب میں چلا آیا اور سکھوں کی بہت بڑی جمعیّت اکٹھی کر کے مغلیہ علاقوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اور ۱۷۱۰ء میں سرہند کے گورنر وزیر خاں کو قتل کر دیا۔ اور بہت سے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا۔ لیکن شاہی لشکر کی آمد پر سرمور کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ آخر فرخ سیر کے زمانے میں بندہ بیراگی گرفتار ہو کر قتل ہوا۔

بندہ بیراگی بڑا بے رحم اور ظالم شخص تھا۔ اس نے نہ صرف مسلمانوں کا خون بہایا۔ بلکہ سکھوں پر بھی بہت مظالم ڈھائے اس نے سکھ مذہب میں تبدیلی بھی کرنی چاہی۔ جس سے سکھ اس سے علیحدہ ہو گئے۔

سکھوں کی بارہ مثلیں

بندہ بیراگی کی وفات کے بعد سکھ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے وقت انہیں پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد یہ پہاڑی علاقوں سے نکل کر پھر میدانی علاقوں میں آ دھمکے۔ چونکہ ملک میں، چاروں طرف بدنظمی

پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ زمانہ مغلیہ خاندان کے زوال کا عہد تھا۔ اس لئے سکھوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم کر لیں۔ جن کو "مثلیں" کہتے تھے۔ ہر ایک مثل اپنے سردار یا جتھے دار کے ماتحت ہوتی تھی۔ ان میں سے ایک مشہور مثل سکھر چکیہ تھی۔ جس کی بنیاد سردار چڑت سنگھ نے رکھی تھی۔ اس کے پوتے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے باقی مثلوں کو فتح کر کے پنجاب میں سکھ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

اورنگ زیب کے جانشین

اورنگ زیب نے اپنی زندگی ہی میں سلطنت کو اپنے تینوں بیٹوں معظم۔ اعظم اور کام بخش میں تقسیم کر دیا تھا مگر تینوں بیٹوں میں تخت نشینی کے لئے خوب جنگ ہوئی۔ آخر شہزادہ معظم کامیاب ہوا اور بہادر شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

بہادر شاہ اوّل
۱۷۰۷ء سے ۱۷۱۲ء تک

بہادر شاہ بہت نیک۔ رحم دل اور فیاض بادشاہ تھا۔ مگر بوڑھا ہونے کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی مرہٹوں میں صلح کر کے سنبھاجی کے بیٹے ساہو کو رہا کر دیا۔ راجپوتوں اور سکھوں سے بھی صلح کر لی۔ اور جزیہ معاف کر دیا۔ اس طرح ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔

جہاندار شاہ
۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۳ء

۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ کے بڑے بیٹے جہاندار شاہ نے ذوالفقار خاں کی مدد سے اپنے

تین بھائیوں کو قتل کر کے تخت حاصل کیا۔ مگر یہ عیش و عشرت کا دلدادہ اور بالکل نکما بادشاہ تھا۔ اس لئے تھوڑے عرصے بعد اس کے بھتیجے فرخ سیر نے دو سید بھائیوں عبداللہ اور حسین علی کی مدد سے جہاندار شاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

فرّخ سیر
۱۷۱۳ء تا ۱۷۱۹ء

فرخ سیر برائے نام بادشاہ تھا۔ اور سلطنت کے تمام اختیارات سید بھائیوں کے ہاتھ میں تھے۔ ان کے اقتدار کی یہ حالت تھی۔ کہ وہ جسے چاہتے تھے۔ بادشاہ بنا دیتے تھے اور جب چاہتے تھے۔ اس کو تخت سے اتار دیتے تھے۔ تاریخ میں یہ بادشاہ گر (Kings makers) کے نام سے مشہور ہیں۔ فرخ سیر کے عہد میں ہی بندہ بیراگی اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار ہو کر قتل ہوا

ایک دفعہ بادشاہ سخت بیمار ہوا اور ایک انگریز ڈاکٹر ہملٹن کے علاج سے تندرست ہوا۔ اس کے صلے میں بادشاہ نے انگریزوں کو چالیس گاؤں خریدنے کی اجازت دے دی۔ اور درآمد پر کل محصولات معاف کر دیے۔ فرخ سیر سیّد بھائیوں سے تنگ آ گیا تھا۔ اس نے ان کا اقتدار کم کرنا چاہا۔ جس پر انہوں نے اسے قتل کروا دیا۔

اس کے بعد سید بھائیوں نے دو تیموری شہزادوں رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کو یکے بعد دیگرے تخت پر بٹھایا۔ جو تھوڑے ہی عرصہ میں قتل ہوئے۔ آخر انہوں نے بادشاہ کے پوتے روشن اختر کو قید خانے سے نکال کر محمد شاہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔

محمد شاہ
۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء

بادشاہ گر بھائیوں کی زیادتیوں سے سبھی تنگ آ چکے تھے۔ چنانچہ امراء نے محمد شاہ سے سازش کر کے انہیں قتل کر دیا۔ اور محمد شاہ خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ محمد شاہ نے تقریباً ۳۰ سال حکومت کی۔ مگر یہ بڑا عیش پرست بادشاہ تھا۔ اس لئے محمد شاہ رنگیلا بھی کہتے ہیں۔ اس کے عہد میں مغلوں کی سلطنت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اور اکثر صوبے خود مختار ہو گئے تھے۔ نظام الملک نے دکن میں، اودھ میں، سعادت علی خاں نے اور بنگال میں علی وردی خاں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے حملہ کر کے سلطنت کو بالکل تباہ کر دیا۔ محمد شاہ کے بعد یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ مگر ان کی حکومت برائے نام تھی۔ ان میں دو قابلِ ذکر ہیں۔ ایک شاہ عالم ثانی جس نے انگریزوں کو بنگال۔ بہار اور اڑیسہ کی دیوانی عطا کی اور دوسرا بہادر شاہ ثانی جو مغلیہ خاندان کا آخری تاجدار تھا۔ اور جسے انگریزوں نے غدر کا ملزم قرار دے کر جلاوطن کر کے رنگون میں قید کر دیا تھا۔ ۱۸۶۴ء میں اس کی موت کے ساتھ مغلیہ خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

نادر شاہ کا حملہ ۱۷۳۹ء

نادر شاہ ایک معمولی گڈریا تھا جو اپنی خداداد بہادری کی وجہ سے ایران کا بادشاہ بن گیا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں اس نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ کرنال تک وہ بغیر کسی روک ٹوک کے آ پہنچا۔ لیکن کرنال کے مقام پر محمد شاہ نے معمولی سا مقابلہ کیا اور شکست کھا کر صلح کی درخواست کی۔ نادر شاہ نے پورے دو ماہ دہلی میں قیام کیا بدقسمتی

سے ایک دن اس افواہ کے پھیل جانے پر کہ نادر شاہ قتل ہو گیا ہے۔ دہلی کے لوگوں نے شہر میں پھرنے والے چھ سات سو ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ سن کر نادر شاہ نے قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ اس پر ایرانی سپاہیوں نے کوئی ڈیڑھ لاکھ آدمی قتل کر دیئے۔ اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ آخر نادر شاہ نے محمد شاہ کی درخواست پر قتلِ عام بند کیا اور ہندوستان سے بے شمار دولت۔ تختِ طاؤس اور دو مشہور ہیرے کوہ نور اور دریائے نور لے کر واپس ایران چلا گیا۔

حملے کا اثر نادر شاہ کے حملے سے سلطنتِ مغلیہ بالکل کمزور ہو گئی اور ملک میں چاروں طرف بدنظمی پھیل گئی۔

احمد شاہ ابدالی کے ہند پر حملے ۱۷۴۳ء میں جب نادر شاہ اپنے وزراء کے ہاتھوں قتل ہوا۔ تو اس کے ایک جرنیل احمد شاہ ابدالی نے افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۷۴۸ء میں ہندوستان پر فوج کشی کی۔ لیکن محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ نے اسے سرہند کے مقام پر شکست دی۔ مگر اس کے بعد بھی اس نے ہندوستان پر کئی حملے کئے۔ جن میں سے ۱۷۶۱ء کا حملہ بہت مشہور ہے۔ اس حملے میں احمد شاہ نے پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کو شکست فاش دی۔

حملوں کا اثر ۱۔ احمد شاہ کے حملوں نے مغلیہ سلطنت کے رہے سہے وقار کا بالکل ملیامیٹ کر دیا۔

۲۔ مرہٹوں کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور ان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔

پیشواؤں کا عُروج

شروع میں تو پیشوا مرہٹہ راجاؤں کے وزیر اعظم ہوتے تھے لیکن بعد میں وہ خود فرمانروا بن گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سیواجی کا پوتا ساہو بڑا عیش پرست اور نا قابلِ حکمران تھا۔ اس نے حکومت کا تمام کام اپنے وزیر اعظم بالاجی وشوا ناتھ کے سپرد کر رکھا تھا۔ بالاجی نے تھوڑے عرصے میں اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ ساہو برائے نام راجہ رہ گیا۔ اس طرح پیشوا کا عہدہ بالاجی وشوا ناتھ کے خاندان میں موروثی ہو گیا۔ اور مرہٹہ حکومت، پیشواؤں کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔

یہ خاندان ۱۷۱۴ء سے ۱۸۱۸ء تک کوئی سو سال کے قریب حکمران رہا۔ ان کا پایۂ تخت پونا تھا۔ اس عرصہ میں کل سات پیشواؤں نے حکومت کی۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ بالاجی وشوا ناتھ

۲۔ بالاجی راؤ اوّل

۳۔ بالاجی باجی راؤ

۴۔ مادھو راؤ

۵۔ نرائن راؤ

۶۔ مادھو راؤ نرائن

۷۔ باجی راؤ ثانی

ان پیشواؤں میں دوسرا پیشوا باجی راؤ اوّل سب سے قابل اور ساتواں پیشوا باجی راؤ ثانی سب سے نکمّا تھا۔ چنانچہ باجی راؤ اوّل کے عہدِ حکومت میں مرہٹہ سلطنت کو انتہائی عروج حاصل ہؤا۔ اور باجی راؤ ثانی کے عہد میں اس کا خاتمہ ہؤا۔

بالاجی وشوا ناتھ

۱۷۱۴ء سے ۱۷۲۰ء تک

بالاجی وشوا ناتھ نے پیشوا خاندان کی بنیاد ڈالی۔ یہ بڑا قابل اور منتظم شخص تھا۔ اس نے بدنظمی کو دور کر کے مرہٹوں کو متحد کیا۔ اور پیشوا کا عہدہ اپنے خاندان میں موروثی بنا دیا۔ اس نے فرخ سیر کی معزولی اور محمد شاہ کی تخت نشینی کے لئے سید بھائیوں کی خاطرخواہ امداد کی۔ جس کے صلے میں محمد شاہ نے اسے چھ صوبوں میں چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کی اجازت دے دی۔ اس طرح مرہٹوں کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اس نے سیواجی کے نظامِ حکومت میں اصلاحات کیں۔ اور مرہٹہ سرداروں کو نقد تنخواہ دینے کی بجائے جاگیریں دینی شروع کر دیں۔ آخر ۱۷۲۰ء میں اس نے وفات پائی۔

باجی راؤ اوّل

۱۷۲۰ء تا ۱۷۴۰ء

یہ بالاجی وشوا ناتھ کا بیٹا تھا۔ یہ پیشواؤں میں سب سے زیادہ قابل اور بہادر خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے ۲۰ سال حکومت کی اور اس عرصہ میں اس نے سلطنتِ دہلی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بہت سے مغلیہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ مرہٹے گجرات، مالوہ۔ بندھیل کھنڈ فتح کر کے دہلی تک پہنچ گئے۔ دکن سے نظام الملک فوج لے کر شہنشاہ کی مدد کے لئے روانہ ہؤا۔ مگر مرہٹوں سے بھوپال کے نزدیک شکست کھائی۔ ۱۷۳۹ء میں مرہٹوں نے پرتگیزوں

کو شکست دے کر بسین کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس طرح باجی راؤ کے عہد میں مرہٹہ سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔ باجی راؤ اوّل نے ۱۷۴۰ء میں وفات پائی۔

مرہٹہ کنفیڈریسی

باجی راؤ کے عہدِ حکومت میں چند مرہٹہ سرداروں نے بہت طاقت پکڑ لی۔ اور الگ الگ خود مختار ریاستیں قائم کر لیں۔ راگھوجی بھونسلہ ناگپور میں۔ ملہار راؤ ہلکر اندور میں۔ پلاجی گائیکواڑ گجرات میں اور رانوجی سیندھیا گوالیار میں خود مختار بن گئے۔ باجی راؤ نے ان سب سرداروں کو ملا کر ایک جتھہ قائم کیا۔ جسے تاریخی اصطلاح میں مرہٹہ کنفیڈریسی (MARHATTA CONFEDERACY) کہتے ہیں۔

بالاجی باجی راؤ

۱۷۴۰ء تا ۱۷۶۱ء

باجی راؤ کے بعد اس کا بیٹا بالاجی باجی راؤ پیشوا مقرر ہوا۔ اس نے پونا کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور مرہٹہ سلطنت کو اور بھی وسیع کیا۔ اس کے زمانے میں مرہٹہ طاقت انتہائی عروج کو پہنچ گئی۔ مرہٹوں نے بنگال کے حاکم علی وردی خاں سے اڑیسہ چھین لیا۔ اس نے بارہ لاکھ روپیہ چوتھ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ ایک مرہٹہ سردار راگھوجی بھونسلہ نے ممالکِ متوسط پر تسلّط جما لیا۔ ۱۷۵۸ء میں راگھوبا نے احمد شاہ ابدالی کے نائب کو نکال کر پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح تقریباً تمام ہندوستان پر مرہٹوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ مگر پورے عروج کے وقت یعنی ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست فاش دی۔ اور مرہٹہ طاقت کو تباہ کر دیا پیشوا اس صدمہ کی تاب نہ لا کر ۱۷۶۱ء ہی میں مر گیا۔

پانی پت کی تیسری لڑائی ۱۷۶۱ء

مغل بادشاہ کی تو کوئی حیثیت ہی باقی نہ رہی تھی۔ روہیلہ سردار حافظ رحمت خاں اور شجاع الدولہ حاکمِ اودھ احمد شاہ ابدالی سے مل گئے مرہٹے جو ان دنوں مغل شہنشاہ کو اپنی پناہ میں لے کر ہندوستان کے مالک بن گئے تھے۔ کھلے میدان میں ایک فیصلہ کن جنگ کے ارادے سے پانی پت کے میدان میں جمع ہوئے۔ احمد شاہ ابدالی چالیس ہزار جنگجو پٹھان لے کر آیا تھا۔ پچاس ہزار ہندوستانی سپاہ اس کے ساتھ ہوئی اس کے مقابلے میں مرہٹوں کا لشکر نو لاکھ کے قریب تھا۔ اسی لاؤ لشکر کی یاد ہیں آج تک "نو لاکھ نیزہ" عوام میں مشہور ہے۔ ابراہیم گاردی کے ماتحت مرہٹوں کے توپ خانہ میں دو سو توپیں تھیں۔ اور درانیوں کی طرف صرف تیس توپیں تھیں۔ مرہٹہ فوج کا سپہ سالار پیشوا کا چچیرا بھائی سداشیو راؤ بھاؤ تھا۔ اسے بھرت پور کے جاٹ راجہ سورج مل اور کئی مرہٹہ سرداروں نے مشورہ دیا کہ کھلے میدان میں جم کر لڑنے کی بجائے گوریلا جنگ کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ مگر بھاؤ ایک مغرور شخص تھا۔ اس نے فوج کی زیادتی کے گھمنڈ میں اس مشورہ کو ٹھکرا دیا۔ اور اسلامی لشکر کو خاطر میں نہ لایا۔ کچھ عرصہ دونو فوجیں آمنے سامنے ڈیرے ڈالے پڑی رہیں۔ احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کا سلسلہ رسل و رسائل توڑ دیا۔ اور ان کی رسد قریباً ختم ہو گئی۔ مرہٹوں نے تنگ آکر ایک دم ہلہ بول دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مرہٹے بہت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ گرد و غبار کی وجہ سے لڑائی کا ٹھیک حال تو معلوم نہ ہوتا تھا۔ لیکن درانیوں کے نعرے اور ان کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ کم ہوتی جاتی تھی۔ کہ احمد شاہ نے اپنے رسالے کے چیدہ جوانوں کے سامنے جا کر تقریر کی "بہادرو! اب لڑائی گھنٹوں کی نہیں۔ منٹوں کی رہ گئی

ہے۔ دونو لشکر بے دم ہو چکے ہیں۔ چند منٹ جس نے حوصلے و استقلال سے گزار لئے۔ وہی کامیاب ہے۔ میرے شیرو جاؤ۔ دشمن کے بائیں بازو کو اٹھا کر دائیں بازو پر الٹ دو اور یہ لو۔ میں بھی پہنچا۔" ان سواران صف شکن نے اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ جادو سا ہو گیا۔ اور پل جھپکنے میں مرہٹوں کی ڈل بادل فوجیں کائی کی طرح پھٹ گئیں۔ اور وہ جیتی جتائی بازی ہار کر ایسے بھاگے۔ کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اور درانیوں اور روہیلوں نے پیچھا کیا اور بیس بیس کوس تک جہاں کوئی مرہٹہ سپاہی ملا۔ اسے ٹھکانے لگایا۔ جو ان کے ہاتھ سے بچے۔ انہیں دیہاتیوں نے ختم کیا۔ بھاؤ۔ بسواس اور بہت سے نامی مرہٹہ سردار کام آئے۔ صرف ہلکر اور سندھیا زندہ بچ کر گرتے پڑتے مہاراشٹر پہنچے۔

اس جنگ میں اس قدر مرہٹے مارے گئے۔ کہ دکن میں گھر گھر کہرام مچ گیا۔ پیشوا کو اس شکست کا صدمہ اتنا سخت ہوا۔ کہ چند ہی روز بعد مر گیا۔ مسلمانوں نے اس فتح عظیم سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور احمد شاہ ابدالی بے جا مروت سے کام لے کر پھر واپس چلا گیا۔ یہاں کے مسلمان امراء نے اپنی خودغرضیوں اور عیاشیوں کی وجہ سے عام مسلمانوں کو متحد کر کے اسلامی حکومت کو مستحکم اور قوم کو زندہ کرنے کی فکر نہ کی۔ روہیلوں نے تھوڑی بہت دوڑ دھوپ کی۔ لیکن نقارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا۔ سب اپنی ڈفلی کی خیر مناتے رہے۔ انگریزوں کو موقع ملا۔ انہوں نے مرہٹوں کی اس شکست اور مسلمان سرداروں کی نااتفاقیوں سے فائدہ اٹھایا اور حافظ رحمت خاں کو شہید کر کے روہیلوں کو تباہ کر دیا۔

خاندانِ مُغلیہ کے زوال کے اسباب

انگریز مؤرخوں نے خاندانِ مغلیہ کے زوال کا ذمہ دار اورنگ زیب کو گردانا ہے اور اس کی حکمتِ عملی کی مذمت میں زمین آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط اور قطعی غلط ہے۔ اور اورنگ زیب کی مذہبی حکمتِ عملی کے عیب گنوانے پر جو زور دیا ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ ہندوستانی مسلمان اس حکمتِ عملی سے نفرت کرنے لگیں اور جہاد کو خیرباد کہہ کر فوجی زندگی سے دور جا پڑیں۔ یہاں تک کہ ان میں غیرتِ اسلامی نام کو بھی نہ رہے۔

زوال کے اصلی اسباب یہ تھے :-

۱۔ مغل حکومت شخصی تھی۔ یہ حکومت بعض لحاظ سے اچھی ہوتی ہے بشرطیکہ بادشاہ بہادر۔ مستقل مزاج۔ مدبّر اور دیندار ہو۔ سلطنتِ مغلیہ کے بادشاہوں میں۔ بابر۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان اور عالمگیر اورنگ زیب ایسی صفات کے مالک تھے۔ جو تاج و تخت تک پہنچنے کا ذریعہ اور حکومت کی بلندی پر چڑھنے کا زینہ ہوتی ہیں۔ انہوں نے اپنی ہمت۔ استقلال اور حسنِ تدبیر سے سلطنت کو چار چاند لگا دیئے۔ دنیا کے بادشاہ ان کی عظمت و شوکت کی قسم کھاتے اور ان کی ہیبت سے لرزتے تھے۔ مگر اکبر اور جہانگیر کی رنگینیوں نے شاہجہان کی شان و شوکت اور امن وامان کے گہوارہ میں پرورش پا کر قوم کو بودا کر دیا۔ تھا۔ اورنگ زیب نے اپنی نگاہِ دوربین سے بھانپ لیا۔ کہ قوم بے راہ ہو کر زوال کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس لئے اس مردِ مجاھد نے اپنی تمام طاقت

اطرف لگا دی کہ کسی طرح مسلمانوں میں دورِ اوّل کے مسلمانوں جیسی دین داری اور تیمور و بابر کے سپاہیوں جیسی چستی و چالاکی پیدا ہو جائے۔ وہ پچاس سال تک متواتر خزانۂ شاہی سے ایک پیسہ اپنی ذات پر خرچ کئے بغیر مسلمانوں کو نفس کشی اور خدا پرستی کا سبق دیتا رہا۔ لیکن اس کے بعد تیس ہی سال کے قلیل عرصے میں مغلوں اور عام ہندی مسلمانوں نے اس سبق کو بھلا دیا، اور راگ رنگ میں پڑ گئے۔

غرض زوال کا اہم ترین سبب عالمگیر کے جانشینوں کی نالائقی اور خانہ جنگیوں میں اپنی فوجی طاقت کو خود تباہ کرنا ہے۔

۲۔ ہندوستان کی گرم آب و ہوا نے مغل بہادروں کو کاہل، سست اور کمزور بنا دیا۔ دولت کی فراوانی کے باعث وہ عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ اور اس درجے آرام طلب ہو گئے کہ میدانِ جنگ میں جاتے تو مغل امراء دولھا بنے ہوئے پالکیوں میں سوار ہو کر جاتے تھے۔ افغانوں کے مقابلے میں مغلوں کی تباہی جس تیزی سے ہوئی۔ وہ بھی حیرت انگیز ہے۔ اور اس کا باعث بقول شیر شاہ سوری مغلوں کی عیش پسندی اور رشوت ستانی ہے۔

۳۔ ترکوں کا ابتدائی قانونِ وراثت یہ تھا کہ باپ کے گھربار کی مالک بیٹی ہوتی اور بیٹے کو باپ کے گھر سے صرف ایک تلوار ملتی تھی۔ کہ زورِ بازو سے اپنی جگہ خود بنائے۔ تیمور اور بابر نے اپنے زورِ بازو سے سلطنتیں بنائیں۔ ہمایوں نے اپنی غفلت سے سلطنت گنوائی۔ اور پھر پیدا کی۔ اکبر نے بھی اپنے ہی بل بوتے پر سلطنت پیدا کی۔ اور جہانگیر و شاہجہان نے شان و شکوہ کے مظاہرے کئے۔ تو شاہجہان کو آٹھ سال نظربندی

میں رہ کر تن آسانی کا لطف بھی اٹھانا پڑا۔ اورنگ زیب نے اپنی ہمت۔ استقلال اور حسنِ تدبیر سے بھائیوں کو نیچا دکھا کر سلطنت حاصل کی۔ پھر اس کو قائم رکھا اور بڑھایا۔ مگر اس کے جانشینوں میں بہادر شاہ کے بعد جو بھی تخت تک پہنچا وہ کسی اتالیق یا خود غرض امیر کے سہارے پہنچا۔ ان میں خود اعتمادی اور تیموری غیرت و شجاعت نہ تھی۔ اس لئے امراء کے ہاتھوں میں کٹ پتلیاں بن کر رہ گئے۔

۴۔ اکبر کی ہندو نواز غلط حکمتِ عملی اور خلافِ شرع ہندو عورتوں سے نکاح کرنے کا دروازہ مسلمانوں کے لئے کھول دینا اسلام اور مسلمانوں کے لئے زہر قاتل ثابت ہوا۔ ہندو رانیوں کے بچے تیموری غیرت و شجاعت سے محروم ہوتے گئے۔ جس کا پول غلام قادر روہیلے نے شاہ عالم ثانی کے عہد میں کھول کر رکھ دیا۔ مغل معجون کھاتے تھے۔ اور راجپوت افیون۔ اس لئے آخری مغل بادشاہ معجون اور افیون دونو کھاتے تھے۔

ملہ: غلام قادر روہیلے نے شاہ عالم ثانی کو مرہٹوں کے چنگل سے نکالا۔ مگر شاہ عالم ثانی نے سیندھیا کو فرزند دل بند لکھ کر غلام قادر کے خلاف بلایا۔ غلام قادر کو بادشاہ کا یہ خط مل گیا۔ اس نے طیش میں آکر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور تخت پر بیٹھ کر شاہ عالم اور مغل شہزادوں کو آداب بجا لانے کی تکلیف دی۔ کوڑے لگوائے۔ پھر تلوار الگ کر کے چادر تان کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اٹھا اور کہا تم میں سے اگر کسی میں تیموری خون کا قطرہ ہوتا تو وہ میری ہی تلوار سے میرا سر قلم کر دیتا۔ جب تم میں تیموری غیرت نہیں تو تم سے جو سلوک کیا جائے۔ وہ نمک حرامی نہیں۔ پھر شاہ عالم کو اندھا کر دیا۔

اور شراب پیتے تھے۔ اور انجام سے بے فکر ہو کر ناچ رنگ کی محفلیں جماتے تھے۔ ہر دن عید اور ہر رات شب برات تھی۔ کسی کو نہ خدا و رسول یاد تھے! ور نہ اسلام سے کوئی سروکار تھا۔

۵۔ نادرشاہ نے مسلمان عوام کو جھنجوڑا۔ چرکے پر چرکہ لگایا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بے حس مسلمانوں کی اسلامی روح فنا ہو چکی تھی۔ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

۶۔ مغلوں اور عام مسلمانوں کی کم ہمتی اور گری ہوئی طبیعت سے پنجاب میں سکھوں نے دکن میں مرہٹوں نے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنی اپنی قوم کی تنظیم کر کے اقتدار حاصل کر لیا۔ حیرت ہے۔ کہ مرہٹے پانی پت کی تیسری لڑائی میں پس جانے کے بعد پھر سنبھل گئے۔ لیکن مسلمان فتح ہند ہونے کے باوجود بھی گرتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ سکھوں اور مرہٹوں نے انگریزوں کو اگر کوئی علاقہ دیا تو خونریز لڑائیاں لڑنے کے بعد دیا۔ اور مسلمانوں نے دسوائے رحمت خاں روہیلے کے ا کسی جگہ بھی انگریزوں کا مقابلہ جم کر نہ کیا۔ اور لڑے بھڑے بغیر ہی سب کچھ حوالہ کر دیا۔

۷۔ یورپین قوموں نے مسلمان حکمرانوں کی عزت حاصل کرنے کے خیال سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور آخر میں انگریزوں نے اپنی عیاریوں اور مکاریوں سے امراء میں نفاق ڈال کر ملک پر قبضہ کر لیا۔

عبد الرشید ڈار

سوالات

۱- بابر کی ابتدائی زندگی - فتوحات اور چال چلن کا مختصر حال بیان کرو۔
۲- رانگا سانگا پر مختصر نوٹ لکھو۔
۳- ہمایوں کے عہدِ حکومت کا مختصر حال بیان کرو۔
۴- شیر شاہ سوری کی ابتدائی زندگی - فتوحات اور انتظامِ سلطنت کا مختصر حال بیان کرو۔ اور بتاؤ - کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں تم اسے کیا درجہ دو گے۔
۵- ثابت کرو - کہ قابلیت اور تدبر میں شیر شاہ سوری اکبر کا پیش رُو تھا۔
۶- شیر شاہ کے جانشینوں کا مختصر حال لکھو۔
۷- پانی پت کی دوسری لڑائی پر مختصر نوٹ لکھو۔
۸- اکبر کی فتوحات مختصر طور پر بیان کرو۔
۹- اکبر کی پالیسی کیا تھی - اس نے راجپوتوں اور ہندوؤں کو کس طرح خوش کیا۔
۱۰- رانا پرتاپ پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔
۱۱- اکبر کے انتظامِ سلطنت کا حال بیان کرو اور بتاؤ کہ اسے خاندانِ مغلیہ کا سب سے بڑا بادشاہ ماننے کی وجوہات کیا ہیں۔
۱۲- اکبر کی مذہبی پالیسی کے متعلق تم کیا جانتے ہو - دینِ الٰہی پر ایک نوٹ لکھو۔

۱۳ ۔ دربارِ اکبری کی چند ایک نامور ہستیوں کا حال لکھو۔
۱۴ ۔ ہیموں اور چاند بی بی پر مختصر نوٹ لکھو۔
۱۵ ۔ اکبر کا کیریکٹر بیان کرو۔
۱۶ ۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا اصل بانی کون تھا۔ بابر یا اکبر؟ وجوہات بیان کرو۔
۱۷ ۔ جہانگیر کے عہدِ حکومت کا مختصر حال بیان کرو۔ اور اس کے کیریکٹر پر ایک نوٹ لکھو۔
۱۸ ۔ شاہجہان کے عہدِ حکومت کا مختصر حال بیان کرو۔
۱۹ ۔ شاہجہان کے لڑکوں کی بابت تم کیا جانتے ہو۔ ان کے درمیان جنگِ تخت نشینی کا حال بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ اس جنگ میں اورنگ زیب کی کامیابی کی کیا وجوہات تھیں۔
۲۰ ۔ اورنگ زیب کے عہدِ حکومت کے مشہور واقعات، اور خاص کر اس کی مہماتِ دکن کا مختصر حال بیان کرو۔
۲۱ ۔ اورنگ زیب کے کیریکٹر اور مذہبی پالیسی کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔
۲۲ ۔ علی مردان خاں ۔ میر جملہ ۔ شائستہ خاں اور جزیہ پر نوٹ لکھو۔
۲۳ ۔ تم مرہٹوں اور ان کے ملک کی بابت کیا جانتے ہو؟
۲۴ ۔ سیواجی کی زندگی اور چال چلن کا مختصر حال بیان کرو اور اس کے انتظامِ سلطنت پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔
۲۵ ۔ چوتھ ۔ سردیش مکھی اور مرہٹوں کے طریقۂ جنگ پر نوٹ لکھو۔

۲۶۔ سید بھائیوں پر مختصر نوٹ لکھو۔
۲۷۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کا حال لکھو۔ اور بتاؤ۔ کہ ان کا کیا اثر ہوا۔
۲۸۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کی وجوہات واضح طور پر بیان کرو۔
۲۹۔ سکھوں کے عروج کا مختصر حال بیان کرو۔ اور اس کے بارے میں گورو نانک اور گورو گوبند کے کام کو خاص طور پر ذکر کرو۔
۳۰۔ پیشوا کون تھے۔ ان کو کس طرح عروج حاصل ہوا۔
۳۱۔ پہلے تین پیشواؤں کے عہد میں مرہٹہ طاقت کے عروج کا حال بیان کرو۔
۳۲۔ پانی پت کی تیسری لڑائی کی وجوہات۔ مشہور واقعات اور نتائج مختصر طور پر بیان کرو۔
۳۳۔ پانی پت ہندوستان میں کیوں میدان جنگ رہا ہے۔ پانی پت کی تینوں لڑائیوں کا مختصر حال اور تاریخی اہمیت بیان کرو۔
۳۴۔ ثابت کرو کہ اکبر نے مغلیہ سلطنت کو مستحکم کیا۔ لیکن اورنگ زیب نے اسے تباہ کیا۔
۳۵۔ اورنگ زیب کے جانشینوں کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔
۳۶۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے بیان کرو۔
۳۷۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب بیان کرو۔
۳۸۔ سیواجی کی زندگی۔ اس کا انتظام سلطنت اور چال چلن بیان کرو۔

۳۹۔ چوتھ اور سردیش مکھی پر مختصر نوٹ لکھو۔
۴۰۔ پہلے تین پیشواؤں کے عہد میں مرہٹہ طاقت کا عروج بیان کرو۔
۴۱۔ پانی پت کی تیسری لڑائی کا حال بیان کرو۔
۴۲۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھو:۔
مرہٹہ کنفیڈریسی ۔ نانا فرنویس ۔ اہلیا بائی ۔
۴۳۔ سکھ کون تھے ۔ ان کا عروج گورو نانک اور گورو گوبند سنگھ کے وقت میں بیان کرو۔
۴۴۔ بندہ بیراگی اور سکھوں کی مثلوں پر نوٹ لکھو۔
۴۵۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ترقی اور نظام حکومت کا مختصر حال درج کرو۔

انگریزوں کا زمانہ

انگریزوں کا عہدِ حکومت

یورپین اقوام کی آمد

ہندوستان اور یورپ کے درمیان قدیم زمانے میں بھی تجارتی تعلقات قائم تھے۔ سب سے پہلے وینس اور جینوا کے سوداگروں نے ہندوستان کا مال از قسم گرم مسالہ۔ افیون۔ تیل۔ سوت۔ ریشم اور جواہرات وغیرہ یورپ کے ملکوں میں پہنچایا۔ یہ مال ہندوستان سے یورپ کے مختلف ممالک تک مندرجہ ذیل تین راستوں کے ذریعے پہنچتا تھا۔

۱۔ خشکی کا راستہ تجارتی قافلے درۂ خیبر سے گزر کر افغانستان اور سمرقند سے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچتے تھے۔ جو تجارت کا مرکز تھا۔ پھر وہاں سے یورپین تاجر مال مختلف منڈیوں میں لے جاتے تھے۔

۲۔ خلیج فارس کا راستہ مغربی ساحل کی بندرگاہوں سے تجارتی مال خلیج فارس کے راستے بغداد پہنچتا۔ وہاں سے خشکی کے راستے ملک شام اور مصر کی منڈیوں میں

پہنچ جاتا۔ جہاں سے وینس اور جینوا کے سوداگر اسی تجارتی مال کو یورپ کے مختلف ملکوں میں لے جا کر فروخت کرتے۔

۳۔ بحیرۂ قلزم کا راستہ

تجارتی مال بحیرۂ عرب اور بحیرۂ قلزم کے راستے مصر کی بندرگاہ اسکندریہ بھیجا جاتا تھا۔ جہاں سے وینس اور جینوا کے تاجر اسے یورپ کی مختلف منڈیوں میں لے جاتے تھے۔

لیکن جب ترکوں نے اسکندریہ اور قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ تو تجارت کا یہ سلسلہ بند ہو گیا کیونکہ عیسائی تاجر مسلمانوں کے مفتوحہ ملکوں کے راستے تجارت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس صورت میں انہیں اپنے منافع کا بہت سا حصہ ترکوں کو بطور محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ چونکہ گرم مسالے اور دوسری اشیاء یورپی اقوام کی ضروریاتِ زندگی میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہیں ہندوستان پہنچنے کے لئے ایک نئے راستے کی تلاش ہوئی۔

سب سے پہلے ہسپانوی اور پرتگیزی علاقوں نے اس سلسلہ میں سرگرمی دکھائی۔ کولمبس تو راستہ بھول کر امریکہ جا نکلا۔ لیکن ۱۴۹۸ء میں پرتگیز جہازران واسکوڈی گاما (VASCODE GAMA) راس امید کے گرد چکر کاٹ کر کالی کٹ کی بندرگاہ پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

پرتگیزوں کا عروج

کالی کٹ کا ہندو راجہ زمورن واسکوڈی گاما سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ اور اس نے پرتگیزوں کو اپنے علاقہ میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مغربی ساحل پر پرتگیزوں نے کالی کٹ۔ کوچین۔ کنانور وغیرہ میں تجارتی کوٹھیاں قائم کر لیں۔

پرتگیزی مقبوضات کا پہلا وائسرائے فرانسسکو البیلڈا ۱۵۰۵ء میں ہندوستان

دیا۔ اس نے عرب سوداگروں کو جو اس زمانے میں ہندوستان کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ جزیرہ دیو کے نزدیک شکست دی۔ اس طرح ہندوستان کی تجارت عربوں کے ہاتھ سے نکل کر پرتگیزوں کے قبضے میں آ گئی۔ المیڈا کے بعد البوکرک وائسرائے مقرر ہو کر آیا۔ وہ بہت عقل مند اور دور اندیش تھا۔ اس نے بھانپ لیا۔ کہ ہندوستان اس وقت پھوٹ کا شکار ہو رہا ہے اور ہندوستان کی حکومت چھوٹے چھوٹے سرداروں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں پرتگیزی حکومت قائم کرنا بہت آسان ہے۔ چنانچہ اس نے سلطان بیجاپور سے گوا کا علاقہ چھین کر اسے اپنا صدر مقام بنایا اور جزائر ملکا اور ہرمز پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے مقبوضات کے انتظام پر توجہ دی۔ عدالتیں قائم کیں۔ لگان اراضی کے متعلق قانون بنائے اور اشاعتِ تعلیم کے لئے جا بجا مدرسے جاری کئے۔ ساتھ ساتھ سلطنت کی توسیع کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ سولھویں صدی کے آخر تک پرتگیزوں کی سلطنت سینکڑوں میلوں میں پھیل گئی۔ مگر سترھویں صدی کے شروع میں ولندیزوں کے آ جانے سے ان کو زوال آ گیا۔ ہندوستان میں آج کل گوا۔ دمن اور دیو صرف تین علاقے پرتگیزوں کے قبضے میں رہیں۔

پرتگیزوں کا زوال

ہندوستان میں پرتگیزوں کے زوال کے مندرجہ ذیل اسباب تھے :۔

۱۔ وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں خاص کر مسلمانوں کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور انہیں جبراً عیسائی بناتے تھے۔

۲۔ پرتگیز بحری قزاق بھی تھے۔ وہ ہندوستانی جہازوں کو لوٹ

لیتے. چھوٹے چھوٹے بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے تھے اور انہیں غلام بنا کر یورپ کے ممالک میں فروخت کر دیتے تھے۔

۳۔ پرتگیزوں کی حکومت سراسر ظالمانہ تھی۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ سختی سے پیش آتے تھے۔ اور لین دین میں بھی بددیانتی کرتے تھے۔

۴۔ ہندو راجہ زمورن جس نے پرتگیزوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا اور انہیں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت دی تھی۔ کے ساتھ بھی پرتگیزوں نے اچھا برتاؤ نہ کیا۔ حتیٰ کہ اس کے شاہی محلات کو نذرِ آتش کرنے سے گریز نہ کیا۔ ان کی یہ احسان فراموشی آخرکار رنگ لائے بغیر نہ رہی۔

۵۔ البوکرک کے جانشین ناقابل تھے۔ وہ عیش و عشرت میں غرق ہو گئے۔ اور ذاتی مفاد کی خاطر قومی مفاد کو نظر انداز کرنے لگے۔

۶۔ ۱۵۸۰ء میں پرتگال اور سپین کا اتحاد ہو گیا۔ چونکہ اس وقت سپین والوں نے امریکہ میں کئی بستیاں قائم کر رکھی تھیں اس لئے پرتگال کو سپین کی خاطر ہندوستان کی حکومت سے دست بردار ہونا پڑا۔

۷۔ سترھویں صدی میں دیگر یورپین قوموں کی آمد بھی پرتگیزوں کے زوال کی بڑی وجہ ہوئی۔

ولندیز ہالینڈ کے باشندوں کو ڈچ یا ولندیز کہتے ہیں ولندیزوں نے پرتگیزوں کی ترقی دیکھ کر ۱۶۰۲ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی بنا کر ہندوستان سے تجارت شروع کر دی۔ چونکہ ان کا اصل مقصد گرم مسالوں کی تجارت سے فائدہ اٹھانا تھا۔ اس لئے انہوں نے ۱۶۱۹ء میں جزیرہ جاوا فتح کر کے بیٹویا کو مشرقی مقبوضات کا پایۂ تخت بنایا۔ ہندوستان میں بھی انہوں نے پرتگیزوں کو نکال کر مختلف مقامات

پر اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ چنسرا واقع بنگال ان کی تجارت کا اہم مرکز تھا۔ لیکن ان کا عروج بھی دیرپا ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ اسی زمانہ میں انگریزوں نے بھی ہندوستان سے تجارت شروع کر دی سترھویں صدی کے وسط میں انگریزوں نے ہندوستان میں ان سے بہت سے مقامات چھین لئے اور آخرکار ۱۷۵۹ء میں چنسرا پر بھی قبضہ کر لیا۔ جس سے ہندوستان میں ولندیزوں کی تجارت کا خاتمہ ہو گیا۔

انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی

دوسری یورپین اقوام کی دیکھا دیکھی انگریزوں کو بھی ہندوستان سے تجارت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ ۱۶۰۰ء میں انگلستان کے چند تاجروں نے ملکہ الزبتھ سے اجازت لے کر برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی۔ اس کمپنی نے پہلے مجمع الجزائر کی تجارت پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر جب ولندیزوں نے ان کے قدم وہاں نہ جمنے دیئے۔ تو مجبور ہو کر ہندوستان کا رُخ کیا۔

انگریزوں کی ابتدائی بستیاں

سب سے اوّل کیپٹن ہاکنس نے جہانگیر سے سورت میں تجارتی کوٹھیاں بنانے کی اجازت حاصل کی۔ جس کو پرتگیزوں نے منسوخ کروا دیا۔ لیکن انگریزوں نے ۱۶۱۲ء میں سوالی کے مقام پر انہیں شکست دے کر ان کے حوصلے پست کر دیئے۔

۱۶۱۵ء میں جیمز اوّل شاہِ انگلستان نے سر طامس رو کو اپنا سفیر بنا کر جہانگیر کے دربار میں بھیجا۔ جس نے کمپنی کے لئے بہت سے حقوق حاصل کئے۔ اور انگریزوں نے سورت کے مقام پر تجارتی کوٹھیاں بنا لیں۔

۱۶۳۷ء میں ڈاکٹر باٹن کی سفارش پر انگریزی مال پر محصول چونگی معاف کر دیا۔ اور ہگلی۔ ڈھاکہ اور پٹنہ وغیرہ میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت مل گئی۔

۱۶۳۹ء میں کمپنی نے راجہ چندرگری سے کچھ زمین خرید کر مدراس شہر کی بنیاد ڈالی۔ اور قلعہ سینٹ جارج تعمیر کروایا۔ یہ قلعہ سرزمین ہند پر انگریزوں کی پہلی ملکیت تھی۔

۱۶۶۱ء میں انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم کی شادی پرتگال کی شہزادی کیتھرائن سے ہو گئی۔ اور بمبئی کا شہر شہزادی کو جہیز میں ملا۔ ۱۶۶۸ء میں کمپنی نے یہ شہر چارلس دوم سے دس پونڈ سالانہ کرائے پر لے لیا۔ اس کے علاوہ کمپنی کو شہر کے قلعہ بند کرنے اور اپنی حفاظت کا انتظام کرنے کی اجازت دے دی۔

۱۶۹۰ء میں دریائے ہگلی کے مشرقی کنارے پر شہر کلکتہ کی بنیاد ڈالی۔ اور بعدازاں اپنے بادشاہ کے نام پر قلعہ فورٹ ولیم تعمیر کروایا۔

۱۶۸۶ء میں سر جان چائلڈ سورت کی کوٹھی کا منتظم مقرر ہوا۔ اس نے بلاوجہ حاجیوں کا ایک جہاز لوٹ لیا۔ اور ملکی معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا۔ اس پر اورنگ زیب کے سپہ سالار نے سورت کے مقام پر انگریزوں کو شکست دی۔ اس شکست کے بعد کمپنی کے ایک وفد نے اورنگ زیب سے اپنے گزشتہ افعال کی معافی مانگی۔ اس پر اورنگ زیب نے کمپنی کو ایک فرمان دیا۔ جس کی رو سے کمپنی کو مغلیہ سلطنت میں تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔

۱۶۹۸ء میں انگلستان کے چند تاجروں نے تجارت ہند کے

لئے ایک اور کمپنی قائم کر لی۔ مدت تک یہ کمپنیاں ایک دوسری کا مقابلہ کرتی رہیں۔ لیکن ۱۷۰۸ء میں دونو کمپنیاں متحد ہو کر ایک ہو گئیں۔ آہستہ آہستہ اس نئی متحدہ کمپنی نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد اس کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ہندوستان براہِ راست شاہِ انگلستان کے ماتحت آ گیا۔

فرانسیسی

انگریزوں کی تجارت کو ہندوستان میں کامیاب دیکھ کر اہلِ فرانس نے بھی ۱۶۶۴ء میں ایک تجارتی کمپنی قائم کر لی۔ جس نے جلد ہی سورت اور مسولی پٹم میں تجارتی کوٹھیاں بنائیں۔

۱۶۷۴ء میں شاہِ بیجاپور سے کچھ علاقہ خرید کر شہر پانڈی چری کی بنیاد رکھی اور اسے اپنی تجارت کا مرکز بنایا۔ کچھ عرصہ بعد چندر نگر۔ ماہی۔ کاریکل پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔

۱۷۳۵ء میں ڈوما ہندوستان کے فرانسیسی مقبوضات کا گورنر مقرر ہو کر آیا۔ اس نے فرانسیسیوں کی فوجی طاقت کو مضبوط کر کے مرہٹوں کا خوب مقابلہ کیا۔ ڈوما کا جانشین ڈوپلے تو بہت ہی مدبّر اور دوراندیش گورنر تھا۔ اس کے عہد میں کمپنی نے ہر پہلو سے نمایاں ترقی کی۔ مگر فوراً ہی باہمی رقابت کی وجہ سے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں جن کے حالات نے مختلف صورتیں اختیار کیں۔ مگر آخرکار انگریز کامیاب ہوئے۔ اور فرانسیسی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

انگریزوں اور فرانسیسیوں کی کشمکش

اٹھارہویں صدی میں اورنگ زیب

کی وفات کے بعد ہندوستان میں کوئی زبردست مرکزی حکومت باقی نہ رہی۔ اور ملک چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹ گیا۔ اس بدنظمی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے انگریزوں اور فرانسیسیوں نے جو ہندوستان میں محض تجارت کی غرض سے آئے تھے یہاں اپنی اپنی سلطنت قائم کرنی چاہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونو قوموں میں جنگ چھڑ گئی۔ جس میں آخرکار انگریزوں کو فتح ہوئی۔ یہ جنگ تقریباً ۲۰ سال تک جاری رہی۔ جس میں تین مشہور لڑائیاں ہوئیں جنہیں کرناٹک کی لڑائیاں کہتے ہیں۔

کرناٹک کی پہلی لڑائی

۱۷۴۶ء سے ۱۷۴۸ء تک

وجہ: ۱۷۴۴ء میں یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ جس کی وجہ سے دونو قومیں ہندوستان میں بھی لڑنے لگیں۔

واقعات: ۱۷۴۶ء میں فرانسیسی گورنر ڈوپلے نے کرناٹک کے نواب انورالدین سے مدد چاہی۔ نواب کے اشارہ نے انگریزی بیڑے کو پانڈی چری خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔ فرانسیسی امیرالبحر لابورڈو نے مدراس فتح کر لیا۔ اس کے بعد ڈوپلے نے انگریزوں کے قلعہ سینٹ ڈیوڈ پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ اس کو فتح نہ کر سکا۔

نواب کرناٹک کا خیال تھا کہ ڈوپلے مدراس کو فتح کر کے اس کے حوالے کر دے گا۔ کیونکہ مدراس اس کی سلطنت میں تھا۔ مگر ڈوپلے نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر نواب نے دس ہزار فوج سے پانڈی چری پر حملہ کر دیا۔ مگر شکست کھائی۔ اس عرصہ میں انگریزوں کو انگلینڈ سے مدد پہنچ گئی۔ اور وہ فرانسیسیوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔

نتیجہ: ۱۷۴۸ء میں یورپ میں جنگ ختم ہو گئی۔ اور صلح نامہ اکیس لا شاپل کی رُو سے ہندوستان میں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان جنگ ختم ہو گئی۔ اور مدراس انگریزوں کو واپس مل گیا۔

کرناٹک کی دوسری لڑائی
۱۷۴۹ء سے ۱۷۵۵ء تک

وجہ: ۱۷۴۸ء میں نظام الملک آصف جاہ نظام دکن مر گیا اور اس کی جانشینی کے لئے اس کے بیٹے ناصر جنگ اور اس کے نواسے مظفر جنگ میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ انہی دنوں میں چندا صاحب نے جو سابق نواب کرناٹک کا داماد تھا۔ مرہٹوں کی قید سے رہا کر انورالدین کے مقابلے میں کرناٹک کی گدی کا دعویٰ کیا۔ ڈوپلے ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی خاطر مظفر جنگ اور چندا صاحب کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔

واقعات: ڈوپلے، چندا صاحب اور مظفر جنگ نے مل کر ۱۷۴۹ء میں امبر کے مقام پر انورالدین کو شکست دی۔ اور اسے قتل کر دیا انورالدین کے چھوٹے بیٹے محمد علی نے بھاگ کر ترچناپلی کے قلعے میں پناہ لی۔ اور چندا صاحب کرناٹک کا نواب بن گیا۔ اس نے اس مدد کے صلے میں کچھ علاقہ فرانسیسیوں کو دے دیا۔ اِدھر حیدرآباد میں ڈوپلے نے ناصر جنگ کو تخت سے اتار کر مظفر جنگ کو تخت نشین کر دیا۔

فرانسیسیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو کم کرنے کے لئے انگریزوں نے بھی دخل اندازی شروع کی۔ اور ناصر جنگ اور محمد علی کی مدد کا بیڑہ اٹھایا۔ ناصر جنگ اور انگریزوں نے مل کر چندا صاحب کو پانڈیچری کی طرف بھگا دیا۔ مگر ۱۷۵۰ء میں ناصر جنگ خود لڑائی میں مارا گیا۔

اور مظفر جنگ دکن کا نظام بنا۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد مظفر جنگ بھی اپنے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس لئے فرانسیسی جرنیل بسّے نے اس وقت مرحوم نظام الملک کے تیسرے بیٹے صلابت جنگ کو تخت پر بٹھا دیا۔ جس نے شمالی سرکار کا تمام علاقہ فرانسیسیوں کو دے دیا۔

محاصرہ ارکاٹ

ادھر سے مطمئن ہو کر فرانسیسیوں نے چندا صاحب سے مل کر ترچناپلی میں محمد علی کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت انگریزوں کی حالت بہت نازک تھی۔ وہ کسی طرح بھی چندا صاحب اور فرانسیسیوں کا مقابلہ کر کے ترچناپلی کو بچانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ محمد علی کی مدد کی کوئی صورت نکال سکتے تھے۔ اس مشکل وقت میں کلائیو کو دُور کی سوجھی۔ چنانچہ اس نے پانچ سو سپاہیوں کی مختصر سی جمعیت کے ساتھ چندا صاحب کے صدر مقام ارکاٹ پر دھاوا کر کے اسے فتح کر لیا۔ چندا صاحب نے جب یہ خبر سنی تو اس نے اپنے بیٹے رضا صاحب کو کلائیو کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ کلائیو نے چندا صاحب کی فوجوں کا ایک مہینہ ستائیس دن تک مقابلہ کیا۔ اس کے بعد کلائیو کی مدد کے لئے مرہٹی اور مدراسی فوجیں آن پہنچیں۔ جنہوں نے رضا صاحب کو شکست دی۔

اس کے بعد کلائیو اور میجر لارنس نے آگے بڑھ کر ترچناپلی کے مقام پر چندا صاحب کو شکست دی۔ اور وہ تنجور بھاگ گیا۔ جہاں والئی تنجور نے اسے قتل کرا دیا۔ انگریزوں نے محمد علی کو کرناٹک کا نواب بنا دیا۔ حکومتِ فرانس نے ڈوپلے کی پالیسی کو ناپسند کرتے ہوئے اسے واپس بلا لیا۔

نتیجہ: ۱۷۵۵ء میں عہدنامہ پانڈیچری کی رُو سے دونو کمپنیوں

میں صلح ہو گئی۔ مفتوحہ علاقے ایک دوسرے کو واپس کر دیے گئے اور محمد علی کو کرناٹک کا نواب تسلیم کر لیا گیا۔

کرناٹک کی تیسری لڑائی

۱۷۵۸ء سے ۱۷۶۳ء تک

وجہ: ۱۷۵۶ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان یورپ میں جنگ ہفت سالہ چھڑ گئی اس لئے ان دونوں قوموں کے درمیان ہندوستان میں بھی لڑائی شروع ہو گئی۔

واقعات: حکومتِ فرانس نے ڈوپلے کی جگہ کونٹ لالی کو گورنر اور سپہ سالار مقرر کر کے ہندوستان بھیجا۔ اس نے آتے ہی ۱۷۵۸ء میں قلعہ سینٹ ڈیوڈ فتح کر لیا۔ اور پھر مدراس فتح کرنے کے لئے جرنیل بسے کو حیدرآباد سے اپنی مدد کے لئے بلا بھیجا۔ مگر بسے کو بلانا کونٹ لالی کی سیاسی غلطی تھی۔ کیونکہ بسے کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے شمالی سرکار پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کامیابی کی وجہ سے صلابت جنگ نظام حیدرآباد بھی انگریزوں سے مل گیا۔ اس کے بعد کونٹ لالی اور بسے نے مل کر مدراس پر حملہ کیا۔ لیکن ناکام رہے۔ ۱۷۶۰ء میں ونڈواش کے مقام پر سر آئر کوٹ انگریزی جنرل نے فرانسیسیوں کو شکست فاش دی۔ اگلے سال پانڈی چری اور دیگر فرانسیسی مقبوضات پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ حکومتِ فرانس نے لالی کو واپس بلا لیا۔ جہاں اسے غداری کے جرم میں پھانسی دی گئی۔

نتیجہ: ۱۷۶۳ء میں عہد نامہ پیرس کی رو سے جنگِ ہفت سالہ کا خاتمہ ہو گیا۔ پانڈی چری اور چندر نگر وغیرہ فرانسیسیوں کو واپس مل گئے۔ لیکن شمالی سرکار کا علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں رہا۔ اس لڑائی سے فرانسیسی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ اور انگریزی حکومت کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔

انگریزوں کی کامیابی کے اسباب

ہندوستان میں انگریزوں کی کامیابی اور اہل فرانس کی ناکامی کے بڑے بڑے اسباب مندرجہ ذیل تھے :-

۱- مالی حالت : انگریزی کمپنی کی مالی حالت بہت اچھی تھی اور وہ کامیابی کے ساتھ اپنے تجارتی کاروبار اور جنگ کو جاری رکھ سکتی تھی۔ اس کے برعکس فرانسیسی کمپنی کی مالی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے کسی کام کو بھی کامیابی کے ساتھ سرانجام نہیں دے سکتی تھی۔

۲- تجارتی مقصد | فرانسیسیوں نے تجارتی مقصد کو نظرانداز کرکے ملک کے اندرونی جھگڑوں میں حصہ لینا شروع کیا اور قبل از وقت ہی ہندوستان میں سلطنت قائم کرنے کا خیال پختہ کرلیا اس سے مالی حالت زیادہ کمزور ہو گئی۔ اور انہیں کسی مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی۔ بخلاف اس کے انگریزوں نے تجارتی مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

۳- بحری طاقت : اس زمانے میں انگریزوں کی بحری طاقت نہ صرف فرانسیسیوں کی بحری طاقت سے بہتر تھی۔ بلکہ تمام یورپین اقوام سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ اور انگریزوں کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی۔

۴- گورنمنٹ کی حمایت : حکومتِ برطانیہ باوجود اس امر کے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی غیر سرکاری کمپنی تھی۔ اس کی پوری پوری امداد کرتی تھی۔ مگر حکومتِ فرانس اپنی کمپنی کی خاطرخواہ حمایت نہیں کرتی تھی۔ بلکہ بعض اوقات ناجائز دخل اندازی سے نقصان پہنچا دیتی تھی۔

۵۔ فتح بنگال: ۱۷۵۷ء میں بنگال جیسا زرخیز صوبہ انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جہاں سے انہیں مالی اور فوجی امداد آسانی سے مل سکتی تھی۔ اس کے برعکس فرانسیسیوں کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

۶۔ ڈوپلے کو واپس بلانا: حکومتِ فرانس نے ڈوپلے کو اس وقت ہندوستان سے واپس بلا لیا۔ جبکہ ہندوستان میں اس کی سخت ضرورت تھی۔ ڈوپلے کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد فرانسیسی بہت کمزور ہو گئے۔

۷۔ کونٹ لالی کی غلطی: کونٹ لالی اگرچہ بہادر تھا مگر سیاسیات میں ماہر نہ تھا۔ اس کا بُسے کو حیدرآباد سے بلانا ایک سیاسی غلطی تھی۔ جس کی وجہ سے شمالی سرکار پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور نظام بھی انگریزوں سے مل گیا۔

۸۔ جنگِ ہفت سالہ کا اثر: جنگِ ہفت سالہ میں فرانس نے امریکہ میں انگریزوں کے ہاتھوں پے درپے شکستیں کھائیں اور کینیڈا کا علاقہ بھی چھن گیا۔ اس طرح حکومتِ فرانس کی فوجی اور مالی حالت کمزور ہو گئی۔ اور وہ ہندوستان میں انگریزوں سے جنگ جاری نہ رکھ سکے۔

ڈوپلے

ڈوپلے شروع میں چندرنگر کا گورنر مقرر ہو کر ہندوستان میں آیا۔ مگر وہ جلد ہی ترقی کرتے کرتے فرانسیسی مقبوضات کا گورنر جنرل بن گیا۔ ڈوپلے بڑا اولوالعزم مدبّر اور دور اندیش شخص تھا وہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر یہاں فرانسیسی حکومت قائم کرنے کا خواہش مند تھا۔ چنانچہ اس نے سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور ہندوستانیوں کے نفاق سے خوب فائدہ اٹھایا۔ وہی پہلا یورپین ہے

جس نے ہندوستانی سپاہی بھرتی کر کے ان کو یورپین طریقہ پر تربیت دینی شروع کی۔ اور ہندوستانی ریاستوں میں دخل دے کر اپنا اثر و رسوخ بڑھایا۔ اس طرح شروع میں تو اسے اپنے مقصد میں خاطرخواہ کامیابی ہوئی۔ اور تمام جنوبی ہند میں فرانسیسیوں کا اقتدار بڑھ گیا۔ مگر ۱۷۵۱ء میں محاصرہ ارکاٹ کے بعد اس کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ گو ڈوپلے نے اپنی تمام عمر اور دولت ملک کی خدمت میں برباد کر دی مگر نتیجہ کچھ د نکلا۔ اور حکومتِ فرانس نے اس کے کارناموں کو نظرانداز کرتے ہوئے اسے واپس بلا لیا۔ فرانس میں اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور وہ نہایت تنگ دستی کی حالت میں ۱۷۶۴ء میں مر گیا۔

ڈوپلے کی ناکامی کے اسباب

۱۔ ڈوپلے اگرچہ بڑا مدبر اور دور اندیش شخص تھا۔ مگر وہ کلائیو کی طرح تلوار کا دھنی نہ تھا۔

۲۔ ڈوپلے کے ماتحت بددیانت تھے۔ اور وہ ایک دوسرے سے بغض اور کینہ رکھتے تھے۔

۳۔ انگریزوں کی بحری طاقت فرانسیسیوں کی بحری طاقت کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔

۴۔ حکومتِ فرانس نے فراخ دلی سے ڈوپلے کی مدد نہ کی۔ بلکہ عین وقت پر اسے واپس بلا لیا۔

کونٹ لالی

کونٹ لالی ایک بہادر فرانسیسی جرنیل تھا۔ جسے حکومتِ فرانس نے ڈوپلے کے بعد ہندوستانی مقبوضات کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے آتے ہی قلعہ سینٹ ڈیوڈ فتح کر لیا اور پھر مدراس فتح کرنے کے لئے بسے کو حیدرآباد سے بلایا۔ مگر اس کی اس سیاسی غلطی کی وجہ سے انگریزوں نے شمالی سرکار پر

قبضہ کر لیا۔ اور اسی غلطی کی وجہ سے ۱۷۶۰ء میں لالی کو وندواش کے مقام پر شکست ہوئی۔ اور اسے جنگی قیدی بنا کر انگلستان بھیج دیا گیا۔ وہاں سے کچھ عرصہ بعد اسے فرانس بھجوا دیا گیا۔ جہاں غداری کے جرم میں اسے پھانسی کی سزا ملی۔

بُسّے

یہ فرانسیسی جرنیل تھا۔ چندا صاحب اور مظفر جنگ کو اسی کی بدولت کامیابی نصیب ہوئی۔ مظفر جنگ کی وفات پر بُسّے نے صلابت جنگ کو حیدرآباد کی گدی پر بٹھایا۔ اور خود بطورِ مشیر سات سال وہاں رہا۔ جب تک یہ حیدرآباد میں مقیم رہا۔ انگریز وہاں اپنے قدم نہ جما سکے۔ لیکن جب لالی نے اسے وہاں سے بُلا بھیجا تو اس علاقہ پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ وندواش کی لڑائی میں اس نے انگریزوں سے شکست فاش کھائی۔ اور گرفتار کر لیا گیا۔ مگر بعدازاں صلح ہو جانے پر رہا کر دیا گیا۔

بنگال کی فتح

فتح بنگال

محمد شاہ کے عہد میں علی وردی خاں نے بنگال کے صوبے میں خودمختار حکومت قائم کر لی۔ مرشد آباد اس کا پایۂ تخت تھا۔ ۱۷۵۶ء میں علی وردی خاں کی وفات پر اس کا نواسہ سراج الدولہ تخت نشین ہوا۔ وہ یورپ کے تاجروں کی فریب کاریوں سے آگاہ ہو گیا تھا۔ اس لئے انہیں ہندوستان سے نکال دینے کا خواہش مند تھا۔ یورپ میں جنگ ہفت سالہ شروع ہو جانے پر انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ہندوستان میں بھی اپنے مقبوضات کو قلعہ بند کرنا شروع کر دیا۔ سراج الدولہ کے منع کرنے پر

بھی انگریز باز نہ آئے۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے نواب کے ایک مجرم کشن داس کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی۔ نواب نے جب کشن داس کی واپسی کا مطالبہ کیا تو کلکتہ کے گورنر نے اسے نواب کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات پیش آئے۔ جن کی وجہ سے نواب انگریزوں پر حملہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک انگریز مصنف ہل ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ "سراج الدولہ کا انگریزوں پر حملہ حق بجانب تھا۔

حادثۂ بلیک ہول

سراج الدولہ ایک زبردست فوج لے کر کلکتہ کی طرف بڑھا۔ پہلے اس نے قاسم بازار میں انگریزوں کی کوٹھیوں پر قبضہ کیا۔ اور پھر کلکتہ فتح کر لیا۔ اس فتح کے متعلق یہ کہانی بھی عوام میں مشہور ہے۔ کہ نواب نے ۱۴۶۔ انگریز قیدیوں کو ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ جون کا مہینہ تھا۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ گرمی کی شدت سے ۱۲۳۔ قیدی ہلاک ہو گئے۔ اور صرف ۲۳۔ زندہ بچے۔ یہ حادثہ بلیک ہول کے نام سے مشہور ہے۔ مگر جدید تحقیقات نے اس واقعہ کو بالکل غلط ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ ۱۸۔ مربع فٹ کمرے میں ۱۴۶۔ آدمیوں کو کسی طرح بھی بند نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایک انگریز ہال ویل کے جو اپنے ہم وطنوں میں دروغ گوئی اور حکایت سازی کے لئے مشہور تھا کے سوا کسی شخص نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔

جب اس واقعہ کی خبر مدراس پہنچی۔ تو کلائیو خشکی کے راستے اور واٹسن سمندر کی راہ فوج لے کر کلکتہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور مختصر سی جنگ کے بعد کلکتہ پر قابض ہو گئے۔ انگریزوں اور نواب کے درمیان صلح ہو گئی۔ نواب نے کمپنی کے تمام حقوق واپس کر دیئے۔ اور

نقصان کا معاوضہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

کلائیو اور میر جعفر کی سازش

نواب اور کلائیو کی صلح ہو جانے پر بھی کلائیو نواب کی طرف سے بدظن رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے نواب کو تخت سے اتارنے کے لئے اس کے سپہ سالار میر جعفر سے سازش کی۔ ایک اور مشہور سوداگر اوما چند بھی اس سازش میں شریک تھا۔ معاہدہ یہ ہوا کہ سراج الدولہ کو تخت سے اتار کر میر جعفر کو تخت نشین کیا جائے گا میر جعفر انگریزوں کو تجارتی مراعات دینے کے علاوہ ایک کروڑ چھہتر لاکھ روپیہ تاوان جنگ بھی ادا کرے گا۔ نیز چوبیس پرگنوں کا علاقہ کمپنی کی تحویل میں دے دے گا۔ مگر عین عہدنامہ لکھنے کے وقت اوماچند بگڑ بیٹھا۔ اور اس نے تیس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا۔ اور نہ ملنے پر سارا راز افشا کر دینے کی دھمکی دی۔ کلائیو نے اس وقت دغابازی سے کام لیا اور ایک فرضی معاہدہ دکھا کر اوماچند کی تسلی کر دی۔ یہ حرکت کلائیو جیسے ذمہ دار افسر کی شان کے شایان نہ تھی۔

پلاسی کی لڑائی
۲۳ر جون ۱۷۵۷ء

جب یہ سازش مکمل ہو گئی تو کلائیو نے سراج الدولہ سے لڑائی کا بہانہ ڈھونڈا۔ اس پر سابقہ عہدنامہ توڑنے اور فرانسیسیوں کے ساتھ سازش کرنے کا الزام لگایا۔ اور سراج الدولہ کو ایک طول طویل خط لکھا۔ جس میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ مگر اس خط کے جواب کا انتظار کئے بغیر کلائیو تین ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر پلاسی کی جانب بڑھا۔ ادھر نواب سراج الدولہ بھی فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ آخر دونوں فوجوں کا پلاسی کے

مقام پر مقابلہ ہوا۔

واقعات : ۲۳ر جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کے میدان میں بڑا خونریز معرکہ ہوا۔ لیکن نواب کی فوج کے بیشتر حصّے نے جو میر جعفر کے زیر کمان تھا۔ لڑائی میں شرکت نہ کی۔ بلکہ لڑائی شروع ہوتے ہی میر جعفر اپنی فوج کو لے کر کلائیو سے جا ملا۔ میر جعفر کی غداری جرنیلوں کی سازش۔ کلائیو کی عیاری اور سراج کے شیرِ دل جرنیل میر مدان کی موت نے نواب کو میدانِ جنگ میں شکست کا منہ دکھایا۔ نواب کے درباریوں نے سراج کو اپنے تئیں انگریزوں کے حوالے کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن سراج اس بات کو برداشت نہ کر سکا۔ اور تاج و تخت پر لات مار دی۔

نتائج : ۱۔ اس لڑائی میں بہت سا زر و جواہر انگریزوں کے ہاتھ آیا۔

۲۔ میر جعفر کو بنگال کا نواب تسلیم کر لیا گیا۔

۳۔ نئے نواب نے اس معاوضہ میں بہت سا روپیہ کمپنی کو ادا کیا اور اس کے علاوہ چوبیس پرگنہ کے علاقے میں انگریزوں کو زمین داری کے حقوق بھی عطا کئے۔

۴۔ ہندوستان میں انگریزوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ اور فرانسیسی طاقت کو زوال آیا۔

۵۔ بنگال کا نواب انگریزوں کے اشارے پر ناچنے لگا۔

۶۔ پلاسی کی جنگ عسکری زاویۂ نگاہ سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ البتہ نتائج کے پیش نظر یہ جنگ ہندوستان میں فیصلہ کن سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس جنگ نے انگریزوں کو بنگال کا واحد حکمران بنا دیا۔

میر جعفر اور میر قاسم

میر جعفر ۱۷۵۷ء تا ۱۷۶۱ء

میر جعفر علی وردی خاں کا بہنوئی اور نواب سراج الدولہ کی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ پلاسی کی لڑائی کے بعد سراج الدولہ کو معزول کر کے انگریزوں نے اسے بنگال کا نواب مقرر کیا۔ میر جعفر نے اپنی تاجپوشی کے موقعہ پر ۱۸ لاکھ روپیہ کلایو کی نذر کیا۔ اور انگریزوں کے کل نقصان کی تلافی کر دی۔ ۱۷۵۹ء میں مغل بادشاہ عالمگیر ثانی کے بڑے بیٹے عالی گوہر نے شجاع الدولہ نواب اودھ کو ساتھ لے کر بنگال پر حملہ کر دیا۔ میر جعفر بہت گھبرایا۔ مگر کلایو نے اسے شکست دے کر بھگا دیا۔

میر جعفر دراصل برائے نام نواب تھا۔ اور کلایو ہی اس کی سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک تھا۔ اس کے باوجود جب میر جعفر انگریزوں کو خوش نہ کر سکا۔ تو اس نے ان کے اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ولندیزوں سے ساز باز کی۔ مگر کلایو نے ولندیزوں کو شکست دے کر ان کے صدر مقام چنسرا پر قبضہ کر لیا۔

میر جعفر کمپنی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی وجہ سے خزانہ تو خالی کر ہی چکا تھا۔ اب اس نے ساہوکاروں سے روپیہ چھیننا چاہا مگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اور بنگال میں سخت ابتری پھیل گئی آخر کار انگریزوں نے اسے تخت سے اتار کر اس کے داماد میر قاسم کو نواب بنایا۔ پانچ سال کے بعد اسے دوبارہ تخت نشین

کیا گیا۔ مگر وہ چند ماہ کے بعد مر گیا۔

میر قاسم
۱۷۶۱ء تا ۱۷۶۳ء

میر جعفر کی معزولی کے بعد انگریزوں نے اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا نواب بنایا۔ اس کے بدلہ میں میر قاسم نے انگریزوں کو بردوان۔ چٹا گانگ اور مدناپور کے اضلاع دے دیئے۔ میر قاسم بہت باتدبیر اور قابل حکمران تھا۔ اس نے بنگال میں امن و امان قائم کرنے کی بہت کوشش کی اور انگریزوں کے اثر سے بھی آزاد ہونا چاہا۔ چنانچہ اس نے مرشدآباد کے بجائے مونگیر اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اور اپنی فوج کی یورپین طریقہ پر جنگی تربیت کی۔

میر قاسم کے عہد حکومت میں کمپنی کے ملازمین نہ صرف اپنا نجی مال بلا محصول لے جانے لگے۔ بلکہ ہندوستانی تاجروں سے بھی رشوت لے کر ان کا مال بھی اپنے نام پر بلا محصول بھجوانے لگے اس پر میر قاسم نے سب کے لئے محصول چونگی معاف کر دیا جس سے کمپنی کی تجارت کو نقصان پہنچا۔ جب کمپنی کے مطالبہ پر نواب نے اپنا یہ حکم واپس لینے سے انکار کر دیا۔ تو کمپنی نے اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

قتلِ پٹنہ

انگریزوں نے میر قاسم کو معزول کر کے میر جعفر کو دوبارہ تخت نشین کیا۔ میر قاسم نے گیریاہ کے مقام پر انگریزوں کا بڑا سخت مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا کر پٹنہ کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں اس نے اپنے ایک جرمن ملازم سمرو کو حکم دے کر کوئی دو سو انگریزوں کو قتل کروا دیا۔ اس واقعہ کو پٹنہ کا قتل (MASSACRE OF PATNA) کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بھاگ کر لکھنؤ چلا گیا۔ اس نے نواب اودھ اور مغل بادشاہ شاہ عالم

ثانی کے ساتھ مل کر پھر انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ مگر بکسر کے مقام پر شکست کھا کر لاپتہ ہو گیا۔

بکسر کی لڑائی

۱۷۶۴ء

وجہ: میر قاسم انگریزوں سے شکست کھا کر لکھنؤ بھاگ گیا۔ تو ان دنوں مغل بادشاہ شاہ عالم بھی وہیں موجود تھا چنانچہ شجاع الدولہ شاہ عالم اور میر قاسم تینوں نے مل کر بنگال پر چڑھائی کی۔

واقعات: ۱۷۶۴ء میں بکسر کے مقام پر انگریزوں اور میر قاسم کے درمیان لڑائی ہوئی۔ میر قاسم اور اس کے ساتھیوں کے پاس پچاس ہزار فوج تھی۔ میجر منرو نے صرف سات ہزار فوج سے ان کا مقابلہ کیا۔ آخرکار اس جنگ میں انگریزوں کو فتح اور متحدہ فوجوں کو شکست ہوئی۔ میر قاسم تو بھاگ کر لاپتہ ہو گیا۔ مگر شجاع الدولہ اور شاہ عالم ثانی نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

نتیجہ: ۱۷۶۵ء میں انگریزوں۔ شجاع الدولہ اور شاہ عالم ثانی کے درمیان عہد نامۂ الہ آباد مرتب ہوا۔ جس کی رو سے :-

ا: شاہ عالم ثانی نے چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج کے عوض بنگال۔ بہار۔ اڑیسہ کی دیوانی انگریزوں کو عطا کر دی۔

ب: پچاس لاکھ روپیہ تاوان جنگ لے کر انگریزوں نے اودھ کا علاقہ شجاع الدولہ کو واپس کر دیا۔

ج: الہ آباد اور کڑا کے ضلعے شاہ عالم ثانی کو دیئے گئے۔

بکسر کی لڑائی کی اہمیّت

بکسر کی جنگ تاریخی حیثیت سے ایک فیصلہ کن جنگ سمجھی جاتی ہے۔ اور اسے پلاسی کی لڑائی سے زیادہ اہمیّت دی جاتی ہے۔

کیونکہ پلاسی کی لڑائی میں تو انگریزوں کو صرف نواب بنگال کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ لیکن بکسر کی لڑائی میں ہندوستان کی تین بڑی طاقتوں سے مقابلہ تھا۔ شاہ عالم اور شجاع الدولہ کی شکست سے تمام شمالی ہندوستان پر انگریزوں کا رعب چھا گیا۔ اور انگریز حقیقی معنوں میں بنگال پر قابض ہو گئے۔ یعنی پلاسی کی رہی سہی کسر بکسر نے پوری کر دی۔

کلایوؔ

رابرٹ کلایوؔ

کلایوؔ ۱۷۲۵ء میں انگلستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں شروپ شائر میں پیدا ہوا لکھنے پڑھنے میں اس کا جی نہ لگتا تھا۔ چنانچہ اس کے باپ نے اسے انیس سال کی عمر ہی میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک معمولی کلرک بھرتی کروا کے ہندوستان بھیج دیا۔ ہندوستان پہنچ کر جلد ہی اس نے کلرکی چھوڑ کر فوجی ملازمت اختیار کر لی اور قلعہ سینٹ ڈیوڈ کو فرانسیسیوں سے بچانے کے لئے ایسی بہادری سے لڑا۔ کہ وہاں کے حاکم نے خوش ہو کر اسے فوج میں ایک چھوٹا سا عہدہ دے دیا۔ ۱۷۵۰ء میں جب کہ دکن میں فرانسیسی طاقت زوروں پر تھی۔ تو اس نے ارکاٹ فتح کر کے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ اور انگریزی اقتدار کو از سر نو قائم کیا۔ ۱۷۵۲ء میں خرابی صحت کی وجہ سے وہ انگلینڈ واپس چلا گیا۔ ۱۷۵۶ء میں کلایوؔ دوبارہ ہندوستان آیا۔ اور ۱۷۵۷ء میں اس نے پلاسی کی لڑائی میں کامیابی حاصل کر کے بنگال میں انگریزی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

وہ اپنی شاندار خدمات کی بدولت بنگال میں انگریزی مقبوضات کا پہلا گورنر مقرر ہوا۔

کلائیو کی گورنری کا پہلا دَور
۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۰ء تک

کلائیو کے پہلے دورِ حکومت میں مندرجہ ذیل واقعات قابلِ ذکر ہیں :-

۱۔ مغل شہزادہ عالی گوہر نے نواب اودھ شجاع الدولہ کی مدد سے بنگال پر حملہ کیا۔ لیکن کلائیو نے انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔

۲۔ ولندیزوں کو چنسرا کے مقام پر شکست دے کر ان کی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔

۳۔ کرناٹک کی تیسری لڑائی میں کرنل فورڈ کو بھیج کر فرانسیسیوں کے علاقہ شمالی سرکار پر قبضہ کر لیا۔ جس سے دکن میں فرانسیسی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

۴۔ ۱۷۶۰ء میں صحت خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ انگلستان چلا گیا۔ جہاں حکومت نے اسے لارڈ کا خطاب عطا کیا۔

کلائیو کی گورنری کا دُوسرا دَور
۱۷۶۵ء سے ۱۷۶۷ء تک

کلائیو کی غیر حاضری میں بنگال میں بد نظمی پھیل گئی اور کمپنی کے ملازمین نجی تجارت اور ناجائز ذریعوں سے روپیہ کمانے میں مصروف ہو گئے۔ کمپنی کے ڈائرکٹروں کو جب ان حالات کا علم ہوا۔ نیز پٹنہ کے قتل کی اطلاع انگلستان پہنچی۔ تو لارڈ کلائیو کو دوبارہ بنگال کا گورنر مقرر کر کے ہندوستان روانہ کیا۔ تاکہ وہ ان حالات کی اصلاح کرے۔ چنانچہ کلائیو کے اس دورِ حکومت کے مشہور واقعات حسب ذیل ہیں:-

۱۔ عہد نامۂ الہ آباد ۱۷۶۵ء : کلائیو نے شاہ عالم ثانی اور شجاع الدولہ نواب اودھ سے عہد نامہ الہ آباد طے کیا۔ جس کی رُو سے کمپنی کو بنگال۔ بہار اور اوڑیسہ کی دیوانی حاصل ہوئی۔

۲۔ بنگال میں دو عملی : دیوانی اختیارات ملنے پر کلائیو نے بنگال میں ایک نیا نظام حکومت قائم کیا جو دو عملی کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں فوجی حفاظت کا کام تو کمپنی کے سپرد تھا۔ اور باقی انتظام نواب کے ہاتھ میں تھا لیکن یہ طریقہ حکومت ناکامیاب ثابت ہوا۔ اس لئے اسے جلد ہی منسوخ کرنا پڑا۔

کلائیو کی اصلاحات

اصلاحات محض دھوکے کا دوسرا نام تھا۔ کلائیو نے اصلاحات کے پردے میں خوب دولت جمع کی۔ کلائیو کی اصلاحات نے بنگال کو مزید تباہی کا شکار بنا دیا۔ البتہ اس کی اصلاحات کلائیو اور دوسرے ہم وطن انگریزوں کو مالامال کر گئیں۔ محض دکھاوے کے طور پر اس نے مندرجہ ذیل اصلاحات جاری کیں۔

۱۔ کمپنی کے ملازمین کی نجی تجارت بند کر دی۔ اور ان کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔

۲۔ کمپنی کے تمام ملازمین سے تحریری اقرار نامے لئے۔ کہ وہ آئندہ رشوت یا نذرانے قبول نہیں کریں گے۔

۳۔ اس نے فوجی افسروں کا ڈبل بھتہ بند کر دیا۔ اس پر فوجی افسر بگڑ بیٹھے۔ مگر کلائیو نے جلد ہی حالات پر قابو پا لیا۔ اس طرح کمپنی کو بہت سا مالی فائدہ ہوا۔

کلائیو کی واپسی اور موت

۱۷۶۷ء میں کلائیو صحت خراب ہونے کی وجہ سے انگلستان

واپس چلا گیا۔ وہاں اس پر رشوت ستانی کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ کلائیو کا مجرم ضمیر ادماچند، سراج الدولہ اور نجم الدولہ کے ساتھ کی ہوئی زیادتیوں کی وجہ سے ایک نامعلوم کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ آخر مسلسل روحانی اذیت سے تنگ آ کر اس نے ۱۷۷۴ء میں خودکشی کر لی۔

کلائیو کا چال چلن

کلائیو اعلیٰ درجے کا جرنیل۔ چالاک۔ سیاست دان اور سچا محب وطن تھا۔ انگلستان کا وزیر جنگ ولیم پٹ اسے پیدائشی جرنیل کے لقب سے یاد کیا کرتا تھا۔ وہ بڑا مستقل مزاج تھا اور سخت خطرے کے وقت بھی کبھی نہ گھبراتا تھا۔ اپنے ارادے اور دھن کا پکا تھا محض اسی کی ہمت اور چالاکی کی بدولت ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ مگر اس میں چند نقائص بھی تھے۔ اس نے ناجائز طور پر تحفے اور نذرانے حاصل کر کے خوب دولت جمع کی۔ اور ہر موقع پر فریب کاری اور ناجائز سازشوں کا جال بچھا کر اس نے اپنا مطلب نکالا۔ ایسی حرکات اس کے شاندار کارناموں پر ایک بدنما داغ ہیں۔ جنہیں کسی توجیہہ سے دور نہیں کیا جا سکتا۔

کلائیو انگریزی حکومت کا بانی

کلائیو کو ہندوستان میں انگریزی حکومت کا بانی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی کی ان تھک کوششوں اور فریب کاریوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی جو محض تجارت کی غرض سے ہندوستان آئی تھی۔ ہندوستان کی حکمران کمپنی بن گئی۔

کمپنی کے بگڑے ہوئے حالات کو کئی دفعہ کلائیو نے اپنی بہادری۔ چالاکی اور حکمتِ عملی سے سلجھایا۔ جن کی وجہ سے اسے بجا

طور پر انگریزی حکومت کے بانی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ کرناٹک کی دوسری لڑائی میں جبکہ انگریزوں کی بے بسی حد سے بڑھ چکی تھی۔ کلایو نے اپنی کمال دوراندیشی اور بہادری سے ارکاٹ پر قبضہ کر کے ڈوپلے کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور انگریزی اقتدار کو بحال کیا۔

۲۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی لڑائی میں سازش اور دھوکہ سے فتح حاصل کر کے اس نے بنگال میں نواب اور فرانسیسیوں کی طاقت کو کمزور کر دیا۔ اور ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

۳۔ ۱۷۶۵ء میں مغل بادشاہ، شاہ عالم سے بنگال اور بہار کی دیوانی حاصل کر کے کلایو نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیاد مستحکم کر دی۔

دوعملی بنگال، بہار، اڑیسہ کی دیوانی قبضہ میں آ جانے پر کلایو نے ان علاقوں کے لئے جو نظامِ حکومت جاری کیا۔ اسے دوعملی کہتے ہیں۔ یعنی فوجی حفاظت کا کام تو کمپنی کے سپرد کر دیا۔ مگر وصولی لگان اور باقی تمام معاملات نواب کے پاس رہنے دیئے۔ اور اخراجات کے لئے نواب کو ۵۳ لاکھ روپیہ سالانہ دینا منظور کیا۔ یہ انتظامِ حکومت ۱۷۶۵ء سے ۱۷۷۲ء تک سات سال جاری رہا۔ لیکن یہ طرزِ حکومت بالکل ادھورا اور غیر تسلی بخش ثابت ہوا۔ جس سے رعایا میں بہت بے چینی پھیل گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ نہ تو نواب ہی اپنی ذمہ داری محسوس کرتا تھا اور نہ کمپنی اپنے اختیارات کو پورے طور پر استعمال کرتی تھی۔ چنانچہ کلایو کے ہندوستان سے رخصت ہونے پر تو بہت اندھیر گردی مچ گئی۔ کمپنی کے ملازموں

نے رعایا کو بُری طرح لُوٹا۔ نواب کے نائبوں نے الگ ظلم ڈھائے۔ آخر ۱۷۷۲ء میں وارن ہیسٹنگز نے دو عملی حکومت کا خاتمہ کر کے بنگال کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

حیدر علی

ابتدائی زندگی

حیدر علی ریاست میسور کے ایک معمولی افسر کے ہاں ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوا۔ جب ذرا جوان ہوا تو اس نے بہادروں کی ایک جماعت اپنے ساتھ ملا لی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی۔ کہ راجہ میسور نے حیدر علی کو اس کے ساتھیوں سمیت اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔ لیکن وہ اپنی خدا داد قابلیت سے ترقی کر کے سپہ سالار کے عہدے تک جا پہنچا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ حیدر علی نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کر کے میسور کا ملک اس سے چھین لیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ حقیقت یوں ہے کہ اس وقت میسور کی ریاست شہر میسور اور اردگرد کے ۳۳ دیہات پر مشتمل تھی۔ ان دنوں حیدر علی کے خلاف راجہ میسور نے مرہٹوں سے مل کر ایک بہت بڑی سازش کی۔ راجہ اس سازش میں ناکام رہا اور حیدر علی نے سرنگاپٹم فتح کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے راجہ کے وجود کو برقرار رکھا اور خود ایک ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے ریاست کے نظم و نسق میں مشغول ہو گیا۔ حیدر علی نے بتدریج سلطنت خداداد قائم کی۔ جس کا رقبہ پچاس ہزار مربع میل تھا۔ اس وسیع سلطنت میں ریاست میسور ایک باجگزار ریاست تھی۔ جسے موجودہ اصطلاح میں ایک "نوآبادی" کہا جاتا ہے۔

انتظامِ سلطنت

حیدر علی سلطنت کے کاروبار کو نہایت قابلیت اور باقاعدگی سے خود سرانجام دیتا تھا۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا تھا اور عہدے محض قابلیت کی بنا پر دیتا تھا۔ اس کی فوج میں غیر مسلموں کو بہت بڑے بڑے عہدے دیئے گئے تھے۔ حیدر علی کا مشیرِ خاص کھانڈے راؤ برہمن تھا۔ وہ بڑا انصاف پسند تھا۔ اور انصاف میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتا تھا۔ چونکہ مجرموں کو عبرت ناک سزائیں دیتا تھا۔ اس لئے اس کے عہدِ حکومت میں بدمعاش لوگ رعایا کو تنگ نہیں کرسکتے تھے۔

چال چلن

حیدر علی بڑا سیاست دان اور قابل جرنیل تھا۔ اگرچہ اَن پڑھ تھا۔ مگر غیر معمولی دماغ و حافظہ کا مالک تھا جس بات کو ایک دفعہ سن لیتا۔ اسے کبھی نہ بھولتا۔ وہ پانچ مختلف زبانیں جانتا تھا۔ غیر متعصب اور مردم شناس ہونے کی وجہ سے رعایا میں بہت ہردلعزیز تھا۔

حیدر علی کا اقتدار انگریزوں کو ایک نظر نہ بھاتا تھا۔ وہ انگریزوں کا زبردست دشمن تھا۔ اس نے انگریزوں کے ساتھ دو لڑائیاں لڑیں جو میسور کی پہلی اور دوسری لڑائی کے نام سے مشہور ہیں۔ دوسری لڑائی کے دوران میں حیدر علی کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۱۷۸۲ء میں اس جہان سے کوچ کر گیا۔

میسور کی پہلی لڑائی
۱۷۶۷ء سے ۱۷۶۹ء تک

وجوہات: حیدر علی نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی سلطنت کو وسعت دینی شروع کی۔ اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوف زدہ ہو کر نظام۔ مرہٹوں اور انگریزوں نے مل کر اس پر حملہ کر دیا۔

واقعات: حیدر علی نے اس موقع پر حکمتِ عملی سے کام لیا اس نے مرہٹوں کو کچھ روپیہ دے کر انگریزوں سے توڑا۔ پھر نظام کو کرناٹک کا علاقہ دے دینے کے وعدہ پر اپنے ساتھ گانٹھ لیا۔ اس کے بعد انگریزوں سے جنگ شروع کی۔ اس جنگ میں کبھی انگریز کامیاب ہو جاتے۔ کبھی حیدر علی۔ اس اثنا میں نظام حیدرآباد حیدر علی کا ساتھ چھوڑ کر دوبارہ انگریزوں سے مل گیا۔ مگر حیدر علی اکیلے ہی نے مدراس پر حملہ کر دیا۔ اس پر انگریزوں نے گھبرا کر حیدر علی سے صلح کر لی۔

نتیجہ: مدراس کے عہدنامہ کی رو سے فریقین نے ایک دوسرے کے مفتوحہ علاقے واپس کر دیئے۔ اور لڑائی کے موقع پر ایک دوسرے کو مدد دینے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن یہ صلح برائے نام تھی۔ کیونکہ جب ۱۷۷۰ء میں مرہٹوں نے حیدر علی پر حملہ کیا۔ تو عہدنامے کی شرط کو بالائے طاق رکھ کر انگریزوں نے حیدر علی کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس بدعہدی کی وجہ سے حیدر علی زندگی بھر انگریزوں کا جانی دشمن رہا۔

وارن ہیسٹنگز گورنر بنگال

واقعات: ۱۔ روہیلوں سے لڑائی ۲۔ ریگولیٹنگ ایکٹ

ابتدائی حالات

وارن ہیسٹنگز ۱۷۳۲ء میں انگلستان کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ ۱۸ سال کی عمر میں کلائیو کی طرح ایک معمولی کلرک کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ لیکن اپنی محنت اور دیانت داری کی وجہ سے آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہوا ۱۷۷۲ء میں بنگال کا گورنر مقرر ہوا۔ اس وقت بنگال کی

حالت بہت ابتر تھی۔ دو عملی حکومت نے رعایا کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ نج کی تجارت اور رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔ ملکی انتظام پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا۔ تمام علاقے میں ڈاکوؤں اور رہزنوں نے اندھیر مچا رکھا تھا۔ چنانچہ وارن ہیسٹنگز نے سب سے پہلے دو عملی حکومت کا خاتمہ کیا۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے رعایا کی بہبودی کے لئے ایسا کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسے بنگال کی مصیبت زدہ رعایا سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بلکہ وہ بنگال کو کمپنی کی آہنی گرفت میں دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ اس نے دیوانی اور فوجداری عدالتوں کے دفتر مرشدآباد سے کلکتہ منتقل کئے۔ شاہی خزانہ بھی کلکتہ میں منتقل ہو گیا۔ نواب بنگال کا سالانہ وظیفہ نصف کر دیا گیا۔ غرضیکہ ہیسٹنگز نے اپنی مملکت میں دیسی حکومت کے تمام آثار ختم کر دیئے۔ کمپنی کے خزانہ کو بھرپور کرنے کے لئے مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کا ۲۶ لاکھ کا سالانہ وظیفہ محض اس بنا پر بند کر دیا۔ کہ وہ الہ آباد چھوڑ کر دہلی چلا گیا تھا۔ اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ کڑا اور الہ آباد کے ضلعے شاہ عالم سے چھین کر نواب اودھ کے ہاتھ ۵۰ لاکھ میں بیچ دیئے۔ مزید براں شجاع الدولہ نواب اودھ سے چالیس لاکھ روپے لے کر اسے روہیلوں کے خلاف مدد دی۔

روہیلوں سے لڑائی ۱۷۷۴ء

اودھ کے شمال مغرب میں جو علاقہ دریائے گنگا اور کوہ ہمالیہ کے درمیان واقع ہے۔ روہیل کھنڈ کہلاتا ہے۔ ہیسٹنگز کے زمانے میں اس علاقہ پر روہیلہ نامی ایک افغان قوم حکمران تھی۔ جس کا سردار ان دنوں رحمت خان تھا۔ مرہٹے ان کے زرخیز ملک پر اکثر حملے کرتے رہتے تھے۔ چونکہ روہیل کھنڈ اور اودھ کے درمیان کوئی قدرتی

حدِ فاصل نہ تھی۔ اس لئے روہیل کھنڈ کی لوٹ مار سے اودھ کو بھی نقصان پہنچتا تھا۔ ان وجوہات کے باعث نواب اور روہیلوں میں ایک عہدنامہ ہوا۔ جس میں نواب نے چالیس لاکھ روپیہ کے عوض مرہٹوں کے خلاف روہیلوں کو مدد دینے کا اقرار کیا۔ ۱۷۷۳ء میں مرہٹوں نے روہیلوں پر حملہ کیا۔ نواب نے حسبِ وعدہ اپنی فوج روہیلوں کی مدد کے لئے روانہ کی۔ مگر مرہٹے اپنے پیشوا کی موت کی وجہ سے بغیر لڑائی لڑے واپس چلے گئے۔ نواب اودھ نے روہیلوں سے چالیس لاکھ روپیہ طلب کیا۔ لیکن انہوں نے یہ رقم ادا نہ کی۔ اس پر نواب نے روہیلوں سے انتقام لینے کے لئے انگریزوں سے مدد مانگی۔ اور اس کے معاوضے میں چالیس لاکھ روپیہ نذرانہ اور جنگ کے اخراجات دینے کا وعدہ کیا۔ ہیسٹنگز نے انگریزی فوج کا ایک دستہ نواب کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ دونوں نے مل کر روہیلوں کو میراں پور کٹڑہ کے مقام پر شکست دی جس میں رحمت خاں مارا گیا۔ اور روہیل کھنڈ کے علاقہ پر نواب اودھ کا قبضہ ہو گیا۔

نوٹ: وارن ہیسٹنگز نے روہیلوں کو تباہ کرنے کے لئے نواب اودھ کی جو مدد کی۔ وہ اخلاقاً سراسر ناجائز تھی۔ کیونکہ روہیلوں نے انگریزوں کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ نیز حافظ رحمت خاں ایک اعلےٰ درجے کا حکمران تھا۔ اور اس سے تمام رعایا خوش تھی۔

ریگولیٹنگ ایکٹ ۱۷۷۳ء

وجہ: ۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی، شروع میں تو محض تجارتی کمپنی تھی۔ مگر بنگال پر انگریزوں کے تسلط ہو جانے سے تجارت کے علاوہ کمپنی کے ہاتھ حکومت بھی آ گئی۔ اس لئے پارلیمنٹ انگلستان نے کمپنی کی نگرانی کو ضروری سمجھا۔

۲۔ ہندوستان میں کمپنی کے مقبوضات میں بہت بدنظمی پھیل گئی تھی ملازمین کمپنی رشوت ستانی اور ذاتی تجارت سے خوب روپیہ کماتے تھے۔ اور انگلستان واپس جا کر شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ پارلیمنٹ نے اندازہ لگایا۔ کہ ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۶ء تک صرف نو سال کے قلیل عرصے میں کمپنی کے ملازموں نے بنگالیوں سے ۲۱۶۹۶۶۵ پونڈ صرف نذرانہ کی صورت میں وصول کئے۔ کلائیو کی جاگیر جس کی مالیت کا اندازہ ۶۰ لاکھ روپیہ لگایا جاتا ہے۔ اس رقم میں شامل نہیں۔ اس کے علاوہ تلافی نقصانات کی صورت میں کمپنی نے ۳۷،۷۰،۸۳۳ پونڈ وصول کئے۔ ان اعداد و شمار نے اس خیال کو یقین کے درجہ تک پہنچا دیا۔ کہ کمپنی کو پارلیمنٹ کے ماتحت کام کرنا چاہیئے

۳۔ چونکہ کمپنی کی مالی حالت کمزور ہو گئی تھی۔ اس لئے ڈائرکٹران کمپنی نے ضروریات کو مدنظر رکھ کر حکومتِ انگلستان سے چودہ لاکھ پونڈ قرضہ مانگا۔ اس پر پارلیمنٹ نے کمپنی کے معاملات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی۔ جس نے اپنی رپورٹ میں واضح کیا۔ کہ کمپنی کے نقائص کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ پارلیمنٹ نے ۱۷۷۳ء سے ریگولیٹنگ ایکٹ پاس کیا۔

ریگولیٹنگ ایکٹ کی دفعات

۱۔ بنگال کے گورنر کو ہندوستان میں انگریزی مقبوضات کا گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ جس کی مدد کے لئے چار ممبروں کی ایک انتظامیہ کونسل بھی بنائی گئی۔ جس میں کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا تھا۔ اور گورنر جنرل اس فیصلے کا پابند

ہوتا تھا البتہ اسے کاسٹنگ ووٹ کا حق حاصل تھا۔ نیز گورنر جنرل کے تقرر کا اختیار کمپنی کے بجائے وزیر اعظم کو دیا گیا۔

۲۔ بمبئی اور مدراس کے گورنر۔ گورنر جنرل کے ماتحت کر دیئے گئے انہیں ہندوستانی ریاستوں سے براہِ راست صلح یا جنگ کرنے کا اختیار باقی نہ رہا۔ لیکن خاص حالات کے ماتحت انہیں اپنی مرضی سے کام کرنے کا اختیار دیا گیا۔

۳۔ کمپنی کے تمام ملازمین کو نجی تجارت کرنے اور تحفے تحائف قبول کرنے سے روک دیا گیا۔

۴۔ کمپنی کے ڈائرکٹروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ کمپنی کے متعلق تمام ضروری کاغذات شاہِ انگلستان کے وزیروں کے سامنے پیش کیا کریں۔

۵۔ کلکتہ میں ایک عدالتِ عالیہ قائم کی جائے۔ جس میں ایک چیف جسٹس اور تین دوسرے جج ہوں۔ یہ عدالت برطانوی رعایا کے مقدمات کا فیصلہ انگریزی قانون کے مطابق کرے۔

ریگولیٹنگ ایکٹ کے نقائص

۱۔ اس ایکٹ کی رو سے گورنر جنرل کو اپنی کونسل پر پورا اختیار نہ تھا۔ چونکہ ہر ایک فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا تھا اس لئے کونسل کے ممبر متحد ہو کر گورنر جنرل کی مرضی کے خلاف کر سکتے تھے۔

۲۔ بمبئی اور مدراس کے گورنر اگرچہ گورنر جنرل کے ماتحت تھے مگر وہ خاص حالات کا بہانہ کر کے جو دل میں آتا، کرتے تھے۔

۳۔ اس ایکٹ میں عدالتِ عالیہ اور کونسل کے تعلقات کی توضیح نہیں تھی۔ اس لئے عدالتِ عالیہ کے جج اپنے تئیں خود مختار

سمجھ کر کونسل کے انتظامی معاملات میں دخل دینے لگے اس کے علاوہ اس امر کی تشریح بھی نہیں تھی کہ عدالتِ عالیہ انگریزی یا ہندوستانی کن قوانین کی پیروی کرے۔

وارن ہیسٹنگز۔ پہلا گورنر جنرل

۱۷۷۴ء سے ۱۷۸۵ء تک

واقعات: (۱) کونسل سے جھگڑا۔ (۲) مرہٹوں کی پہلی لڑائی (۳) میسور کی دوسری لڑائی (۴) نندکمار کو پھانسی (۵) چیت سنگھ کی معزولی (۶) بیگمات اودھ کا معاملہ (۷) پٹس انڈیا بل۔

کونسل سے جھگڑا

ریگولیٹنگ ایکٹ کی رُو سے وارن ہیسٹنگز ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا اور کلیورنگ۔ مونسن۔ فرانسس اور بارویل چار ممبروں کی کونسل اس کی مدد کے لئے بنائی گئی۔ مگر بارویل کے سوا باقی تینوں ممبر وارن ہیسٹنگز کے سخت مخالف تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ کلیورنگ۔ مونسن اور فرانسس انگلستان سے آئے تھے۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ کمپنی کے مظالم اور اس کی بدعنوانیوں میں کمی واقع ہو۔ بارویل چونکہ کمپنی کا ملازم تھا۔ اس لئے وہ ہیسٹنگز کا طرفدار رہا۔ اور چونکہ کونسل میں ہر بات کا فیصلہ کثرتِ رائے سے ہوتا تھا۔ اور گورنر جنرل کو صرف ایک ووٹ دینے کا حق حاصل تھا۔ اس لئے امورِ سلطنت سرانجام دینے میں ہیسٹنگز کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ حالات دو سال تک رہے آخرکار مونسن اور کلیورنگ دو ممبر فوت ہو گئے اور ہیسٹنگز کو کونسل

کے جھگڑوں سے نجات ملی۔

مرہٹوں کی پہلی لڑائی
۱۷۷۵ء سے ۱۷۸۲ء تک

وجہ: ۱۷۷۲ء میں نرائن راؤ پیشوا بنا۔ مگر نو ماہ بعد اس کے چچا رگھوبا نے اسے قتل کروا دیا۔ اور خود پیشوا بن بیٹھا۔ مگر نرائن راؤ کے وزیر نانا فرنویس نے چند ایک مرہٹہ سرداروں کی حمایت میں نرائن راؤ کے شیر خوار بیٹے کو گدی پر بٹھایا۔ اور خود اس کا سرپرست مقرر ہوا ادھر رگھوبا نے حکومت بمبئی سے امداد کی درخواست کی اور عہدنامہ سورت مرتب ہوا۔ جس کی رو سے انگریزوں نے اسے اس شرط پر مدد دینے کا وعدہ کیا۔ کہ وہ اخراجاتِ جنگ کے علاوہ سالسٹ اور بسلین کے جزیرے کمپنی کے حوالے کر دیگے۔ چونکہ یہ عہدنامہ گورنر جنرل کی منظوری کے بغیر طے ہوا تھا۔ اس لئے اس نے اس عہدنامہ کو نامنظور کر کے براہِ راست نانا فرنویس کے ساتھ ۱۷۷۶ء میں پورندھر کے مقام پر ایک نیا عہدنامہ طے کیا۔ جس کے رُو سے نانا فرنویس نے انگریزوں کو مدد کے صلہ میں سالسٹ کا جزیرہ دینے کا اقرار کیا۔ نیز رگھوبا کو پنشن دے کر مادھو راؤ نرائن کو پیشوا تسلیم کرنے کی شرط قرار پائی۔ لیکن اس اثنا میں ڈائرکٹروں نے عہدنامۂ سورت کو منظور کر لیا۔ اس لئے کمپنی کو رگھوبا کی مدد کرنی پڑی۔

واقعات: انگریزی فوج کا ایک دستہ رگھوبا کی مدد کے لئے بمبئی سے پونا کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن راستہ میں سیندھیا کی فوج نے اسے تال گاؤں کے مقام پر شکست دی۔ اور انگریزی فوج کے افسر نے مجبور ہو کر وارگاؤں کے ذلیل معاہدے پر دستخط کر دیئے لیکن کمپنی کے ڈائریکٹروں نے یہ عہدنامہ نامنظور کر کے جنگ جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ اس پر جنرل گوڈارڈ نے دوبارہ مرہٹوں پر حملہ کیا

اور احمد آباد فتح کر لیا۔ اسی سال میجر پوپ ہم نے سینڈھیا اور ہلکر کی کی فوجوں کو شکست دے کر گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ چوں کہ وارن ہیسٹنگز اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے جنگ جاری رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے عہد نامۂ سلبئی کی رُو سے جنگ ختم ہو گئی۔

نتیجہ: ۱۷۸۲ء میں عہد نامۂ سلبئی کی رُو سے جنگ کا خاتمہ ہوا۔ اس کی شرائط حسب ذیل تھیں :-

۱۔ مادھو راؤ نرائن کو پیشوا تسلیم کر لیا گیا۔

۲۔ سالسٹ کا جزیرہ انگریزوں کو مل گیا۔

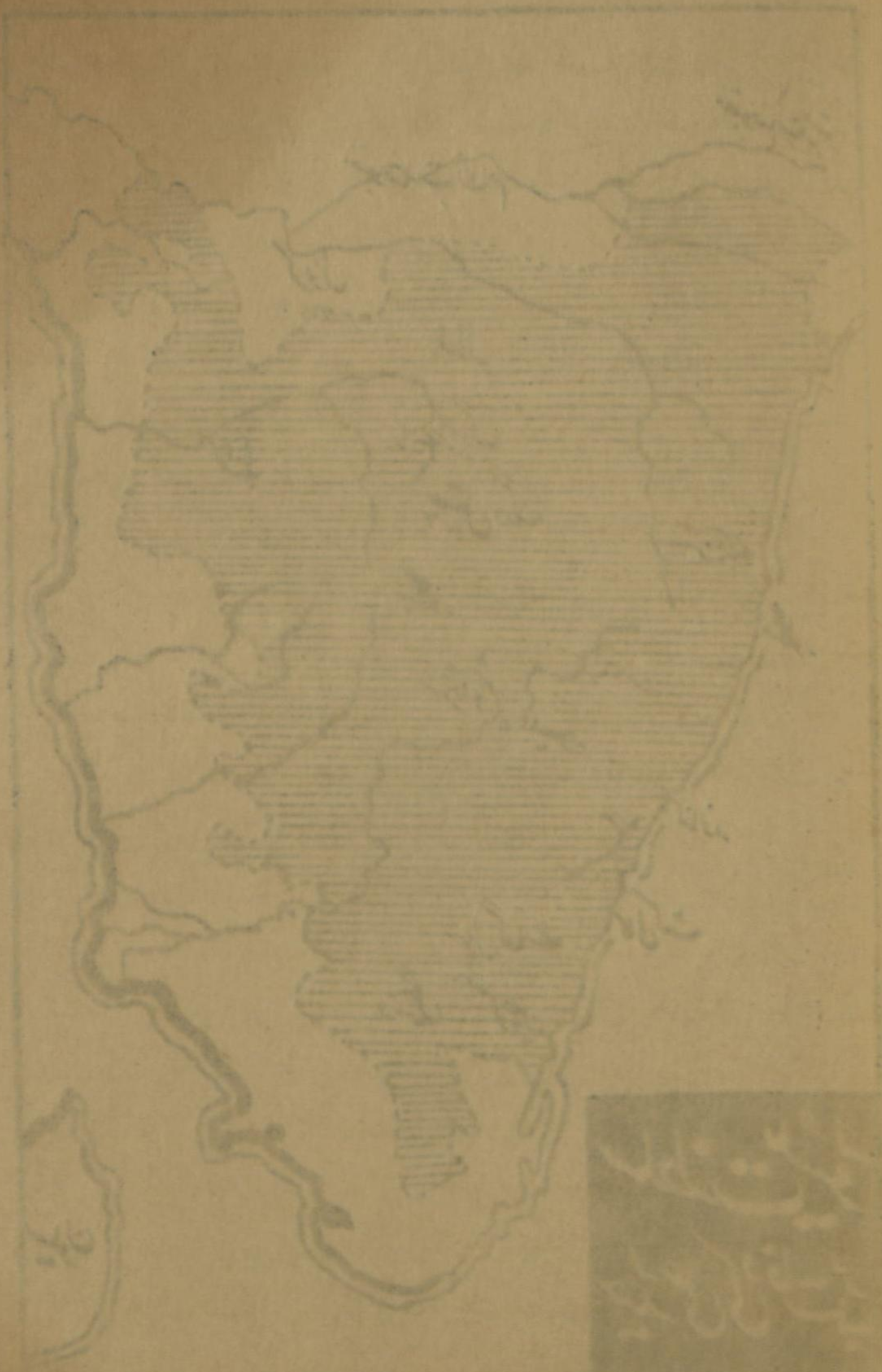
۳۔ رگھوبا کی تین لاکھ روپیہ سالانہ پنشن مقرر کر دی گئی۔

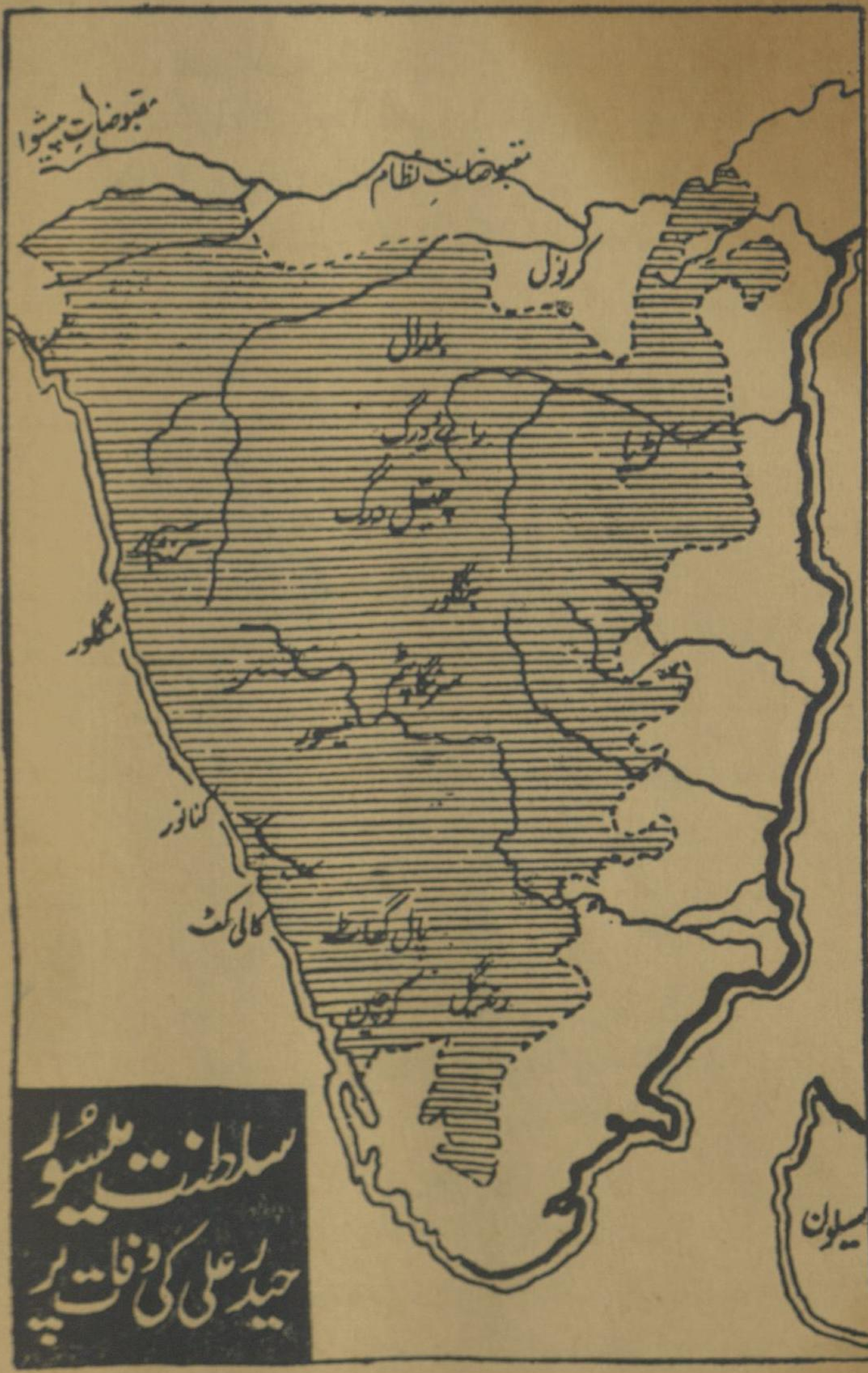
میسور کی دوسری جنگ
۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک

اسباب: میسور کی پہلی لڑائی کے بعد عہد نامہ مدراس کی رُو سے حیدر علی اور انگریز لڑائی کے موقع پر ایک دوسرے کی امداد کے پابند تھے۔ مگر انگریزوں نے مرہٹوں کے خلاف حیدر علی کی مدد نہ کی۔ اس لئے حیدر علے انگریزوں کا دشمن بن گیا۔

۲۔ ۱۷۷۸ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان امریکہ میں جنگ چھڑ گئی۔ اس لئے ہندوستان میں انگریزوں نے فرانسیسی مقبوضات ماہی اور پانڈی چری پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ حیدر علی ماہی کو اپنا سلطنت کا حصہ خیال کرتا تھا۔ اس لئے اس نے انگریزوں سے ماہی خالی کر دینے کا مطالبہ کیا۔ انگریزوں کے انکار پر حیدر علی نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

واقعات: حیدر علی نے پہلے کرناٹک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر پولی لور کے مقام پر کرنل بیلی کو شکست دی۔ اور




مقبوضاتِ پیشوا
مقبوضاتِ نظام
کرنول
بلاری
چیتل درگ
منگلور
کنانور
کالی کٹ
پال گھاٹ
سیلون
سلطنت میسور
حیدر علی کی وفات پر

اس کی فوج سے ہتھیار رکھوا لیئے۔ اس کے بعد میجر منرو کو بھی شکست دی اور وہ اپنا توپ خانہ تالاب میں پھینک کر مدراس بھاگ گیا۔ ۱۷۸۰ء میں حیدر علی نے ارکاٹ پر قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات سے خوف زدہ ہو کر وارن ہیسٹنگز نے آئر کوٹ کو بڑی بھاری فوج دے کر روانہ کیا۔ مگر حیدر علی کی قوت میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوئی۔ اس کے بہادر بیٹے ٹیپو سلطان نے انگریزی فوج کو شکست دے کر تنجور پر قبضہ کر لیا۔ ادھر فرانس سے ایک امدادی فوج حیدر علی کی مدد کو آپہنچی۔ لیکن ابھی لڑائی جاری تھی۔ کہ ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کا انتقال ہو گیا۔ حیدر علی کی وفات کے بعد ٹیپو سلطان نے جنگ جاری رکھی۔ اور کئی ایک علاقے بھی فتح کیئے۔ آخر عہدنامہ منگلور کی رو سے ۱۷۸۴ء میں فریقین میں صلح ہو گئی۔

نتیجہ: عہدنامہ منگلور کی رُو سے ایک دوسرے کے مفتوحہ علاقے اور جنگی قیدی واپس کر دیئے گئے۔

نندکمار کو پھانسی

نندکمار ایک بنگالی برہمن تھا۔ جسے گورنر جنرل نے ملازمت سے الگ کر دیا تھا۔ اس نے گورنر جنرل پر لاکھوں روپے کی رشوت کا الزام لگایا۔ اور میر جعفر کی بیوہ منی بیگم کا ایک خط پیش کیا جس میں اس رشوت کا ذکر تھا۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی بیان دیا۔ کہ گورنر جنرل نے رشوت لے کر لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں۔ کونسل نے اس مقدمے کی سماعت شروع کر دی۔ اور وارن ہیسٹنگز کو تمام روپیہ خزانہ میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ ہیسٹنگز نے اپنی ہی کونسل کے سامنے ایک ملزم کی طرح جواب دہی سے انکار کر دیا۔ اسی دوران میں کلکتہ کے ایک بنگالی تاجر موہن پرشاد نے نندکمار پر جعل سازی کا مقدمہ

چلایا۔ جس پر کلکتہ کی عدالتِ عالیہ نے اسے مجرم قرار دیتے ہوئے پھانسی کی سزا دے دی۔ وہ پہلا برہمن تھا۔ جسے انگریزوں کے عہد میں پھانسی کی سزا ملی۔

مؤرخین کی نظر میں یہ سزا سراسر ناجائز تھی۔ چونکہ عدالتِ عالیہ کا چیف جسٹس ہیسٹنگز کا دوست اور ہم جماعت تھا۔ اس لئے اس نے ہیسٹنگز کے اشارے پر یہ سزا دی۔ اگر نندکمار کو مجرم بھی فرض کر لیا جائے۔ تو یہ سزا نوعیتِ جرم سے کہیں زیادہ سخت تھی۔

راجہ چیت سنگھ کی معزولی

مرہٹوں اور حیدر علی کے ساتھ لڑائیوں میں کمپنی کا بہت سا روپیہ خرچ ہو چکا تھا۔ اس لئے وارن ہیسٹنگز نے ہر ممکن طریق سے روپیہ فراہم کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے اس نے بنارس کے راجہ چیت سنگھ سے پانچ لاکھ روپے کی زائد رقم کا مطالبہ کیا۔ چیت سنگھ کمپنی کا باجگزار تھا۔ اور وہ ۲۲½ لاکھ روپیہ سالانہ کمپنی کو خراج ادا کرتا تھا۔ راجہ دو سال تک تو یہ زائد رقم ادا کرتا رہا۔ تیسرے سال راجہ نے اپنے وکیل کی معرفت اس زائد رقم سے بچنے کے لئے دو لاکھ نذرانہ ہیسٹنگز کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر ہیسٹنگز نے یہ رقم قبول کرنے میں ذرا تکلف کیا۔ پھر راجہ سے دو ہزار سپاہیوں کا مطالبہ کیا۔ چیت سنگھ نے صرف ایک ہزار سپاہی دینے چاہے۔ اس پر ہیسٹنگز نے راجہ پر پچاس لاکھ روپے جرمانہ کر دیا۔ اور وصولی کے لئے خود بنارس پہنچا۔ اور راجہ کو گرفتار کر لیا۔ راجہ کی رعایا نے اس سختی سے برہم ہو کر انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ اور تین افسر اور چند سپاہی قتل کر دیئے۔ اور ہیسٹنگز نے جان بچانے کے لئے چنار کے قلعے میں پناہ لی۔ راجہ چیت سنگھ بھی موقع پا کر بھاگ گیا۔ آخر

انگریزی امدادی فوج نے آکر بغاوت کو دبایا۔ اس کے بعد وارن ہیسٹنگز نے چیت سنگھ کو معزول کر کے اس کے بھتیجے کو گدی پر بٹھایا۔ جس نے چالیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ اس معاملہ میں ہیسٹنگز کے مداح بھی اس کو حق بجانب ثابت نہیں کر سکتے۔

بیگماتِ اودھ کا معاملہ جب گورنر جنرل چیت سنگھ سے حسب منشا روپیہ وصول کرنے میں ناکام رہا۔ تو اس نے بیگماتِ اودھ سے روپیہ وصول کرنے کی فکر کی۔

۱۷۷۵ء میں نواب وزیر کے انتقال کے بعد اس کی بیگمات نے کلکتہ کی عدالتِ عالیہ کی اجازت کے بغیر بہت سا زر و مال اپنے قبضہ میں کر لیا۔ نئے نواب آصف الدولہ کے ذمے کمپنی کا بہت سا روپیہ تھا۔ گورنر جنرل نے نواب سے روپے کا مطالبہ کیا۔ نواب نے جواب میں بیگمات اودھ (اپنی ماں اور دادی) سے روپیہ چھین کر قرضہ ادا کرنے کی اجازت چاہی۔ ہیسٹنگز نے نہ صرف اجازت ہی دی بلکہ نواب کی امداد کے لئے انگریزی فوج روانہ کی۔ انگریزی فوج کی مدد سے بیگمات سے انتہائی سختی کا برتاؤ کیا۔ اور ۷۶۔ لاکھ روپیہ چھین کر انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

وارن ہیسٹنگز پر مقدمہ ہیسٹنگز نے بیگماتِ اودھ، راجہ چیت سنگھ اور روہیلوں کے معاملات میں جابرانہ پالیسی پر عمل کیا تھا۔ کمپنی کے ڈائرکٹروں اور پارلیمنٹ برطانیہ کو اس کا یہ طرزِ عمل پسند نہ آیا۔ چنانچہ ۱۷۸۵ء میں ہیسٹنگز مستعفی ہو کر انگلینڈ چلا گیا۔ اس کے تین سال بعد مذکورہ الزامات کی

بنا پر اس کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ جو متواتر سات سال چلتا رہا۔ اس کا تمام اندوختہ اس مقدمہ کی نذر ہو گیا۔ آخر دارالامراء کی عدالت نے اس خیال سے کہ ہیسٹنگز نے انگلستان کے ایشیائی مقبوضات کو اس وقت مستحکم کیا۔ جب یورپ کی بلیشتر طاقتیں انگلستان کو ختم کرنے پر آمادہ تھیں۔ اسے یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ ہیسٹنگز طمع و حرص کا پتلا اور مکر و فریب کا مجسمہ ہے تمام الزامات سے بری کر دیا اور پانچ ہزار پونڈ سالانہ پنشن بھی مقرر کر دی۔

پٹس انڈیا بل

ریگولیٹنگ ایکٹ میں کئی خامیاں تھیں۔ جن سے حکومت کے کام میں دقتیں پیش آنے لگیں۔ ان نقائص کو دور کرنے کی غرض سے ۱۷۸۴ء میں انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے پارلیمنٹ سے ایک نیا قانون منظور کرایا۔ جس کی مشہور دفعات مندرجہ ذیل تھیں:۔

۱۔ کمپنی کے سیاسی معاملات کے انتظام کے لئے انگلستان میں چھ ممبروں کا ایک بورڈ آف کنٹرول بنایا گیا۔ جس کی صدارت سلطنت کے ایک وزیر کے سپرد کی گئی۔ ان ممبروں کو بادشاہ خود مقرر کرتا تھا۔

۲۔ کمپنی کے تجارتی معاملات بدستور بورڈ آف ڈائرکٹرز کے پاس رہے۔

۳۔ گورنر جنرل کی کونسل کے ممبران کی تعداد چار کے بجائے تین کر دی گئی۔ اور اشد ضرورت کی حالت میں گورنر جنرل کو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے وسیع اختیارات دیئے گئے۔

۴۔ گورنر جنرل کو مدراس اور بمبئی کی حکومتوں کے معاملات میں دخل دینے کا پورا پورا اختیار دیا گیا۔

۵۔ کمپنی کے لئے عدم مداخلت کی پالیسی پر کاربند رہنا ضروری قرار دیا گیا۔ یعنی دیسی حکمرانوں سے صلح یا جنگ کرنے کے لئے پارلیمنٹ کی منظوری لازمی ہو گئی۔

اہمیت اس قانون کی رو سے کمپنی کے اختیارات محدود ہو گئے۔ اور ہندوستان کا نظم و نسق بہت حد تک پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آ گیا۔

لارڈ کارنوالس

۱۷۸۶ء سے ۱۷۹۳ء تک

واقعات : (۱) بنگال کا بندوبست دوامی (۲) میسور کی تیسری لڑائی۔

۱۷۸۶ء میں لارڈ کارنوالس گورنر جنرل بنا۔ یہ انگلستان کے مشہور اور معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس سے پہلے امریکہ کی جنگِ آزادی میں کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ پٹس انڈیا بل کے منظور ہونے سے گورنر جنرل کے اختیارات بہت وسیع ہو چکے تھے اور وہ گورنر جنرل کے عہدہ کے علاوہ کمانڈر انچیف بھی مقرر ہو کر آیا تھا۔ علاوہ ازیں وہ اپنی کونسل کے ممبروں سے اختلاف ہونے پر ان کی رائے کو رد کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے پوری آزادی اور دلیری کے ساتھ ہندوستانیوں کے حقوق پامال کئے۔ اس کے کارناموں کی فہرست جسے خوشامدی مؤرخ اصلاحات کہتے ہیں ذیل میں دی جاتی ہے۔ ایک انصاف پسند انسان خود ہی اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ ان کارناموں میں انگریزوں کا مفاد مضمر ہے یا ہندوستانی رعایا کا۔

۱۔ کارنوالس نے فوج کے انگریزی عہدیداروں کی تنخواہوں میں

کافی اضافہ کیا۔ لیکن ہندوستانیوں کو سول سروس سے محروم کر دیا۔

۲۔ بعض عدالتی اصلاحات کیں۔ جو تمام تر حکومتِ انگلشیہ کے استحکام کے لئے تھیں۔

۳۔ بنگال۔ بہار۔ اڑلیسہ پر کمپنی کو مسلط کر دیا۔

۴۔ مغل شہنشاہ کا خراج بند کر دیا۔

۵۔ وزارتِ انگلستان کی مدد سے ہندوستان میں کمپنی کے مقبوضات میں اضافہ کیا۔

۶۔ آئینی اصلاحات کی شکل میں ہندوستان میں فتنہ و فساد کا بیج بو یا۔

بندوبست دوامی

کلائیو نے زرِ لگان کا وہی طریقہ جاری رکھا جو مغلوں کے عہد میں جاری تھا۔ وارن ہیسٹنگز نے زمین نیلام کے ذریعے پہلے پانچ سالہ اور بعد میں سالانہ ٹھیکہ پر دینے کا قاعدہ مقرر کیا۔ مگر یہ طریقہ نہایت ناتسلی بخش ثابت ہوا۔ اس میں مندرجہ ذیل نقائص تھے:۔

۱۔ زمیندار نیلامی کے وقت تو زیادہ بولی دے کر ٹھیکہ لے لیتے تھے۔ مگر بعد میں زمین کی آمدنی کم ہونے کی وجہ سے ٹھیکہ ادا نہ کر سکتے تھے۔ اس طرح حکومت کی آمدنی غیر یقینی رہتی تھی۔

۲۔ چونکہ ٹھیکہ تھوڑے عرصے کے لئے ہوتا تھا اس لئے زمین دار پوری کوشش سے زمین کو بہتر نہیں بناتے تھے۔

۳۔ زمین داروں کو یہ بھی ڈر رہتا تھا کہ زمین کی حالت بہتر ہو جانے پر لگان بھی بڑھ جائے گا۔ اس لئے وہ ہمیشہ ششش و پنج میں رہتے تھے۔

مندرجہ بالا اسباب کی وجہ سے اکثر زمینیں بنجر ہو گئیں اور حکومت کی

آمدنی بھی کم ہو گئی۔ چنانچہ ڈائرکٹران کمپنی نے بھی اس طریق کو نامناسب خیال کر کے کارنوالس کو خاص طور پر اس کی اصلاح کی تاکید کی۔ اس نے نہایت غور و خوض کے بعد ۱۷۹۳ء میں بنگال۔ بہار اور اڑیسہ میں بندوبست دوامی جاری کیا۔ اس طرح زمین زمینداروں کی ملکیت قرار پائی اور سرکاری لگان کی شرح بھی ہمیشہ کے لئے ایک ہی مقرر ہو گئی۔

بندوبست دوامی کے فائدے

۱۔ چونکہ زمیندار کامل طور پر زمین کے مالک بن گئے تھے۔ اس اضافہ لگان کا ڈر بھی نہیں رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے زمین کی حالت درست کرنے پر پوری توجہ دینی شروع کی۔

۲۔ حکومت ہر سال کے بندوبست کی تکلیف اور زائد خرچ سے بچ گئی۔

۳۔ حکومت کی آمدنی مستقل اور یقینی ہو گئی۔ جس سے سالانہ بجٹ تیار کرنا آسان ہو گیا۔

۴۔ بنگال کی تمام زمین قابلِ کاشت اور زرخیز بن گئی۔ جس سے قحط کا امکان بہت کم ہو گیا۔

۵۔ زمینداروں کی جماعت خوشحالی کی وجہ سے حکومت کی وفادار بن گئی۔ اور حکومت کو غدر کے ایام میں ان سے بہت ہی مدد ملی۔

بندوبست دوامی کے نقائص

۱۔ بندوبست دوامی سے زمینداروں کو تو بہت فائدہ ہوا۔ مگر کاشتکاروں کے حقوق کو نظرانداز کر دیا گیا۔ مگر بیچارے زمینداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے گئے چنانچہ اس نقص کو رفع کرنے کے لئے حکومت کو کئی نئے

قانون بنانے پڑے۔

۲۔ زمین کا لگان ہمیشہ کے لئے مقرر کرنے سے گورنمنٹ کو بہت نقصان پہنچا۔ آج نہ صرف زمینوں کی قیمت بڑھ چکی ہے۔ بلکہ پیداوار کی قیمت میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ مگر سرکاری لگان وہی ہے۔ جو ۱۷۹۳ء میں مقرر کیا گیا تھا۔ سرکاری اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے یہ کمی دوسرے صوبوں سے پوری کی جاتی ہے۔

میسور کی تیسری لڑائی

۱۷۹۰ء سے ۱۷۹۲ء تک

اسباب: ۱۔ ٹیپو سلطان بڑا بہادر بادشاہ تھا۔ وہ دکن میں ایک زبردست سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے انگریز۔ مرہٹے اور نظام حیدر آباد اس سے سخت دشمنی رکھتے تھے۔

۲۔ انگریزوں کو ٹیپو سلطان سے خاص طور پر دشمنی تھی۔ کیونکہ سلطان ٹرکی اور شاہِ فرانس کے پاس اس نے اپنے سفیر بھیجے تھے۔

۳۔ ٹیپو سلطان پر یہ الزام لگایا گیا۔ کہ وہ انگریزوں کی حلیف ریاست ٹراونکور پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کارنوالس نے مرہٹوں اور نظام کو یہ سبز باغ دکھا کر ساتھ ملایا۔ کہ مفتوحہ علاقہ کی تقسیم میں وہ مساوی کے شریک ہوں گے۔ ان کو ساتھ ملانے کے بعد ٹیپو سلطان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

واقعات: ۱۷۹۰ء میں انگریزوں نے ڈنڈیگل اور پال گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ٹیپو سلطان نے انہیں جلد ہی شکست دے کر نکال دیا۔ اس پر لارڈ کارنوالس خود دکن پہنچا۔ اور ٹیپو سلطان کو شکست دے کر بنگلور پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ٹیپو کے

دارالحکومت سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ ٹیپو نے مقابلہ کی تاب نہ لا کر صلح کی درخواست کی۔ چنانچہ صلحنامۂ سرنگاپٹم طے ہوا۔

عہدنامۂ سرنگاپٹم اس عہدنامہ کی رُو سے ٹیپو سلطان نے آدھی سلطنت اور تین کروڑ روپیہ بطور تاوانِ جنگ دینا منظور کیا۔ اور اپنے دو بیٹے یرغمال کے طور پر انگریزوں کے حوالے کئے۔

سر جان شور

۱۷۹۳ء سے ۱۷۹۸ء تک

لارڈ کارنوالس کی واپسی پر سرجان شور گورنر جنرل مقرر ہوا۔ وہ اپنے عہدِ حکومت میں عدمِ مداخلت کی پالیسی پر سختی سے پابند رہا۔ اس لئے اس کا زمانہ امن وچین کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے عہد میں ہندوستانی ریاستوں میں بھی امن وامان کا دَور دَورہ ہو گیا اور تمام والیانِ ریاست کو انگریزوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات مل گئی۔

لارڈ ولزلی

۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۵ء

لارڈ ولزلی گورنر جنرل ہو کر ہندوستان پہنچا تو اس وقت مرہٹے، نظام اور ٹیپو ہندوستان کی تین بڑی طاقتیں تھیں۔ ان تینوں کو آپس

میں نہ ملنے دینا۔ اور ایک کی مدد سے دوسری طاقت کو ختم کرنا۔ وہ کام تھا جو ولزلی کو سرانجام دینا تھا۔ اس کام کی تکمیل کے لئے اس نے جو وسائل اختیار کئے۔ ان میں سے تین مشہور ہیں:-

۱۔ سب سڈی ایری سسٹم ۲۔ سفارت

۳۔ کامیاب سازش۔

سب سڈی ایری سسٹم

ہندوستان میں انگریزی حکومت کو بالادست بنانے، اور دیسی ریاستوں کی فوجی قوت کو کمزور کرنے کے لئے ولزلی نے "امدادی فوج کا طریق" جاری کیا۔ اس طریق کو قبول کرنے والی دیسی ریاست کے لئے لازمی تھا۔ کہ:-

۱۔ ہندوستان میں کمپنی کو حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرے۔

۲۔ ایک انگریز ریذیڈنٹ کو اپنے ہاں رکھے اور متنازعہ امور میں کمپنی کو ثالث مانے۔

۳۔ کمپنی کی اجازت کے بغیر کسی حکمران سے معاہدہ کرنے یا جارحانہ جنگ میں حصہ نہ لینے کا اقرار کرے۔

۴۔ انگریزوں کے سوا کسی یورپین کو اپنے ہاں ملازم نہ رکھنے کا عہد کرے۔

۵۔ اپنے خرچ پر اپنے علاقوں میں انگریزی فوج رکھے۔

ان شرائط کی پابندی کی صورت میں کمپنی اس ریاست کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔

اس سسٹم کے ذریعے لارڈ ولزلی نے دیسی ریاستوں کو انگریزی اقتدار کی آہنی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اور ان کی فوجی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ دیسی ریاستوں کے حکمران بے فکر ہو کر عیش پرست

ہوتے گئے۔ جس سے ریاستوں کے نظامِ حکومت میں خرابیاں پیدا ہونے لگیں۔ اور انگریزوں کو موقع ملتا گیا۔ کہ انہیں اپنی سلطنت میں شامل کر لیں۔

چونکہ نظامِ دکن کو مرہٹوں کی طرف سے خطرہ تھا۔ اس لئے سب سے پہلے وہی اس کا شکار ہوا۔ چنانچہ اس نے فرانسیسی ملازم نکال دیئے۔ اپنے خرچ پر انگریزی فوج رکھ لی۔

بقائے آزادی کے لئے ٹیپو کی جدّوجہد

سلطان ٹیپو ہندوستان کا ایک بیدار مغز حکمران تھا۔ وہ ہندوستان میں انگریزوں کی موجودگی کو سارے ہندوستان کی ہلاکت و تباہی کے مترادف خیال کرتا تھا۔ اس لئے اس نے کوشش کی کہ ہندوستان کے سب راجے اور نواب مل جائیں۔ اور انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کریں۔ لیکن ہندوستانی اس نکتے کو نہ سمجھ سکے اور اپنی خودغرضیوں کی وجہ سے انگریزوں کی چالوں میں آتے رہے۔ ٹیپو جب ان سے مایوس ہو گیا تو اس نے خلیفۂ اسلام سلطان ٹرکی۔ شاہِ ایران اور امیرِ کابل زمان شاہ کے درباروں میں سفیر بھیجے۔ اور انہیں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ برطانیہ ہندوستان پر اپنا قبضہ بحال رکھنے کے لئے ایک نہ ایک دن اسلامی ملکوں پر بھی ہاتھ صاف کرے گا۔ لیکن دنیائے اسلام سو رہی تھی۔ تنہا ٹیپو بیدار تھا۔ اور وہی اقوامِ مشرق کو بیدار کرنے کی دوڑ دھوپ کر رہا تھا۔

سلطان ٹرکی پر برطانیہ کا جادو چل گیا تھا۔ اس نے "شیرِ میسور" کی اسکیم کو تمسخر میں اڑا دیا۔ اور لکھا کہ برطانیہ کی طرف دوستی کا

ہاتھ بڑھاؤ۔ شاہ ایران کو ولزلی کے بھیجے ہوئے جاسوس مہدی علی مراد آبادی نے ٹیپو کے سفیر سے ملنے نہ دیا۔ اور اس کی توجہ افغانستان کی طرف کر دی۔ چنانچہ وہ شاہِ زمان کے بھائی محمود کی مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

زمان شاہ نے ٹیپو کی تجویز کے مطابق ۱۷۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا۔ وہ لاہور پہنچا تھا کہ محمود ایران سے نکل کر ہرات پر حملہ آور ہوا۔ ناچار شاہِ زمان کو واپس ہونا پڑا۔ دونو بھائی لڑے۔ محمود کامیاب ہوا اور اس نے شاہِ زمان کو اندھا کرا دیا۔

ٹیپو نے اپنے سفیر فرانس بھی بھیجے تھے اور نپولین نے جو ان دنوں مصر میں تھا۔ قاہرہ سے اسے جواب دیا اور مدد کی امید دلائی تھی لیکن نیلسن نے نیل کی لڑائی میں نپولین کے بحری بیڑے کو تباہ کر دیا اور وہ ہندوستان آ کر ٹیپو کی مدد نہ کر سکا۔

میسور کی چوتھی لڑائی

۱۷۹۸ء سے ۱۷۹۹ء تک

ولزلی سلطان ٹیپو کو انگریزی اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے ہندوستان پہنچتے ہی "سلطنتِ خداداد میسور" میں سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا تھا۔ جب پورنیا وزیر میسور اور میر صادق پوری طرح سازش کا شکار ہو چکے۔ تو ولزلی نے فرانس سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا الزام ٹیپو پر لگایا اور سختی سے لکھا۔ کہ جن شرائط پر نظام نے امدادی فوج کا رکھنا منظور کیا ہے۔ انہی شرائط پر وہ بھی منظور کرے۔ لیکن ٹیپو نے اس ذلت کو گوارا نہ کیا۔

ولزلی نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ جنرل ہیرس نے مدراس کی طرف سے اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج نے بمبئی کی سمت سے حملہ

کیا اور گورنر جنرل کا بھائی آرتھر ولزلی نظام کی فوج کو لے کر شمال سے بڑھا۔ سلطان نے تینوں فوجوں کو روکنے کے لئے لشکر روانہ کئے وہ خود محاذِ جنگ پر تھا۔ کہ پورنیا وزیر کی بیوی نے سلطان کی ماں سے مل کر کہا کہ میرے خاوند نے انگریزوں کو سرنگاپٹم میں داخل کرنے کی سازش کی ہے۔ اس نے ٹیپو کو اطلاع دی۔ کہ سرنگاپٹم کی خبر لو۔ سلطان واپس آیا۔ تحقیقات سے پورنیا کی غداری ثابت ہو گئی۔ سلطان نے پورنیا کے ہاتھ پاؤں کڑا کر بازار میں ڈلوا دیا۔ جہاں ہندو مسلمان عوام اس کے منہ پر تھوکتے تھے مگر وہ کہتا تھا۔ میں نے جو آہنی حلقہ کھینچ دیا ہے۔ اس سے سلطان نکل نہیں سکتا۔ آخر سازش کامیاب ہو گئی اور انگریزی فوجوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ خون ریز جنگ ہوئی۔ جس میں سلطان ٹیپو مردانہ وار لڑتا ہوا شہید ہوا۔

سلطان شہید کے بارہ بیٹے تھے۔ انہیں پنشن دے کر ویلور بھیج دیا گیا۔ ریاست کا مرکزی حصہ کرشن راجہ کو دیا گیا۔ اور باقی علاقوں کو نظام اور انگریزوں نے بانٹ لیا۔

اودھ ۱۸۰۱ء

سعادت علی خاں نواب اودھ ایک لائق حکمران تھا۔ لارڈ ولزلی نے اس پر دباؤ ڈالا کہ وہ بھی امدادی طریق منظور کرلے۔ پہلے تو اس نے انکار کیا۔ لیکن بعد میں جب وہ اپنے جانباز بھتیجے وزیر علی کی سرگرمیوں سے تنگ آ گیا۔ تو اس نے بھی انگریزی فوج اودھ میں منگوا لی۔ اس انگریزی فوج کے خرچ کے بدلہ میں نواب کو اپنا نصف علاقہ انگریزوں کے حوالہ کرنا پڑا۔ اس میں روہیل کھنڈ اور گنگا جمنا کا دوآبہ شامل تھے۔

انتظام کرناٹک ۱۸۰۱ء

کرناٹک کا نواب محمد علی انگریزوں کا دوست تھا۔ مگر ٹیپو کو ختم کرنے کے بعد انگریزوں کو اس کی دوستی کی ضرورت نہ رہی۔ اس لئے ولزلی نے اس پر الزام لگایا کہ ٹیپو مسلمان تھا۔ تم کو اس سے ہمدردی تھی۔ نواب نے جواب میں بہت طویل خط لکھا۔ اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن نواب کی اچانک موت نے ولزلی کا کام آسان کر دیا۔ اور اس نے اس کے بیٹے عمدۃ الامراء کو پنشن دے کر ملک پر قبضہ کر لیا۔

ولزلی اور مرہٹے

میسور اور کرناٹک کے بعد مرہٹوں کی باری آئی۔ مرہٹوں میں دولت راؤ سیندھیا کی قوت بہت زیادہ تھی۔ وہ پونا میں مقیم تھا۔ ولزلی نے پیشوا کے دربار پونا میں سازش کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ ناچار سیندھیا کو پونا سے نکالنے کے لئے ولزلی نے اسے بتایا۔ کہ شاہِ زمان حملہ کرنے والا ہے۔ لیکن سیندھیا نے اس پر کان نہ دھرے۔ اور پونا سے شمالی ہند کی طرف نہ گیا۔ ناچار ولزلی نے انگریزی سپاہ کو اس طرح حرکت دی کہ سیندھیا کو یقین ہو گیا کہ انگریز اس کی ریاست پر حملہ کریں گے۔ اس لئے وہ پونا چھوڑ کر گوالیار چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی پیشوا کے دربار میں ولزلی کی سازش کامیاب ہو گئی۔ مرہٹہ سرداروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ مشہور مرہٹہ مدبر نانا فرنویس سے باجی راؤ پیشوا نے ذلیل سلوک کیا وہ دل شکستہ ہو کر مر گیا۔ ہلکر نے سیندھیا اور پیشوا کی متحدہ افواج کو شکست فاش دی۔ پیشوا بھاگ کر انگریزوں کے پاس چلا گیا۔ اور اس نے عہدنامہ بسین پر دستخط کر دیئے۔

عہد نامۂ بسین ۱۸۰۲ء

اس معاہدہ کی رو سے پیشوا نے امدادی طریق کو منظور کر لیا۔ اور انگریزی فوج کے اخراجات کے لئے کچھ علاقہ کمپنی کو دے دیا گورنر جنرل نے اپنے بھائی آرتھر ولزلی کی حفاظت میں پیشوا کو روانہ کیا۔ ہلکر نے پونا خالی کر دیا۔ اور آرتھر ولزلی نے پیشوا کو پھر گدی نشین کر دیا۔

مرہٹوں کی دوسری لڑائی

عہد نامہ بسین سے مرہٹوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ سیندھیا اور راجہ بھونسلا نے متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ولزلی نے شمالی سرکار کا محاذ لارڈ لیک کے سپرد کیا اور دکن کے محاذ پر سر آرتھر ولزلی کو بھیجا۔ ۲۳ ستمبر ۱۸۰۳ء کو اسئی کے مقام پر سیندھیا اور آرتھر ولزلی کی فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ سیندھیا کے یورپی افسروں نے غداری کی اور میدان ولزلی کے ہاتھ رہا اس کے بعد آرتھر ولزلی نے بھونسلا کی فوج کو ارگاؤں پر شکست فاش دی۔ لارڈ لیک نے علی گڑھ اور لاسواری کے میدانوں میں سیندھیا کی فوجوں کو شکستیں دیں اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔

عہد نامہ ارجن گاؤں ۱۸۰۳ء

سیندھیا کی فوجیں تباہ ہو گئیں تو اس نے ارجن گاؤں کے مقام پر معاہدہ کر کے صلح کر لی۔ جس کی رو سے سیندھیا نے احمد نگر کا قلعہ بھڑوچ کی بندرگاہ اور وادیٔ گنگا کا علاقہ کمپنی کے حوالے کیا۔ اور سب سڈی ایری سسٹم کو منظور کر لیا۔

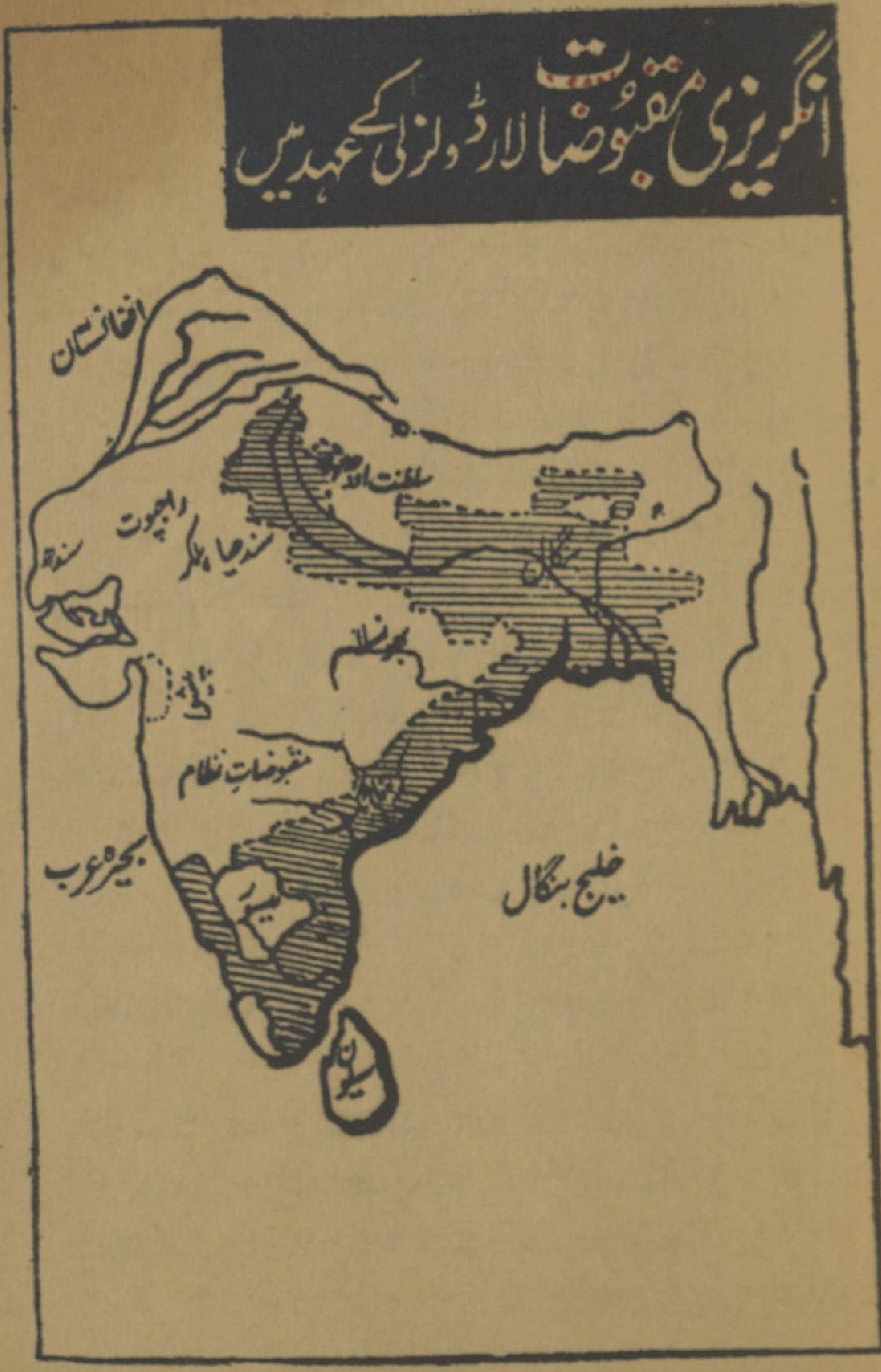
بھونسلا اکیلا کیا کرتا۔ اس نے بھی دیوگاؤں کے مقام پر معاہدہ کر کے برار اور کٹک کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور

سب سڈی ایری سسٹم کو منظور کر لیا۔

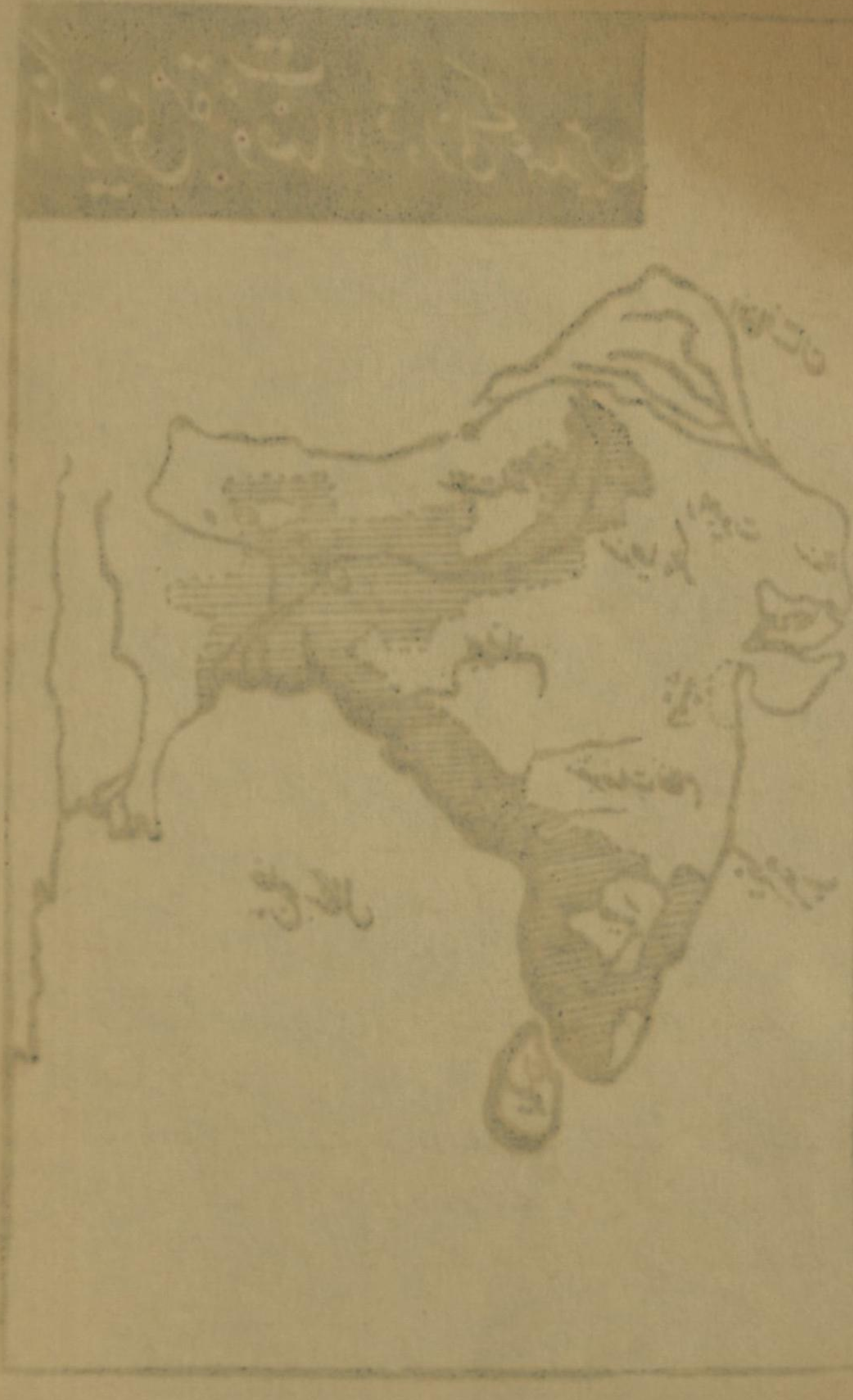
بھونسلا اکیلا کیا کرتا۔ اس نے بھی دیوگاؤں کے مقام پر معاہدہ کر کے برار اور کٹک کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور سب سڈی ایری سسٹم منظور کر لیا۔

مرہٹوں کی تیسری لڑائی

مغرور ہلکر کو سیندھیا سے جُدا کرنے میں ولزلی کامیاب ہو گیا تھا۔ اور وہ اس کے دامِ فریب میں آ کر اپنے بھائی بندوں کی مصیبتوں کا تماشہ دیکھتا رہا تھا۔ اب اس کی باری آئی تو وہ تنہا تھا۔ ولزلی نے اس کے خلاف جھنڈا بلند کیا۔ ہلکر جانتا تھا۔ کہ سیندھیا کی تباہی اس کے یورپی افسروں کی غداری سے ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے اپنی فوج کے تمام یورپی افسروں کو قتل کرا دیا۔ اور ولزلی کے کام کو مشکل کر دیا۔ اب ولزلی نے اس کے دیسی افسروں کو توڑنے کی کوشش کی۔ چنانچہ امیر خاں سب سے پہلے اس کے سنہری جال میں پھنسا۔ یکم جولائی ۱۸۰۴ء کو جنرل مونسن درہ مکندہ کی راہ ہلکر کے علاقے میں داخل ہؤا۔ جس کو ہلکر نے ایسی شکست دی۔ کہ ولزلی اس کے سیاسی نتائج کا خیال کر کے کانپ گیا۔ تاہم کثرتِ بارش کی وجہ سے مونسن کو اتنی مہلت مل گئی۔ کہ وہ اپنے بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر آگرہ پہنچ گیا۔ ہلکر نے غلطی کی کہ وہ متھرا کی طرف بڑھا۔ جسے انگریزوں نے خالی کر دیا۔ متھرا سے اس نے دہلی کا رخ کیا۔ مگر لارڈ لیک اس سے پہلے ہی دہلی پر قابض ہو گیا تھا۔ ادھر انگریزوں نے اس کے علاقے میں گھس کر تباہی مچا دی اب ہلکر گھبرا کر بھرت پور کے قلعہ میں پناہ گزین ہؤا۔ لارڈ لیک نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر وہ قلعہ تو ایک طرف رہا۔ شہر کی کچی فصیل



انگریزی مقبوضات لارڈ ولزلی کے عہد میں



کو بھی نہ گرا سکا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بھرت پور میں کوئی غدار انگریزوں کو نہ مل سکا۔ لارڈ لیک بھرت پور کے راجہ رنجیت سنگھ کو سازش کے جال میں نہ پھنسا سکا۔ ہلکر نے پنجاب کے رنجیت سنگھ پر بھروسہ کیا اور وہ بھرت پور سے پنجاب پہنچا۔ لیکن رنجیت سنگھ نے اس کی مدد نہ کی۔ مگر اس کی خوش قسمتی سے ولزلی چلا گیا۔ ہلکر نے نئے گورنر جنرل سے صلح کی راہ نکالی۔ اور ۲۴ دسمبر ۱۸۰۵ء کو اس نے جارج بارلو کے مجوزہ معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔

مسئلہ الحاق

ولزلی نے چھوٹی اور کمزور ریاستوں کو انگریزی عمل داری میں شامل کرنے کے لئے جو پالیسی اختیار کی وہ تاریخ میں مسئلہ الحاق کے نام سے مشہور ہے۔ اس پالیسی کے تحت اس نے مندرجہ ذیل علاقوں پر قبضہ کیا :-

۱۔ تنجور : راجہ تنجور کا علاقہ ساحلِ کارومنڈل پر تھا لیکن ساحلِ سمندر پر کسی دیسی راجہ کا قبضہ، انگریزی مفاد کے خلاف تھا۔ ۱۷۹۹ء میں راجہ تنجور نے وفات پائی۔ تو ولزلی نے ا[illegible] متبنیٰ کو پنشن دے کر الگ کر دیا اور ریاست کو انگریزی سلطنت میں ملا لیا۔

۲۔ کرناٹک : ۱۸۰۱ء میں وہاں کے نواب کو پنشن دے کر ملک پر قبضہ کر لیا۔

۳۔ امدادی فوج کے لئے نقد روپے کے بجائے علاقے لینے شروع کئے۔ چنانچہ نواب اودھ سے روہیل کھنڈ۔ گورکھ پور۔ گنگا جمنا کا دوآبہ اور نظام سے بلاری اور کڑاپہ کے علاقے اسی طرح لئے گئے۔

لارڈ کارنوالس اور سر جارج بارلو

۱۸۰۵ء تا ۱۸۰۷ء

ولزلی کے بعد لارڈ کارنوالس دوبارہ گورنر جنرل ہو کر آیا۔ لیکن وہ تین ماہ بعد ہی مر گیا۔ اس کی وفات کے بعد کونسل کا سینئر ممبر سر جارج بارلو گورنر جنرل مقرر ہوا۔ وہ سیاسیات ہند میں ولزلی کا تربیت یافتہ تھا۔ اور چاہتا تھا۔ کہ دیسی حکمرانوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتا رہے۔ لیکن کمپنی کی مالی حالت نے اسے کچھ نہ کرنے دیا۔ تاہم اس نے پچھلے معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ راجپوتانہ کے راجاؤں نے مرہٹوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کی تھی۔ اور اس خدمت کے صلے میں ولزلی نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔ مگر بارلو نے اس معاہدہ تحفظ کو منسوخ کر کے انہیں سیندھیا اور ہلکر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

غدر ویلور ۱۸۰۶ء

مدراس کے گورنر لارڈ ولیم بینٹنگ اور فوجی افسر نے دیسی سپاہیوں کے لباس اور شکل و صورت کو یورپی رنگ دینا چاہا۔ اور دیسی افسروں سے مشورہ کئے بغیر حکم دے دیا۔ کہ دیسی سپاہی انگریزی ٹوپی سے ملتی جلتی ایک ٹوپی پہنیں اور ہندو سپاہی قشقہ لگانا اور کانوں میں بالیاں پہننی چھوڑ دیں۔ دیسی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے ۱۰ جولائی ۱۸۰۶ء کو رات کے ۲ بجے بغاوت کر کے انگریز کمان دار اور ۱۱۳ - گورے سپاہیوں کو ہلاک کر دیا۔ کرنل گلیسپی کو خبر ہوئی۔ تو وہ یلغار کر کے پہنچا۔ اور اس نے باغی سپاہیوں پر قابو پا لیا۔ بغاوت کے سرغنوں

کو سخت سزائیں دیں۔ اگرچہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بغاوت فوجی افسروں کی بدعنوانیوں سے ہوئی۔ لیکن سلطان شہید ٹیپو کے خاندان پر شبہ کیا گیا۔ اور انہیں ویلور سے کلکتہ منتقل کر دیا گیا۔

لارڈ منٹو اوّل

۱۸۰۷ء تا ۱۸۱۳ء

سر جارج بارلو کے بعد لارڈ منٹو گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ وہ بورڈ آف کنٹرول کا صدر رہ چکا تھا۔ اور ہندوستان کے معاملات سے کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ لارڈ منٹو عدم مداخلت کی پالیسی کا زبردست حامی تھا۔ مگر ہندوستان میں رہ کر اسے اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑے۔ اس کے زمانہ کے مشہور واقعات حسب ذیل ہیں:۔

بندھیل کھنڈ میں بدامنی لارڈ منٹو کی آمد پر بندھیل کھنڈ میں چھوٹے چھوٹے سردار خود مختار بن بیٹھے تھے۔ اور انہوں نے تمام علاقہ میں شورش پھیلا رکھی تھی۔ چونکہ یہ علاقہ کمپنی کے مقبوضات میں شامل تھا۔ اس لئے منٹو نے ان کے خلاف فوج روانہ کر کے ان کے مضبوط قلعوں اجے گڑھ اور کالنجر پر قبضہ کر لیا۔ اور باغی سرداروں کو شکست دے کر تمام علاقے میں امن وامان قائم کیا۔

ٹراونکور میں بغاوت ۱۸۰۸ء میں ریاست ٹراونکور کے دیوان اور انگریزی ریذیڈنٹ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے دیوان نے کچھ انگریزی سپاہی

قتل کرا دیئے۔ لیکن یہ بغاوت بہت جلد فرو ہو گئی۔ دیوان نے ڈر کے مارے خودکشی کر لی۔ اور ریاست میں امن بحال ہو گیا۔

عہد نامۂ امرتسر

ان دنوں مہاراجہ رنجیت سنگھ والیئے پنجاب کی سلطنت دریائے ستلج تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ستلج پار جنوب کی سکھ ریاستوں کو بھی اپنی سلطنت میں ملانا چاہا۔ چنانچہ اس نے لدھیانہ کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ سکھ ریاستوں کے راجاؤں نے انگریزوں سے مدد کی درخواست کی۔ لارڈ منٹو نے رنجیت سنگھ کی ان فتوحات کو انگریزی مفاد کے لئے بھی نقصان دِہ سمجھا۔ چنانچہ اس نے سرچارلس مٹکاف کو رنجیت سنگھ کے پاس بھیجا۔ ۱۸۰۹ء میں عہد نامۂ امرتسر مرتب ہوا۔ جس کی رو سے انگریزوں اور مہاراجہ کے درمیان دریائے ستلج حدِ فاصل قرار پائی۔ رنجیت سنگھ نے اپنی زندگی میں اس عہد نامہ کی شرائط کو پورے طور پر نبھایا۔

لارڈ منٹو کی خارجی پالیسی

لارڈ منٹو کے عہدِ حکومت میں نپولین بونا پارٹ نے یورپ میں بہت طاقت حاصل کر لی تھی۔ وہ افغانستان اور ایران کے راستے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے روس سے ساز باز کر رہا تھا اس لئے ہندوستان کو رُوس اور فرانس کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے لارڈ منٹو نے شاہِ ایران۔ شاہِ کابل اور امیرانِ سندھ کے پاس سفارتیں بھیجیں اور ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے۔ انہوں نے وعدہ کیا۔ کہ وہ فرانسیسیوں اور روسیوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ملک میں سے گزرنے نہیں دیں گے۔

ماریشس پر قبضہ

ولندیزوں اور فرانسیسیوں نے مشرقی سمندروں میں بحری اڈے تیار کئے تھے۔ اور وہ موقع پا کر انگریزوں کے جہاز لوٹ لیتے تھے۔ چنانچہ لارڈ منٹو نے ایک بحری مہم بھیج کر جزائر بورنیو۔ ماریشس اور جاوا پر قبضہ کر لیا لیکن ۱۸۱۵ء میں صلح ہو جانے پر ماریشس کے سوا باقی جزیرے واپس کر دیئے گئے۔

چارٹر کی تجدید

۱۸۱۳ء میں کمپنی کے چارٹر کی میعاد ختم ہو گئی اس سال پارلیمنٹ نے کمپنی کو نیا چارٹر دیا۔ جس کی رو سے کمپنی کو ہندوستان میں صرف حکومت کرنے کی اجازت باقی رہی اور تجارت سب انگریزوں کے لئے کھول دی گئی۔ مگر چین میں کمپنی کو تجارت کے حقوق بدستور حاصل رہے۔ عیسائی پادریوں کو ہندوستان میں آنے کی اجازت مل گئی۔ اور کمپنی کے لئے ہندوستان میں ہر سال تعلیمی ترقی کے لئے ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنا ضروری کر دیا گیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ

مہاراجہ رنجیت سنگھ سکھر چکیہ مثل کے ایک سردار مہاں سنگھ کے ہاں ۲۔ نومبر ۱۷۸۰ء کو پیدا ہوا۔ بچپن میں چیچک سے اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ بارہ سال کی عمر میں اپنے باپ کی وفات پر اپنی مثل کی گدی پر بیٹھا۔ ۱۶ سال کی عمر میں اس کی شادی کنھیا مثل میں ہوئی۔ جس سے اس کی طاقت میں اضافہ ہو گیا۔

فتوحات

رنجیت سنگھ گو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ مگر نہایت باحوصلہ ہوشیار اور معاملہ فہم تھا۔ ابھی وہ ۱۹ سال کا تھا۔ کہ ۱۷۹۹ء میں اس نے شاہ زمان والئی کابل کی چند توپیں

دریائے جہلم سے نکلوا کر اس کے پاس بھجوا دیں۔ اس نے خوش ہو کر اسے لاہور کا حاکم بنا دیا۔ ۱۸۰۲ء میں اس نے امرت سر پر بھی قبضہ کر لیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ستلج تک تمام علاقے کا مالک بن گیا۔ اس کے بعد اس نے ستلج پار جنوب کی سکھ ریاستوں کو بھی اپنی سلطنت میں ملانا چاہا۔ مگر چونکہ یہ سکھ ریاستیں امدادی نظام کی رو سے انگریزوں کے زیرِ حفاظت تھیں۔ نیز لارڈ منٹو رنجیت سنگھ کی اس پیش قدمی کو انگریزی مفاد کے لئے بھی نقصان دِہ خیال کرتا تھا۔ اس لئے ۱۸۰۹ء میں انگریزوں اور رنجیت سنگھ کے مابین عہدنامۂ امرت سر مرتب ہؤا۔ جس کی رو سے فریقین کے لئے دریائے ستلج حدّ فاصل قرار پایا۔ اس عہدنامہ کے بعد رنجیت سنگھ نے پنجاب کے دوسرے علاقے فتح کرنے شروع کئے۔ چنانچہ کانگڑہ۔ ملتان۔ کشمیر اور پشاور فتح کر کے اس نے اپنی سلطنت کو وسیع کیا۔

نظامِ سلطنت

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی تمام سلطنت کو لاہور۔ پشاور۔ کشمیر اور ملتان چار صوبوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ یہ صوبے کئی کئی ضلعوں میں منقسم تھے۔ ہر ضلع میں انتظام کے لئے ایک کاردار مقرر تھا۔ جو وصولیٔ لگان کے علاوہ عدل و انصاف اور انتظام کا بھی ذمے وار ہوتا تھا۔ کل پیداوار کا ایک تہائی سے لے کر نصف حصہ تک لگان وصول کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جرمانہ اور مختلف قسم کے ٹیکس بھی آمدنی کا ذریعہ تھے۔

گو اس وقت کوئی ضابطۂ قانون موجود نہ تھا۔ مگر مہاراجہ خود نہایت انصاف سے مقدمات فیصل کرتا تھا اور اپنے ماتحت افسروں کو بھی انصاف پر کاربند رہنے کی سخت ھدایات جاری کر رکھی تھیں اس کے عہد میں اکثر جرموں کی سزا محض جرمانہ ہوتی تھی۔ لیکن بعض

اوقات مختلف اعضا بھی کاٹ دیئے جاتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس ایک زبردست فوج تھی۔ فوج کو یورپین طرز پر تربیت دینے کے لئے فرانسیسی اور اطالوی فوجی افسر ملازم رکھے ہوئے تھے مہاراجہ نے سامانِ جنگ بنانے کے لئے کئی ایک کارخانے بھی کھول رکھے تھے۔

رنجیت سنگھ کا چال چلن

رنجیت سنگھ بڑا بہادر۔ دور اندیش سیاست دان اور مردم شناس تھا تیغ زنی اور شہسواری میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس لئے اسے "شیر پنجاب" کہا جاتا ہے۔ وہ اگرچہ خود اَن پڑھ تھا۔ مگر علماء کا بہت قدردان تھا۔ اور مذہبی تعصّب سے بھی بالاتر تھا۔ چنانچہ ہر قوم اور مذہب و ملّت کے قابل آدمی اس کے دربار میں موجود تھے جن میں سے ہری سنگھ نلوہ۔ راجہ دینا ناتھ اور فقیر عزیزالدین کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

رنجیت سنگھ کے جانشین اور پنجاب کی حالت

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد اس کے جانشین سلطنت کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ اور تمام سلطنت میں بدامنی پھیل گئی۔ سب سے پہلے اس کا بیٹا کھڑک سنگھ تخت پر بیٹھا۔ لیکن وہ جلد ہی مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نونہال سنگھ تخت نشین ہوا۔ مگر وہ بھی تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضوری باغ کے منڈیر کے نیچے دب کر مر گیا۔ آخر ۱۸۴۳ء میں مہاراجہ کا سب سے چھوٹا بیٹا دلیپ سنگھ تخت پر بیٹھا۔ اور اس کی والدہ رانی جنداں سرپرست مقرر ہوئی۔ مگر خالصہ فوج کا زور روز بروز بڑھتا گیا۔ جب خطرہ بہت بڑھ

گیا تورانی جنداں نے خالصہ فوج کے زور کو کم کرنے کے لئے اسے
انگریزوں کے خلاف اکسایا۔ جس پر انگریزوں اور سکھوں کی پہلی لڑائی ہوئی
اس میں سکھوں نے شکست کھائی۔ اور دوآبہ بست جالندھر پر انگریزوں
کا قبضہ ہو گیا۔ پھر ۱۸۴۹ء میں دوسری جنگ ہوئی۔ جس میں سکھوں
کو شکست فاش ہوئی اور مکمل طور پر پنجاب انگریزوں کے قبضہ میں
آ گیا۔

لارڈ ہیسٹنگز

۱۸۱۳ء تا ۱۸۲۳ء

واقعات: (۱) جنگ نیپال (۲) پنڈاروں کی جنگ۔
(۳) مرہٹوں کی چوتھی اور آخری لڑائی۔

لارڈ منٹو کے بعد مارکوئیس آف ہیسٹنگز ہندوستان کا گورنر جنرل بنا۔ وہ شروع میں عدمِ مداخلت کی پالیسی کا حامی تھا۔ مگر ہندوستان کی سیاسی حالت نے اسے یہ پالیسی ترک کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ اس نے کمپنی کے ڈائرکٹروں سے بھی پیش قدمی کی حکمتِ عملی پر عمل کرنے کی منظوری حاصل کی۔ اس لئے اس کے عہد میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور اس نے ولزلی کے ادھورے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

جنگِ نیپال
۱۸۱۴ء تا ۱۸۱۶ء

وجہ: پچاس سال پہلے نیپال کی حکومت اور کمپنی کی جھڑپ ہو چکی تھی۔ نیپال اور کمپنی کے سرحدی تنازعات نے فوری جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ گزشتہ انتقام لینے اور متنازعہ فیہ علاقہ پر قبضہ کرنے کے

لئے گورنر جنرل نے اعلانِ جنگ کر دیا۔

واقعات: انگریزی فوج نے چار مختلف سمتوں سے نیپال پر حملہ کر دیا۔ چونکہ انگریز جرنیل اس ملک کے پہاڑی حالات سے ناواقف تھے۔ اس لئے تین انگریزی دستے ناکام رہے۔ اور ان کو پے در پے شکستیں ہوئیں۔ البتہ انگریزی فوج کے چوتھے دستے نے جو جرنیل اخترلونی کے ماتحت تھا۔ بڑی بہادری سے گورکھوں کے سپہ سالار امر سنگھ کو ملاؤں کے قلعے میں محصور کر لیا۔ اس کے بعد انگریزی فوجیں بڑھتی ہوئیں نیپال کے صدر مقام کھٹمنڈو کے قریب پہنچ گئیں۔ یہ دیکھ کر گورکھوں نے صلح کر لی اور عہد نامہ سگولی طے ہوا۔

عہد نامہ سگولی

۱۸۱۶ء میں عہد نامہ سگولی کی شرائط حسب ذیل تھیں:۔

۱۔ گورکھوں نے اپنے صدر مقام کھٹمنڈو میں انگریزی ریذیڈنٹ کا رہنا منظور کر لیا۔

۲۔ کماؤں۔ گڑھوال اور ترائی کا بہت سا علاقہ انگریزوں کے قبضے میں آیا۔ اس علاقے میں المورہ۔ نینی تال۔ مسوری۔ شملہ اور دیگر صحت افزا مقامات واقع ہیں۔

پنڈاروں کا خاتمہ

عام مورخ تو پنڈاروں کو رہزن۔ لٹیرے اور بے رحم کہتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ نہیں۔ پنڈارے دراصل مرہٹوں کی خاص فوج کا نام تھا۔ یہ لوگ امن کے دنوں میں کھیتی باڑی کرتے اور جنگ کے زمانہ میں بہادری کے جوہر دکھاتے۔ پنڈارے مختلف قوموں کا ایک گروہ تھا۔ ان کے بڑے بڑے سردار امیر خاں۔ کریم خاں۔ واصل محمد اور چیتو تھے۔

کمپنی کو خطرہ تھا کہ کہیں پنڈاروں کی مختلف جماعتوں اور مرہٹوں

میں اتحاد نہ ہو جائے۔ چونکہ اس قسم کا اتحاد کمپنی کے لئے نقصان دہ تھا۔اس لئے کمپنی نے پہلے پنڈاروں کو دنیا بھر میں بدنام کیا اور پھر ان کو تباہ کرنے کے لئے تمام جائز و ناجائز طریقے اختیار کئے سب سے پہلے ہیسٹنگز نے راجپوت ریاستوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر ان کو مرہٹوں کی مدد کے لئے محروم کیا۔ اس کے بعد ایک لاکھ بیس ہزار فوج جمع کر کے پنڈاروں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہزاروں کی تعداد میں پنڈارے مارے گئے۔ ان کے سردار امیر خاں نے اطاعت قبول کر لی۔ اسے ٹونک کی ریاست دے دی گئی۔ اور کریم خاں کو گنیش پور کا علاقہ بطور جاگیر دے دیا۔ واصل محمد نے خودکشی کر لی۔ چیتو جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں اسے چیتے نے پھاڑ ڈالا۔ اس طرح پنڈاروں کا خاتمہ ہوا۔

مرہٹوں کی چوتھی لڑائی
۱۸۱۷ء سے ۱۸۱۸ء تک

اسباب: باجی راؤ ثانی گو سب سڈی ایری سسٹم قبول کر چکا تھا۔ مگر وہ انگریزوں کی غلامی سے نکل کر آزاد ہونا چاہتا تھا۔

۲۔ پیشوا اور گائیکواڑ کے درمیان خراج کی ادائیگی کے متعلق کچھ عرصہ سے جھگڑا تھا۔ گائیکواڑ کا وزیر گنگادھر شاستری خراج کا جھگڑا چکانے کے لئے پیشوا کے دربار میں پونا گیا۔ جہاں اسے پیشوا کے وزیر ترمبک جی نے قتل کرا دیا۔ سرکار انگریزی کے مطالبہ پر ترمبک جی کو انگریزوں کے سپرد کر دیا گیا مگر وہ جلد ہی پیشوا کی خفیہ امداد کی وجہ سے انگریزوں کی قید سے بھاگ نکلا۔

۳۔ انگریزوں نے پیشوا کی اس قسم کی حرکات کو مدنظر رکھ کر اسے

نئے معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا۔ جس کی رُو سے اسے احمد نگر اور اس کے گرد و نواح کا کچھ علاقہ انگریزوں کو دینا پڑتا تھا۔ اور پیشوائی سے بھی علیحدہ ہونا پڑتا تھا۔ باجی راؤ نے ان باتوں سے تنگ آ کر لڑائی چھیڑ دی۔

واقعات: پیشوا نے پُونا کی ریذیڈنسی پر حملہ کر کے اسے آگ لگا دی۔ اس کے بعد کِرکی کا محاصرہ کیا۔ مگر یہاں انگریزوں سے شکست کھا کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ اس پر انگریزوں نے اس کے پایۂ تخت پونا پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد پیشوا نے کئی دفعہ مقابلہ کیا مگر ہر بار شکست کھائی۔ کچھ عرصہ تک مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر مجبور ہو کر اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا گورنر جنرل نے اسے گدّی سے اتار کر آٹھ لاکھ سالانہ کی پنشن مقرر کر دی۔ اور کانپور کے قریب بٹھور میں رہنے کی اجازت دے دی اور اس کے کل ملک پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح پیشواؤں کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

۲۔ اس اثنا میں ناگپور کے راجہ آپا صاحب بھونسلہ نے بھی پیشوا کی حمایت میں انگریزوں سے جنگ چھیڑ دی۔ اور انگریزی ریذیڈنٹ پر جو سیتا ہلدی میں رہتا تھا، حملہ کر دیا۔ لیکن شکست کھائی اور بھاگ کر گم نامی کی حالت میں مر گیا انگریزوں نے راگھوجی بھونسلہ کو ناگپور کی گدی پر بٹھا دیا۔ اور خود بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔

۳۔ جسونت راؤ ہلکر کی بیوہ رانی تلسی بائی جو اپنے شیرخوار بیٹے کی سرپرست تھی۔ انگریزوں سے لڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس وجہ سے اس کے سرداروں نے اسے قتل کر کے انگریزوں

سے جنگ چھیڑ دی۔ لیکن مرہٹہ فوج نے مہد پور کے مقام پر انگریزوں سے شکست کھائی۔ اس کے بعد انگریزوں نے اندوڑ پر قبضہ کر لیا۔ اور جسونت راؤ کے کم سن بچے کو اپنی سرپرستی میں وہاں کا راجہ بنا دیا۔

نتیجہ: ۱۔ یہ مرہٹوں کی آخری لڑائی تھی۔ اس سے مرہٹوں کی طاقت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

۲۔ پیشواؤں کا خاندان بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اور تمام مرہٹہ سرداروں کی بڑی بڑی ریاستیں جاتی رہیں۔ اور ان کی جگہ چھوٹی چھوٹی باجگزار ریاستیں باقی رہ گئیں۔

۳۔ انگریزوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔

مرہٹوں کے زوال کی وجوہات

مرہٹوں کی ناکامی کے اسباب حسب ذیل تھے:

۱۔ سیواجی کے جانشین کمزور اور نالائق تھے۔ اس کے پوتے ساہو کے عہدِ حکومت میں اس کی نااہلیت کی وجہ سے حکومت کے اختیارات پیشواؤں کے خاندان میں منتقل ہو گئے تھے۔ پہلے تین پیشواؤں نے تو حکومت کے کاروبار کو خوب سنبھالا لیکن بعد میں پیشواؤں کی طاقت بھی کمزور ہو گئی۔ اور اندرونی خانہ جنگی کے باعث وہ سلطنت کو سنبھال نہ سکے۔

۲۔ پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کی طاقت کو بہت نقصان پہنچا۔ کیونکہ ان کے سب سے مشہور سردار اسی لڑائی میں کام آئے۔ اور ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

۳۔ سیواجی کے عہد میں افسروں کو نقد تنخواہ ملتی تھی۔ مگر پیشواؤں نے اپنے زمانے میں جاگیریں دینی شروع کر دیں۔ جس سے

مرہٹہ سردار طاقت حاصل کر کے خود مختار بن بیٹھے۔

۴۔ جب تک نانا فرنویس زندہ رہا۔ اس نے مرہٹہ جمعیت کو منتشر ہونے سے بچائے رکھا۔ مگر اس کے بعد تمام مرہٹہ سردار حسد اور نفاق کا شکار ہو گئے۔ ان کا باہمی حسد اور نااتفاقی ہی ان کے زوال کی بڑی وجہ تھی۔

۵۔ سیواجی کے عہد میں مرہٹوں کا قبضہ عام طور پر پہاڑی علاقوں پر تھا۔ جہاں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ نیز وہ ہمیشہ گوریلا طرزِ جنگ ہی میں کامیابی حاصل کیا کرتے تھے مگر جب انہیں میدان میں جم کر لڑنا پڑا۔ اور خاص کر جب انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ تو انگریزوں کی حکمتِ عملی اور ان کی جنگی چالوں کے سامنے مرہٹوں کی کوئی پیش نہ گئی۔ اور انہیں ناکام ہونا پڑا۔

۶۔ سیواجی نے کوئی خاص نظامِ حکومت قائم نہ کیا۔ اور نہ مرہٹوں نے کبھی اقتصادی حالت بہتر بنانے پر توجہ دی۔ جس کی وجہ سے وہ کامیاب حکمران نہ بن سکے۔

۷۔ مرہٹوں کا سلوک اپنی رعایا سے اچھا نہ تھا۔ جس سے مفتوحہ علاقوں میں بھی ان کی سلطنت کی بنیادیں مستحکم نہیں ہو سکتی تھیں۔

لارڈ ایمہرسٹ

۱۸۲۳ءتا ۱۸۲۸ء

واقعات : (۱) برما کی پہلی جنگ ۲۔ تسخیر بھرت پور

برما کی پہلی لڑائی
۱۸۲۴ء تا ۱۸۲۶ء

وجہ : کمپنی کی سیاسی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے حکومتِ برما نے آسام کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ کمپنی نے آسامیوں کو حکومتِ برما کے خلاف اُکسانا شروع کیا۔ لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکی۔ چنانچہ ۱۰ مارچ ۱۸۲۴ء کو گورنر جنرل برما کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

واقعات : لارڈ ایمہرسٹ نے خشکی اور تری دونوں راستوں سے فوجیں روانہ کیں۔ جو فوج دریائے برہم پتر کی راہ آسام کو بھیجی گئی۔ اسے تو علاقہ کی ناواقفیت۔ دشوار گزار راستوں اور خطرناک پہاڑوں کی وجہ سے بڑی مشکلات پیش آئیں اور اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی لیکن دوسری فوج نے سر آرچیبالڈ کمپبل کی سرپرستی میں سمندر کی راہ رنگون پہنچ کر اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد یہی فوج دریائے ایراوتی کی راہ سے برما کے صدر مقام آوا کی طرف بڑھی۔ یہاں برمی سپہ سالار مہابندولا نے ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن بارش کی کثرت، بیماری اور محدود وسائل کی وجہ سے فریقین صلح پر آمادہ ہو گئے۔ اور ۱۸۲۶ء میں عہد نامہ یندبو طے پایا۔

عہدنامہ یندبو

عہدنامہ یندبو کی شرائط حسب ذیل تھیں :۔
۱۔ اراکان۔ آسام اور تناسرم کے علاقے

انگریزوں کو مل گئے۔

۲۔ ایک کروڑ روپیہ تاوانِ جنگ شاہِ برما نے ادا کیا۔

۳۔ ایک انگریز ریذیڈنٹ کا برما میں رہنا قرار پایا۔

۴۔ انگریزوں کو برما میں تجارتی حقوق مل گئے۔

تسخیر بھرت پور

۱۸۲۴ء میں بھرت پور کے راجہ کے انتقال پر تخت نشینی کے متعلق جھگڑا پیدا ہوا تخت کے دو وارثوں میں قدرتی طور پر کشمکش شروع ہو گئی۔ گو بھرت پور کے داخلی معاملات میں کمپنی کو دخل دینے کو کوئی حق نہ تھا لیکن کمپنی نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لارڈ کمبرمیئر کی سرکردگی میں انگریزی فوج روانہ کی۔ جس نے جاتے ہی قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ بہت مضبوط تھا اور ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ مگر انگریزی فوج نے بارود سے قلعے کی دیوار میں سوراخ کر لیا۔ آخر قلعہ فتح ہو گیا۔

اس قلعہ کی فتح سے لارڈ ہیک کی پہلی ناکامی کی تلافی ہو گئی اور انگریزوں کی بہادری کی دھاک بیٹھ گئی۔

لارڈ ولیم بنٹنگ

۱۸۲۸ء تا ۱۸۳۵ء

لارڈ ولیم بنٹنگ مدراس کا گورنر رہ چکا تھا۔ اور اسے ویلور کی بغاوت کے سبب واپس بلا لیا گیا تھا۔ اب ۱۸۲۸ء میں گورنر جنرل ہو کر اس نے پچھلی ناکامی کے داغ کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اور کمپنی کی مالی حالت سدھارنے کی پوری کوشش کی۔ جس میں وہ کامیاب ہوا۔ اس نے ملک میں کئی اصلاحات کیں اور اپنی صلح پسندی

کے لئے مشہور ہؤا۔

مالی اصلاحات

افیون کے ٹھیکوں سے بہت سا روپیہ وصول کیا۔ بنگال کے دوامی بندوبست کے خسارے کو دوسرے صوبوں میں لگان بڑھا کر پورا کیا۔ اودھ میں بئیس سالہ بندوبست جاری کیا۔ انگریز افسروں کی تنخواہیں کم کیں۔ اور جب اس قلیل تنخواہ پر انگریز افسر نہ ملے۔ تو ہندوستانیوں پر مہربانی کی نظر ہوئی جنہوں نے قلیل تنخواہ پر اعلیٰ عہدوں پر کام کرنا منظور کر لیا۔ فوج اور سول افسروں کا بھتہ کم کر دیا۔ اس طرح کمپنی کو دو کروڑ روپیہ سالانہ کی بچت ہوئی۔

اخلاقی و معاشرتی اصلاحات

(۱) رسم ستی کا انسداد: ہندوؤں میں بیوہ عورت کو خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دینے کا رواج تھا۔ اکبر نے اس بری رسم کو بند کرنے کے لئے حکم دیا تھا۔ کہ اگر کوئی عورت خوشی سے جلنا نہ چاہے تو نہ جلائی جائے۔ مگر پھر بھی اکثر زبردستی جلا دی جاتی تھیں۔ بنگالی ریفارمر راجہ رام موہن رائے کی کوشش سے لارڈ ولیم بنٹنگ نے ۱۸۲۹ء میں ایک قانون بنا دیا۔ جس کی رو سے ستی کو ناجائز قرار دیا گیا اور ستی پر مجبور کرنے والوں کو قتل عمد کا مجرم ٹھہرایا گیا۔

۲۔ ٹھگی کی بیخ کنی: بعض جرائم پیشہ لوگ فقیر اور سادھوؤں کے بھیس میں لوگوں کو دھوکہ دیتے۔ اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹ کر مار ڈالتے تھے۔ لارڈ ولیم بنٹنگ نے میجر سلیمان کو ان کی بیخ کنی پر مقرر کیا۔ جس نے چھ سال کی دوڑ دھوپ کے بعد ان کا خاتمہ کر دیا۔

۳ - دخترکشی کا انسداد : اکثر راجپوت اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے - ولیم بنٹنگ نے اس رسم کو حکماً بند کر دیا -

۴ - انسانی قربانی کی روک تھام : ممالک متوسط کی وحشی قومیں کالی دیوی کے نام پر انسانوں کی بھینٹ دیا کرتی تھیں - اس کو بھی قانوناً بند کر دیا گیا -

تعلیمی اصلاحات

۱۸۱۳ء میں کمپنی نے تعلیم کے لئے ایک لاکھ روپیہ سالانہ منظور کیا تھا - اور یہ روپیہ مشرقی زبانوں کی تعلیم پر خرچ ہوتا تھا - لارڈ میکالے کی تجویز پر ولیم بنٹنگ نے ہندوستانیوں کو انگریزی زبان میں تعلیم دینے کا فیصلہ کیا - تاکہ انگریزی علم و ادب کے ذریعے مغربی تہذیب و تمدن بھی ہندوستانی اختیار کرنے لگیں - چنانچہ بمبئی میں الفنسٹن کالج اور کلکتہ میں میڈیکل کالج قائم کئے - اور جا بجا انگریزی مدرسے کھولے گئے

دیسی ریاستوں کا الحاق

۱ - میسور : راجہ کرشن کم ظرف اور بدکار مصاحبوں کی صحبت کی وجہ سے عیاش ہو گیا تھا - ولیم بنٹنگ نے ریاست کو انگریزی سلطنت میں شامل کرنا چاہا - لیکن نہ کر سکا - اس لئے راجہ کا وظیفہ مقرر کر کے انتظام ریاست ۱۸۳۱ء میں انگریزی کونسل کے سپرد کر دیا - پچاس سال بعد ۱۸۸۱ء میں یہ ریاست پھر راجہ کے وارث کو دے دی گئی -

۲ - کچھار : ۱۸۳۲ء میں کچھار کا راجہ مر گیا - ریاست کو انگریزی علاقے میں شامل کر لیا گیا -

۳ - کورگ : مدراس کی گورنری کے زمانے میں ولیم بنٹنگ کی آنکھ ریاست کورگ پر تھی اور وہ اس سرزمین کو انگریزی نوآبادی بنانا چاہتا تھا - وہ گورنر جنرل ہو کر آیا - تو کورگ کے راجہ

کی بدعنوانیوں سے اسے موقع مل گیا۔ راجہ نے اپنے دشمنوں اور تمام رشتہ داروں کو قتل کرا دیا۔ راجہ کی بہن اور بہنوئی نے ریذیڈنٹ سے ظلم وستم کی شکایت کی۔ ریذیڈنٹ نے فوج کشی کی۔ تو کورگ کی افواج دلیری سے لڑی۔ مگر شکست کھائی۔ اور ۱۸۳۴ء میں اس علاقے پر قبضہ کر کے وہاں انگریز کمشنر مقرر کر دیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ سے مُلاقات

۱۸۳۱ء میں ولیم بنٹنگ نے روپڑ ضلع انبالہ کے مقام پر پنجاب کے سکھ مہاراجہ سے ملاقات کی۔ اس موقع پر بظاہر تو دوستانہ تعلقات کو پہلے سے زیادہ مستحکم بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن دراصل یہ ملاقات سکھوں کی فوجی قوت کا اندازہ کرنے کے لئے کی گئی تھی۔

سندھ کے آبی سفر کی اجازت

بنٹنگ نے سندھ کے امیروں کے پاس سفارت بھیج کر سندھ میں تجارت کرنے اور دریائے سندھ میں سفر کرنے کی اجازت حاصل کی۔

چارٹر کی تجدید

۱۸۳۳ء میں کمپنی کے چارٹر کی تجدید ہوئی جس کی رو سے چین کی تجارت کا اجارہ بھی منسوخ کر دیا گیا۔ گویا کمپنی اب تاجر سے ایک حکمران جماعت بن گئی۔ گورنر جنرل کی کونسل میں ایک نئے ممبر قانون کا اضافہ ہوا۔ چنانچہ پہلا مشیر قانون لارڈ میکالے مقرر ہوا۔ جس نے "تعزیراتِ ہند" کے نام سے ایک مجموعۂ قانون تیار کیا۔ ہندوستانیوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت اور رنگ و نسل سرکاری ملازمت کا حق

دے دیا گیا۔ جس سے اہلِ ہند مطمئن ہو گئے۔

سر چارلس مٹکاف

مارچ ۱۸۳۵ء میں لارڈ ولیم بنٹنگ انگلستان چلا گیا۔ اور اس کی جگہ سر چارلس مٹکاف گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اس نے اخبارات سے تمام قسم کی پابندیاں اٹھا دیں۔ لیکن ازالہ حیثیت عرفی کی اجازت نہ دی۔ کمپنی کے ڈائرکٹر آزادیٔ تحریر کے مخالف تھے۔ اس لئے چارلس مٹکاف کو مارچ ۱۸۳۶ء میں اپنا عہدہ چھوڑنا پڑا۔

لارڈ آک لینڈ اور لارڈ ایلن برا

۱۸۳۶ء تا ۱۸۴۲ء ۔۔۔ ۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۴ء

افغانستان کی پہلی لڑائی

۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۲ء

وجہ: ان دنوں زارِ روس وسط ایشیا میں اپنی طاقت بڑھا رہا تھا اس لئے انگریزوں کو یہ ڈر تھا۔ کہ کہیں افغانستان اور ایران کی راہ ہندوستان پر حملہ نہ کر دے۔ مگر یہ بہانہ تھا اور اصل وجہ ملک گیری کی ہوس تھی۔ ان امور کے پیشِ نظر لارڈ آک لینڈ نے ایک سفارت کابل کے حاکم دوست محمد خاں کے دربار میں بھیجی۔ امیر کابل انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر رضامند تو ہو گیا۔ مگر یہ شرط پیش کی کہ انگریز اس کو مہاراجہ رنجیت سنگھ سے پشاور کا علاقہ واپس دلا دیں۔ چونکہ انگریز مہاراجہ رنجیت سنگھ سے بگاڑ پیدا کرنا بھی خالی از خطرہ نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے

اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انگریزی سفارت ناکام واپس لوٹی۔ اور دوست محمد خاں نے روس سے تعلقات بڑھانے شروع کر دیئے۔ اس پر آک لینڈ نے افغانستان کے سابق امیر شاہ شجاع کو جو انگریزوں کے پاس پناہ گزین تھا۔ کابل کے تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ۱۸۳۸ء میں شاہ شجاع۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی اس مہم میں شامل ہو گیا۔

واقعات: انگریزوں نے سندھ سے گزر کر بڑی آسانی سے قندھار پر قبضہ کر لیا اور کچھ عرصہ بعد کابل بھی فتح ہو گیا۔ شاہ شجاع کابل کا بادشاہ بنایا گیا۔ اور دوست محمد خاں بھاگ گیا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے اپنے تئیں انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ جنہوں نے اسے نظربند کر کے شاہی قیدی کی حیثیت سے کلکتہ بھیج دیا۔

کچھ عرصہ تو کابل میں سکون رہا۔ لیکن شاہ شجاع جیسا کمزور انسان بھلا افغانوں کو کیسے قابو میں رکھ سکتا تھا۔ دوسرے انہیں انگریزی مداخلت بھی گوارا نہ تھی۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے بعض قبائل کے سرداروں کے وظیفے بھی بند کر دیئے۔ اس پر تمام ملک میں شورش پھیل گئی۔ اور افغانوں نے دوست محمد خاں کے بیٹے اکبر خاں کی سرکردگی میں بغاوت کر کے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ، مسٹر برنس۔ انگریزی سفیر سر ولیم میکناٹن اور شاہ شجاع کو قتل کر دیا۔ ان نازک حالات میں انگریزوں نے اکبر خاں کی شرائط صلح کو منظور کر کے تین دن کے اندر افغانستان خالی کرنے کا اقرار کر لیا مگر مقررہ وقت کے اندر برطانوی فوج نے کابل کو خالی نہ کیا۔ معاہدہ کی یہ خلاف ورزی افغانوں کو ناگوار گزری۔ اور انہیں یقین ہو گیا۔ کہ

انگریز انہیں دھوکا دے رہے ہیں۔ افغانوں نے انگریزوں کی بدعہدیوں کے پیش نظر اس امر کا تہیہ کر لیا۔ کہ وہ اپنے وطن کو ان کے وجود سے پاک کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کر دکھایا جب اس حادثہ کی خبر انگلستان پہنچی تو گورنر جنرل ہوک لینڈ کو واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ لارڈ ایلن برا گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔ ایلن برا نے ہندوستان پہنچتے ہی انتقام لینے کے لئے درۂ خیبر اور سندھ کے راستے دو زبردست فوجیں بھیجیں۔ جنہوں نے افغانوں کو شکست دے کر سولہ ہزار مقتول انگریزوں کا بدلہ لیا۔ اکبر خاں شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اور انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ اور کابل کے سب سے بڑے بازار بالاحصار کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اس کے بعد انگریزی فوجیں واپس آ گئیں۔ اور لڑائی کا خاتمہ ہو گیا

نتیجہ: ۱۔ چونکہ شاہ شجاع قتل ہو چکا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے دوست محمد خاں کو رہا کر کے کابل بھیج دیا۔ چنانچہ وہ دوبارہ کابل کے تخت پر بیٹھ گیا۔

۲۔ اس لڑائی میں انگریزوں کے جان و مال کا بہت نقصان ہوا اور فائدہ کچھ بھی نہ ہوا۔ بعض مؤرخ انگریزوں کی اس پیش قدمی کو ان کی سیاسی غلطی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ دوست محمد خاں نے جنگ کی ابتدا نہیں کی تھی۔ اور نہ روسی حملے کا کوئی خطرہ تھا۔ انگریز خواہ مخواہ بلاوجہ جنگ میں کود پڑے تھے۔ اس لئے ان کو اس قدر نقصان برداشت کرنے کے علاوہ افغانستان کے معاملات میں بار بار دخل دینا پڑا۔

الحاق سندھ ۱۸۴۳ء سندھ پر بلوچی سردار حکومت کرتے تھے

جن میں سے خیرپور۔ میرپور اور حیدرآباد کے امیر زیادہ مشہور تھے۔ سب سے پہلے لارڈ منٹو نے ان کے ساتھ عہدنامہ کیا۔ پھر لارڈ ولیم بنٹنگ نے امیران سندھ سے ایک اور معاہدہ کیا۔ جس کی رو سے انگریزوں کو سندھ میں تجارت کرنے کے حقوق مل گئے ساتھ ہی یہ بھی قرار پایا کہ انگریزی فوج سندھ میں داخل نہیں ہوگی۔ لیکن افغانستان کی پہلی لڑائی کے موقعہ پر انگریزوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انگریزی فوجیں سندھ میں سے گزر کر افغانستان پر حملہ آور ہوئیں۔ اس پر امیرانِ سندھ نے کوئی کارروائی نہ کی۔ بلکہ جنگ کے دوران میں انگریزوں کی ہر ممکن مدد بھی کرتے رہے۔ لیکن انگریز کسی نہ کسی طرح سندھ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے جنگ کے خاتمہ پر امیرانِ سندھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا۔ کہ جنگ کے دوران میں انہوں نے انگریزوں کے خلاف افغانستان کی امداد کی ہے۔ چنانچہ اس معاملہ کی تحقیقات کے لئے سر چارلس نیپیئر کو سندھ میں بھیجا گیا۔ نیپیئر بڑا جابر اور تندمزاج تھا۔ اس نے خواہ مخواہ امیرانِ سندھ کو قصوروار ٹھہرایا اور انہیں کچھ علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دینے کو کہا۔ انہوں نے مشتعل ہو کر ریذیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ نیپیئر کی دلی آرزو بر آئی۔ اس نے ۱۸۴۳ء میں مختصر سی لڑائی کے بعد میانی اور ڈابو کے مقامات پر انہیں شکست دے کر سندھ کا تمام علاقہ انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اور امیروں کو پنشن دے کر بنارس بھیج دیا گیا۔

مؤرخین، سندھ کے الحاق کو سخت ناجائز قرار دیتے ہیں خود کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اس زیادتی کو تسلیم کیا۔ مگر اس کی کوئی تلافی نہ کی اور سندھ کو اپنے ہی قبضے میں رہنے دیا۔

لارڈ ہارڈنگ

۱۸۴۴ء تا ۱۸۴۸ء

لارڈ ایلن برا کے بعد لارڈ ہارڈنگ ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ وہ نپولین کے زمانے میں سپین کی جنگ میں حصہ لے چکا تھا۔ اس جنگ میں اس کا ایک بازو بھی کٹ گیا تھا۔ وہ نہ صرف تجربہ کار جرنیل تھا۔ بلکہ سیاست اور ملکی انتظام میں بھی ماہر تھا اس کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ سکھوں کی پہلی جنگ ہے۔

سکھوں کی پہلی لڑائی

۱۸۴۵ء سے ۱۸۴۶ء تک

اسباب: ۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے وفات پائی۔ انگریزوں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر دربارِ پنجاب میں سازشوں کا جال بچھایا۔ اس لئے اس کی وفات کے بعد پنجاب میں سخت بدنظمی پھیل گئی۔ اور سکھ سردار آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ چونکہ رنجیت سنگھ کے جانشینوں میں کوئی اس قابل نہ تھا۔ کہ وہ سلطنت کو سنبھال سکے اس لئے چھ سال تک کشت و خون کا بازار گرم رہا۔ اس عرصہ میں یکے بعد دیگرے کئی شہزادے تخت پر بیٹھے۔ لیکن کوئی بھی سلطنت کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ آخرکار ۱۸۴۳ء میں رنجیت سنگھ کا چھوٹا بیٹا تخت پر بٹھایا گیا اور اس کی ماں رانی جنداں اس کی سرپرست بنی۔ مگر اس عرصے میں خالصہ فوج نے بہت طاقت پکڑ لی تھی۔ اور وہ اپنی تمام سلطنت کے سیاہ و سفید کی مالک بنی ہوئی تھی۔ گویا انگریزوں کی سازش کامیاب ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں کمپنی نے معاہدہ کی خلاف ورزی میں

کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ کمپنی کے طرزِ عمل نے خالصہ دربار کو مجبور کر دیا کہ اس کی فوجیں دریائے ستلج کو عبور کریں۔

چنانچہ دسمبر ۱۸۴۵ء میں خالصہ فوج دریائے ستلج کو عبور کر کے انگریزی علاقے میں داخل ہو گئی۔ اس پر لارڈ ہارڈنگ نے اعلانِ جنگ کر دیا۔

واقعات: اس لڑائی میں سرہیوگف کمانڈر انچیف اور لارڈ ہارڈنگ دونوں نے انگریزی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ پہلی لڑائی مدکی کے مقام پر ہوئی۔ بڑے خونریز معرکہ کے بعد انگریزوں کو فتح نصیب ہوئی۔ مگر اس معرکہ میں انگریزوں کا نقصان بہت ہوا۔ پھر تین روز کے بعد پھیرو شہر (فیروز شاہ) کے مقام پر بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ سکھ ایسی بہادری سے لڑے۔ کہ انگریزوں کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا۔ مگر خالصہ فوج کی پھوٹ کی وجہ سے میدان انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ اس لڑائی میں فریقین کا بے حد نقصان ہوا۔ علی وال کے مقام پر تیسری لڑائی ہوئی۔ جس میں سکھوں نے پھر شکست کھائی۔ اس کے چند روز بعد آخری اور فیصلہ کن جنگ دریائے ستلج کے کنارے سبراؤں کے مقام پر ہوئی۔ ایک زبردست مقابلہ کے بعد آخرکار سکھ ہار گئے اور خالصہ فوج کے اکثر سپاہی اور سردار اس لڑائی میں کام آئے۔ ہزارہا سکھ سپاہی ستلج کو پار کرتے ہوئے دریا میں ڈوب مرے۔ سکھوں کا مشہور سردار شام سنگھ اٹاری والا بھی اس لڑائی میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ آخرکار عہد نامہ لاہور کی رو سے لڑائی ختم ہوئی۔

عہد نامۂ لاہور ۱۸۴۶ء

اس عہد نامہ کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں:۔

۱۔ خالصہ فوج گھٹا کر بیس ہزار پیادہ

بارہ ہزار سواروں تک محدود کر دی گئی۔

۲۔ سر ہنری لارنس کو لاہور میں ریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔

۳۔ دوآبہ بست جالندھر انگریزی سلطنت میں شامل کیا گیا۔

۴۔ قیامِ امن کے لئے انگریزی فوج لاہور میں رکھی گئی۔

۵۔ بہت سی توپیں انگریزوں کو دی گئیں۔

۶۔ دلیپ سنگھ کو پنجاب کا راجہ تسلیم کر کے حکومت کا کام چلانے کے لئے کونسل آف ریجنسی قائم کی گئی۔

۷۔ سکھوں کو ڈیڑھ کروڑ روپیہ بطور تاوانِ جنگ ادا کرنا پڑا۔ چونکہ سکھوں کے پاس صرف پچاس لاکھ روپیہ تھا۔ اس لئے انگریزوں نے ریاست جموں و کشمیر کو ایک کروڑ روپیہ کے عوض ڈوگرا سردار راجہ گلاب سنگھ کے پاس فروخت کر دیا۔ راجہ گلاب سنگھ پہلے سکھوں کا باجگزار تھا۔ اس لئے اسے خود مختار حاکم تسلیم کر لیا گیا۔

لارڈ ڈلہوزی

۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۶ء

مشہور واقعات: (۱) سکھوں کی دوسری لڑائی اور الحاقِ پنجاب (۲) برما کی دوسری لڑائی (۳) مسئلہ الحاق (۴) خطابات اور پنشنوں کی ضبطی (۵) تجدید چارٹر۔

سکھوں کی دوسری لڑائی

اسباب: (۱) سکھ اپنی شکست کی ذلت کو محسوس کر رہے تھے اور اپنی سابقہ ناکامی کی تلافی کے لئے بے قرار تھے۔

۲۔ دیوان مولراج سکھوں کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا۔ جب اس سے صوبہ کی آمدنی اور خرچ کا حساب مانگا گیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ اس پر سر ہنری لارنس نے اس کے اختیارات بہت کم کر دیئے۔ ان باتوں سے بگڑ کر وہ مستعفی ہو گیا۔ اس کی جگہ سردار کاہن سنگھ کو صوبیدار مقرر کیا گیا۔ اور دو انگریز افسر اگنیو اور اینڈرسن چارج دلانے کے لئے اس کے ساتھ بھیجے گئے۔ لیکن کسی برخاست شدہ سپاہی نے ان دونو انگریزوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد مولراج نے بھی بغاوت کر دی۔ اس پر ریذیڈنٹ نے لاہور سے سردار شیر سنگھ اٹاری والے کو فوج دے کر بغاوت فرو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ مگر شیر سنگھ راستے میں یہ خبر سن کر کہ اس کے باپ چتر سنگھ کو ہزارہ کی صوبیداری سے معزول کر دیا گیا ہے باغیوں سے جا ملا۔

واقعات: بنوں سے میجر ایڈورڈ تھوڑی سی فوج لے کر ملتان پہنچا۔ اور اس نے مولراج کو ملتان کے قلعے میں محصور کر لیا۔ اس اثنا میں تمام پنجاب میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ انگریزی فوجوں کے کمانڈر انچیف سر ہیوگف بہت سی فوج اور توپیں لے کر ملتان پہنچ گیا۔ اور اس نے شہر پر قبضہ کر کے مولراج کو گرفتار کر لیا۔

اس کے بعد دریائے چناب کے کنارے رام نگر اور سعد اللہ پور کے مقام پر معمولی لڑائیاں ہوئیں۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخرکار چیلیانوالہ کے مقام پر خونریز لڑائی ہوئی۔ گو طرفین کا بہت نقصان ہوا۔ مگر اخیر میں انگریزوں کا پلہ بھاری رہا۔ اور شیر سنگھ چیلیانوالہ سے ہٹ کر گجرات چلا گیا۔ اور وہاں انگریزوں کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا

گجرات کی لڑائی

یہاں انگریزوں اور سکھوں میں ایک اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ سکھوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ مگر انگریزی توپ خانہ کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ اور سکھ شکست کھا کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ حکومتِ انگلستان نے چیلیانوالہ کی لڑائی کے بعد سر چارلس نیپیئر کو کمانڈر انچیف مقرر کر کے روانہ کیا۔ مگر اس کے آنے سے پیشتر ہی جنگ ختم ہو چکی تھی۔

نتائج : ۱۔ ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو پنجاب کو انگریزی علاقہ میں شامل کیا گیا۔

۲۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پچاس ہزار پونڈ سالانہ پنشن دے کر انگلینڈ بھیج دیا گیا۔ جہاں اس نے باقی ماندہ عمر عیسائی مذہب اختیار کر کے انگریزی امراء کی طرح بسر کی۔

۳۔ دیوان مولراج کو پہلے پھانسی دیئے جانے کا حکم ہوا۔ لیکن بعد میں یہ سزا عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔

برما کی دوسری جنگ ۱۸۵۲ء

وجہ : عہد نامہ یندبو کی رعایتوں کو کمپنی نے ناکافی خیال کیا اب کمپنی کی آنکھ برما پر تھی۔ انگریز پنجاب کے بعد برما پر مکمل قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ ظاہرا طور پر جنگ کے لئے یہ وجہ قرار دی کہ رنگون کا برمی حاکم برطانوی تجارت کا دشمن ہے۔ چنانچہ لارڈ ڈلہوزی نے اعلانِ جنگ کر دیا۔

واقعات : انگریزی فوج نے مختصر سی لڑائی کے بعد رنگون پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بعد پیگو اور پروم بھی فتح کر لئے۔

نتیجہ : لارڈ ڈلہوزی نے تمام مفتوحہ علاقہ انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اور پیگو۔ ارکان اور تناسرم کو ملا کر لوئر برما کے

نام سے ایک نیا صوبہ بنا دیا۔

مسئلہ الحاق جن شہزادوں کی مدد سے کمپنی ہندوستان میں ایک وسیع سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ان کے لاولد مرنے پر ان کی ریاستوں پر قبضہ جمانے کا نام مسئلہ الحاق تھا۔ فتوحات کے ذریعے لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب اور برما کو کمپنی کی مملکت میں شامل کیا۔ لیکن سیاسی پالیسی کو کام میں لا کر اس نے ستارا۔ ناگپور۔ جھانسی۔ برار۔ سنبل پور۔ اودے پور اور اودھ پر قبضہ کیا۔

کمپنی پرتاپ سنگھ کو ستارا کا حاکم تسلیم کر چکی تھی۔ مگر پرتاپ سنگھ کے بالغ ہونے پر اس میں حکومت کی صلاحیت دیکھ کر اس کو جلاوطن کر کے بنارس بھیج دیا گیا۔ اور اس کا بھائی ستارا کا حکمران قرار پایا۔ دونو بھائیوں کے لاولد مرنے پر ستارا پر کمپنی قابض ہو گئی۔

ناگپور کے راجہ رگھوجی بھونسلہ نے ۱۸۵۳ء میں وفات پائی۔ چونکہ وہ لاولد تھا۔ اس لئے اس کی دادی نے اس کے بھائی کے بیٹے کو ریاست کا وارث تسلیم کر لیا۔ مرحوم کی رانیوں نے بھی اتفاق ظاہر کیا۔ لیکن ڈلہوزی نے ناگپور پر قبضہ کر لیا۔ اور رانیوں کے جواہرات نیلام کر دیئے۔

اسی طرح جھانسی کے متوفی راجہ کے متبنےٰ کو وارث تسلیم کرنے سے انکار کر کے جھانسی پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور رانی کو پنشن دے دی گئی۔

نظام حیدرآباد سے امدادی فوج کے خرچ کے بہانہ برار کا علاقہ چھین لیا۔ لارڈ ڈلہوزی کے زمانے میں اودھ کے حالات بہت نازک ہو چکے تھے۔ ڈلہوزی معاملاتِ اودھ میں دخل اندازی چاہتا تھا

اس کا مقصد اودھ کا خاتمہ کرنا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۶ء میں نواب کو بارہ لاکھ سالانہ پنشن دے کر کلکتہ بھیج دیا۔ اور اودھ کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔

خطابات اور پنشن کی ضبطی

۱۔ کرناٹک کے نواب کے انتقال پر اس کا خطاب اڑا دیا گیا۔

۲۔ تنجور کے راجہ کے بھی کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ اس لئے اس کا خطاب اور وظیفہ بھی ضبط کر لیا گیا۔

۳۔ پیشوا باجی راؤ ثانی کی وفات پر اس کے متبنےٰ دھونادو پنتھ المعروف نانا صاحب کی آٹھ لاکھ سالانہ کی پنشن ضبط کر لی گئی۔

۴۔ یہ بھی فیصلہ ہوا۔ کہ مغل بادشاہ بہادر شاہ کی وفات پر اس کی اولاد سے قلعہ اور محل خالی کرا لئے جائیں۔

تجدید چارٹر

۱۸۵۳ء میں بیس سال کے بعد پھر کمپنی کے چارٹر کی تجدید ہوئی۔ جس میں حسب ذیل فیصلے منظور ہوئے :۔

۱۔ کمپنی کی میعاد میں توسیع کی بجائے یہ قرار پایا۔ کہ پارلیمنٹ جب چاہے کمپنی کی حکومت کو ختم کر دے۔

۲۔ صوبہ بنگال کے لئے ایک علیحدہ لفٹننٹ گورنر مقرر ہوا۔

۳۔ گورنر جنرل کی انتظامیہ کونسل کے علاوہ ایک مجلسِ قانون ساز بھی بنائی جانی منظور ہوئی۔

۴۔ سول سروس کے لئے لندن میں مقابلہ کا امتحان ہونا قرار پایا۔

محکمہ تعمیراتِ عامہ : لارڈ ڈلہوزی نے محکمۂ تعمیرات قائم کیا۔ جس نے سڑکیں۔ نہریں اور پُل بنوائے۔ کلکتہ سے پشاور تک مشہور

جرنیلی سڑک بھی اسی کے عہد میں بننی شروع ہوئی۔

محکمہ ڈاک و تار: ملک میں جگہ جگہ تار گھر اور ڈاک خانے قائم ہوئے۔ دو پیسے کا ٹکٹ لگا کر خط بھیجنے کا طریقہ اسی زمانہ میں رائج ہوا۔ اس سے پہلے فاصلہ کی کمی بیشی کے حساب سے خط بھیجنے کا خرچ وصول کیا جاتا تھا۔

۳۔ ۱۸۵۳ء میں لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں پہلی دفعہ ہندوستان میں بمبئی اور تھانہ کے درمیان ریل جاری ہوئی۔

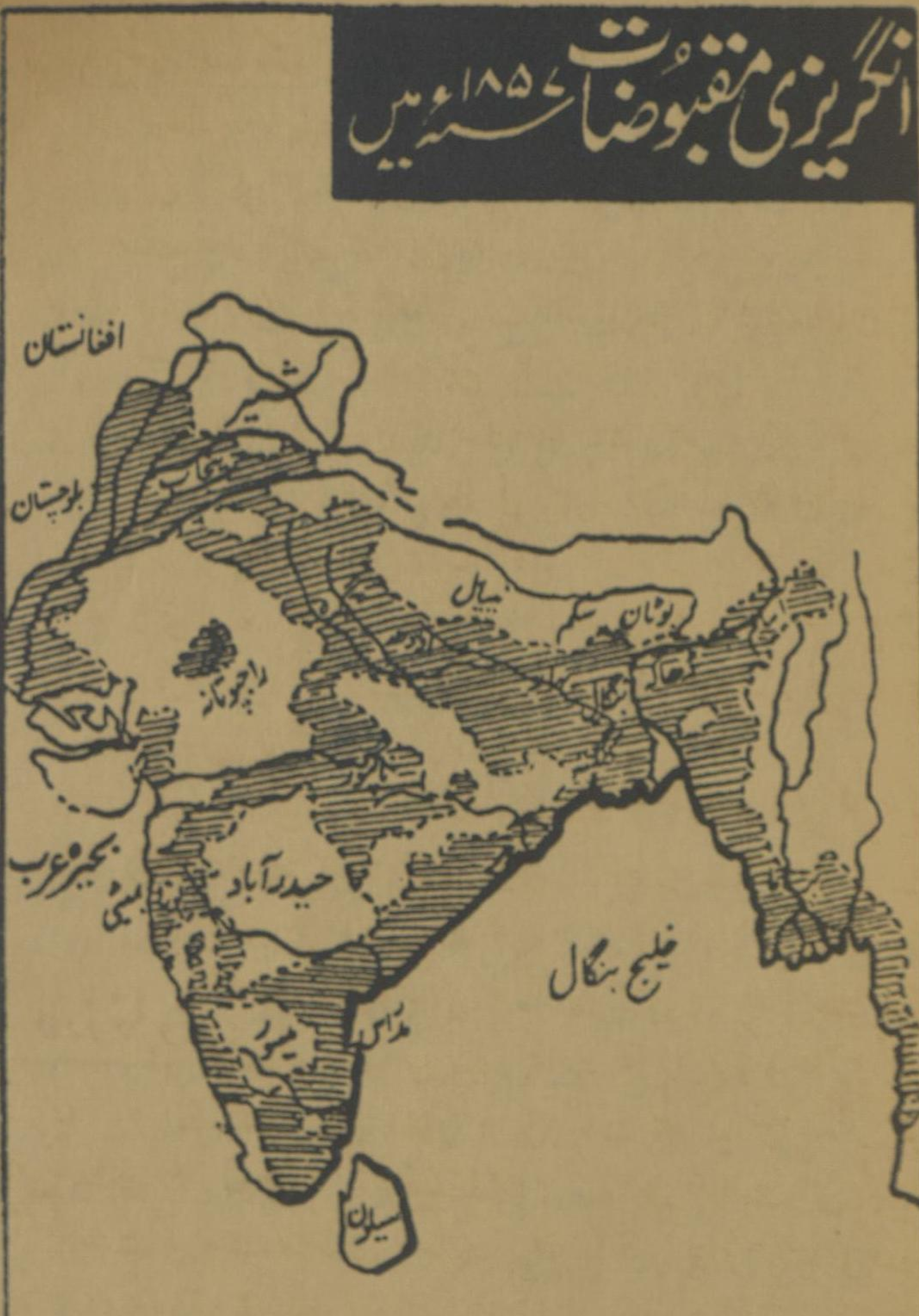
۴۔ محکمہ تعلیم: لارڈ ڈلہوزی نے اشاعتِ تعلیم پر بھی خاص توجہ دی۔ چنانچہ سر چارلس ووڈ کی تعلیمی تجویز کے مطابق فیصلہ ہوا کہ ہر ایک صوبہ میں الگ الگ محکمہ قائم کیا جائے۔ کلکتہ بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں کھولی جائیں۔ اور ہر ضلع میں ورنیکلر تعلیم کے لئے مدارس جاری کئے جائیں۔ نیز غیر سرکاری سکولوں کو سرکاری امداد دی جایا کرے۔

۵۔ ہندو بیوگان کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی۔ نیز یہ بھی اعلان کر دیا گیا۔ کہ کوئی شخص مذہب تبدیل کرنے پر اپنی موروثی جائداد سے محروم نہ ہو گا۔

لارڈ ڈلہوزی

لارڈ ڈلہوزی زبردست منتظم اور بڑا باہمت مدبّر تھا۔ اس نے پنجاب اور لوئر برما کا علاقہ فتح کیا۔ اس کے علاوہ بذریعہ الحاق اور بھی بہت سی ریاستیں انگریزی سلطنت میں شامل کیں۔ غرضیکہ ڈلہوزی کے عہدِ حکومت میں انگریزی سلطنت کو بہت وسعت نصیب ہوئی۔ آخری برٹش انڈیا کی حدود تھوڑی سی تبدیلی کے سوا اسی کے عہد میں قائم ہوئی ہیں۔

اس نے ہندوستان میں ریل جاری کی۔ ڈاک اور تار کا انتظام



انگریزی مقبوضات ۱۸۵۷ء میں

کیا۔ محکمہ تعمیراتِ عامہ قائم کر کے سڑکیں۔ نہریں اور پُل تعمیر کرائے ہندوستانیوں کو اعلیٰ عہدے دینے کے لئے سول سروس کا امتحانِ مقابلہ مقرر کیا۔ تاکہ خاص و عام کی تمیز باقی نہ رہے۔ تعلیم کی اشاعت کے لئے سکول اور کالج کھولے۔ غرضیکہ اس نے اصلاح کے ہر پہلو پر پوری توجہ دے کر رعایا کو خوش حال اور فارغ البال بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ لارڈ کیننگ کے زمانے کے غدر کی ذمہ داری بہت حد تک ڈلہوزی ہی پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی کے کارناموں بالخصوص مسئلہ الحاق نے رعایا کو انگریزی حکومت سے بدظن کیا۔

لارڈ کیننگ

۱۸۵۶ء تا ۱۸۵۸ء

لارڈ ڈلہوزی کے بعد لارڈ کیننگ گورنر جنرل مقرر ہوا۔ انگلستان کی الوداعی پارٹی میں اس نے کہا "میری خواہش ہے کہ میرا عہدِ حکومت پُرامن رہے۔ لیکن میں اس بات کو نہیں بھول سکتا۔ کہ ہندوستان کی فضا میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی دے رہا ہے۔ اتنا چھوٹا جتنا کہ انسان کا ہاتھ۔ لیکن یہ ٹکڑا اتنا بڑا ہو جائے گا۔ کہ خود ہمارا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔" اس کی یہ بات سچ نکلی اور جلد ہی ہندوستان کی فضا تاریک ہو گئی۔ جس کی وجوہات یہ ہیں:-

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے اسباب

۱۔ لارڈ ڈلہوزی کی اصلاحات سے ملک

بھر میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ ریل اور تار۔ مغربی تعلیم کی اشاعت۔ پادریوں کی نت نئی سرگرمیوں اور ستی و دختر کشی کی روک تھام سے لوگوں نے خیال کیا۔ کہ یہ سب کچھ ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لئے ہو رہا ہے۔

۲۔ الحاق کی پالیسی سے والیانِ ریاست ناراض تھے۔ پیشوا کے متبنٰی کو پنشن دینے سے انکار۔ مغل بادشاہوں کی اولاد کو قلعہ دھلی سے نکالنے کا اعلان۔ رانی جھانسی کو متبنٰے بنانے کی اجازت نہ دینا۔ ان سب سے بڑھ کر اودھ کا الحاق جو ڈلہوزی کی سیاسی غلطی نہیں بلکہ بدترین گناہ تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء کا بڑا سبب بنا۔

۳۔ لارڈ کیننگ نے ایک قانون منظور کیا۔ جس کی رو سے دیسی سپاہیوں کو سمندر پار لڑائی کے لئے بھیجا جا سکتا تھا۔

۴۔ کلایو سے کیننگ تک انگریز لوٹ کھسوٹ میں مصروف رہے اور بھول گئے۔ کہ وہ ایک مہذب و متمدن ملک کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔

۵۔ دیسی سپاہیوں کو نئی قسم کی بندوقیں دی گئیں۔ جن کے کارتوس چربی سے چکنے کئے جاتے تھے۔ سپاہیوں نے خیال کیا تھا کہ چربی میں سور اور گائے کی چربی ہے۔ اور یہ ان کے دھرم کو بگاڑنے کے لئے کیا گیا ہے۔ اگرچہ چربی والے کارتوس بند کر دیئے گئے۔ لیکن خیالات نہ بدل سکے۔

۶۔ عہدِ مغلیہ میں ہندوستانی بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے۔ لیکن انگریزی راج میں انہیں ذمہ داری کے عہدوں سے محروم رکھا جاتا تھا۔

واقعات | سب سے پہلے بیرک پور میں سپاہیوں نے کارتوس لینے سے انکار کیا۔ ۳۴ ویں رجمنٹ توڑ دی گئی اور انگریز مطمئن ہو گئے۔

مگر جب یہ خبریں شمالی ہند میں پہنچیں تو ۹ رمئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں ۸۵ سپاہیوں نے یہ کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ان سپاہیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اگلے دن دیسی فوج نے مشتعل ہو کر انگریز افسروں کو قتل کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو جیل سے نکال لیا۔ اور چودہ گھنٹے میں باغی دہلی پہنچ گئے۔ وہاں کے دیسی سپاہی بھی ان سے مل گئے۔ اور مغل بادشاہ بہادر شاہ کو زبردستی قلعہ سے نکال کر ان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد بغاوت کی رَو سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ اور آزادی کے خواہاں لوگوں نے انگریزوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اودھ میں۔ کانپور اور لکھنؤ باغیوں کے بڑے مرکز تھے۔ پیشوا کا متبنّیٰ نانا صاحب ان کا سرغنہ بنا۔ اور اس نے انگریزوں کو بہت بے دردی سے قتل کرایا۔ جنرل ہیولاک نے بمشکل اسے شکست دی۔ اور وہ روپوش ہو گیا۔

لکھنؤ میں ہنری لارنس بغاوت کے شروع ہی میں مر گیا۔ باقی انگریز محصور ہو گئے۔ جنرل ہیولاک اور جنرل اوٹ رم امداد کو پہنچے۔ لیکن وہ بھی گھر گئے۔ آخر سر کالن کیمبل نے محبانِ وطن کو تباہ کیا اور انگریزوں کو بچا لیا۔

میرٹھ کی شورش کی اطلاع لاہور پہنچی۔ تو میاںمیر چھاؤنی میں دیسی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لیے گئے۔ ۳۰ رجولائی کو پرکاش سنگھ نے میجر سپنسر کو قتل کر کے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ سپاہی میاںمیر چھاؤنی سے بھاگ نکلے۔ جن کا پیچھا کیا گیا۔ اور ۲۸۲ سپاہیوں کو پکڑ کر اجنالہ کے تھانہ میں بند کر دیا۔ صبح کو دس دس کو نکال کر گولی سے اڑا دیا جاتا تھا۔ جب ۲۳۷ مارے جا چکے۔ تو اطلاع دی گئی کہ باقی سپاہی برج سے نہیں نکلتے۔ دیکھا۔ تو سب کے سب مرے پڑے

تھے۔ غیر شعوری طور پر بلیک ہول کے فرضی حادثہ کا اعادہ ہو گیا۔

دہلی وطنی سرفروشوں کا اصل مرکز دہلی تھا۔ ان کی تباہی کے لئے انگریزوں نے کلکتہ۔ مدراس اور پنجاب سے فوجیں بھیجیں۔ لیکن دہلی کو پنجابی فوجوں نے فتح کیا۔ جو پنجاب کے چیف کمشنر سرجان لارنس نے جان نکلسن کے زیر کمان بھیجی تھیں۔ مگر جان نکلسن دہلی میں فاتحانہ داخلہ کے وقت گولی کا نشانہ بن گیا۔ انگریزوں نے بہادر شاہ کو گرفتار کر لیا۔ اور میجر ہڈسن نے شہزادوں کے سر کاٹ کر پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کی نذر ہے۔ جو بند ہو گئی تھی"۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء تک باغی سپاہی دلی کو چھوڑ گئے۔ ان کے بعد شہری آبادی کا قتل عام اور لوٹ مار شروع ہوئی۔ اور جلد ہی سکھ سپاہیوں نے فرقہ وارانہ انداز اختیار کر لیا اور مسلمانوں کو چن چن کر قتل کرنے لگے۔ بہادر شاہ کو اسیرِ سلطانی بنا کر رنگون بھیج دیا۔ اور لال قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا۔

رانی جھانسی اور تانتیا توپی کو پھانسی دی گئی۔ بمبئی اور مدراس کی فوجوں کا مقابلہ سیندھیا اور ہلکر کی فوجوں سے ہوا۔ مرہٹوں کو شکست ہوئی۔ آخر سیندھیا اور ہلکر نے اطاعت قبول کی۔

ناکامی کی وجہ یہ جنگِ آزادی غیر منظم طریق پر لڑی گئی۔ محبانِ وطن کو ایسا کوئی رہنما نہ ملا۔ جو سپاہیوں سے منظم طریق پر کام لیتا۔ جنگِ آزادی ختم ہونے کے بعد ۱۸۵۸ء میں کمپنی کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور ہندوستان براہِ راست تاجِ برطانیہ کے ماتحت چلا گیا۔

چنانچہ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ وکٹوریہ نے ایک اعلان شائع کیا جس میں دیسی فرمانرواؤں کے ساتھ کمپنی کے تمام معاہدوں کی تصدیق

کی گئی۔ مذہبی رواداری اور مذہبی آزادی قائم رکھنے کا اقرار کیا گیا۔ اور ہندوستانیوں کو اطمینان دلایا گیا۔ کہ انہیں حکومت کے کام میں بلاتمیز مذہب و ملت حصّہ دیا جائے گا۔

ملکہ آنجہانی نے کہا: "ہمیں اپنی ہندوستانی رعایا کے متعلق وہی فرائض ادا کرنے ہیں۔ جو ہمیں اپنے ملک کی رعیت سے وابستہ کئے ہوئے ہیں اور ہمیں ہندوستانیوں پر اپنے ذاتی اعتقادات یا مذہب ٹھونپنے کا نہ حق ہے نہ خواہش ہے۔ ہندوستان کی فارغ البالی میں ہماری طاقت ہے۔ ان کی قناعت میں ہمارے لئے امن و حفاظت ہے۔ اور ان کی شکر گزاری میں ہماری کوشش کا صلہ۔ خدا ہمیں اور ہمارے افسروں کو توفیق دے کہ ان ارادوں کی تکمیل ہو۔"

نتائج: ۱۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے اپنی بے مثل قربانی سے آزادی کا جو بیج بویا وہ نوّے سال کے بعد رنگ لایا۔ یعنی ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

۲۔ آخری مغل بادشاہ کو جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ اس طرح مغلیہ حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

۳۔ انگریزوں نے اپنی سابقہ پالیسی میں کسی قدر تبدیلی کر لی۔

۴۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ہندوستان براہِ راست تاج برطانیہ کے ماتحت چلا گیا۔

۵۔ ہندوستان کے گورنر جنرل کو وائسرائے کا خطاب دیا گیا۔

۶۔ لارڈ ڈلہوزی کی حکمتِ عملی کو ترک کر دیا گیا۔ اور دیسی حکمرانوں سے وعدہ کیا گیا۔ کہ ان کے علاقے انگریزی سلطنت میں شامل نہیں کئے جائیں گے۔ اور انہیں متبنّیٰ بنانے کا اختیار ہوگا۔

انگریز وائسراؤں کا دورِ حکومت

۱۸۵۸ء تا ۱۸۸۰ء

لارڈ کیننگ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو بیدردی سے کچل دینے کے بعد لارڈ کیننگ نے الہ آباد میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ اور ملکہ معظمہ کا اعلان شائع کیا۔ کہ ان کی تمام رعایا انگریز ہو۔ یا ہندوستانی۔ ہندو ہو یا مسلمان۔ عیسائی ہو یا پارسی۔ یکساں سمجھی جائے گی۔ کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ اور کسی علاقے پر قبضہ نہیں کیا جائیگا والیانِ ریاست کو متبنیٰ بنانے کی اجازت ہو گی۔ قاتلوں کے علاوہ تمام باغیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ سرکاری ملازمت کے لئے صرف تعلیم اور لیاقت ہی معیار ہوگا۔ اور اس میں قومیت۔ مذہب اور رنگ کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔ ملکی قوانین وضع کرنے میں ہندوستانیوں کی مذہبی و معاشرتی رسوم کا خیال کیا جائے گا۔

جدید انتظامِ حکومت ۱۸۵۸ء میں ایک نیا قانون جاری کیا گیا۔ جس کی رو سے کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ بورڈ آف کنٹرول اور ڈائرکٹروں کے بورڈ کو منسوخ کر کے ان کی جگہ وزیرِ ہند کا عہدہ قائم کیا گیا۔ اور اس کی امداد کے لئے پندرہ ممبروں کی کونسل مقرر ہوئی۔ گورنر جنرل کو وائسرائے ہند کا عہدہ عطا کیا گیا۔ اور لارڈ کیننگ پہلے وائسرائے مقرر ہوئے۔

کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ تمام ملک میں پرائمری اور مڈل سکولوں کی تعلیم کے لئے مدارس کھولے گئے۔ وائسرائے کو حکومت کے مختلف محکمے انتظامیہ کونسل کے مختلف ممبروں کی نگرانی میں دینے کا اختیار دیا گیا۔ وائسرائے کو اپنی مجلس وضع قوانین میں کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بارہ ممبروں کو مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا۔ اور ان ممبروں میں نصف غیر سرکاری عنصر لازمی قرار دیا گیا۔

غدر کے پُرآشوب زمانے میں لارڈ کیننگ کو بہت جان توڑ محنت کرنی پڑی تھی۔ جس سے اس کی صحت پر بہت برا اثر ہوا جس وقت وہ ولایت گیا۔ تو ایک ہی سال کے اندر فوت ہو گیا لارڈ کیننگ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۲ء تک ہندوستان میں رہا۔

لارڈ ایلگن

لارڈ کیننگ کے بعد لارڈ ایلگن نے وائسرائے ہند کا چارج ۱۲ر مارچ ۱۸۶۲ء کو لیا۔ لیکن وہ صرف ایک ہی سال میں دھرم سالہ کے مقام پر فوت ہو گیا۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ ستھانہ جو پشاور کے شمالی پہاڑوں میں واقع ہے۔ مجاہدین اسلام کا مرکز بن گیا تھا۔ انہوں نے سرحدی اقوام میں انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر کے ان کو اس قدر بھڑکا دیا۔ کہ وہ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے وائسرائے نے ان کو دبانے کے لئے جنرل چمبرلین کو روانہ کیا لیکن ابھی اس شورش کا خاتمہ بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ لارڈ ایلگن کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کی جگہ لارڈ لارنس کو جو پنجاب کا چیف کمشنر رہ چکا تھا وائسرائے ہند مقرر کیا گیا ؛

افغانستان میں جھگڑا

لارڈ لارنس

۱۸۶۳ء میں امیر دوست محمد خاں فوت ہو گیا۔ تخت نشینی کے متعلق اس کے دو بیٹوں امیر محمد افضل خاں اور امیر شیر علی خاں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ محمد افضل خاں قید ہوا۔ لیکن اس کے دلاور فرزند عبدالرحمٰن نے اسے قید سے رہا کر کے دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔ امیر شیر علی کابل سے بھاگ کر انگریزوں کی امداد کا طالب ہوا۔ لیکن لارڈ لارنس نے کسی قسم کی مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ وہ فاتح شاہزادے ہی کو امیر افغانستان تسلیم کرے گا۔ ۱۸۶۷ء میں امیر افضل خاں کا انتقال ہوا۔ اور امیر شیر علی خاں امیر کابل ہوا۔ عبدالرحمان خاں روس کی طرف بھاگ گیا۔ اب وائسرائے نے امیر شیر علی خاں کو امیر افغانستان تسلیم کر لیا۔ لیکن اس نے انگریزوں سے کسی قسم کا معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

جنگِ بھوٹان

راجہ بھوٹان بنگال اور آسام کے کچھ آدمی پکڑ کر لے گیا۔ وہ انگریزی رعایا تھے۔ اس لئے رعایا کے پاس ایک انگریزی سفیر روانہ کیا گیا۔ راجہ نے اس سفیر کو مجبور کر کے ایک عہد نامہ پر دستخط کرا لئے۔ جس کی رُو سے آسام کا علاقہ بھوٹان کو دیا گیا۔ جس وقت وہ سفیر واپس آیا۔ تو اعلانِ جنگ کیا گیا۔ انگریزی فوج نے راجہ کو شکست فاش دی راجہ نے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ اور صلح ہو گئی۔ ریاست بھوٹان کو آزاد ہی رہنے دیا گیا۔ اور اس کے کچھ علاقے پر انگریزوں کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ لارڈ لارنس نے اس ملک میں ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۹ء تک حکومت کی۔

لارڈ میو

لارڈ لارنس کے بعد لارڈ میو وائسرائے مقرر ہوا ان ایام میں روس وسط ایشیا میں بہت اقتدار حاصل کر رہا تھا جس سے لارڈ میو کو خطرہ لاحق ہوا اور اس نے روس کی ترقی کو روکنے کے لئے انبالہ میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ جس میں امیر شیر علی خاں کو بھی مدعو کیا گیا۔ لارڈ میو نے بڑی گرمجوشی سے امیر کا استقبال کیا۔ جس سے امیر انگریزوں کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

لارڈ میو کی تمنا تھی۔ کہ وہ اپنے حسن سلوک سے والیانِ ریاست کا دل اپنے قبضے میں کر لے۔ اس نے دربارِ راجپوتانہ میں یہ صاف صاف اعلان کر دیا۔ کہ اگر ریاستوں میں بدنظمی بھی ہو گی۔ تو بھی انگریز ان کو سلطنتِ انگریزی میں شامل نہ کریں گے۔ بلکہ وہاں ریذیڈنٹ کی نگرانی میں ایک انتظامیہ کونسل مقرر کر دی جائے گی۔ اور کسی حالت میں بھی ہندوستانی ریاستوں میں بے جا مداخلت نہ کی جائے گی۔ بلکہ انتظامِ سلطنت میں ہر قسم کی مدد دی جائے گی۔ اس نے والیانِ ریاست اور دیگر امراء کے لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اجمیر میں اپنے نام سے ایک کالج قائم کیا۔

لارڈ میو کا قتل

لارڈ میو کو قیدیوں کی آسائش کا بہت خیال تھا۔ اس لئے اس نے ۱۸۷۲ء میں جزیرہ انڈمان کا دورہ کیا۔ لیکن جس وقت وہ اپنے جہاز کو واپس لوٹنے آ رہا تھا۔ تو شیر علی پٹھان نے اسے قتل کر دیا۔ لارڈ میو کا زمانۂ حکومت ۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۲ء تک رہا۔

لارڈ نارتھ بروک

لارڈ میو کی وفات کے بعد لارڈ نارتھ بروک کو وائسرائے مقرر کیا گیا۔ یہ اس

ملک میں ۱۸۷۶ء تک رہا۔

سرکارِ انگلشیہ قندھار۔ کابل اور ہرات میں انگریزی پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس نے افغانستان کے معاملات میں عدمِ مداخلت کی پالیسی اختیار کی۔ ان اختلافات کی وجہ سے آخرکار لارڈ نارتھ بروک کو مستعفی ہو کر جانا پڑا۔ اس کی جگہ لارڈ لٹن کو وائسرائے مقرر کیا گیا۔

لارڈ لٹن

۱۸۷۶ء میں لارڈ نارتھ بروک ولایت چلا گیا۔ اور اس کی جگہ لارڈ لٹن نے لی۔ اس کے عہد میں دکن میں ایک خوفناک قحط پڑا۔ جس میں پچاس لاکھ انسان تلف ہو گئے۔

افغانستان کی جنگ

اس وقت وسط ایشیا روسی سازشوں کا مرکز بن رہا تھا۔ لارڈ لٹن کو معلوم ہوا۔ کہ امیر افغانستان شیر علی خاں نے روسیوں سے رابطۂ اتحاد قائم کر کے ان کے سفیر کا بڑے جوش سے استقبال کیا ہے۔ تو لارڈ لٹن نے انگریزی سفیر روانہ کر دیا۔ لیکن امیر شیر علی نے اسے دربار میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ امیر شیر علی خاں انگریزوں کو سخت خود غرض خیال کرتا تھا۔ اس کی رعایا بھی انگریزوں سے نفرت کرتی تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر لارڈ لٹن نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ انگریزی فوجیں درۂ خیبر، درۂ کرم اور درۂ بولان کے راستے افغانستان پر حملہ آور ہوئیں۔ امیر شیر علی خاں بھاگ نکلا۔ اور ترکستان میں فوت ہوا اس کے بعد امیر یعقوب خاں نے انگریزوں سے صلح کر لی۔ اس صلح کی رو سے کابل میں انگریزی ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ افغانستان کے درّے انگریزی قبضہ میں آ گئے۔ کوئٹہ میں انگریزی چھاؤنی قائم ہوئی۔ لیکن ابھی صلح کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ کہ افغانوں نے انگریزی ریذیڈنٹ اور اس کے تمام ہمراہیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اب پھر جنرل رابرٹس

انتقام لینے کے لئے ایک فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس نے افغانوں کو شکست دے کر امیر یعقوب خاں کو قید کر کے ہندوستان روانہ کیا۔ اور کابل پر انگریزی قبضہ ہو گیا۔

سر سید احمد خاں

۱۸۷۷ء میں لارڈ لٹن نے علی گڑھ میں ایم اے۔ او کالج کا بنیادی پتھر رکھا یہ ایشیا کی مشہور اور بہترین درس گاہوں میں شمار ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد اس کو یونیورسٹی کا چارٹر مل گیا تھا۔ اس کالج کے بانی سر سید احمد خاں ایک نہایت مشہور و معروف خاندانِ دہلی کے چشم و چراغ تھے وہ مسلمانوں کے زبردست لیڈر اور مصلح تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو انگریزی پڑھنے کا شوق دلایا۔ ورنہ مسلمان علماء تو انگریزی پڑھنا کفر سمجھتے تھے۔ ان کی شاندار شخصیت، پسندیدہ اخلاق اور سچائی سے یہ تحریک کامیاب ہوئی۔ سر سید احمد خاں نے مسلمانوں پر زور ڈالا۔ کہ وہ انگریزی تعلیم سے بہرہ یاب ہو کر ملازمتوں میں حصہ لیں۔

انگریز وائسراؤں کا دورِ حکومت

۱۸۸۰ء تا ۱۸۹۹ء

لارڈ رپن

جب لارڈ لٹن مستعفی ہو گیا۔ تو اس کی جگہ لارڈ رپن کا تقرر ہوا۔ اس کے عہد میں ہی جنگِ افغانستان کا خاتمہ ہوا۔ امیر یعقوب خاں کے بعد اس کے شجاع، اولوالعزم اور دلیر بھائی ایوب خاں حاکم ہرات نے انگریزی فوج کو میوند کے مقام پر ۲۷ جولائی ۱۸۸۲ء کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد امیر ایوب خاں نے قندھار کی طرف پیش قدمی کی۔ اودھر سے لارڈ رابرٹس

یلغار کرتا ہوا کابل سے قندھار پہنچا۔ ایوب خاں کو شکست فاش ہوئی اور وہ میدان سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد اس نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کو امیر محمد افضل خاں کے بہادر فرزند امیر عبدالرحمان خاں نے شکست دے کر بھگا دیا۔ اور کابل پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے امیر عبدالرحمان کو امیر مان لیا۔ اور وعدہ کیا۔ کہ اگر کسی بیرونی طاقت نے کابل پر حملہ کیا۔ تو وہ اس کی امداد کریں گے۔ امیر عبدالرحمان خاں ۱۹۰۱ء میں فوت ہوئے۔ اور ان کی جگہ امیر حبیب اللہ خاں تخت کابل پر رونق افروز ہوئے۔

لوکل سیلف گورنمنٹ

لارڈ رپن نے میونسپل یا ٹاؤن ایکٹ اور لوکل فنڈ ایکٹ نافذ کئے۔ جن سے میونسپل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ قائم ہوئے۔ ان میں لوگوں کے نمائندے ممبر ہونے لگے۔ اور انہیں اپنا صدر انتخاب کرنے کا حق عطا کیا گیا۔ ابتدائی تعلیم۔ سڑکوں کا انتظام اور حفظانِ صحت یعنی غربا کے علاج کے لئے ہسپتالوں کا قیام۔ وبائی امراض کے لئے ٹیکے کا انتظام اور ان کی روک تھام کے لئے احتیاطی تدابیر و صفائی کے محکمے ان بورڈوں کے ماتحت کئے گئے۔ درحقیقت یہ حکومت خوداختیاری کا پہلا قدم تھا۔ اس سے لارڈ رپن کا نام ہندوستان میں روشن ہوگیا۔

میسور

لارڈ رپن نے میسور کا جدید انتظام کیا۔ لارڈ ولیم بنٹنگ نے میسور کے راجا کو گدی سے برطرف کر دیا تھا لیکن ۱۸۸۱ء میں لارڈ رپن نے معزول راجہ کرشن کے متبنیٰ کو میسور کا راجہ تسلیم کر کے ریاست کا انتظام اس کے حوالے کر دیا۔ جس سے اس کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔

دسمبر ۱۸۸۴ء میں لارڈ رپن نے استعفا دے دیا۔ ہندوستانیوں

میں یہ نہایت ہی ہر دلعزیز تھا۔ کیونکہ اس نے ایسی اصلاحات جاری کیں۔ جن سے عوام الناس کو فائدہ پہنچا۔ لوکل سیلف ایکٹ کے ذریعے سے انہوں نے ڈسٹرکٹ بورڈوں کی بنیاد ڈالی۔ جن میں عوام کے نمائندے ممبر بنتے ہیں۔ یہ وائسرائے ہندوستان میں ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک رہا۔

لارڈ ڈفرن

لارڈ رپن کے بعد لارڈ ڈفرن کو مقرر کیا گیا۔ اس کے عہد میں برہما کی تیسری لڑائی ہوئی۔

برہما کی تیسری لڑائی ؛ شاہِ تھیبا والیٔ برہما کا ملکی انتظام نہایت ابتر تھا۔ ملک میں قتل و غارت۔ چوری اور ڈاکہ زنی کا دَور دَورہ تھا۔ شاہِ برہما ہمیشہ انگریزوں سوداگروں سے بدظن رہتا۔ اور ان کے نقصان کی کوشش کرتا۔ اور فرانسیسیوں سے سازش کر کے متواتر انگریز سوداگروں کو تنگ کرتا رہتا اور طرح طرح کے جرمانے ان پر کرنے لگا۔ اس پر لارڈ ڈفرن نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ اور انگریزی فوج نے مانڈلے پر قبضہ کر لیا۔ شاہِ برما قید ہو کر ہندوستان آیا اور ۱۸۸۶ء میں اپر برما کا علاقہ انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

انڈین نیشنل کانگرس

لارڈ ڈفرن کے عہد میں انڈین نیشنل کانگرس قائم ہوئی۔ اس کی بنیاد ایک انگریز مسٹر ہیوم نے ڈالی تھی۔ اس کانگرس کا مقصد یہ تھا۔ کہ اتحادِ قومی کو مضبوط کیا جائے۔ سیاسی معاملات پر غور کیا جائے اور گورنمنٹ کو بتایا جائے۔ کہ قوم، قانون میں کیا کچھ تبدیلیاں چاہتی ہے۔ لیکن اتفاق کی بات کہ جوں جوں کانگرس زور پکڑتی گئی۔ اور انگریزوں کی بدعنوانیوں پر نکتہ چینی کرنے لگی۔ توں توں انگریزوں نے اسے اپنی حکومت کے مفاد کے خلاف سمجھا اور اس کی سرگرمیوں کو دبانے کی

کوشش کرتے رہے۔ یہی کانگرس آگے چل کر مسلمانوں کے ساتھ تنگ دلانہ سلوک روا رکھنے لگی۔ آخرکار مسلمان اس سے علیحدہ ہوئے اور پاکستان وجود میں آیا۔ لارڈ ڈفرن چار سال کے بعد ۱۸۸۸ء میں واپس انگلستان چلا گیا۔

لارڈ لینسڈون

لارڈ ڈفرن کی جگہ لارڈ لینسڈون کو مقرر کیا گیا اس نے سرحدی معاملات کی طرف خاص توجہ کی اور امیر عبدالرحمٰن خاں کے پاس ایک وفد زیر سرکردگی سر مارٹیمر ڈیورنڈ روانہ کیا۔ اس وفد نے افغانستان کی جنوبی اور مشرقی حد کا فیصلہ کیا۔ اور امیر سے سیاسی تعلقات کو مضبوط کر کے اس کے وظیفہ میں بہت سا اضافہ کر دیا۔

انڈین کونسل ایکٹ

۱۸۶۱ء کے قانون کی رو سے انگریز چیدہ چیدہ ہندوستانیوں کو کونسلوں میں نامزد کیا کرتے تھے۔ لیکن وہ صحیح طور سے لوگوں کے نمائندے نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے ۱۸۹۲ء میں انڈین کونسل ایکٹ پاس ہوا۔ جس کی رو سے مرکزی اور صوبجاتی مجالس وضع قوانین میں غیر سرکاری عنصر زیادہ کیا گیا۔ اور اسی ایکٹ کی رو سے زمینداروں۔ یونیورسٹیوں میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کو مرکزی اور صوبجاتی کونسلوں میں اپنے اپنے انتخاب کردہ ممبر بھیجنے کا حق عطا ہوا۔ اس ایکٹ کی رو سے ممبروں کو کونسل میں سوال کرنے اور بجٹ پر بحث کرنے کے اختیارات عطا ہوئے۔ لارڈ لینسڈون کا زمانہ ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۴ء تک رہا۔

لارڈ ایلگن ثانی

لارڈ ایلگن جو پہلے وائسرائے ایلگن کا لڑکا تھا وائسرائے مقرر ہوا۔ اس کے عہد میں بارش نہ

ہونے کی وجہ سے اضلاع متحدہ اور صوبہ متوسط میں خوفناک قحط پڑا۔ اور لاکھوں جانیں ضائع ہو گئیں۔ ۱۸۹۶ء میں ممبئی میں طاعون کی وبا پھوٹی۔ حکومت کی انسدادی تدبیریں کچھ بھی کارگر نہ ہوئیں۔ بلکہ ان سے لوگوں کے درمیان انگریزی حکومت کے خلاف سخت شورش بپا ہوئی۔ ہزاروں آدمی طاعون کی نذر ہونے۔ اس کے بعد ایسا خطرناک زلزلہ آیا۔ جو پہلے کبھی نہ آیا تھا۔

مہم چترال

نظام الملک مہتر چترال کو عمرا خاں اور شیر افضل نے ملک سے مار کر نکال دیا۔ نظام الملک نے انگریزوں سے مدد کی درخواست کی اور ان کی مدد سے وہ دوبارہ تخت نشین ہوا۔ شیر افضل اور عمرا خاں دونو قید ہوئے۔

۱۸۹۷ء-۱۸۹۸ء میں آفریدی قبائل میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے سرحدی چوکیوں پہ حملہ کیا۔ اور درہ خیبر کو بالکل بند کر دیا۔ لارڈ موصوف نے بڑی مشکلوں سے آفریدیوں کو مغلوب کیا۔ اور ان کو مواجب (وظیفے) عطا کئے گئے۔

لارڈ کرزن

لارڈ ایلگن کے بعد لارڈ کرزن کو وائسرائے مقرر کر کے اس ملک میں بھیجا گیا۔ سب سے پہلے مسئلہ اس کے سامنے سرحد کا پیش آیا۔ لارڈ کرزن ایک نئی حکمت عملی پر کاربند ہوا۔ اس نے سرحد سے انگریزی فوج کو واپس بلا کر اس کی جگہ قبائل کی فوج کو (ملیشیا) انگریزی افسروں کے ماتحت سرحد پہ مقرر کر دیا۔ اور ان کو سرحد میں امن و چین کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

۱۹۰۱ء میں لارڈ موصوف نے اضلاع پشاور، ہزارہ، کوہاٹ، بنوں اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں کو پنجاب سے علٰحدہ کر کے ایک نیا سرحدی صوبہ بنا دیا۔ اور اس کی حکومت کے لئے چیف کمشنر مقرر کیا۔ اس نئے صوبہ

کے بنانے میں لارڈ کرزن کا مقصد یہ تھا۔ کہ سرحدی اضلاع کا انتظام براہِ راست گورنمنٹ ہند سے ہو اور لارڈ ایلگن کے عہد میں طاعون اور قحط سے لاکھوں قیمتی جانیں ضائع ہوئی تھیں۔ لارڈ کرزن کے عہد میں بھی طاعون اور قحط کا بہت زور رہا۔ اور باوجود انسدادی تدابیر کے لاکھوں آدمی طاعون اور قحط کا شکار ہو گئے۔

دربارِ دہلی

۲۲ر جنوری ۱۹۰۱ء کو ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی جگہ ان کے بیٹے ایڈورڈ ہفتم تخت نشین ہوئے۔ ان کی تخت نشینی پر لارڈ کرزن نے دہلی میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔

قانونِ انتقالِ اراضی ۱۹۰۰ء

لارڈ کرزن کو معلوم ہوا۔ کہ پنجاب کے زمیندار جو ہندوستانی سپاہ کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ روز بروز غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اور ان کی اپنی ناعاقبت اندیشی اور سود کی وجہ سے ان کی تمام زمین مہاجنوں اور بنیوں کے ہاتھوں میں چلی جا رہی ہے۔ تو اس نے پنجاب میں قانون انتقالِ اراضی جاری کیا۔ اس نئے قانون کی رُو سے :-

۱۔ کوئی مہاجن قرض کے عوض زمین بیع نہیں کرا سکتا تھا۔ اور نہ بیس سال سے زائد عرصہ کے لئے ٹھیکہ پر لے سکتا تھا۔

۲۔ زمین کو صرف زراعت پیشہ قومیں ہی خرید سکتی تھیں۔ اس قانون سے زراعت پیشہ قومیں مہاجنوں کے ظلم سے محفوظ ہو گئیں۔ لارڈ کرزن نے قانون انتقالِ اراضی کے بعد زمینداروں کی امداد کے لئے قرض دینے والی امدادی انجمنیں قائم کیں۔ جن سے کسان اور زمیندار مہاجنوں کے پنجے سے چھوٹ گئے۔

تقسیمِ بنگال ۱۹۰۵ء

بنگال کا صوبہ اس قدر بڑا ہو گیا تھا۔ کہ

وہ ایک گورنر کے بس کا نہیں رہا تھا۔ اس لئے لارڈ کرزن نے بنگال کے دو حصے کر کے ایک نیا صوبہ بنا دیا۔ اس صوبے میں آسام اور بنگال کے پندرہ اضلاع شامل تھے۔ اس کا صدر مقام ڈھاکہ مقرر ہوا انتظام کے لئے چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔ ہندوؤں نے خیال کیا۔ کہ تقسیم بنگال ان کی قومیت پر ایک کاری ضرب ہے۔ اس لئے انہوں نے انگریزی مال کا بائیکاٹ شروع کر دیا۔ ملک میں شورش برپا ہو گئی۔ جگہ جگہ جلسے ہونے لگے۔ یہ تحریک چھ سال تک بڑے زور شور سے جاری رہی۔ اور آخرکار تقسیم بنگال منسوخ کرنا پڑی۔ اس تحریک نے اہلِ ملک میں بڑی بیداری پیدا کر دی۔

محکمہ آثارِ قدیمہ

لارڈ کرزن نے یہ محسوس کیا۔ کہ اگر اگلے بادشاہوں کی عمارات کی حفاظت نہ کی گئی۔ تو وہ مٹ جائیں گی۔ اس لئے ان کی حفاظت کے لئے محکمہ آثارِ قدیمہ قائم کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حیرت انگیز تاریخی عمارات تباہی سے بچ گئیں۔ جو ہندوستان کے مختلف حصوں میں بنانے والوں کی عظمت اور شان کی شہادت دے رہی ہیں۔

اصلاح محکمۂ فوج

اس وقت ہندوستانی فوج کا سپہ سالار لارڈ کچنر تھا۔ اس نے فوج کا تمام و کمال انتظام اپنے ہاتھوں میں لینا چاہا۔ اور اپنی پیش کی ہوئی تجویزوں پر وائسرائے کی کونسل کے فوجی ممبر کے ردّ و بدل پر سخت اعتراض کیا۔ لیکن لارڈ کرزن چاہتا تھا۔ کہ پرانا انتظام برقرار رہے۔ اس بحث میں وزیر ہند نے لارڈ کچنر کا ساتھ دیا۔ اور لارڈ کرزن نے اس بات کو اپنے اختیارات کے منافی خیال کر کے استعفا دے دیا۔ اور ۱۹۰۵ء میں ہندوستان سے چلا گیا۔ یہ اس ملک میں سات سال گورنر

جنرل رہا۔

لارڈ منٹو ثانی

لارڈ کرزن کے بعد لارڈ منٹو وائسرائے ہند مقرر ہوئے۔ یہ سابق گورنر جنرل لارڈ منٹو (۱۸۰۷ء تا ۱۸۱۳ء) کا پوتا تھا۔ اس کے عہد میں ملک میں بدامنی اور بے چینی کا دور دورہ تھا۔ تقسیم بنگال کی وجہ سے سودیشی تحریک زوروں پر تھی۔ لوگوں نے انگریزی مال کی خرید قطعاً بند کر دی تھی۔ بم بنانے والی سوسائٹیاں قائم ہو گئیں۔ خفیہ انجمنیں ظہور میں آئیں۔ اخبارات میں اشتعال دلانے والے مضامین شائع ہونے شروع ہو گئے انہی ایام میں جاپان نے روس کو شکست فاش دی۔ جس سے لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہؤا۔ کہ جاپان کی فتح ایشیا کی فتح ہے اور روس کی شکست مغربی قوموں کی شکست ہے۔ لارڈ منٹو نے ان خفیہ سوسائٹیوں کے خلاف سخت قانون وضع کئے۔ کئی شورش پسندوں کو ان قوانین کے ماتحت ملک سے باہر نکال دیا۔ ان ایام میں انگلستان میں لبرل حکومت برسر اقتدار تھی اور مسٹر مارلے وزیر ہند تھے۔ تعلیم یافتہ جماعتوں کے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے لارڈ منٹو نے مسٹر مارلے وزیر ہند کی منظوری سے وہ مشہور اصلاحات جاری کیں۔ جو منٹو مارلے ریفارم کے نام سے مشہور ہیں۔

انڈیا کونسلز ایکٹ مجریہ ۱۹۰۹ء

یہ اصلاحات پارلیمنٹ نے انڈیا کونسلز ایکٹ کے نام سے ۱۹۰۹ء میں منظور کیں۔ اس ایکٹ کی رو سے مرکزی اور صوبجاتی کونسلوں میں ممبروں کی تعداد بڑھا دی گئی۔ مرکزی کونسل میں وائسرائے کی انتظامیہ کونسل کے علاوہ ساٹھ اور ممبر مقرر ہوتے جن میں سے ۲۷ منتخب ہو کر آتے تھے۔ صوبجاتی کونسلوں میں ممبروں

کی تعداد بڑھا کر پچاس کر دی گئی۔ اور ان کونسلوں میں غیر سرکاری ممبر جن کی تعداد زیادہ کر دی گئی۔ خاص خاص جماعتوں کے لئے جداگانہ نمائندگی کا اصول تسلیم کیا گیا۔ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں اور صوبوں کی انتظامی کونسلوں میں ایک ایک ہندوستانی ممبر مقرر ہوا۔ وزیر ہند کی کونسل میں دو ہندوستانی ممبر مقرر کئے گئے۔ ایک ہندو اور دوسرا مسلمان۔ بعد ازاں ایک ہندو ممبر اور مقرر کیا گیا۔

مطابع پر پابندیاں

لارڈ منٹو کے عہد میں ہندوستانی اخبارات میں پھر جوش پیدا کرنے والے مضامین کی بھرمار ہونے لگی۔ اس لئے اخبارات پر پھر وہی پابندیاں عائد کی گئیں جو لارڈ رپن کے عہد میں دُور کر دی گئی تھیں۔ لارڈ مِنٹو ثانی کا دور حکومت ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۰ء تک رہا۔

لارڈ ہارڈنگ

لارڈ منٹو کے بعد لارڈ ہارڈنگ وائسرائے مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال ہوا۔ اور شہنشاہِ جارج پنجم تخت نشین ہوئے۔ جب سے کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو کر ہندوستان تاجِ برطانیہ کے زیرِ فرمان ہوا تھا اس وقت سے انگلستان کا کوئی شہنشاہ ہندوستان پہنچ کر تخت نشین نہیں ہوا تھا۔ شہنشاہِ جارج پنجم خود ملکہ معظمہ کے ہمراہ ہندوستان میں تشریف لائے۔ دہلی میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ اور ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو تخت نشین ہوئے۔ آپ نے مفصلہ ذیل تبدیلیوں کا اعلان فرمایا۔

۱۔ کلکتہ کی بجائے دہلی کو پایۂ تخت مقرر کیا گیا۔

۲۔ تقسیم بنگال کو منسوخ کر کے آسام کو علیحدہ صوبہ قرار دیا گیا اور وہاں ایک چیف کمشنر کا تقرر ہوا۔ بہار اور اڑیسہ کا نیا صوبہ بنایا گیا۔ اور اس کا دارالسلطنت پٹنہ مقرر ہوا۔

۳۔ دہلی کو پنجاب سے الگ کر کے ایک علیحدہ صوبہ قرار دیا گیا اور وہاں چیف کمشنر کا تقرر ہوا۔

۴۔ علاوہ ازیں وائسرائے ہند نے شہنشاہِ معظم کی طرف سے یہ اعلان کیا۔ کہ وکٹوریہ کراس کا جنگی تمغہ ہر سپاہی کو اعلیٰ درجے کی بہادری کے صلہ میں مل سکتا ہے۔ اور اس میں قومیت یا رنگ کی کوئی خصوصیت نہیں ہو گی۔

اعلانِ شاہی کے مطابق دہلی میں ایک نئے عظیم الشان شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کو رائے سینا کہتے ہیں۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو لارڈ ہارڈنگ شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ دہلی میں داخل ہوئے۔ لارڈ ہارڈنگ نے سختی اور تشدد کی پالیسی کے بجائے نرمی اختیار کی۔ اور رعایا سے ہمدردانہ سلوک روا رکھا۔

جنگِ عظیم اوّل
۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء

جرمنی یورپ کا مشہور ملک ہے۔ اس کی تمنا یہ تھی۔ کہ وہ ایشیائی ممالک کی تجارت کا واحد ٹھیکیدار بن جائے۔ کیونکہ اسی میں اس کی عظمت اور دولت کا راز نہاں تھا۔ اس کے لئے اہلِ جرمنی دیر سے کوشش کر رہے تھے۔ لیکن جنگ کی فوری وجہ یہ ہوئی۔ کہ ۱۰ر جولائی ۱۹۱۴ء کو آسٹریا کے شہزادے کو سرویا کے باغیوں نے قتل کر ڈالا۔ اس سے تمام آسٹریا میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ اور شہنشاہ آسٹریا نے غم و غصے میں سرویا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ سرویا کا مددگار روس تھا۔ اس لئے اس نے سرویا کا ساتھ دیا۔ اس سے قبل فرانس اور روس میں معاہدہ ہو چکا تھا۔ کہ جنگ کی صورت میں وہ ایک دوسرے کی امداد کریں گے۔ اس لئے فرانس بھی جنگ میں کود پڑا۔ آسٹریا کا طرفدار جرمنی تھا۔ نیز فرانس اور جرمنی میں مدتِ دراز سے دشمنی

چلی آتی تھی۔ اور جرمنی فرانس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے آسٹریا اور جرمنی۔ ایک طرف سرویا۔ روس اور فرانس دوسری طرف تھے۔ جرمنی نے بلجیم کے راستے فرانس پر حملہ کر دیا۔ انگلستان نے اس کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ لیکن جرمنی نے قطعاً پروا نہ کی۔ اس لئے انگلستان نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ترک انگریزوں کے خلاف جرمنی کی امداد پر تیار ہو گئے۔

اس جنگِ عظیم سے پہلے جرمنی نے بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں۔ اس کی شاندار مسلح فوج، اس کی خطرناک توپیں اس کے زبردست ڈوبکنی کشتیوں کے بیڑے اور اس کے ہوائی جہازوں سے دوسری قومیں کانپتی تھیں۔ علاوہ ازیں جرمنی کو یہ یقین کامل تھا۔ کہ اگر جنگ شروع ہوئی۔ تو ہندوستان میں بغاوت ہو جائے گی۔ اور انگریزوں کی سلطنت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس کے برخلاف انگریزی فوج اس خوفناک جنگ کے لئے تیار نہ تھی۔ جرمنی نے قلیل عرصے میں بلجیم کو کچل ڈالا۔ لیکن اس نازک وقت میں انگلستان اور فرانس نے بلجیم کی امداد میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ انگلستان کا وزیر جنگ لارڈ کچنر مقرر ہوا۔ بلجیم کی بربادی سے انگلستان میں وہ جوش پیدا ہوا۔ کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ تمام ملک نے یکجا ہو کر مداخلت پر کمر باندھ لی۔ سامانِ جنگ تیار ہونے لگا۔ طالب علموں نے کالج چھوڑ دیئے۔ سوداگروں نے تجارت بند کر دی۔ امراء بھی عیش و عشرت کو چھوڑ کر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ عورتوں نے سامانِ جنگ کی تیاری میں مدد دی۔ اور میدانِ جنگ میں زخمی سپاہیوں کی دیکھ بھال ان کے ذمے ہوئی۔ الغرض انگلستان کا بچہ بچہ اپنے وطن پر جان نثار کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

اس جنگ میں ہندوستانیوں کو بھی ہر قسم کے پراپیگنڈے کے ذریعے سے مجبور کیا گیا کہ وہ جنگ میں انگریزوں کی مدد کریں۔ والیانِ ریاست نے زر و مال سے شہنشاہ معظم کی خوشنودی حاصل کی برطانوی فوجوں کے ساتھ ساتھ فرانس۔ مصر۔ ٹرکی۔ فلسطین اور عراق عرب میں ہندوستانی فوج لڑنے پر مجبور ہو گئی۔

جس وقت جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ اس وقت ہندوستان کی فوج میں ۸۰۰۰۰ انگریز اور ایک لاکھ ستر ہزار ہندوستانی سپاہی تھے۔ لیکن دورانِ جنگ میں ہندوستان سے ۹۸۵۰۰۰ سپاہی شامل ہوئے۔ ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۱۹ء تک کروڑوں پونڈ ہندوستان کے خزانے سے اس جنگ کے اخراجات کے لئے ادا کئے گئے۔ پچاس لاکھ پونڈ بطور عطیہ پیش کئے۔ لارڈ ہارڈنگ کے الفاظ ہیں کہ ہندوستان نے اپنا اس قدر خون پیش کیا۔ کہ وہ بالکل ہی سفید ہو گیا۔ جرمنی کو آخرکار شکست ہوئی۔ اور انگریز کامیاب ہوئے۔ دورانِ جنگ ہی میں لارڈ ہارڈنگ ہندوستان سے رخصت ہو گیا اس نے ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۶ء تک حکومت کی۔ اور اس کی جگہ لارڈ چیمسفورڈ کا تقرر ہوا۔

لارڈ چیمسفورڈ

جس وقت لارڈ چیمسفورڈ اس ملک میں آیا۔ جنگِ عظیم زور شور سے ہو رہی تھی۔ اس لئے لارڈ موصوف نے اپنی تمام توجہ ہندوستان سے روپیہ اور سپاہی بھیجنے کی طرف صرف کی۔ اس شاندار امداد کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حکومتِ برطانیہ نے ہندوستانیوں کو اپنے ملک کی حکومت میں مزید رعائتیں دینے کا ارادہ کر لیا۔

لیکن انہی ایام میں ہندوستان میں سیاسی بے چینی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ ہندوستان کے لیڈروں نے ہوم رول کی تحریک بڑے زور شور سے شروع کر دی۔ مسلمانوں کی قومی مجلس مسلم لیگ نے بھی کانگرس

کے ساتھ اتفاق کر کے ایک مشترکہ اصلاحی سکیم پیش کر دی۔ اس وقت وزیر ہند مسٹر مانٹیگو تھے۔ انہوں نے اعلان کیا۔ کہ ہم ہندوستان میں قومی گورنمنٹ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہماری تمنا ہے۔ کہ آہستہ آہستہ ملک کا تمام انتظام ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے لیکن یہ ضروری ہے۔ کہ ہندوستان کا تعلق برطانیہ عظمیٰ سے برقرار رہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وزیر خود ہندوستان آئے۔ حالات کا مطالعہ کر کے انہوں نے ایک رپورٹ مرتب کی۔ اور ۱۹۱۸ء میں اسے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کر دیا۔ ان ایام میں سیاسی بےچینی سے ملک میں امن و چین غائب ہو رہا تھا۔ گورنمنٹ ہند نے جسٹس رولٹ کی سرکردگی میں ایک کمیٹی مقرر کی۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ سازشوں کے انسداد کے لئے تجاویز پیش کرے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کے بعد مقامی گورنمنٹوں کو سازشوں کے فرو کرنے کے لئے مزید اختیارات عطا کئے۔ جس پر ہندوستانی لیڈروں نے بڑی نکتہ چینی کی۔

مہاتما گاندھی

مسٹر گاندھی ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ بیرسٹری پاس کر کے افریقہ میں وکالت شروع کی۔ لیکن جب افریقہ کی حکومت نے ایشیائی قوموں کا داخلہ اپنے ملک میں بند کر دیا اور ان پر پابندیاں عائد کر دیں اور ان کو تجارت۔ کھیتی باڑی جائداد خریدنے سے روک دیا۔ تو اس وقت مسٹر گاندھی نے اس قانون کے خلاف اپنی آواز بلند کی اور افریقہ میں ستیہ گرہ کی تحریک جاری کر دی۔ اس قانون کی سختی سے متاثر ہو کر لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند نے مجلس وضع قوانین میں ایک شاندار تقریر ہندوستانیوں کے حقوق کی حمایت میں کی۔ جس سے گورنمنٹ افریقہ نے ان قوانین کو نرم بنا دیا۔ اس جدوجہد کے بعد مسٹر گاندھی ہندوستان آ گئے۔ اور ہندوؤں نے ان

کی پارسائی کی وجہ سے ان کو مہاتما کا خطاب عطا کیا۔ جب سرکار نے رولٹ ایکٹ جاری کرنا چاہا۔ تو مہاتما گاندھی نے یہاں بھی ستیہ گرہ کی تحریک جاری کر دی۔ اس تحریک کا اصلی مقصد یہ تھا۔ کہ رولٹ ایکٹ کی ایسی شدید مخالفت کی جائے کہ گورنمنٹ اس کو جاری نہ کر سکے اس تحریک سے ملک میں آگ بھڑک اٹھی۔ دہلی۔ بمبئی۔ احمد آباد میں فسادات برپا ہوئے۔ لیکن امرت سر میں ایک فسادِ عظیم ہؤا۔ جہاں لوگوں نے پبلک عمارتوں کو جلا دیا۔ چند انگریزوں کو قتل کر دیا۔ تار گھر اور سرکاری بنک لوٹ لئے۔ ان فسادات کو روکنے کے لئے پنجاب کے بعض ضلعوں میں مارشل لاء جاری ہؤا۔ اس قانون کے ذریعے سے سول افسروں سے انتظام لے کر فوجی افسروں کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ اور سول عدالتوں کی جگہ فوجی عدالتیں مخصوص اختیارات کے ساتھ قائم ہوئیں۔ مارشل لا کے ماتحت ہر قسم کے جلسے بند کر دیئے گئے۔ لیکن اہلِ امرت سر نے اس قانون کی مخالفت کر کے جلیانوالہ باغ میں ایک جلسہ کیا۔ امرت سر میں فوجی افسر جنرل ڈائر نے بلا اطلاع اہلِ جلسہ پر گولیاں برسانا شروع کر دیں جس سے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اس قتلِ عام سے رعایا کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت بڑھ گئی۔ گورنمنٹ نے ان فسادات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ جس کے پریذیڈنٹ مسٹر ہنٹر تھے۔ ان کی رپورٹ متعصبانہ رنگ لئے ہوئے تھی۔ انگریز ممبروں کی اکثریت نے مارشل لا کے نفاذ کو جائز قرار دیا۔ لیکن جنرل ڈائر کے حکم کی مذمت کی۔ تحقیقاتی کمیٹی کی اقلیت یعنی ہندوستانی ممبروں نے مارشل لاء کو ناجائز قرار دیا۔ اور وہ ظلم و ستم جو مارشل لا کے دوران میں ہوئے تھے ان کی سخت مذمت کی۔

گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۱۹ء

آخر کار پارلیمنٹ نے لارڈ چیمسفورڈ

اور مسٹر مانٹیگو کی رپورٹ کو منظور کر کے گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۱۹ء میں پاس کر دیا:-

۱- اس قانون کے رُو سے صوبوں کا اندرونی انتظام مرکزی حکومت سے آزاد ہو گیا۔ البتہ کچھ محکمہ جات مرکزی حکومت کے ماتحت رہے اور کچھ محکمے صوبجاتی گورنمنٹ کے ماتحت ہو گئے۔ رعایا کے نمائندوں کو صوبے کی حکومت میں زیادہ حقوق عطا ہوئے۔

۲- اس قانون کے ذریعے سے صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ - پنجاب بہار و اڑیسہ - صوبجاتِ متوسط اور آسام میں گورنر مقرر ہوئے۔ اور ہر ایک صوبہ میں گورنر کی امداد کے لئے دو کونسلیں مقرر ہوئیں ایک مجلسِ انتظامیہ۔ دوسری مجلسِ وضع قوانین۔ مجلس انتظامیہ کے ممبروں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار مقرر ہوئی۔ لیکن یہ ضروری تھا۔ کہ ان میں کم از کم نصف ہندوستانی ہوں۔ اور مجلس وضع قوانین میں رعایا کے منتخب کردہ ممبروں میں سے دو وزیر بنائے جائیں۔

۳- صوبجاتی حکومتوں میں دو محکمے ہوں۔ ایک محکمہ مخصوصہ اور دوسرا منتقلہ۔ مخصوص محکموں میں آبپاشی۔ جنگلات اور پولیس شامل تھے۔ جو گورنر اور اس کی انتظامی کونسل کے ماتحت تھے۔ محکمہ منتقلہ میں تعلیم۔ زراعت۔ حفظانِ صحت۔ میونسپل کمیٹی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ شامل تھے۔ یہ ہندوستانی وزراء کے ماتحت تھے۔ لیکن وزراء مجلسِ وضع قوانین کے ماتحت نہیں تھے۔ بلکہ گورنر کے ماتحت ہوتے تھے۔

۴- اس ایکٹ سے فیصلہ ہوا۔ کہ صوبجاتی کونسل میں منتخب ممبروں کی تعداد کم از کم ستر فیصدی ہو اور نامزد شدہ سرکاری ممبروں کی

تعداد تیس فیصدی ہو۔ کونسل کا انتخاب ہر چوتھے سال ہوا کرے۔ پہلی دفعہ تو کونسل کا صدر نامزد ہو۔ لیکن اس کے بعد منتخب ہوا کرے۔

مرکزی حکومت

۵۔ مرکزی حکومت میں دو کونسلیں مقرر ہوئیں ایک کونسل آف سٹیٹ ۔ اور دوسری لیجسلیٹو اسمبلی۔ کونسل آف سٹیٹ میں ساٹھ ممبر ہوتے تھے۔ ۳۰ منتخب اور ۲۳ نامزد۔ گویا کونسل آف سٹیٹ ہندوستان کی دارالامرا بنی۔

۶۔ اسمبلی میں ۱۴۴ ممبر تھے۔ ان میں سے چالیس کو گورنمنٹ نامزد کرتی تھی۔ باقی کو لوگ منتخب کرتے تھے۔ کونسل آف سٹیٹ کا انتخاب ہر پانچ سال کے بعد ہوتا تھا۔ لیکن اسمبلی کا انتخاب ہر تین سال کے بعد ہوتا تھا۔

۷۔ اس ایکٹ کی رو سے وزیر ہند کی انتظامی مجلس میں تین ہندوستانی ممبر مقرر ہوئے۔ ایک ہائی کمشنر ہندوستانی تجارت کے انتظام اور دیگر معاملات کے سلجھانے کے لئے مقرر ہوا۔ اس کے علاوہ مسٹر سنہا کو لارڈ کا خطاب عطا کیا گیا۔ اور اسے بہار و اڑیسہ کا پہلا ہندوستانی گورنر مقرر کیا گیا۔

۸۔ اس ایکٹ کی رو سے یہ بھی قرار پایا۔ کہ دس سال کے بعد ایک رائل کمیشن مقرر ہو۔ جو اس بات کے متعلق رپورٹ کرے کہ ہندوستانیوں کو مزید اصلاحات کب اور کتنی دی جائیں۔

افغانستان کی تیسری جنگ

امیر حبیب اللہ خاں انگریزوں کا دوست تھا۔ جنگِ عظیم کے دوران میں اس کے پاس ترکی اور جرمن وفد آیا۔ اور درخواست کی۔ کہ وہ انگریزوں

کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے۔ لیکن امیر نے ان کی درخواست کو رد کر دیا۔ امیر کی رعایا اس سے از حد ناراض ہوئی۔ اور انہوں نے سازش کر کے امیر حبیب اللہ خاں کو گولی سے مار دیا۔ مختصر سی خانہ جنگی کے بعد امیر امان اللہ خاں کو کابل کے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس وقت ہندوستان میں رولٹ ایکٹ کی وجہ سے شورش برپا ہو رہی تھی۔ امیر کے ہندوستان میں متعینہ ایجنٹوں نے امیر کو تحریر کیا۔ کہ اگر اس وقت ہندوستان پر حملہ کیا جائے۔ تو تمام ہندوستان انگریزوں کے خلاف امیر کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوگا۔ امیر نے ان اطلاعات کو درست تسلیم کرتے ہوئے انگریزی علاقہ پر حملہ کر دیا۔ اس طرح سے افغانستان کی تیسری جنگ شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی چند ماہ ہوئی۔ آخر کار، راولپنڈی میں صلح کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں قرار پایا۔ کہ آئندہ امیر افغانستان ، ہندوستان کے راستے کسی قسم کا سامانِ جنگ باہر سے نہیں منگوا سکتا انگریزوں کو امیرِ افغانستان کو خود مختار بادشاہ تسلیم کرنا پڑا۔ اب افغانوں کو دوسری سلطنتوں سے براہِ راست تعلقات قائم کرنے کی کامل آزادی مل گئی۔

لارڈ چیمسفورڈ کی میعادِ ملازمت ۱۹۲۱ء میں ختم ہوئی۔ یہ اس ملک میں پانچ سال وائسرائے رہا۔

لارڈ ریڈنگ

لارڈ چیمسفورڈ کے بعد لارڈ ریڈنگ کو وائسرائے ہند مقرر کیا گیا۔ جس وقت وہ یہاں آئے۔ اس وقت عدم تعاون کی تحریک زوروں پر تھی۔ اور عوام الناس مہاتما گاندھی کے زیرِ اثر تھے۔

نیز مہاتما گاندھی نے اعلان کر دیا۔ کہ لوگ انگریزی عدالتوں۔ گورنمنٹ کالجوں۔ سکولوں اور کونسلوں کا مقاطعہ کر دیں۔ انہوں نے اپنے پیروؤں

کو تلقین کی۔ کہ وہ کھدر پہنیں اور اس طرح سے انگریزی کپڑے کی تجارت کو نقصان پہنچائیں۔ مہاتماجی کی تحریک کو مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی مرحوم نے بہت مستحکم کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں میں دھُواں دھار تقریریں کیں۔ جن سے وہ مہاتما گاندھی کے پروگرام پر عمل کرنے لگے۔

اس کے بعد مہاتما گاندھی نے ٹیکس نہ دینے کی ابتدا ضلع بردولی علاقہ گجرات سے شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس اثنا میں ایک واقعہ ہائلہ پلیش آیا۔ جس سے یہ پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ مہاتما گاندھی کے پیروؤں نے چورا چوری کی پولیس چوکی پر حملہ کر کے سب پولیس والوں کو قتل کر دیا۔ مہاتما گاندھی نے پریشان ہو کر عدمِ ادائیگی ٹیکس کی تحریک فی الفور بند کر دی۔ کیونکہ لوگ ان کی تعلیم کے خلاف تشدّد پر اتر آئے تھے۔ لارڈ ریڈنگ نے مہاتما گاندھی کو چھ سال کے لئے قید کر دیا۔ اور کئی ایک لیڈروں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا۔ اس طرح سے لارڈ ریڈنگ نے اپنی پوری قوت سے عدمِ تعاون کی تحریک کو ناکام بنا دیا۔

لارڈ ریڈنگ کے زمانہ میں ۱۹۲۱ء میں موپلوں نے ترکوں کی تکالیف سے متاثر ہو کر بغاوت کر دی۔ موپلے جنوبی ہند میں مسلمانوں کی ایک زندہ دل قوم ہیں۔ یہ پرانے عرب سوداگروں سے اولاد سے ہیں۔ یہ بغاوت خطرناک تھی۔ بڑی مشکل سے اس کو فرو کیا۔ اور ان کے سرکردہ باغیوں کو پھانسی دی گئی۔

ان دنوں حکومت کے اخراجات کو کم کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر ہوا۔ جو انچ کیپ کمیشن کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی سفارش سے کئی ایک اخراجات کم کئے گئے۔ نمک کے محصول میں اضافہ کیا گیا۔ پوسٹ کارڈ کی قیمت بڑھا کر دو پیسے اور لفافے کی ایک آنہ کر دی گئی۔

لارڈ ہارڈنگ کا زمانۂ حکومت ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۶ء تک رہا۔ اور انگریزوں کے نقطۂ نگاہ سے یہ زمانہ بہت کامیاب رہا۔ کیونکہ اس میں سب شورشوں کو سختی سے دبا دیا گیا۔

لارڈ اردن

لارڈ ریڈنگ کے بعد لارڈ اردن کا تقرر ہوا۔ نئے وائسرائے کو زراعتی کاموں میں از حد دلچسپی تھی۔ اس نے زراعت کو ترقی دینے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ جس نے ترقیِ زراعت کے لئے کئی مفید تجاویز پیش کیں۔ اور ان کو آہستہ آہستہ عملی جامہ پہنایا جانے لگا

مہاتما گاندھی کے قید ہونے کے بعد عدمِ تعاون کی تحریک کا خاتمہ ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا۔ کہ یہ تحریک پھر جاری نہ ہوگی۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ ان ایام میں کانگرس میں ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ جس نے یہ تحریک کی۔ کہ کونسلوں میں حصہ لینا چاہیئے۔ اس تحریک کے محرک مشہور و معروف مسٹر سی۔ آر۔ داس بنگالی لیڈر اور پنڈت موتی لال نہرو (ہندوستان کے موجودہ وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے والد) تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ گورنمنٹ کو ظلم و ستم اور سختی سے باز رکھنے کے لئے کونسلوں میں قومی نمائندے ہونے چاہئیں۔ آخرکار ۱۹۲۳ء میں جو کانگرس دہلی میں منعقد ہوئی۔ اس کے صدر مسٹر جناح نے یہ اعلان کر دیا۔ کہ کونسلوں میں قومی نمائندے ضرور شامل ہوں۔

عدمِ تعاون کی تحریک ختم ہو جانے کے بعد ہندو مسلمانوں میں فرقہ وارانہ فسادات نہایت کثرت سے رونما ہوئے۔ اس وقت لارڈ اردن نے اسمبلی میں ایک تقریر کی۔ جس میں انہوں نے نہایت زور سے اپیل کی کہ فرقہ وارانہ فسادات کو بند کر کے امن چین کی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اور قومی اتحاد کو مضبوط کرنا چاہیئے۔

لارڈ اِردن کے عہد میں کئی اہم قانون پاس ہوئے۔ ان میں سے

ایک شاردا بل ہے۔ جس کے رُو سے چودہ سال سے کم عمر کی لڑکی اور اٹھارہ سال سے کم عمر کے لڑکے کی شادی قانوناً جرم قرار دی گئی اس طریقہ سے کم عمر کی شادیاں بند ہو گئیں۔

انقلاب افغانستان

افغانستان کی تیسری جنگ کے بعد امیر امان اللہ خاں نے افغانستان میں بہت اصلاحات جاری کر دی تھیں۔ جن سے ملک کی حالت بہتر ہو گئی۔ انہوں نے ملک میں ایک ایسی مجلس قائم کرنے کا خیال بھی کیا۔ جس میں قومی نمائندے شامل ہوں۔ تعلیم کی اشاعت میں ازحد کوشش کی۔ کالج قائم کئے۔ زنانہ تعلیم کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ ان اصلاحات سے افغانستان میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ اس کے بعد امیر امان اللہ خاں یورپ کے دورے پر روانہ ہوئے۔ جہاں انہوں نے اپنی شاندار شخصیت اور سیاست کا سکہ بٹھایا۔ لیکن انگریزوں نے ان کی غیر حاضری میں تمام افغانستان میں ان کے خلاف سازش پھیلا دی۔ جب وہ واپس آئے۔ تو پرانے رسم و رواج کے پابند طبقوں اور ملاؤں نے دوسروں کی اکساہٹ میں آ کر یہ مشہور کر دیا۔ کہ امیر امان اللہ خاں اسلام سے منحرف ہو چکے ہیں۔ اس پر ان کے خلاف ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اور ایک مجہول النسل بچہ سقہ نے جو اس سے پہلے ڈاکو تھا۔ اعلانِ بغاوت کر دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اس قدر طاقتور ہو گیا۔ کہ امیر امان اللہ خاں کو بھاگ کر قندھار جانا پڑا۔ اور انہوں نے اپنی جگہ اپنے بڑے بھائی عنایت اللہ خاں کو تخت و تاج کا مالک بنا دیا۔ لیکن وہ بھی تاج و تخت بچہ سقہ کے حوالے کر کے ہندوستان چلے آئے۔ اور بچہ سقہ نے تختِ کابل پر قبضہ کر لیا۔ قندھار پہنچ کر امیر نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ ایک فیصلہ کن جنگ بچہ

سقہ سے لڑے۔ لیکن قدامت پسند فریق اور ملاؤں نے تمام ملک میں مشہور کر دیا۔ کہ امیر کافر ہے۔ اس کی مدد کفر ہے۔ اس لئے امیر کی فوج بھی اس کے خلاف ہو گئی۔ اور امیر امان اللہ خاں بھاگ کر ہندوستان کے راستے اٹلی چلے گئے۔ جہاں وہ اب تک مقیم ہیں۔ اگرچہ بچہ سقہ نے تختِ کابل پر قبضہ کر لیا۔ مگر جنرل نادر خاں جنہوں نے اپنی لاثانی شجاعت سے آخری جنگِ افغانستان میں انگریزوں کے دانت کھٹے کئے تھے۔ ان دنوں فرانس میں مقیم تھے۔ جس وقت انہوں نے اپنے ملک کی تباہی کا حال سُنا۔ ان کے غیور دل میں خیال آیا۔ کہ ملک کو بچہ سقہ کے ہاتھ سے بچانا چاہیئے۔ وہ اپنے بھائی ہاشم خاں اور محمد ولی خاں کے ہمراہ پشاور پہنچے۔ اور افغانستان پہنچ کر اپنی سیاست اور اولوالعزمی سے بچہ سقہ کو کابل سے مار کر نکال دیا۔ اور خود تختِ کابل پر بیٹھ گئے۔ بچہ سقہ گرفتار ہوا۔ اور افغانی جرگہ نے اسے موت کی سزا دی۔

دسمبر ۱۹۲۹ء میں لاہور کا کانگرس کا اجلاس منعقد ہونے والا تھا۔ اس لئے وائسرائے ہند نے ہندوستان کے تین مسلمہ لیڈروں۔ مہاتما گاندھی۔ پنڈت موتی لال نہرو اور مسٹر جناح کو مشورہ کے لئے بلایا۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجہ پر نہ پہنچے۔ اس لئے یہ کانفرنس ناکام رہی۔ جب کانگرس کا اجلاس منعقد ہوا۔ تو اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ اگر گورنمنٹ سالِ نو کے اختتام سے پہلے ڈومینین سٹیٹس یعنی نوآبادیوں کی سی حکومت ہندوستان کو عطا کرنے کا اعلان نہ کرے گی۔ تو مکمل آزادی کے لئے جدوجہد کا اعلان کر دیا جائے گا۔ جب سال کا خاتمہ ہوا۔ تو پریذیڈنٹ کانگرس پنڈت جواہر لال نہرو نے اعلان کر دیا۔ کہ اب کانگرس کا مقصود کامل آزادی ہوگا۔ اس کانگرس میں یہ بھی

فیصلہ ہوا۔ کہ انگریزی مال کا مقاطعہ کیا جائے۔ اس لئے کانگرس کے فیصلہ کے مطابق سودیشی مال کے استعمال اور بدیشی مال کے مقاطعہ کا پرچار کرنے لگے۔ مہاتما گاندھی نے پھر سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی۔ جس سے ملک میں ہڑتالنگ بچ گئی۔ عوام نے بدیشی مال کا مقاطعہ کر دیا۔ منشی اشیاء پر پکٹنگ شروع کر دیا گیا۔ قوانین جنگلات کو توڑنے کا اعلان ہوا۔ اکثر مقامات پر محصول اور لگان ادا کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ ملک بھر میں فسادات بڑی تیزی سے رونما ہونے لگے آخرکار وائسرائے نے کانگرس کمیٹی کو خلافِ قانون قرار دیا۔ اور اس قانون کے ماتحت ملک کے اکثر بڑے بڑے لیڈر قید ہو گئے۔ صُوبہ سرحد میں بھی عدمِ تعاون کی تحریک کا بہت زور شور ہوا۔ جہاں اس تحریک کو دبانے کے لئے ۲۳ر اپریل ۱۹۳۰ء کو گولی چل گئی جس سے کئی آدمی لقمۂ اجل ہوئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اہلِ سرحد کی حمایت میں آفریدیوں نے بھی علاقہ انگریزی پر حملہ کر دیا۔ لیکن نقصان اٹھا کر واپس چلے گئے۔ ادھر مہمند لوگ حاجی صاحب ترنگ زئی کی سرکردگی میں آمادۂ فساد ہوئے۔ سارے ملک میں ایک تشدد پسند طبقہ پیدا ہو گیا۔ بم بلنے لگے۔ اور دہشت ناک وارداتیں ہونے لگیں بنگال اس تحریک کا مرکز بنا۔

۱۹۱۹ء کے ایکٹ کے مطابق یہ قرار پایا تھا۔ کہ دس سال کے بعد ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ جو اس امر کی پڑتال کرے گا۔ کہ ہندوستانیوں نے اصلاحات سے فائدہ اٹھایا ہے یا نہیں۔ ان کو مزید اصلاحات دی جائیں یا پہلی اصلاحات بھی واپس لے لی جائیں چنانچہ کمیشن مقرر ہوا۔ سرجان سائمن اس کے صدر مقرر ہوئے۔ سات سیاست دان انگریز اس کے ممبر تھے۔ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں

نے اس کمیشن کو نہایت ناپسند کیا اور اس کی رپورٹ کی وجہ سے سیاسی بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔

گول میز کانفرنس

اس کے بعد گول میز کانفرنس ولایت میں منعقد ہوئی۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ سائمن کمیشن کی تجاویز پر بحث کر کے سیاسی دستور ہندوستان کے لئے تجویز کیا جائے۔ اس کے نمائندے گورنمنٹ نے منتخب کئے۔ اور ان نمائندوں اور پارلیمنٹ کے نمائندوں میں ان تمام امور پر بحث ہوئی۔ لیکن افسوس کہ اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ البتہ اس پر اتفاق ہو گیا کہ آئندہ ہندوستان کا نظام حکومت فیڈرل ہو۔ جس میں دیسی ریاستیں بھی شامل ہوں۔ صوبجات کو اندرونی نظم و نسق میں آزادی ہو اور مرکزی حکومت کے اختیار میں صرف وہ شعبہ جات ہوں۔ جن کا تعلق بہ حیثیتِ مجموعی سارے ہندوستان کے ساتھ ہے۔ مثلاً فوج، تار۔ ڈاک۔ ریلیں۔ بحری معاملات۔ تعلقاتِ ممالکِ خارجہ وغیرہ۔

اگلے سال ۳۲-۱۹۳۱ء میں کانفرنس کا دوسرا اجلاس ہوا۔ جس میں مہاتما گاندھی بھی شریک ہوئے۔ اس میں زیادہ تر فرقہ وار نیابت کے سوال پر بحث ہوتی رہی۔ لیکن ہندوستانی نمائندے کوئی متعلقہ حل پیش نہ کر سکے۔ اور فیصلہ وزیر اعظم انگلستان پر چھوڑ دیا گیا چنانچہ اس نے اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا۔ دوسری گول میز کانفرنس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا۔ کہ صوبہ سرحد کو گورنری صوبہ بنا دیا گیا۔ اور اصلاحات نافذ کر دی گئیں۔ تیسری گول میز کانفرنس ۳۳-۱۹۳۲ء میں منعقد ہوئی اس کے اختتام پر وزیر اعظم نے اعلان کیا۔ کہ سندھ اور اڑیسہ علیحدہ صوبے بنا دیئے جائیں۔ مرکز میں مسلمانوں کو ⅓۳۳ فیصدی نیابت دی جائے۔ فوجی اختیارات بدستور تاج برطانیہ کے ہاتھ میں رہیں۔ وزیر اعظم

نے ہندوستان کے مالی استحکام کے لئے ایک ریزرو بنک کے قیام پر زور دیا۔ صوبہ دار خود مختاری کا اصول تسلیم کیا گیا۔ اور اطمینان دلایا۔ کہ یہ نتائج جلد از جلد پارلیمنٹ کے سامنے بل کی صورت میں پیش کر دیئے جائیں گے۔

لارڈ اروِن کے پانچ سالہ قیام کے دوران میں ہندوستان کا چپہ چپہ انگریزوں کے خلاف اور آزادی کی حمایت میں مصروف جنگ رہا عدم تعاون کی تحریک زوروں پر تھی۔ بم بنے اور پھینکے گئے۔ انگریزی قوانین کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ بہت سے لیڈر جیلوں میں گئے۔ گورنمنٹ نے اس سارے زمانے میں سخت گیری کی پالیسی اختیار کی۔ لیکن لوگوں نے حصولِ آزادی کی خاطر سخت قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔

غرض لارڈ اروِن کا زمانہ اہلِ ہند کے لئے مصائب کا پیغام لے کر آیا۔ لیکن ہندوستانی اس امتحان میں پورے اُترے۔

لارڈ ولنگڈن

۱۷ اپریل ۱۹۳۱ء کو لارڈ اِروِن عنانِ حکومت چھوڑ کر انگلستان چلے گئے۔ ان کے جانشین لارڈ ولنگڈن مقرر ہوئے۔ جو اس سے پہلے بمبئی اور مدراس کے گورنر رہ چکے تھے۔ وہ مشہور سیاست دان تھے۔ لارڈ ولنگڈن نے ہنگامی قوانین کے زور سے ملک میں بے چینی کو روکنا چاہا۔ لیکن بے سُود۔ جب مہاتما گاندھی گول میز کانفرنس سے واپس آئے تو انہوں نے حکومتِ ہند سے ہنگامی قوانین کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مہاتما گاندھی نے سول نافرمانی کی تحریک کو جاری کر دینے کی دھمکی دی۔ لیکن حکومت نے مہاتما گاندھی کو نظر بند کر دیا۔ اور کانگریس کو خلافِ قانون قرار دیا۔ اس سے اہلِ ہند کی بے چینی بڑھ گئی۔ جب وزیر اعظم انگلستان نے کمیونل ایوارڈ

یعنی فرقہ وارانہ فیصلہ شائع کیا۔ تو مہاتما گاندھی نے فاقہ کشی سے جان دینے کی ٹھان لی۔ اس پر ہندو راہنماؤں نے ڈاکٹر امبیدکار سے جو ہریجنوں کے راہنما تھے۔ سمجھوتہ کر لیا۔ جس کو پونا پیکٹ یا پونا کا معاہدہ کہتے ہیں۔ اس معاہدہ کی رو سے ہریجنوں یا اچھوتوں کو ہندو جاتی ہی کا ایک جزو قرار دیا گیا۔ اور ان کو وزیر اعظم کے فیصلہ سے زیادہ نشستیں دی گئیں۔ اس معاہدہ کے بعد وزیر اعظم نے فرقہ وارانہ فیصلہ میں معاہدۂ پونا کی رُو سے ترمیم کر کے قرطاس ابیض (سفید کاغذ) شائع کیا۔

قرطاس ابیض کے بعد ایک متحدہ پارلیمنٹری کمیٹی مقرر ہوئی۔ جس میں دارالعوام۔ دارالامراء۔ ہندوستانی ریاستوں۔ ہندوستان اور برما کے نمائندے شامل کئے گئے۔ اس کمیٹی کے کئی ایک اجلاس ہوئے۔ اس کے بعد اس کی رپورٹ ۱۸ر نومبر ۱۹۳۴ء کو شائع ہوئی۔ پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان نے مباحثہ کے بعد اس رپورٹ کو پاس کر دیا اور اسی بنا پر قانون ۱۹۳۵ء پاس ہوا۔

زلزلۂ بہار ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء

۱۵ر جنوری کو ہندوستان میں وہ زلزلۂ عظیم آیا۔ جس سے صوبہ بہار قریباً تباہ ہو گیا۔ وائسرائے ہند نے مصیبت زدگان کے لئے امدادی فنڈ کھولا۔ اور اس کے ساتھ ہی کانگرس نے بھی فنڈ کھول دیا۔ جس میں تمام ہندوستان کے لوگوں نے نہایت فراخ دلی سے چندہ دیا۔

زلزلہ کوئٹہ ۳۰ر مئی ۱۹۳۵ء

ابھی زلزلہ بہار کی یاد دلوں میں تازہ ہی تھی۔ کہ ایک دوسرے ہیبت ناک اور شدید زلزلے نے ریاست قلات کے صدر مقام مستونگ اور بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ کو بالکل برباد کر دیا۔

ہزاروں خاندان تباہ ہو گئے۔ عالی شان مقامات کھنڈر ہو گئے۔ ایسی خوفناک تباہی کے وقت فوج نے حیرت انگیز کام کیا۔ اور لوگوں کو لوٹ مار اور مزید تکلیفوں سے بچا لیا۔ وائسرائے ہند نے کوئٹہ ریلیف فنڈ پھر کھول دیا۔ لوگوں نے نہایت فراخ دلی سے اس میں چندہ دیا۔ اس طرح سے بیکس غریب اور نادار لوگوں کی امداد کی گئی۔

شہنشاہِ ملک معظم و ملکہ میری کی سلور جوبلی

شہنشاہ معظم جارج پنجم نے بڑے جاہ و جلال سے ۲۵ سال حکومت کی تھی اس لئے پارلیمنٹ نے اس جشن کی یادگار میں ۶ اور ۷ مئی کی تاریخیں مقرر کیں اور تمام ملک میں جشنِ جوبلی منایا گیا۔ ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء کو جارج پنجم کا انتقال ہو گیا۔

شاہِ ایڈورڈ ہشتم کی تخت نشینی اور دستبرداری

شہنشاہ کی وفات کے بعد ولی عہدِ سلطنت شہزادہ ویلز ۴۱ سال کی عمر میں ایڈورڈ ہشتم کے نام سے مالکِ تخت و تاج ہوئے۔ اوائلِ دسمبر ۱۹۳۶ء میں انہوں نے ایک امریکن خاتون مسز سمپسن سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا وزیر اعظم انگلستان اور اس کے کابینہ نے ان سے اختلاف کیا اس پر شہنشاہِ غور و خوض کے بعد ۱۰ دسمبر ۱۹۳۶ء کو سلطنت سے دست بردار ہو گئے۔

جارج ششم کی تخت نشینی ۱۱ دسمبر ۱۹۳۶ء

ایڈورڈ ہشتم نے سلطنت سے دست بردار ہونے سے پہلے پارلیمنٹ کی منظوری سے اپنے چھوٹے بھائی پرنس البرٹ فریڈرک آرتھر جارج کو جائز وارث تخت و

و تاج انگلستان قرار دیا۔ ایڈورڈ کے بعد شہزادہ جارج۔ جارج ششم کا لقب اختیار کر کے تختِ انگلستان پر بیٹھے۔

لارڈ لنلتھگو
۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۳ء

لارڈ ولنگڈن کے بعد لارڈ لنلتھگو ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہوئے۔ یہ وائسرائے بننے سے پیشتر کئی ذمے دار عہدوں پر رہ چکے تھے۔ آپ انگلستان کے بہت بڑے زمین دار تھے۔ زراعت سے آپ کو بہت دل چسپی تھی۔ اور آپ ہندوستان کے زراعتی کمیشن کے صدر رہ چکے تھے۔ جب ہندوستان کے لئے نیا قانون تجویز ہو رہا تھا۔ تو آپ متحدہ پارلیمنٹری کمیٹی کے صدر تھے۔ اس طرح آپ کو اس ملک کے معاملات سے کامل واقفیت تھی۔ اس لئے یہ پختہ یقین تھا۔ کہ لارڈ موصوف اپنی قابلیت تدبر اور نئے آئین سے واقفیت کی وجہ سے ملک کی سیاسی بے چینی کا خاتمہ کر دیں گے۔ چنانچہ ان کی تقرری سے ہمدردی ٹپکتی تھی۔

نئی اصلاحات کا نفاذ

۱۹۳۷ء میں نئے آئین کے ماتحت صوبجاتی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ میں کانگرسی وزارتیں قائم ہوئیں۔ اور باقی تین صوبوں (سندھ۔ پنجاب۔ بنگال) میں غیر کانگرسی پنجاب میں چونکہ کسی پارٹی کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے یہاں کانگرس کے سوا باقی پارٹیوں کو ملا کر سر سکندر حیات نے اتحادی وزارت قائم کی۔

دوسری جنگِ عظیم
۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی اور انگریزوں کے درمیان پھر جنگ شروع ہوئی جو آناً فاناً عالمگیر جنگ بن گئی۔ یہ لڑائی قریباً چھ سال تک جاری رہی۔ آخر ۸ مئی ۱۹۴۵ء کو یورپ میں اس جنگ

کی وجہ سے ہندوستان کی سیاست میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

وائسرائے ہند نے ہندوستان کی طرف سے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اور ہندوستانی فوجیں بیرونی ممالک میں جنگی محاذوں پر بھیجی گئیں۔ اس پر مہاتما گاندھی اور اس کی کانگرسی وزارتیں حکومت سے ناراض ہو گئیں۔ اور انہوں نے جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کو ناجائز قرار دیا۔ چنانچہ کانگرسی وزراء نے اپنے عہدوں سے مستعفی ہو کر ہندوستان کی جنگی پالیسی کے خلاف پرچار کرنا شروع کر دیا۔ اس پر حکومت نے کانگرس کے بڑے بڑے لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ کانگرس نے نہ صرف جنگی امداد سے انکار کیا۔ بلکہ جنگ کے دوران ہی میں مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ وائسرائے نے اپنے متعدد بیانوں میں کانگرس کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ جنگ کے خاتمے پر ان کے اس مطالبے کا ہمدردانہ خیرمقدم کیا جائے گا۔ مگر کانگرس مطمئن نہ ہوئی۔ اور گورنمنٹ سے عدم تعاون کی تحریک جاری رکھی۔ انہی دنوں انگریزی پارلیمنٹ نے انگلستان کے مشہور سیاست دان مسٹر کرپس کو مفاہمت کے لئے ہندوستان بھیجا۔ اس نے بھی کانگرسی رہنماؤں سے اس بارے میں گفت وشنید کی مگر کانگرس نے ان تجاویز کو منظور نہ کیا۔ کیونکہ اس کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ انگریز حکومت کی باگ ڈور مکمل طور پر کانگرس کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ مسٹر کرپس مایوس ہو کر انگلستان واپس چلا گیا۔ اور کانگرس نے سول نافرمانی جاری رکھی۔ آخر مجبور ہو کر حکومتِ ہند نے مہاتما گاندھی اور دوسرے کانگرسی رہنماؤں کو جیل میں بھیج دیا۔

مہاتما گاندھی کا برت

اپنی گرفتاری کے چھ ماہ بعد فروری ۱۹۴۳ء میں مہاتما گاندھی نے ۲۱ روز کا برت رکھا۔ جس سے نہ صرف ملک بھر میں ہیجان پھیل گیا بلکہ

انگلینڈ اور امریکہ نے بھی اس پر حیرت اور دلچسپی کا اظہار کیا۔

جنگ میں ہندوستان کی مدد

کانگرس کے ستیہ گرہ کے باوجود ہندوستان نے اس جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ جنگ شروع ہوتے ہی تمام والیانِ ریاست نے اپنی اپنی فوجیں اور خزانے حکومت کی مدد کے لئے وقف کر دیئے۔ عوام نے بھی اپنی ہمت سے بڑھ کر چندہ جمع کر کے کروڑوں روپوں سے مالی امداد کی۔ لاکھوں ہندوستانی سپاہیوں نے جنگ کے مختلف محاذوں پر دادِ شجاعت دی۔ علاوہ ازیں ہندوستان نے سامانِ جنگ اور فوجی ضروریات کا دوسرا سامان بھی فوجوں کے لئے مہیا کیا۔ غرضیکہ اس جنگ میں ہندوستانیوں نے انگریزوں کی ہر ممکن امداد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ہندوستان پر اس جنگ کا ایک اثر یہ ہوا کہ تمام اشیاء کی قیمتیں بے انداز بڑھ گئیں جس سے تمام ملک میں بالعموم اور غریب طبقہ میں بالخصوص بے چینی پھیل گئی۔

بنگال میں قحط

۱۹۴۳ء میں صوبہ بنگال میں سخت قحط پڑا۔ ذرائع آمد و رفت میں بے حد سہولت کے باوجود لاکھوں بچے۔ عورتیں اور مرد بھوک کی سختیوں کا شکار ہو گئے۔

مسلم لیگ اور پاکستان

ہندوستان کی آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہندو مسلم اختلاف رہا ہے۔ اہلِ نظر اس حقیقت کو خوب سمجھ چکے تھے۔ کہ دونو قوموں کا مذہب اور کلچر الگ۔ تہذیب و تمدن مختلف۔ رسم و رواج جداگانہ۔ قومی روایات علیحدہ علیحدہ۔ پھر اتحاد و یگانگت کی کونسی صورت ہو سکتی تھی کانگرس جو بظاہر ملک کی تمام قوموں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی تھی۔ وہ فی الحقیقت محض ہندوؤں کی نمائندہ جماعت تھی۔ اس کی روش نے اس حقیقت کو اور

بھی نمایاں کر دیا تھا۔ کانگرسی وزراء نے اپنے اڑھائی سالہ دورِ حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ بالخصوص اور اقلیتوں کے ساتھ بالعموم انصاف نہیں کیا تھا۔ اور باوجود انتہائی جدوجہد کے نہ صرف یہ کہ آل انڈیا مسلم لیگ سے مفاہمت کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ اس کو مسلمانوں کی نمایندہ جماعت ہی تسلیم نہیں کیا تھا۔ ان مشکلات اور پیچیدگیوں کو مدِنظر رکھ کر ملک کے سب سے بڑے سیاست دان اور مسلمانوں کے راہنما مسٹر محمد علی جناح نے پاکستان کی سکیم پیش کی۔ پاکستان کی سکیم کا بنیادی اصول یہ تھا۔ کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں (پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ سندھ۔ بلوچستان۔ بنگال۔ آسام) اسلامی ریاست قائم کر دی جائے۔ اور باقی صوبوں کی حکومت کانگرس کے سپرد کر دی جائے۔ اور مرکز میں ایک کی بجائے تین فیڈرل اسمبلیاں ہوں۔

لارڈ ویول

لارڈ لنلتھگو ۱۹۴۳ء میں ہندوستان سے چلے گئے۔ اور ان کی جگہ لارڈ ویول وائسرائے ہند مقرر ہوئے۔ آپ وائسرائے بننے سے پہلے ہندوستان کے کمانڈر انچیف تھے۔ آپ نے بطور وائسرائے ہندوستان کی باگ ڈور سنبھالتے ہی کوشش کی۔ کہ ہندوستان کا حصۂ جنگ جتنے بھی زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے کوشش کی۔ کہ ملک کی سیاسی جماعتوں کے باہمی اختلافات دور ہوں۔ اور جنگ ختم ہوتے ہی ملک میں امن و امان قائم ہو جائے اور ملک آزادی کی راہ پر گامزن ہو۔

چنانچہ آپ کے مشورہ پر برطانوی پارلیمنٹ کے وزراء ہندوستان کو مزید آزادی دینے کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ۱۹۴۴ء و ۱۹۴۵ء میں ہندوستان آئے۔ اور ملک کی سیاسی جماعتوں سے مشورہ کرتے رہے مگر کانگرس اور مسلم لیگ کے باہمی اختلافات کی وجہ سے سمجھوتہ نہ ہو سکا

اس دوران میں جنگ ختم ہو چکی تھی اور انگلستان کی حکومت پر لیبر گورنمنٹ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور مسٹر ایٹلی وزیر اعظم انگلستان مقرر ہو گئے تھے۔

چنانچہ انہوں نے وزارت سنبھالتے ہی اس بات کا فیصلہ کر لیا۔ کہ ہندوستان کو مزید آزادی دی جانی چاہیئے۔ اور برطانوی وزراء کا ایک وفد مارچ ۱۹۴۶ء میں اس مسئلہ کی دیکھ بھال کرنے کے لئے پھر ہندوستان روانہ ہوا۔ اس وفد کے لیڈر لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند مقرر ہوئے۔

اس وفد نے نہایت محنت اور جانفشانی سے کئی ماہ تک ہندوستانی لیڈروں سے بات چیت کی۔ لیکن کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کے باہمی اختلافات نے آپس میں فیصلہ نہ ہونے دیا۔

آخر ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو ان وزراء نے برطانوی پارلیمنٹ کے مشورہ سے آیندہ اصلاحات کا اعلان کر دیا۔ اس کی بڑی بڑی سفارشات یہ تھیں:-

۱۔ مسلم لیگ کا مطالبہ کہ ملک کو مسلم اور غیر مسلم اکثریت والے صوبوں کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ مسترد کر دیا گیا۔

۲۔ کانگرس یا بالفاظ دیگر ہندوؤں کا مطالبہ کہ ہندوستان کو تقسیم نہ کیا جائے۔ اور صوبوں کو محدود اختیارات دے کر مرکزی حکومت کو پورے اختیارات سونپ دیئے جائیں قابلِ عمل تسلیم نہ کیا گیا۔

۳۔ برطانوی وزراء کے وفد نے مذکورہ بالا نظریوں کے بین بین یہ راہِ عمل نکالا۔ کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم نہ کیا جائے اور متحدہ ہندوستان کے تمام صوبوں کو اندرونی معاملات میں حکومتِ خود اختیاری دے کر امورِ خارجہ۔ محکمہ فوج اور محکمہ رسل و رسائل مرکزی حکومت کے سپرد کر دیئے جائیں۔

۴۔ مختلف صوبے اگر چاہیں تو آپس میں مل کر گروپ بنا سکتے ہیں ایسے صوبے جو ایک دفعہ ایک گروپ کی شکل میں آ جائیں۔

نہیں کم ازکم دس سال کے لئے اکٹھا رہنا پڑے گا۔ اور دس سال کے بعد
اگر چاہیں تو علیٰحدہ ہو سکیں گے۔

۵۔ مرکز میں حکومت کا انتظام فوراً ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا جائے
اور کانگرس اور مسلم لیگ مل کر اپنے نمائندے منتخب کریں۔

۶۔ ہندوستان کو حق دیا جائے۔ کہ آئندہ کے لئے وہ خود فیصلہ کرے
کہ آیا یہ ملک برطانوی حکومت کا ایک جزو بن کر رہنا چاہتا ہے
یا اپنے لئے قطعی آزادی پسند کرتا ہے۔

۷۔ ملک میں دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے۔ جو آئندہ حکومت کے
دستور کی تشکیل کرے۔ اس اسمبلی کے ممبروں کا انتخاب صوبائی
اسمبلیاں کریں گی۔ اور مختلف اقوام کی نمائندگی اس اسمبلی میں بہ
تناسب ذیل ہوگی۔

نوٹ: دستور ساز اسمبلی میں ہر دس لاکھ اشخاص کی آبادی پر
ایک ممبر بطور نمائندہ لیا جائے۔

۸۔ نمائندہ اسمبلی میں صرف تین اقوام کی جداگانہ حیثیت تسلیم کی جائے۔
(۱) مسلمان (۲) سکھ (۳) ہندو (ہندوؤں میں ہندو۔ اچھوت
پارسی۔ بدھ اور عیسائی وغیرہ سب شامل سمجھے جائیں۔

نمائندہ اسمبلی کے ممبران کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ جن میں
سے پہلے گروپ میں ہندو اکثریت کے صوبے۔ دوسرے گروپ میں
شمال مغربی ہندوستان کے وہ صوبے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے
تیسرے گروپ میں مشرقی ہندوستان کے وہ صوبے جن میں مسلمانوں
کی اکثریت ہے۔ صوبہ وار ممبروں کی تعداد حسب ذیل تجویز ہوئی :-

پہلا گروپ: ہندو اکثریت والی آبادی کے صوبے

نام صوبہ	ہندو ممبران	سکھ	مسلم	مجموعی تعداد
مدراس	۴۵	..	۴	۴۹
بمبئی	۱۹	..	۲	۲۱
صوبجات متحدہ	۴۷	..	۸	۵۵
بہار	۳۱	..	۵	۳۶
صوبجات متوسط	۱۶	..	۱	۱۷
اڑیسہ	۹	..	..	۹
میزان	۱۶۷	..	۲۰	۱۸۷

دوسرا گروپ: مسلمان اکثریت والی آبادی شمال مغربی صوبے

نام صوبہ	ہندو	سکھ	مسلم	مجموعی تعداد
پنجاب	۸	۴	۱۶	۲۸
شمال مغربی سرحدی صوبہ	..	..	۳	۳
سندھ	۱	..	۳	۴
میزان	۹	۴	۲۲	۳۵

تیسرا گروپ: مسلم اکثریت والے مشرقی صوبے

نام صوبہ	ہندو	سکھ	مسلم	مجموعی تعداد
بنگال	۲۷	..	۳۳	۶۰
آسام	۷	..	۳	۱۰
میزان	۳۴	..	۳۶	۷۰

اس طرح نمائندہ اسمبلی میں برطانوی ہند کے ممبروں کی تعداد قوم وار یہ ہوتی تھا۔

	ہندو ممبر	مسلمان ممبر	سکھ ممبر	مجموعی تعداد
گروپ (الف)	۱۶۷	۲۰	۰۰	۱۸۷
؍؍ (ب)	۹	۲۲	۴	۳۵
؍؍ (ج)	۳۴	۳۶	۔	۷۰
میزان	۲۱۰	۷۸	۴	۲۹۲

دستور ساز اسمبلی کو تین گروپوں میں تقسیم کرنے کا مطلب یہ تھا کہ کل ہندوستانی سوالات کے فیصلے پوری پوری دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش ہوں۔ اور اس کے بعد یہ اسمبلی تین حصّوں میں تقسیم ہو کر اپنا کام کرے۔

اس جماعت بندی سے حکومتِ برطانیہ نے گویا ہندوستان اور پاکستان کے سوال کو قدرے تسلیم کر لیا تھا۔ یہ گروپ دس دس سال تک قائم رہتے۔ اس کے بعد صوبوں کو اختیار ہوتا۔ کہ اگر وہ چاہیں۔ تو ایک گروپ چھوڑ کر کسی دوسرے گروپ میں شامل ہو جائیں۔ یا بالکل علیحدگی اختیار کر لیں۔

اس سکیم کے مطابق صوبوں کی اسمبلیوں نے انتخاب کر لئے۔ اور اس نمائندہ اسمبلی کا پہلا اجلاس ۹ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو اور دوسرا اجلاس ۲ر جنوری ۱۹۴۷ء کو ہوا۔ لیکن مسلم لیگ کے نمائندوں نے بطور احتجاج نمائندہ اسمبلی میں شرکت نہ کی۔

چونکہ اسی اعلان کے مطابق عبوری حکومت کا قیام عمل میں آنا تھا اس لئے ۲ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو وائسرائے نے کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو کو عبوری حکومت قائم کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے یہ

دعوت قبول کر لی۔ اور اپنے وزراء کا اعلان کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد مسلم لیگ نے بھی شمولیت کی اور اپنے وزراء عبوری حکومت کے لئے تجویز کر دیئے۔ یہ وزیر عبوری حکومت کی کابینہ میں شامل ہوئے۔

۱۔ آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو۔
۲۔ " سردار ولبھ بھائی پٹیل۔
۳۔ " مسٹر راج گوپال آچاریہ۔
۴۔ " ڈاکٹر راجندر پرشاد۔
۵۔ " سردار بلدیو سنگھ (سکھوں کا نمائندہ)
۶۔ " مسٹر جان متھائے (ہندوستانی عیسائیوں کا نمائندہ)
۷۔ " مسٹر بھابا (پارسی قوم کا نمائندہ)
۸۔ " مسٹر جگ جیون رام (اچھوت اقوام کا نمائندہ)
۹۔ " مولانا ابوالکلام آزاد۔
۱۰۔ " مسٹر لیاقت علی خاں۔
۱۱۔ " راجہ غضنفر علی خاں۔
۱۲۔ " مسٹر ابراہیم اسمٰعیل چندریگر۔
۱۳۔ " سردار عبدالرب نشتر
۱۴۔ " مسٹر منڈل (اچھوت اقوام کے نمائندے)

لارڈ مونٹ بیٹن (برطانوی ہندوستان کا آخری وائسرائے)

مارچ ۱۹۴۷ء سے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک

لارڈ ویول کے عہد میں جوں جوں ہندوستان کی آزادی یقینی ہوتی گئی۔ ہندو مسلم کشیدگی بھی روز بروز بڑھتی گئی۔ جو کانگرس کے ہندو مہاسبھائی اور ہندوستان میں رام راج قائم کرنے کی ہوس کا ایک لازمی

نتیجہ تھی۔ لارڈ ویول اور اتحاد پسند ہندوستانی لیڈروں نے بہت کوشش کی کہ اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا ہو۔ لیکن ہر قسم کی انسدادی تدابیر کے باوجود بنگال و بہار۔ بمبئی اور پنجاب کے بعض حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے کچھ اس طرح بھڑکے کہ وزارتی مشن کی تجاویز ناقابلِ عمل ہو کے رہ گئیں۔ لارڈ ویول نے حالات پر قابو پانے اور ہندو مسلم لیڈروں کو متفق و متحد کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کانگرس کی یک طرفہ روش نے مسائل کو اس قدر الجھا دیا۔ کہ سمجھونے کی کوئی راہ نہ نکل سکی آخری برطانوی حکومت نے لارڈ ویول کو واپس بلا لیا۔ اور لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندوستانی گتھی سلجھانے کے لئے مامور کیا۔ لارڈ مذکور حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے۔ کہ تقسیم ہند ناگزیر ہے۔ چنانچہ حکومتِ برطانیہ نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ایک نئی اسکیم کا اعلان کر دیا۔ جس کا ماحصل یہ تھا۔ کہ ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب کو بھی جو مسلم اکثریت کے صوبے تھے۔ تقسیم کر دیا جائے۔ مسلم لیگ متحدہ پنجاب و بنگال کا مطالبہ کر رہی تھی۔ لیکن وائسرائے نے اعلان کیا کہ ان صوبوں کی تقسیم بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ جتنی کہ ہندوستان کی۔

سوالات

۱۔ کلائیو کی ابتدائی زندگی۔ کارگزاری اور چال چلن بیان کرو۔ اور بتلاؤ کہ وہ کس طرح ہندوستان میں برطانوی حکومت کا بانی تھا۔

۲۔ حیدر علی کی زندگی اور کارناموں کا مختصر حال درج کرو۔

۳۔ میسور کی پہلی لڑائی کے حالات مختصر طور پر بیان کرو۔

۴۔ روہیلوں کی لڑائی کا مختصر حال بیان کرو۔

۵۔ ریگولیٹنگ ایکٹ کے پاس ہونے کی کیا وجوہات تھیں۔ اس کے مشہور دفعات اور نقائص بیان کرو۔

۶۔ مرہٹوں کی پہلی جنگ کے اسباب، مشہور واقعات اور نتائج بیان کرو۔

۷۔ میسور کی دوسری جنگ کے اسباب، مشہور واقعات اور نتائج بیان کرو۔

۸۔ نندکمار، بیگمات اودھ اور راجہ چیت سنگھ کے ساتھ وارن ہیسٹنگز کے تعلقات بیان کرو۔

۹۔ وارن ہیسٹنگز پر مقدمہ کیوں چلایا گیا اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔

۱۰۔ پٹس انڈیا بل پر مختصر نوٹ لکھو۔

۱۱۔ لارڈ کارنوالس کے عہد حکومت کا مختصر حال بیان کرو۔ اس کی اصلاحات کا خاص طور پر ذکر کرو۔

۱۲۔ سب سڈی ایری سسٹم پر مختصر نوٹ لکھو۔

۱۳۔ میسور کی چوتھی لڑائی کے مشہور واقعات اور نتائج بیان کرو۔

۱۴۔ مرہٹوں کی تیسری لڑائی کے حالات بیان کرو۔

۱۵۔ لارڈ ڈلہوزی ہندوستان میں انگریزی حکومت کو وسعت دینے کا کہاں تک ذمہ دار ہے؟

یا لارڈ ولزلی کے مشہور کارنامے بیان کرو۔

۱۶۔ لارڈ منٹو اول کے زمانہ کے واقعات مختصر طور پر بیان کرو۔

۱۷۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ترقی اور نظام حکومت کا مختصر حال درج کرو اور بتاؤ کہ اس کی موت کے بعد سکھ سلطنت کی کیا حالت ہوئی۔

۱۸۔ مارکوئیس آف ہیسٹنگز کے زمانے کے مشہور واقعات مختصر طور پر بیان کرو۔

۱۹۔ مرہٹوں کے زوال کی وجوہات بیان کرو۔

۲۰۔ برما کی پہلی جنگ۔ تسخیر بھرت پور کے مشہور واقعات اور نتائج بیان کرو۔

۲۱۔ ولیم بنٹنگ کے عہد کے واقعات کا مختصر طور پر ذکر کرو۔

۲۲۔ افغانستان کی پہلی جنگ کی وجوہات۔ مشہور واقعات اور نتائج بیان کرو۔

۲۳۔ سندھ کے الحاق کا حال مختصر طور پر بیان کرو۔

۲۴۔ سکھوں کی پہلی لڑائی کی وجوہات اور مشہور واقعات اور نتائج مختصر طور پر بیان کرو۔

۲۵۔ لارڈ ڈلہوزی کے عہد کے مشہور واقعات درج کرو۔

۲۶۔ مندرجہ ذیل پر بحث کرو کہ لارڈ ڈلہوزی جدید ہندوستان کو بنانے والا تھا۔

۲۷۔ غدر ہند کی وجوہات۔ واقعات اور نتائج واضح طور پر بیان کرو۔

۲۸۔ لارڈ لٹن کے عہد کے مشہور واقعات بیان کرو۔

۲۹۔ لارڈ رپن کے عہد کے مشہور واقعات بیان کرو۔

۳۰۔ لارڈ کرزن کے عہدِ حکومت کا مختصر حال بیان کرو۔

۳۱۔ لارڈ ہارڈنگ کے عہدِ حکومت کے مشہور واقعات بیان کرو۔

۳۲۔ لارڈ چیمسفورڈ کے عہد کے مشہور واقعات بیان کرو۔

۳۳۔ لارڈ ریڈنگ کے عہد کے مشہور واقعات بیان کرو۔

۳۴۔ لارڈ اروِن کے عہد کے مشہور واقعات بیان کرو۔

۳۵۔ لارڈ لنگڈن کے عہد کے مشہور واقعات مختصر طور پر بیان کرو۔

۳۶۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے تم کیا سمجھتے ہو۔ اس پر مفصل نوٹ لکھو۔

۳۷۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں کی لڑائیوں کو مختصراً بیان کرو۔ جو ان کو ہندوستان میں لڑنا پڑیں۔

۳۸۔ واسکوڈے گاما۔ ڈوپلے۔ کونٹ لالی و نندکمار پر مختصر نوٹ تحریر کرو۔

۳۹۔ پلاسی کی لڑائی کے واقعات۔ اہمیت اور نتائج بیان کرو۔

۴۰۔ نواب سراج الدولہ۔ میر جعفر اور میر قاسم پر مفصل نوٹ سپرد قلم کرو۔

۴۱۔ لارڈ کلائیو کو انگریز حکمران کیوں پسند کرتے ہیں۔ اور ہندوستانی مؤرخ اس کو کیوں برا سمجھتے ہیں۔ وجہ بیان کرو۔

۴۲۔ لارڈ کلائیو کو ہندوستان میں انگریزی حکومت کا بانی کیوں کہا جاتا ہے۔ مفصل بیان کرو۔

۴۳۔ لارڈ وارن ہیسٹنگز پر انگلستان میں کیوں مقدمہ چلایا گیا۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا۔

۴۴۔ لارڈ کارنوالس کے دوامی بندوبست سے تم کیا سمجھتے ہو۔ بتاؤ اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمدنی پر کیا اثر پڑا۔

۴۵۔ لارڈ ولزلی کے زمانہ کے مشہور واقعات مفصل بیان کرو۔

۴۶۔ سلطان ٹیپو کو مجاہدِ اعظم اور شیر دکن کے لقب سے کیوں یاد کیا جاتا ہے۔ مفصل نوٹ لکھو۔

۴۷۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے اپنے زمانہ میں مسلمانانِ ہند کی کیا خدمات انجام دیں۔

۴۸۔ مرہٹوں کے عروج و زوال پر مختصر نوٹ لکھو۔

۴۹۔ سیواجی پر مفصل نوٹ لکھو۔ بتاؤ اس کو پہاڑی ڈاکو کیوں کہتے ہیں۔

۵۰۔ احمد شاہ ابدالی کون تھا۔ پانی پت کی تیسری لڑائی کا مفصل حال لکھو بتاؤ۔ اس لڑائی کا ہندوستان کی تاریخ پر کیا اثر پڑا۔

۵۱۔ لارڈ ڈلہوزی ہندوستان کی تاریخ میں کیوں مشہور ہے۔ اس پر مفصل نوٹ لکھو۔

۵۲۔ لارڈ کرزن ہندوستان کی تاریخ میں کیوں مشہور ہے۔ مختصر طور پر بیان کرو۔

۵۳۔ لارڈ منٹو ثانی۔ لارڈ ارون اور لارڈ ویول پر مختصر نوٹ لکھو۔

۵۴۔ سر سید احمد خاں نے اپنے زمانہ میں مسلمانوں کی کیا خدمات انجام دیں مفصل بیان کرو۔

۵۵۔ علی گڑھ تحریک سے تم کیا سمجھتے ہو۔ بتاؤ۔ اس تحریک نے پاکستان کے حصول میں کیا امداد کی؟

۵۶۔ گورونانک کی زندگی بیان کرو۔ ان کو سکھ مذہب کا بانی کیوں کہا جاتا ہے؟

۵۷۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی حکومت سے مسلمانان ہند کیوں بیزار ہوئے۔ بیان کرو۔

تاریخِ پاکستان

تاریخِ پاکستان

پس منظر

آزادی اور اسلام دونو ہمیشہ سے لازم ملزوم رہے ہیں۔ مسلمانوں کا مذہب اور سیاست کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ہوئے۔ مسلمان آزادی کی نعمت سے اسی وقت محروم ہوئے۔ جب انہوں نے اسلامی اصولوں سے انحراف کیا۔ جب تک انفرادی اور اجتماعی دونو صورتوں میں انہوں نے اپنی پوری زندگی شریعت اسلامی کے مطابق ڈھالی۔ دنیاوی جاہ و جلال نے بھی ان کے قدم چومے جس ملک میں بھی وہ اپنے ان اصولوں کے ساتھ گئے۔ وہاں کی حکومت ہُما کے سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہی۔

وہ مسلمان ہی تھے۔ جنہوں نے دنیا کو صحیح معنوں میں حکمرانی کے اصولوں سے آشنا کیا۔ غیر مسلم رعایا مسلمان فرمانرواں کے ماتحت رہ کر ہی عدل و انصاف سے واقف ہوئی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ محمد بن قاسم کو جب ہندوستان سے واپسی کا حکم ملا۔ تو ہندو زار زار رونے تھے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ عدل و انصاف کے نام سے ناآشنا تھے۔ اور اس ظلم سے تنگ آ چکے تھے۔ جو ہندو راجہ ان پر روا رکھتے تھے۔

مسلمانوں نے جب تک ہندوستان پر حکومت کی۔ خدمتِ خلق کا اہم اور مقدس فریضہ ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جونہی اس کے جانشینوں نے اسلامی اصولوں سے انحراف کیا۔ اور ذاتی اغراض کی کشاکش کے علاوہ عیش و عشرت کا دور شروع ہوا۔ حکومت کی باگ ڈور

ان سے چھن گئی۔ خود غرضی۔ تن آسانی اور عیش و عشرت کے علاوہ مسلمانوں کی سادہ لوحی بھی ان کے زوال کا باعث بنی۔ راجپوتوں۔ مرہٹوں۔ سکھوں اور انگریزوں کے گٹھ جوڑ اور عیاریوں کے سامنے مسلمانوں کی کوئی پیش نہ گئی۔ حتیٰ کہ انہیں تاج و تخت کی نعمت سے محروم ہونا پڑا۔

اسلامی حکومت کے خاتمہ کے فوراً بعد مسلمانانِ ہند کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوا۔ اس زمانے میں چند ایسی ہستیاں بھی پیدا ہوئیں جنہوں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ مگر وقت گزر چکا تھا۔ قدرت کے اٹل قانون کو کون بدل سکتا تھا۔ اس قدرتی قانون کے مطابق مسلمانوں کو بھی اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ مگر یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت سے ہی اپنا مقام حاصل کرنے کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی۔ یا یوں کہیئے کہ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

سلطان حیدر علی خاں

سلطان حیدر علی خاں (جس کے حالات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) پہلا شخص تھا جس نے مسلمانوں کی غلامی کو شدت سے محسوس کیا۔ اس کی اپنی تمام زندگی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کے لئے وقف رہی۔ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اس نے آزادی کا صحیح تصوّر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ عیش و عشرت اور تن آسانی سے اسے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ اس کی بلند شخصیت اور اولوالعزمی کا یہ عالم تھا۔ کہ انگریز مرہٹے اور نظام تینوں سلطان سے لرزہ بر اندام رہتے تھے۔ اسے کئی دفعہ موقع ملا۔ کہ انگریزوں کی قوت کو کچل کر رکھ دے۔ لیکن اس نے ہر موقع پر صلح کی درخواست کو ٹھکرا دینا۔ اور دشمن کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا مروّت کے خلاف جانا۔

سلطان ٹیپو

سلطان ٹیپو نہ صرف اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلا۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ اس کے دل میں اسلامیات کا جذبہ اپنے باپ کی نسبت بہت بڑھا ہوُا تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ اپنے وطنِ عزیز کو انگریزوں کی ریشہ دوانیوں سے نجات دلائے لیکن ہندوستانی اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے۔ بلکہ انگریزوں کے ساتھ مل کر ٹیپو کے خلاف نبرد آزما رہے۔ وہ تنہا تمام مخالف قوتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔ اگر اس وقت فضا سازگار ہوتی تو آج اس ملک کی تاریخ ہی مختلف ہوتی۔ مگر اس نے جب دیکھا کہ وہ چاروں طرف سے سازشوں سے گھر گیا ہے۔ تو اس نے موت کی آزادی کو انگریز کی غلامی پر ترجیح دی اور دشمنوں سے لڑتا ہوُا شہید ہوُا۔

ہندوستان میں آزاد اسلامی حکومت کے قیام کے لئے یہ پہلا خون تھا جو ڈیڑھ سو سال کے بعد رنگ لایا۔

مجاہدین کے کارنامے

قریباً اسی زمانے میں اشاعتِ دینِ مبین کا کام بالکل رک چکا تھا۔ لوگ مذہب کو ایک عضوِ معطل سمجھنے لگے تھے۔ اور انگریز اس میں اپنی بڑی کامیابی سمجھتا تھا۔ ایک بڑے عیسائی پادری سے جب پوچھا گیا۔ کہ تمہاری تبلیغ کا کتنا کچھ اثر ہوُا تو اس نے جواب دیا۔ صاحب، ہمارے تبلیغی مشن بہت کامیاب رہے۔ سوال کیا گیا۔ تم کتنے لوگوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہوئے؟ جواب ملا۔ لوگوں کی تعداد معلوم کرنے سے پہلے اس کوشش کو ملحوظ رکھو۔ جس کے ذریعے سے ہم نے لوگوں کو ان کے مذہب سے برگشتہ بنا دیا۔ اب ہمارے لئے راستہ صاف ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ مسلمان قانونِ خداوندی سے انحراف کر چکا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی۔ کہ کوئی جماعت مسلمانوں کو پھر سے راہِ راست

پر لا کر ان کے دلوں میں خدا کا زندگی پرور پیغام ڈال دے۔ چنانچہ یہ کام قدرت نے ایک ایسی مجاہد جماعت سے لیا۔ جس کے محیر العقول کارنامے اب تک ہمارے خونِ جگر کو گرماتے رہتے ہیں۔

مجاھدین کی یہ جماعت مولانا سیّد احمد شہید، مولانا شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی (متوفی ۱۸۲۴ء) مولانا عبدالقادر دھلوی۔ مولوی کرامت علی جونپوری (متوفی ۱۸۷۳ء) ایسے بزرگوں پر مشتمل تھی۔ مولانا سید احمد شہید بریلوی نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔ اور نومبر ۱۸۲۶ء میں انتہائی بے سر و سامانی کے باوجود مسلمانوں کی آزادی کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ ۱۸۳۰ء میں پشاور سے لے کر دریائے سندھ تک کا علاقہ ان کے زیرِ اثر آ گیا تھا۔ انہوں نے اس علاقہ میں شرعی نظام کی بنیادیں استوار کرنا شروع کر دی تھیں۔ دراصل ان کا مقصد بہت بلند تھا۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ ہندوستان کو غیروں کی حکومت سے آزاد کرا کر ایک آزاد اسلامی حکومت قائم کریں۔ مگر ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو وہ بالاکوٹ (ضلع ہزارہ) کے مقام پر سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ لیکن ان کا پاک خون رائگاں نہیں گیا۔ ان کی شہادت کے بعد بھی ان کی تحریک پھلتی پھولتی رہی۔

اس جماعت کے بزرگوں نے جہاں دین اسلام کی تعلیمی اشاعت میں اپنی بہترین کوششیں صرف کیں۔ وہاں تلوار سنبھال کر اس کا عملی پہلو بھی لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ بالاکوٹ ایک ایسا مبارک مقام ہے۔ جس کی فضا اب بھی مجاھدانہ سپرٹ سے لبریز ہے۔ یہ لوگ انگریز دشمنی کو اپنا عقیدہ سمجھتے تھے۔

مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے قرآن حکیم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ جو تراجم قرآن میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولوی کرامت علی صاحب جونپوری بنگالی مسلمانوں کی اصلاح کے لئے بہت

کچھ کوششیں عمل میں لاتے۔ لیکن انگریز بھلا ایسی جماعت کو کب پنپنے دیتے تھے۔ ان کی خفیہ کوششوں سے خود مسلمان پھوٹ کا شکار ہوتے۔ بہر حال اس جماعت کی کوششوں سے مسلمانوں میں جہاد کی سپرٹ پیدا ہوئی۔ درس قرآن وحدیث اور تراجم قرآن سے دینِ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اور مسلمانوں سے بدعات اور توہمات کی خرابیاں دور ہو گئیں۔ اگر یہ بزرگ مسلمانوں کی زبون حالی کو دور کرنے کی طرف توجہ نہ فرماتے تو بہت ممکن تھا۔ کہ انگریز کے زہر آلود اثر سے یہ قوم اس درجہ پس کر رہ جاتی۔ کہ سرے سے اپنا وجود ہی کھو بیٹھتی۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

مسلمانوں نے ہندوستان پر کم و بیش ایک ہزار سال اپنی انصاف پرور حکومت کا ڈنکا بجایا۔ اور قدرت کے اٹل قانون کے مطابق اورنگ زیب کی وفات سے کچھ عرصہ بعد اس عظیم الشان سلطنتِ اسلامیہ کو زوال آ گیا۔ اور یہ سلطنت ان کے پاکیزہ ہاتھوں سے نکل کر ڈیڑھ سو سال کے طویل عرصے کے لئے۔ سمندر پار کی سفید فام قوم کی تحویل میں چلی گئی۔ انگریز تجارتی اغراض۔ کے ماتحت ہندوستان آئے۔ اور حالات کو سازگار پا کر اپنی مخصوص حکمتِ عملی سے کم و بیش دو صدیوں تک یہاں حکومت کرتے رہے۔ انگریز نے یہ سلطنت کیوں کر حاصل کی۔ اور کیوں کر اسے مستحکم بنایا۔ یہ ایک ایسی داستان ہے۔ جس کو دہرانے سے جگر پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اور روحِ انسانی کانپ اٹھتی ہے۔ انگریز نے ہندوستان میں قدم جماتے ہی ہندوستانی ذہنیت کا خوب غور سے مطالعہ کر لیا تھا۔ اور اپنے مطالعہ کی روشنی میں ایسی خوبی اور چابک دستی سے حکومت کی۔ کہ ہندوستانی ذہنیت کی کایا پلٹ دی۔ اور ان کے ذہنی جوہروں کو مسخ کر دیا۔ کیا مسلمان اور کیا ہندو یہ دونوں بڑی قومیں

انگریز کی مسحور کن آواز پر رقص کرتی رہیں۔ اور جب انہیں ہوش آیا۔ تو دیکھا کہ گھر لٹ چکا ہے۔ اور آزادی کے تمام جذبات سلب ہو چکے ہیں۔ اس ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں انگریز نے کبھی اپنے بازو کی طاقت سے اپنی برتری کا لوہا منوایا۔ اور کبھی اصلاحات کی لوری دے دے کر ہمیں اپنا گرویدہ بنایا۔ ہندوستانی ذہن نے ان دونو طریقوں کو بخوشی قبول کیا تھا۔

انگریز نے حکومت مسلمان سے چھینی تھی۔ اس لئے اسے زیادہ خطرہ بھی اسی اولوالعزم قوم سے لاحق تھا۔ وہ مسلمان مجاہدین کے محیرالعقول کارنامے سن چکا تھا۔ اور وہ سمجھ چکا تھا۔ کہ جب تک اس قوم کو دبا کر نہ رکھا جائے گا۔ ہندوستان کی سرزمین پر اسے امن اور چین نصیب نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے اس نے اپنی تمام حکمت عملی کا مرکز مسلمان کو بنایا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ یورپ کی دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی انگریزوں نے ۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے تاجر لوگوں کی ایک جماعت قائم کی۔ کہ گرم مسالے کے جزائر اور ہندوستان سے تجارتی تعلقات قائم کرکے اپنی تجارت کو فروغ دیں۔ ولیم ہاکنز اور سرطامس رو جہانگیری دربار میں تجارت کے لئے مراعات حاصل کرنے آئے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس لوٹے۔ شاہ جہان کے عہد میں اس کی چہیتی لڑکی جہاں آراء کسی حادثے کے باعث آگ کی لپیٹ میں آ گئی۔ اور جل کر بہت بری طرح زخمی ہوئی۔ تو ایک انگریز ڈاکٹر نے اس کا علاج کیا۔ اس کے زخم مندمل ہو گئے۔ تو انگریزوں کو اس خدمت سے بھی فائدہ پہنچا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مسلمان ٹکڑے ٹکڑے

ہو کر رہ گیا۔ اور وہ عظیم الشان سلطنت جو شمالی ہندوستان اور دکن کے اکثر علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ قلعہ دہلی اور چاندنی چوک تک سمٹ کر رہ گئی۔ خود غرض صوبے دار اور سردار اس طوفانی دور میں فتنہ برپا کرتے رہے۔ ادھر مرہٹوں اور جاٹوں نے سر اٹھایا۔ انگریز کی ریشہ دوانیوں کے لئے یہ موقعہ بڑا سنہری تھا۔ اور پھر ان کی قسمت کا ستارہ اوج پر تھا۔ انہوں نے مدراس اور دکن سے فرانسیسیوں کو مار بھگایا۔ اور بنگال جیسے زرخیز صوبے کی راہ شمالی ہند پر رفتہ رفتہ چھا گئے۔ کبھی نندکمار کو پھانسی پر لٹکایا۔ کبھی میر قاسم اور میر جعفر سے ساز باز کی۔ کبھی راجہ چیت سنگھ اور والئ اودھ کو لوٹا۔ اور کبھی بیگماتِ اودھ پر انسانیت سوز مظالم توڑے۔ وارن ہیسٹنگز پر انگلستان میں گو بددیانتی اور ظلم روا رکھنے کے لئے مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن وہ جس مقصد کے لئے ہندوستان بھیجا گیا تھا۔ اس نے بہ تمام و کمال پورا کیا۔ اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے لارڈ ڈلہوزی نے اصلاحات کے سبز باغ دکھا دکھا کر اس کو پورا کر لیا۔

لارڈ ڈلہوزی کے عہد سے لے کر وکٹوریہ کے ۱۸۵۸ء کے اعلان تک ہندوستان ایک ایسے دور میں سے گزرا۔ جس میں بے تابی تھی۔ اور ہندوستان کا ایک ایک ذرہ زبانِ حال سے پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا۔ کہ وقت پڑے تو پھر سے آزادی کی بہاریں حاصل کرنے کے لئے اپنا جگر خون ایک کرے گا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں وہ وقت آ پہنچا۔ اور شمالی ہند میں وہ غلغلہ برپا ہوا۔ جس کو انگریزوں کے زمانے کی تاریخیں تو غدر سے یاد کرتی ہیں۔ لیکن انصاف پسند نظرین اسے پہلی جنگِ آزادی سے تعبیر کرتی ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے اسباب اس کتاب کے ایک حصے

میں مناسب طور پر بیان ہو چکے ہیں۔ یہ اسباب سیاسی بھی تھے اور سماجی بھی۔ مذہبی بھی تھے اور فوجی بھی۔ لیکن ان اسباب میں ایک جذبہ بڑی شدت سے کار فرما تھا۔ یعنی انگریزوں سے نفرت اور انگریزی راج سے ناپسندیدگی۔ ہندوستانی لوگوں کی آنکھوں کے سامنے انگریزوں کے وہ مظالم جو انہوں نے ہندوستانی نوابوں یا راجاؤں پر توڑے اور وہ خود غرضانہ حکمت عملی جو اصلاحات اور تمدن کے پردے میں انہوں نے روا رکھی۔ ایک ایک کر کے آتے رہے۔ اور منافرت کے انتہائی جذبات شمالی ہند کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ اگرچہ ان جذبات کا اظہار بعض بعض اہم مقامات پر ہوا۔ لیکن انگریز دشمنی ہندوستان کی فضا کا ایک جزو بن چکی تھی۔ مادرِ وطن کو غیروں کے چنگل سے آزاد کرانا گو ہندو اور مسلمانوں کا ایک مشترکہ مقدس فرض بن گیا تھا لیکن جب ہم اس تحریک کی ناکامی کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ نکتہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ مسلمان اپنے مفاد کے لئے لڑ رہا تھا۔ اور ہندو اپنے مفاد کے لئے۔ یعنی مسلمان یہ چاہتا تھا۔ کہ اس کی سسکیاں بھری سلطنت میں پھر سے جان پڑ جائے۔ اور وہ پھر سے اپنے عدل و انصاف اور رعایا پروری کی خوشبوؤں سے سرزمینِ ہند کو مہکا دے۔ ادھر ہندو مرہٹوں کی طاقت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ دوسرے الفاظ میں "ہندو اور مسلمان واضح طور پر دو مختلف قومیں ہیں" یہ تخیل جو پاکستان کا سنگِ بنیاد تھا۔ اس وقت بھی دونوں قوموں میں کارفرما تھا۔ اور اس نے عملی شکل اس وقت اختیار کی۔ جب واضح الفاظ میں پاکستان کا مطالبہ شروع ہو گیا۔

دراصل یہ بھی مسلمانوں کی تحریکِ آزادی تھی۔ جو ۱۸۵۷ء میں شروع ہوئی اور نوے سال بعد اگست ۱۹۴۷ء میں حصولِ پاکستان پر

ختم ہوئی۔

جنگِ آزادی کے دُور رس نتائج

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اور اس سلسلے میں وہ جان گُسل مصائب جھیلے۔ جو صرف اسی قوم کا حصّہ ہے۔ آزادی کے لئے جنگ لڑنا ان کے لئے ایک مقدس فرض تھا۔ اور ایک ایسا حق تھا جس کو انہوں نے پورے طور پر ادا کیا۔ اس جنگ کے بعد انگریزوں کا نظریہ بہت حد تک بدل گیا۔ ان کو اب یہ خیال تھا۔ کہ آزادی حاصل کرنے کے لئے اگر ہندوستانی ایک دفعہ سردھڑ کی بازی لگا سکتے ہیں تو دوسری مرتبہ بھی اس کا امکان ہو سکتا ہے۔ اس لئے اب انگریز نے ایک نئی قسم کی حکمتِ عملی کو فروغ دینا شروع کیا۔ وہ سمجھ چکا تھا۔ کہ جب ہندو مسلم اتحاد کا امکان موجود ہے۔ اس کی ہندوستان میں دال نہیں گل سکتی۔ پہلے اس اتحاد کو دو ٹکڑے کرنا چاہیئے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس ایک ہی حربہ تھا کہ ایک قوم کو ذرا ابھارا اور دوسری کو اتنا ہی پست کر دیا۔ پہلی غرض کے لئے انگریز کی نظرِ انتخاب ہندو پر پڑی۔ اور دوسری کے لئے مسلمان کو منتخب کیا گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ کے نتیجے کے طور پر مسلمان ایک، ایسا جسم بن کر رہ گیا تھا۔ جس میں روح باقی نہ رہی ہو۔ اور انگریز کا مقصد بھی یہی تھا۔ کہ اس قوم میں حکومت کی بُو تک باقی نہ رہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا۔ کہ ہندو کو مسلمان کے مقابلہ میں لا کھڑا کرے۔ اور آہستہ آہستہ اس میں اتنی استعداد اور ذہنی قوت پیدا کی جائے۔ کہ بالآخر مسلمان کو بہت پیچھے چھوڑ جائے۔ مسلمان ہندو

کی بہ نسبت ذہنی۔ تمدنی۔ معاشرتی اور بہادری و ایثار کے لحاظ سے کم نہ تھا۔ پھر کیا وجہ تھی۔ کہ انیسویں صدی کے آخری نصف اور بیسویں صدی کے پہلے ربع کے درمیانی عرصے میں ہندو، مسلمان کو ترقی کی دوڑ میں کیوں پیچھے چھوڑ گیا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ انگریز کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا۔ اس مقصد کو انگریز نے کیوں کر حاصل کیا۔ یہ ایک ایسا پیچیدہ اور تحیر خیز سوال ہے۔ جس کی تشریح ان تحریکات کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد یا فوراً پہلے نمودار ہوئیں۔

انگریز نے ہماری بعض کمزوریوں سے بے حد فائدہ اٹھایا۔ اور ان سے اسے اپنے مقاصد میں بے اندازہ تقویت ملتی رہی۔ ہماری کمزوری کا سب سے نمایاں پہلو ہمارے مذہبی اختلافات ہیں۔ جو کبھی شیعہ سُنی تنازعات۔ کبھی وہابی اور غیر وہابی جھگڑوں اور ایسے ہی دوسرے عقائد کے اختلافات میں نمودار ہوتے رہے۔ انگریزوں نے ہماری سوسائٹی میں سے ہر قماش اور ہر پیشے کے لوگ خرید رکھے تھے۔ جن کے ذریعے سے وہ مختلف عقائد کے لوگوں میں منافرت پھیلاتے رہتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ہمارا سماج مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گیا۔ اور اس میں یک جہتی اور اشتراکِ عمل جو قوموں کی زندگی اور بقا کے لئے ایک بڑی ضروری اور اہم چیز ہے۔ آہستہ آہستہ مفقود ہو گیا۔ ہماری تمام تر توجہ کا مرکز یہی اختلافات بن گئے اور تعمیری سرگرمیوں کا وجود سرے سے مٹ گیا۔

سو یہ تھے حالات جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ظاہر ہوئے اور جن کا مسلمان مقابلہ کرتے رہے۔ ان ہلاکت خیز حالات کا مقابلہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کوئی انفرادی کوشش ایسے حالات میں

پنپ نہ سکتی تھی۔ قدرت کو ایک دفعہ پھر مسلمانوں کی زبوں حالی پر غیرت آئی۔ اور ایسی جماعتیں وجود میں آئیں۔ جو اپنی بے لوث خدمات سے مسلمانوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگاتی رہیں۔ یہاں تک کہ اس مُردہ قوم میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ جو بالآخر پاکستان کی شکل میں نمودار ہوئے۔

علی گڑھ تحریک

دنیوی تعلیم کے سلسلے میں علی گڑھ تحریک نے نمایاں کام کیا۔ جنگ آزادی کے بعد مسلمان تعلیمی لحاظ سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ وجہ یہ تھی۔ کہ اب انگریزی نے دفتری زبان کی حیثیت سے فارسی کی جگہ لے لی تھی۔ اس لئے نہایت ضروری تھا۔ کہ حکومت کی پالیسی سے آگاہ رہنے اور اپنی قوم کے لئے سوسائٹی میں ممتاز مقام حاصل کرنے کی غرض سے انگریزی زبان سے استفادہ کیا جائے۔ لیکن ادھر حالت یہ تھی۔ کہ علماء نے انگریزی کو کافروں کی زبان گردانتے ہوئے اس کا پڑھنا اور سیکھنا حرام قرار دے دیا۔ علماء نے ہنگامی حالات سے متاثر ہو کر یا انگریزوں کے حالات دیکھ کر ایسا فتویٰ صادر کیا۔ بہر حال انگریزوں کو اس اختلاف سے کافی فائدہ پہنچا۔ مسلمان جس عبوری عرصے میں انگریزی پڑھنے یا اس سے کنارہ کش رہنے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ ہندوؤں نے اس زمانے سے فائدہ اٹھایا۔ اور وہ ہم سے تعلیمی دوڑ میں بہت دور آگے نکل گئے۔ قدرت کو منظور تھا۔ کہ مسلمان انگریزی زبان سے بہرہ یاب ہو۔ چنانچہ علی گڑھ سے ایک آواز بلند ہوئی۔ کہ مسلمان کے لئے انگریزی پڑھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ دینوی علوم مروجہ۔ یہ آواز سر سید احمد خاں اور ان کے دوسرے ہم خیال لوگوں نے بلند کی۔ اس آواز کی کافی مخالفت ہوئی۔ لیکن مخالفین کو آخر کار جھکنا پڑا۔ اور مسلمانوں

تھوڑے ہی عرصے میں پھر اپنی ذہنی استعداد کے جوہر دکھائے۔ اور انگریزی کی وساطت سے دیگر مغربی علوم سیکھنے میں بھی بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے۔ سرسید احمد خاں خود انگریزی تحریر اور تقریر میں خاصہ ملکہ رکھتے تھے۔ اور ان کی جماعت نے کافی ایثار و قربانی کے بعد مسلمانوں میں انگریزی زبان سیکھنے کا اشتیاق پیدا کیا۔ اس بلند مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے علی گڑھ میں ایک عظیم الشان ایم۔ اے۔ او کالج کی بنیاد ڈالی۔ جو اپنی تعلیمی خصوصیات کا لوہا اب تک منواتا رہا ہے۔ بعد میں یہی کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا۔

سرسید احمد خاں کے مذہبی عقائد سے بعض لوگوں کو شدید اختلافات ہوں۔ لیکن ان سے قطع نظر انہوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور وقتی اقتضاء کے ماتحت بہت بڑی خدمت سرانجام دی۔ انہوں نے مسلمانوں کو کانگرس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی۔ اور کوشش کر کے "محبانِ ہند" نامی جماعت کی تشکیل کی۔ جس کا مقصد کانگرس کے سیاسی نظریات کی تردید اور مخالفت کرنا تھا۔

تعلیمی ادارے

اشاعتِ دین کے مقصد کے لئے دیوبند[1] ضلع سہارنپور میں ایک بہت عظیم الشان خالص اسلامی ادارہ

[1] اس کا سنگ بنیاد حضرت مولانا سید محمد قاسم صاحب نانوتوی نے رکھا۔ مولانا محمود الحسن۔ مولانا سید انور شاہ صاحب۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قاری محمد طیب صاحب ایسے بزرگوں نے باری باری اپنے خلوص و محبت سے اس کی آبیاری کی۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے صدر تھے۔ اور مجلسِ وضع قوانین پاکستان کے رکن تھے۔ دیوبندی حضرات اپنے اپنے زمانہ میں ملک کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ لیکن ان کا میلان اکثر کانگرس کی طرف رہا۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے وقت کی ضرورت پہچانی۔ اور کانگرسی علماء سے علیحدہ ہو کر پاکستان کو اپنی بیش قیمت خدمات سے نوازا۔ آپ نے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاولپور میں انتقال فرمایا۔ اور کراچی میں سپردِ خاک کئے گئے۔

قائم ہوا۔ اس ادارے میں بڑے بڑے محدث۔ فقیہہ اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ ہر سال ہزاروں طالب علم۔ علمِ دین کے رموز و اسرار سے بہرہ یاب ہو کر دیوبند سے نکلتے رہے ہیں۔ اور اس برصغیر پاک و ہند اور دیگر ممالکِ اسلامی میں اشاعت و تبلیغ کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اس ادارے کا انتظام دیگر اچھے اداروں کی طرح بہت تسلی بخش ہے۔ اور اس بات میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں۔ کہ مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ضروریات کو یہ ادارہ پورا کرتا رہا ہے۔ بریلی میں بھی دینی تعلیم کے لئے اسی قسم کا بہت اچھا انتظام موجود رہا ہے۔

دیوبند اور بریلی کے اسلامی اداروں کے علاوہ دارالعلوم فرنگی محل (لکھنؤ) مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور۔ مدرسہ سلفیہ دربھنگہ (بہار) مدرسہ رحمانیہ (دہلی) اور امرت سر میں بھی ایسے ادارے قائم رہے ہیں۔ جو بیش بہا خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ یہ سب ادارے جن کے بارے میں نہایت اختصار کے ساتھ مندرجہ بالا چند سطور قلم بند کی گئی ہیں۔ انگریزوں اور ان کے چیلے چانٹوں کی شدید مخالفت کے باوجود مسلمانوں میں اسلامی سپرٹ پیدا کرتے رہے۔ اور تعلیم و تعلّم کے ذریعے سے ان میں بیداری کی رُوح پھونکتے رہے ہیں۔ لیکن دنیوی تعلیم کا انتظام جس کے وسیلے سے عام طور پر روزی کمائی جاتی ہے۔ ان اداروں میں بالکل نہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ عوام ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

بعض علم دوست حضرات نے اسلامی موضوعات پر ضخیم کتابیں لکھیں اور اس طرح پڑھے لکھے لوگوں تک اسلام کا پیغام اور مسلمانوں کی موجودہ ضروریات پہنچائیں۔ اور ان میں بیداری پیدا کی۔ ان حضرات میں سید سلیمان ندوی۔ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی۔ نواب سر مزمل اللہ خاں بھیکم پوری

شبلی نعمانی - مولانا اشرف علی تھانوی - ابوالاعلیٰ مودودی اور اعظم گڑھ اور ندوۃ العلماء کے مصنفین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انجمن حمایت اسلام لاہور

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ کہ سرسید نے انگریزی تعلیم مسلمانوں میں رائج کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اور مسلمان اس طرف مائل بھی ہوئے۔ کیونکہ جہاں تک ملازمت کا تعلق تھا۔ وہ انگریزی جانے بغیر حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ ہر قسم کے کاروبار میں بھی انگریزی نے اپنا تسلط جمانا شروع کر دیا تھا۔ سرسید کی آواز پر شمالی ہند کے جس بہت بڑے ادارے نے لبیک کہی وہ انجمن حمایت اسلام لاہور ہے۔ یہ انجمن ۱۸۸۴ء میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی چند ایسے مخلص بزرگ تھے۔ جنہوں نے بھیک مانگ مانگ کر اس عظیم الشان ادارے کی آبیاری کی۔ تاکہ مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے علوم مروجہ سے بہرہ یاب ہونے کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے۔ اس انجمن کے سالانہ اجلاس بڑی دھوم دھام اور اہتمام سے منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں بہترین مقرر اپنے مفید خیالات کو عوام تک پہنچاتے ہیں۔ اور ان میں بیداری کی روح پھونکتے ہیں۔ اس انجمن کے زیر اہتمام پانچ ہائی سکول۔ دو ڈگری کالج۔ ایک طبیہ کالج۔ ایک اشاعتِ اسلام کالج چل رہے ہیں۔ بچوں کے لئے انجمن نے چند مفید کتابیں بھی چھاپی ہیں۔ ہر سال کئی ہزار طلبا ان اداروں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔ اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء نے مختلف موقعوں پر مسلم لیگ کی جو شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کو تاریخ کبھی محو نہیں کر سکتی۔ یہ قید ہوئے۔ اپنی پڑھائی کا ہرج کر کے مسلم لیگ کا پراپیگنڈہ کرتے رہے۔ جلسوں اور جلوسوں کی رونق بنے۔ غرض کہ ہر طرح اس پودے کو اپنے خلوص اور اپنی سرگرمی سے سینچا۔

مسلم لیگ

۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب وقار الملک، نواب ڈھاکہ نے

آل انڈیا مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالی جس کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے:۔

د۔ مسلمانانِ ہندوستان کے سیاسی حقوق اور مفاد کی نگہداشت کی جائے۔ اور ان کی ضروریات سے حکومتِ ہند کو آگاہ کیا جائے۔

ب۔ ہندوستان میں بسنے والی دوسری قوموں کے خلاف ان شکوک کو دور کیا جائے۔ جو کسی غلط فہمی کے باعث مسلمانوں کے دل میں پیدا ہو چکے ہیں۔

ان مقاصد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں بھی مسلمانانِ ہند کو پورا پورا احساس تھا۔ کہ ہندوستان میں بسنے والی قومیں ایک ہی قوم کی مختلف شکلیں نہیں۔ بلکہ حقیقتاً مختلف قومیں ہیں۔ جن میں مسلمان ایک مستقل قوم ہے۔ اور اس کو اپنی بقا کے لئے جدوجہد کرنے کا حق حاصل ہے

مسلمانوں کو علیحدہ جماعت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا جواب ہندو عوام اور ہندو لیڈروں کے رویے سے ملتا ہے۔ جو انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کے بارے میں روا رکھا۔ ہنود حکومت میں اکثریت کے حامی تھے۔ اور سرسید اس بات کو بھانپ چکے تھے۔ کہ اگر حکومت اکثریت کے ہاتھ میں آ گئی۔ تو مسلمانوں کے حقوق پامال ہو جائیں گے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں اس بات پر اختلافات بڑھتے گئے یہاں تک کہ ۱۹۰۵ء میں بنارس میں کانگرس کا جو سالانہ اجلاس ہوا۔ اس میں مسلمان مندوبین کی تعداد ۷۵۶ میں صرف ۱۷ تھی۔ ۱۹۰۶ء میں نواب معین الملک کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک وفد وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے ملا۔ اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ نمائندگی کا مطالبہ کیا۔ جو منظور ہو گیا۔ اور اسی نمائندگی سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے لئے مسلم لیگ وجود میں آئی۔

مسلم لیگ کے ابتدائی زمانے میں مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا

ابوالکلام آزاد کی تقریروں اور تحریروں نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے اور وہ آزادی حاصل کرنے کے لئے میدان میں کودنے لگے۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں کانگرس اور مسلم لیگ میں مفاہمت ہو گئی۔ یہ مفاہمت پہلی جنگِ عظیم میں مولانا محمد علی مرحوم کی بے لوث کوششوں سے جاری ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ تحریکِ خلافت نے زور پکڑا۔ یہ تحریک ترکوں کی حمایت میں اور انگریزوں کے خلاف تھی۔ گاندھی جی اس تحریک میں مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ اس لئے مسلمان دھڑا دھڑ کانگرس میں شامل ہونے لگے۔ اب گاندھی جی اور ان کے چیلوں نے ایک خونین چال چلی۔ جس کے نتیجے کے طور پر آج بھی بعض مسلمانوں کے گھروں میں ویرانی نظر آتی ہے۔ انگریزوں سے بائیکاٹ کیا گیا۔ ملازموں نے انگریزی ملازمتوں پر لات ماری۔ مقدمہ باز لوگوں نے انگریزی عدالتوں کی خدمات حاصل کرنے سے نفرت کا اظہار کیا۔ طلباء اور اساتذہ نے ان سکولوں اور کالجوں میں پڑھنے پڑھانے سے انکار کر دیا۔ جن میں انگریزی اصولوں پر تعلیم دی جاتی تھی۔ اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے اپنی جائدادیں فروخت کر کے افغانستان کی راہ لی۔ تیس ہزار مسلمان چند ہی روز میں قید و بند کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح ہزاروں کنبے پریشانی کا شکار ہو گئے۔

مہاتما گاندھی نے جب دیکھا۔ کہ مسلمانوں کو تباہ کرنے میں انہیں کسی قدر کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ تو انہوں نے اپنا پینترا بدلا۔ فرمانے لگے۔ اس تحریک سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے ہمیں اس کی بجائے آزادئ ملک کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی دوران میں پنڈت مدن موہن مالویہ، لالہ لاجپت رائے وغیرہ لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔ ملک میں جگہ جگہ فرقہ وارانہ فسادات ہونے لگے۔ مسلمان اپنی سماجی۔ تعلیمی اور دیگر اصلاحی سرگرمیاں

جاری نہ رکھ سکا۔ حکومت سے مسلمان یوں دو دو ہاتھ کر چکا تھا۔ ہندو نے بھی اپنی آغوش میں اسے جگہ نہ دی۔ بے کسی اور مایوسی کی حالت میں مسلمان نے محسوس کیا۔ کہ اسے اب اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہونا چاہیئے۔

مولانا محمد علی مرحوم نے ۱۹۳۱ء میں جب وہ دوسری گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کے حقوق کی نمائندگی کرنے لنڈن گئے۔ محسوس کیا کہ ہندو ذہنیت نے مسلمانوں کو ذلت کے کتنے گہرے گڑھے میں لا پھینکا ہے۔ چند یوم بعد مولانا کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی وفات پر خدا نے ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمایا۔ جس کی بے نظیر کوششوں اور بے مثال سرگرمیوں سے پاکستان وجود میں آیا۔ ہماری مراد قائد اعظم محمد علی جناح سے ہے۔

۱۹۳۴ء میں مسٹر جناح انگلستان سے واپس آ کر مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ جناح بذاتِ خود ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے حامی تھے۔ مسز سروجنی نائیڈو، ان کے بارے میں کہا کرتی تھیں۔ کہ "مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے علمبردار ہیں"۔ لیکن یہ اتحاد نہ ہونا تھا نہ ہؤا۔ مسٹر جناح کے لئے صرف ایک ہی راہ تھی۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے جنگ لڑنے کی تعلیم دی جائے۔ ان کی خامیوں کو دور کیا جائے۔ اور آزادی حاصل کرنے کے لئے ان میں صلاحیت پیدا کی جائے۔ مسٹر جناح کے سامنے ایک ایسا عظیم الشان کام تھا۔ جس کو انجام تک پہنچانا کئی لحاظ سے مشکل تھا۔ پہلی بات تو یہ تھی۔ کہ ہندوؤں کی سریح مخالفت سے بچ نکلنا جوکھوں کا کام تھا۔ دوسرے یہ کہ جس مسالے سے یہ شاندار عمارت تیار کرنا تھی۔ وہ مسالہ غیر پختہ تھا۔ مسلمان کی تربیت گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ادھوری رہ گئی تھی اور ایک قابل رہنما کی آواز پر لبیک کہنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ پھر ستم یہ تھا۔ کہ مسلمان جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کہیں احرار

اپنا مورچہ جمائے بیٹھے تھے۔ کہیں خاکسار اپنے بیلچے سنبھالے نبرد آزمائی کرنے کو تیار تھے۔ کہیں خدائی خدمت گار اور مومن اور یونینسٹ سنگ گراں بن رہے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر پیر اور ملا لوگ اپنی کمندیں پھینکے تاک میں تھے کہ کب جناح میدان میں آ کر کسی غلطی کا مرتکب ہو اور کب ہم کفر کا فتویٰ دے کر اسے ملت سے خارج کریں۔ غرض کہ بہت بڑی بڑی رکاوٹیں تھیں۔ جن کو سر کر کے مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔

مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے

قائد اعظم نے پہلا قدم یہ اٹھایا۔ کہ ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا وہ حصہ تو قبول کر لیا۔ جو صوبائی خود مختاری سے متعلق تھا۔ اور کل ہندوستانی فیڈریشن (وفاق) والا حصہ مسترد کر دیا۔ کانگرس نے دونوں حصوں کو نامنظور کیا۔ کل ہندوستان وفاق مسلمانوں کے لئے مہلک تھا۔ چونکہ مرکز میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اس لئے مسٹر جناح نے اس حصے کو منظور نہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ مسٹر جناح نے یہ نعرہ بھی لگانا شروع کر دیا۔ کہ ہم ایک مستقل قوم ہیں۔ ہمارا تمدن۔ ہماری تہذیب۔ ہمارا آرٹ، فن تعمیر۔ معاشرت۔ قوانین، سماجی رسوم۔ غرض سب کچھ ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ اس تصور نے مسلمانوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی۔ انہوں نے اس سے پہلے کبھی یہ نہیں سنا تھا۔ کہ ان میں اور ہندوؤں میں اس قدر مغائرت ہے۔ اس نئی آواز کو سن کر مسلمان جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونے شروع ہوئے لیکن ہر ہندو اپنی اپنی بساط کے مطابق زہریلے پراپیگنڈے میں مصروف نظر آنے لگا۔

انہی ایام میں الیکشن کا زور پڑ گیا۔ کانگرس نے نشستیں حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ گاؤں گاؤں کا کونہ کونہ چھان مارا۔

کہ پراپیگنڈے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ نتیجہ نکلا تو کانگرس مدراس۔ بمبئی۔ یوپی۔ سی پی۔ بہار اور اڑیسہ میں بھاری اکثریت لے گئی۔ مسلم لیگ نے بھی کافی نشستیں حاصل کیں۔ لیکن وہ اتنی نہ تھیں کہ ان کے بل بوتے پر وزارت بنا سکے۔ اس لئے اسے کسی نہ کسی پارٹی کے ساتھ شامل ہونا پڑتا۔

کانگرسی وزارت کی برکات

۷ر جولائی ۱۹۳۷ء کو کانگرس نے وزارتیں بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ بمبئی۔ مدراس۔ سی پی۔ یوپی۔ بہار۔ اڑیسہ اور سرحدی صوبے میں وزارتیں بنالیں۔ اور وزارتوں کے ساتھ ہی ساتھ ملک بھر میں فتنہ و فساد نے سر اٹھایا۔ بہار میں کسانوں نے نقض امن کیا۔ دوسرے صوبوں میں بھی کسانوں کی جماعتوں نے امن کو توڑا۔ کمیونسٹوں کو بھی موقع ہاتھ آیا۔ اور غریبوں کے حقوق کے لئے خوب لڑے۔ مئی ۱۹۳۸ء میں بمبئی اور کانپور کے کئی کئی ہزار مزدوروں نے ہڑتال کر دی۔ جگہ جگہ اشتعال انگیز تقریریں ہوئیں اور ملک بھر میں فرقہ وارانہ فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ کانگرس کے ترنگے جھنڈے لہرائے گئے اور بندے ماترم کا ترانہ سب اداروں کے لئے ایک ضروری امر قرار دیا گیا۔ گورنمنٹ کے اکثر دفاتر ہندو کلرکوں اور افسروں سے بھرپور ہو گئے۔

مسلم لیگ کی اس زمانے میں وہ نمایاں حیثیت نہ تھی۔ جو چند سال بعد اس کو حاصل ہوئی۔ کانگرس نے ستائیس ماہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لئے رکھی۔ اور اس عرصے میں مسلم لیگ۔ قائد اعظم کی رہنمائی میں، کانگرس کی حرکات کا بغور مطالعہ کرتی رہی۔ مولوی اے۔ کے فضل الحق نے "کانگرس کی حکومت میں مسلمانوں کے مصائب" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں وضاحت سے ذکر کیا گیا تھا۔ کہ کس کس طرح سے ہندوؤں نے گائے کی قربانی کو حکماً بند کر دیا۔ بوچڑوں پر مہلک حملے کئے۔ مساجد میں

گندگی پھینکی ۔ کانگرس نے مسلمان طالب علموں کو مجبور کیا ۔ کہ کانگرسی جھنڈے کو سلامی دیں ۔ اور ہاتھ باندھ کر مادرِ وطن کے سامنے "بندے ماترم" کا گیت گائیں ۔ کھدر کے کپڑے پہنیں ۔ کشتی نما گاندھی ٹوپی اوڑھیں ۔ ان باتوں نے ہندو مسلم اختلاف کو ہوا دی ۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۳۸ء میں پٹنہ کے اجلاس میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا ۔ کہ ان باتوں کے خلاف معقول قدم اٹھائے ۔ اور مسلمانوں کو ہندوستان کی جنگِ آزادی میں مناسب حقوق دلوائے ۔

قراردادِ پاکستان ۱۹۴۰ء

ان معاملات پر بحث ہو رہی تھی ۔ کہ دنیا کو دوسری جنگِ عظیم نے اپنی گرفت میں لے لیا ۔ ادھر اسلامیانِ ہند نے لاہور میں پاکستان کے بارے میں وہ قرارداد پاس کی ۔ جس کے ذریعے نے پاکستان نے عملی صورت اختیار کی ۔ اس قرارداد میں درج تھا ۔ کہ ہندوستان کی آئینی جنگ میں مسلمانوں کے لئے کوئی تجویز قابلِ قبول نہ ہو گی ۔ جب تک :-

۱ ۔ ہندوستان کے مسلم اکثریت والے علاقوں کو خود مختار ریاست کا حق نہ دیا جائے ۔

۲ ۔ جن علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں ۔ ان کے حقوق ۔ تہذیب و تمدن اور مذہب کی نگہداشت کی جائے ۔

اس قرارداد میں یہ بات بھی منظور کی گئی کہ ورکنگ کمیٹی ایک تفصیلی آئین تیار کرے ۔

ادھر کانگرس نے یہ فیصلہ کیا ۔ کہ جنگِ عظیم دوم چونکہ ہندوستان کے خزانے پر مزید بوجھ ہے ۔ اس لئے وہ اس میں شامل نہیں ہو سکتی اور جب تک ہندوستان کو آزاد نہ کیا جائے ۔ وہ (کانگرس) اس جنگ میں برطانیہ کو مدد نہیں دے سکتی ۔ اس فیصلہ پر کانگرس نے صوبوں کی وزارت

سے دست برداری کر لی۔ اور کانگرسی صوبوں میں گورنری راج شروع ہوا۔ ایک لحاظ سے یہ تبدیلی مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ کہ کانگرس کا ہندو راج اور مسلمان کُش پالیسی ختم ہوئی۔

مسٹر محمد علی جناح نے مسلم لیگ کا نظریہ واضح کرنے کے لئے کہا کہ مسلمان انگریزوں کو بہت کچھ مدد دے سکتا ہے۔ لیکن وہ یہ چاہتا ہے۔ کہ پاکستان کے مطالبے کو تسلیم کیا جائے۔

کرپس کمیشن

جنگ کا خطرہ بڑھتا گیا۔ ادھر جرمنی اور ادھر جاپان علاقہ پر علاقہ چھینتے گئے۔ سنگاپور فتح ہو جانے کے بعد جنگ ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ انگریزوں کے شبہات بڑھنے لگے اور انہوں نے کرپس کو ہندوستان بھیجا۔ کہ ہندوستانی رہنماؤں سے گفتگو کر کے آزادی کا مسودہ تیار کرے۔ کرپس نے ہندوستانی مطالبات پر لبیک کہا۔ اور صوبجاتی خود مختاری اور مرکز میں یونین کے قیام پر زور دیا۔ ہندوستان کے دفاعی امور کے بارے میں کرپس نے کہا۔ کہ وہ جنگ کے ہنگامی حالات کے پیش نظر برطانوی گورنمنٹ کے ماتحت رہیں گے۔ کانگرس نے کرپس پیکش سے یہ مراد لی۔ کہ اس کے ذریعے سے پاکستان کے وجود میں آ جانے کا خدشہ ہے۔ اور اس لئے اسے نامنظور کر دیا۔

ادھر مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے بھی کرپس کی پیش کش کو مسترد کر دیا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ اگرچہ بالفعل مسلم لیگ کے مطالبات کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ لیکن مرکز میں ایک وفاق پر زور دیا گیا تھا۔ اور اکثریت کا دبو مجلس وضع قوانین کے فیصلوں کی نگہداشت کرتا اور کراتا تھا۔

"ہندوستان چھوڑ دو" کی قرارداد کی حقیقت

جنگِ عظیم میں اب برطانیہ نازک ترین

دور میں سے گزر رہا تھا۔ جاپانی، یلغار کرتے ہوئے برما کا اکثر علاقہ لے چکے تھے۔ ہندوستان کی فوجوں کے اکثر سپاہی اور افسر جاپانیوں سے مل کر، انگریزوں کے خلاف مشترکہ محاذ بنا رہے تھے۔ کانگرس نے جب ان نازک حالات کا مطالعہ کیا۔ تو اسے نظر آیا۔ کہ آزادی کی دیوی اسے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اب کے بعد شاید پھر کبھی اپنے مطالبات منوانے کا موقعہ نہیں ملے گا۔ کانگرسی لیڈروں کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اور اگست ۱۹۴۲ء کو ملک کے دور و نزدیک سے "ہندوستان چھوڑ دو" کے عیارانہ نعرے بلند ہونے لگے۔ گورنمنٹ انگلشیہ بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی تھی۔ گاندھی جی سمیت تمام کانگرسی رہنماؤں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اس پر ملک بھر میں احتجاجی جلسے منعقد ہوئے۔ حکومت کی عمارات کو نقصان پہنچایا گیا۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہوا۔ اور نقضِ امن کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔

مسلم لیگ اس فتنہ و فساد کے زمانے میں خاموشی سے حالات کا مطالعہ کرتی رہی۔

گاندھی جی اپنے پرانے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ اور رہائی کے لئے برت کا بہانہ کیا۔ اس دوران میں فیلڈ مارشل ویول وائسرائے مقرر ہوئے گاندھی جی سے انہوں نے وعدہ کیا۔ کہ وہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے۔ جو ملک کے امن کے لئے خطرے کا باعث ہو۔ اس لئے انہیں رہا کر دیا۔ اور حقیقت میں گاندھی نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ اور سکون کی زندگی گزارنا شروع کی۔ یہاں تک کہ ستمبر ۱۹۴۴ء کا زمانہ آ پہنچا اور گاندھی جناح گفتگو شروع ہوئی۔ یہ گفتگو دو ہفتے جاری رہی۔ جس میں پاکستان کے بنیادی اصول کو کسی حد تک تسلیم کر لیا گیا۔ یعنی یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ بھارت ماتا دو حصوں مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا میں تقسیم

ہو سکے۔

شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء

اسی اثنا میں لارڈ ویول حکومتِ برطانیہ سے مشورہ کرنے کے لیئے لندن روانہ ہوئے واپسی پر انہوں نے جون ۱۹۴۵ء میں ایک تقریر نشر کی۔ اور تمام ہندوستانی رہنماؤں کو ملاقات کی دعوت دی۔ تاکہ نئی کابینہ بنانے میں اسے مدد دیں۔ اس میں اونچی ذات کے ہندو اور مسلمان وزراء مساوی تعداد میں اور وائسرائے اور کمانڈرانچیف کے علاوہ تمام وزراء ہندوستانی ہوں۔ کابینہ کا مقصد یہ ہو کہ:-

۱۔ جاپان کے خلاف جنگ کو تیز کر دیا جائے۔

۲۔ بعد از جنگ اصلاحی پروگرام میں حکومت کا ہاتھ بٹایا جائے۔

۳۔ ہندوستان کو کلی اور مستقل مراعات حاصل کرنے کے بارے میں غور کیا جائے۔

۴۔ تمام اراکین ورکنگ کمیٹی کانگرس کو رہا کر دیا جائے۔

۵۔ گاندھی جی اور مولانا آزاد اس عبوری حکومت کی تشکیل میں حکومت کو مدد دیں۔

اب جھگڑا یہ آ پڑا۔ کہ کانگرس شق نمبرا کے مطابق مسلمان وزراء میں سے چند نیشنلسٹ مسلمان نامزد کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق وہ ایک عوامی جماعت تھی۔ جو ہندو مسلمان سب کی نمائندگی کرتی تھی۔ لیکن قائداعظم جناح اس بات پر مُصر تھے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ کو ہے۔

اس موقع پر قائدِ اعظم نے غیر متزلزل ارادے کا اظہار کیا۔ اور وہ اپنے فیصلے پر چٹان کی طرح جمے رہے۔ اس لئے کانفرنس ناکام رہی۔

نئے انتخابات

اتنے میں جنگ ختم ہو گئی۔ اور مرکزی اور صوبائی

اسمبلیوں کا انتخاب شروع ہو گیا۔ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں نے انتخاب میں سردھڑ کی بازی لگا دی۔ کانگرس نے کبھی جناح پر الزامات تراشے کبھی مسلم لیگ کو نوابوں اور امیروں کی جماعت قرار دیا۔ پنجاب میں خضری حکومت نے اس کا ساتھ دیا۔ احرار۔ مومن اور جمعیت العلماء ہند یہ سب جماعتیں کانگرس کی پشت پر تھیں۔ کانگرس نے انتخاب پر پانی کی طرح روپیہ بہا دیا۔ جناح نے بھی کانگرس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اپنی آتشیں تقریروں سے مسلم عوام کے حوصلے بڑھائے۔ ہزاروں نوجوانوں نے پاکستان کے مقدس حصول کے لئے اپنی بے لوث خدمات پیش کیں کالجوں کے مسلمان طلباء نے برصغیر پاک و ہند کے دورے کئے۔ اور مسلم عوام کو کانگرس کی در پردہ سازشوں سے آگاہ کیا۔ مسلم لیگ نے بھاری اکثریت سے انتخاب جیتا۔

حکومتِ برطانیہ نے اب ایک اور کمیشن ہندوستان روانہ کیا۔ جس کے سربراہ پروفیسر رچرڈز تھے۔ انہوں نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ رہنماؤں سے گفتگو ہوئی۔ اور لندن پہنچ کر ایک رپورٹ پیش کی۔ جس میں مسلم لیگ اور کانگرس میں سمجھوتے کے امکان پر اطمینان ظاہر کیا گیا تھا۔

کابینہ کے وزراء کی آمد

چنانچہ وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس اور ان کے نائب مسٹر اے تھر ہینڈرسن کو ہندوستان بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ کہ وہاں پہنچ کر ہندوستانی رہنماؤں سے گفتگو کریں۔ سر کرپس بھی ہندوستان پہنچے۔ اس مشن کا مقصد یہ تھا۔ کہ ہندوستان میں وفاق کے امکانات معلوم کریں۔ اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کریں۔ اب حالات یہ تھے۔ کہ کانگرس اقلیتوں کے تحفظ کا یقین تو دلاتی تھی۔ لیکن ہندوستان کو دو حصوں میں کاٹ دینے پر بالکل رضامند نہ تھی۔

ان حالات پر غور کرنے کے لئے ۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلم لیگ کنونشن منعقد ہوئی۔ تمام ہندوستان سے ۴۵۰ نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ گرما گرم تقریریں ہوئیں۔ معاملات کے ہر پہلو پر غور کیا گیا۔ اور ہر ایک ممبر نے وعدہ کیا کہ وہ بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

مئی کے وسط میں کابینہ مشن نے ذیل کی تجاویز پیش کیں:۔

۱۔ ہندوستان اور ہندوستانی ریاستوں کا ایک وفاق بنایا جائے۔

۲۔ مرکز میں ایک عبوری حکومت قائم کی جائے۔

۳۔ صوبوں کو تین مختلف گروپوں میں تقسیم کیا جائے۔

۴۔ مجلس وضع قوانین کی تشکیل کی جائے۔

۵۔ ایگزیکٹو کونسل چودہ ممبروں پر مشتمل ہو۔ جن میں سے پانچ مسلم لیگ منتخب کرے۔ اور پانچ کانگرس۔ ایک سکھ۔ ایک عیسائی اور دو دوسری اقلیتوں کے نمائندے ہوں۔

صوبے: ا، ب، ج گروپوں میں منقسم ہوں:۔

ا۔ میں چھ ایسے صوبے شامل ہوں۔ جن میں ہندوؤں کی اکثریت ہے یعنی یوپی۔ بہار۔ اڑیسہ۔ سی پی۔ بمبئی۔ مدراس۔

ب۔ میں وہ مغربی صوبے شامل ہوں۔ جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے یعنی صوبہ سرحد۔ پنجاب۔ سندھ۔ بلوچستان۔

ج۔ میں وہ مشرقی صوبے شامل ہوں۔ جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے یعنی آسام اور بنگال۔

کابینہ مشن نے آبادی کے لحاظ سے صوبجاتی تقسیم کرنے سے گویا پاکستان کا مطالبہ منظور کر لیا۔ اس پر کانگرس پھر اڑ گئی۔ اور صوبجاتی گروپوں پر لے دے ہونے لگی۔ لیکن مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے کابینہ مشن کی

کی سفارشات کو منظور کر لیا۔ اور حضرتِ جناح کو اجازت دی کہ وہ وائسرائے سے گفتگو کرکے عبوری حکومت کی تشکیل کے بارے میں مناسب قدم اٹھائیں۔ کانگرس کو امید تھی۔ کہ لیگ کابینہ مشن کی سفارشات کو مسترد کر دے گی۔ اور مشن اسے مرکز میں وزارت بنانے کی دعوت دے دے گا۔ لیکن اس کی یہ امید خاک میں مل گئی۔

بالآخر کانگرس نے مرکز میں عبوری حکومت کی تشکیل کو مسترد کر دیا کیونکہ وہ مرکز میں مسلم لیگ کے اس حق کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ جو اسے پانچ مسلمانوں کے انتخاب کے سلسلے میں ملا تھا۔ کابینہ مشن نے اس بات سے متاثر ہو کر مرکز میں ایک "محافظ حکومت" بنانے کا فیصلہ کیا۔

مسلم لیگ کو کابینہ مشن کی وعدہ خلافی پر بہت رنج ہوا۔ اور قائداعظم جناح نے پُرزور الفاظ میں اس کے خلاف احتجاج کیا۔ جولائی ۱۹۴٦ء کے آخری دنوں میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں کابینہ مشن کی سفارشات کو نامنظور کر دیا گیا۔ اور پاکستان حاصل کرنے کے لئے براہِ راست قدم اٹھانے کا فیصلہ ہوا۔ جس کے مطابق ۱٦ اگست کو مکمل ہڑتال اور ہندوستان بھر میں لیگ کونسل کے فیصلے کی تصدیق ہونا قرار پایا۔

۱۲ اگست ۱۹۴٦ء کو وائسرائے نے کانگرس کے صدر سے مرکز میں وزارت بنانے کو کہا۔ جس میں ۵ : ۵ : ۴ کا تناسب رکھا گیا۔ چنانچہ نہرو نے قائداعظم سے درخواست کی۔ کہ وہ وزارت کی تشکیل میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ چنانچہ انہوں نے پنڈت نہرو سے ملاقات کی۔ لیکن اس ملاقات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور ۲ ستمبر ۱۹۴٦ء کو کانگرسی وزارت ظہور میں آ گئی۔ جس کے بنتے ہی ملک بھر میں فسادات شروع ہو گئے۔ ان فسادات کے پیشِ نظر

وائسرائے ہند لارڈ ویول اور نہرو کو پھر ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ قائداعظم سے گفت و شنید شروع کریں۔ یہ گفتگو جس میں نواب بھوپال نے بڑا حصہ لیا۔ پندرہ روز جاری رہی اور آخرکار مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں پانچ مسلمان نمائندے بھیجنا منظور کر لئے۔

گول میز کانفرنس

۶ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو لندن میں گول میز کانفرنس شروع ہوئی۔ جس میں قائداعظم۔ مسٹر لیاقت علی خاں۔ پنڈت نہرو۔ سردار بلدیو سنگھ۔ لارڈ ویول۔ مسٹر ایٹلی۔ لارڈ پینتھک لارنس۔ سرسٹیفورڈ کرپس اور مسٹر الیگزینڈر شامل ہوئے۔ اس کانفرنس میں پھر اس بات پر زور دیا گیا۔ کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان کو دو گروپوں میں تقسیم کیا جائے۔ واپسی سے پہلے قائداعظم نے پاکستان کی توضیح کے لئے ایک طویل بیان دیا۔ آپ نے فرمایا :" ہم مسلمان ہندوستان کے شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں میں آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں۔ ہماری تہذیب۔ ہمارا تمدن۔ ہماری زبان۔ ہماری طرزِ تحریر۔ ہماری سماجی ضروریات اور ہمارا مذہب ہندوؤں سے بالکل جدا ہے۔ اس لئے ہم اپنی زندگی کو ان مخصوص طریقوں پر بسر کرنا چاہتے ہیں اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے۔ جب پاکستان ہمیں حاصل ہو جائے۔ ہندو سماج ذات پات کی قباحتوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ اچھوتوں کے لئے ہندو سوسائٹی میں کوئی جگہ نہیں۔ لیکن مسلمان کا خمیر جمہوریت سے اٹھایا گیا ہے۔ اور اسی لئے وہ سمجھتے ہیں کہ ایک انسان بہ حیثیتِ انسان دوسرے کے برابر ہے۔ برطانیہ کو چاہیئے کہ ہندو کو ہندو اکثریت کے علاقے دے اور مسلمان کو مسلمان اکثریت کے۔ ہندوستان کو تقسیم کئے بغیر کوئی اور چارہ کار نہیں۔"

سرحد اور پنجاب میں حالات کی رفتار

سردار عبدالرب نشتر

اور مسٹر عبدالقیوم خاں نے ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعظم سرحدی صوبہ کو چیلنج کیا کہ آئندہ ایکشن میں مسلم لیگ بھاری اکثریت کے ساتھ جیتے گی ادھر پنجاب میں خضر حیات کی وزارت کانگرس کی مدد سے مسلمانوں کا گلا دبانے میں مصروف تھی۔ اس نے مسلم نیشنل گارڈز کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔ مسلم لیگ کے دفاتر کی تلاشی لی۔ اور پبلک سیفٹی آرڈی نینس کے مطابق مسلم لیگ ہائی کمانڈ کے ممبروں کو گرفتار کر لیا۔ اس فہرست میں نواب ممدوٹ۔ میاں افتخار الدین۔ ملک فیروز خان نون۔ بیگم شاہ نواز۔ اور کئی دوسرے ایم۔ ایل۔ اے شامل تھے۔

جلوسوں پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ اور اشک آور گیس پھینکی گئی۔ تین روز کے بعد یہ حضرات رہا کر دیئے گئے۔ لیکن جلد ہی ان سب لیڈروں کو پھر گرفتار کر لیا گیا۔ اب چونتیس دن تک پنجاب کے عوام خضر وزارت کے مسلم کش رویے کے خلاف ڈٹے رہے۔ آخرکار پنجاب گورنمنٹ مسلم لیگ سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئی۔ جس کے ذریعے سے پبلک سیفٹی ایکٹ کو واپس لے لیا گیا۔ اور تمام گرفتار شدہ لوگ رہا کر دیئے گئے بالآخر خضر حیات نے وزارت سے استعفا دے دیا۔ اور مسلم لیگ نے وزارت بنانے کا مطالبہ کیا۔ اس پر ہندو اور سکھ لیڈر بہت سیخ پا ہوئے۔ انہوں نے اشتعال انگیز تقریروں سے سکھوں اور ہندوؤں کو اکسایا۔ کہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائیں۔ دس روز تک فسادات کی آگ بھڑکتی رہی۔ مسلم لیگ نے اس پر سکھوں کو وزارت میں شامل ہونے کی نیامشانہ پیش کش کی۔ لیکن یہ کوشش ناکام رہی۔

انتقالِ اختیارات

۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو لارڈ ویول کے بجائے لارڈ مونٹ بیٹن وائسرائے بن کر آئے۔ مونٹ بیٹن شاہی خاندان سے ہیں اور یہ آخری وائسرائے تھے جو ہندوستان

پہنچے۔ برطانیہ نے جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کو چھوڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس لئے لارڈ مونٹ بیٹن کے سامنے بڑا دشوار اور کٹھن کام تھا۔ آتے ہی اس نے قائد اعظم اور گاندھی جی اور عبوری حکومت کے دوسرے وزراء سے ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں نے ثابت کر دیا۔ کہ ہندوستان میں کئی قومیں آباد ہیں۔ اور کانگرس کا اکھنڈ ہندوستان کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ جب ہندوستان کو ہندو انڈیا اور پاکستان میں تقسیم کرنا ناگزیر ہو گیا۔ تو کانگرس نے پنجاب اور بنگال کو دو دو حصوں میں تقسیم کرنے پر زور دیا۔

وائسرائے ہند کے عملے کے ایک بڑے افسر ممبران کابینہ سے مشورہ کرنے لندن پہنچے۔ اور ۱۹ مئی ۱۹۴۷ء کو لارڈ مونٹ بیٹن خود بھی لندن پہنچ گئے۔ اور وزیر اعظم اور کابینہ کے دوسرے اراکین سے ملاقات کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ :۔

۱۔ برطانیہ ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات دے۔

۲۔ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

۳۔ مسلم اکثریت والے علاقوں کی حدود مقرر کرنے کے لئے ایک مشترکہ کمیشن وجود میں آئے۔

۴۔ بنگال و پنجاب کو مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت والے علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

۵۔ مغربی سرحدی صوبہ رائے شماری کے ذریعے سے فیصلہ کرے کہ وہ ہندوستان اور پاکستان میں سے کس میں شامل ہونا چاہتا ہے

۶۔ ریاستیں یہ فیصلہ کریں کہ آیا وہ ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونا چاہتی ہیں۔ یا خود مختار رہنا چاہتی ہیں۔

۷۔ آسام۔ سندھ اور بلوچستان کی مجالس قانون ساز کثرتِ رائے سے

فیصلہ کریں کہ وہ ہندوستان یا پاکستان میں سے کس میں شامل ہونا چاہتی ہیں۔

۸۔ پاکستان اور ہندوستان اپنے اپنے علاقوں کے لئے مناسب قوانین وضع کریں۔

۲رجون ۱۹۴۷ء کو پیر کے روز صبح دس بجے ہندوستانی رہنماؤں کی ایک معرکہ خیز کانفرنس ہوئی۔ جس میں مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح۔ مسٹر لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر۔ ہندو کانگرس کی طرف سے پنڈت جواہر لال نہرو۔ مسٹر ولبھ بھائی پٹیل اور مسٹر جے۔ بی کرپلانی۔ سکھوں کی طرف سے سردار بلدیو سنگھ شامل ہوئے۔ کانفرنس دو گھنٹے تک جاری رہی۔ اس کے بعد مسٹر گاندھی نے وائسرائے سے ملاقات کی۔

۳رجون کو مسلم لیگ۔ ہندو کانگرس اور سکھ رہنما وائسرائے سے ملے اور تجویز کی منظوری کے بارے میں اسے اطلاع دی۔ اسی روز شام کو ۷ بجکر ۱۰ امنٹ پر یہ تجویز نشر کی گئی اور بعد میں تجویز کے بارے میں ہندوستانی رہنماؤں نے قائداعظم۔ پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ نے تقریریں نشر کیں۔

یہ پلان تجاویز ذیل کی تفصیل کے ساتھ منظور کی گئی:۔

۱۔ ہندوستان، اور پنجاب، بنگال و آسام کے صوبے تقسیم ہو جائیں گے۔

۲۔ ہندو انڈیا اور پاکستان کے لئے علیحدہ علیحدہ مجالس وضع قوانین ہوں گی۔

۳۔ پاکستان اور ہندوستان کو خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ برطانوی کامن ویلتھ میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا آزاد رہنا چاہتے ہیں۔

۴۔ بنگال، آسام اور پنجاب کی تقسیم کے سلسلے میں ایک کمیشن سرحدی کا فیصلہ کرے گا۔ کہ کن ضلعوں یا علاقوں کو ہندوستان میں شامل

ہونا ہے۔ اور کن ضلعوں یا علاقوں کو پاکستان میں۔

۵۔ مغربی سرحدی صوبے میں استصواب رائے سے فیصلہ کیا جائے کہ اسے کس ملک میں شامل ہونا چاہیئے۔ پاکستان یا ہندوستان میں۔

۶۔ اثاثوں اور واجبات کی تقسیم دونوں مملکتوں کے صلاح مشورے سے عمل میں آئے گی۔

۷۔ ہندوستانی ریاستوں کو حق حاصل تھا کہ پاکستان کے ساتھ وابستگی پیدا کریں۔ یا ہندوستان کے ساتھ یا آزاد رہیں۔

پلان کو منظور کرتے ہوئے حضرت قائدِ اعظم نے ایک تقریر ریڈیو سے نشر کی۔ جس میں آپ نے فرمایا:۔

"یہ پہلا موقعہ ہے کہ مجھ غیر سرکاری آدمی کو دہلی سے تقریر نشر کرنے کا موقعہ ملا۔ مجوزہ وفاق کا خاکہ آپ اس سے پہلے سن چکے ہیں۔ اس وفاق کی روشنی میں ہندوستانی رہنماؤں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز کرنی چاہیئے۔ کہ انتقالِ اختیارات پرامن طریق پر انجام پذیر ہوں۔ میں ہندوستان کی ہر ایک قوم اور خصوصاً مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ امن و ضبط قائم رکھیں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس نازک مرحلے پر ہمیں ہمت دے کہ ہم اپنے فرائض کو عقلمندانہ وسیع القلبی سے سرانجام دیں۔ تجویز میں شمال مغربی سرحدی صوبہ کو رائے شماری کے زہرہ گداز امتحان میں سے گزرنا ہے۔ میں اس سلسلے میں مسلم لیگ صوبہ سرحد سے درخواست کروں گا کہ وہ عدمِ تعاون کی سرگرمیوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو منظم کر لیں اور رائے شماری کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ سرحد کے غیور پٹھان اس موقعہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور پاکستان میں شامل ہونے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

مجھے سرحد کے مسلمانوں کی تمام جماعتوں کی بے بہا قربانیوں اور بالخصوص عورتوں کے ایثار کا پورا پورا احساس ہے اور مجھے امید ہے۔ کہ وہاں کے باشندے رائے شماری کے امتحان میں پورے اتریں گے۔ اب پھر ایک دفعہ میں اپیل کرتا ہوں۔ کہ آپ صبر و ضبط اور امن پسندی کے جذبے کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ پاکستان زندہ باد؟

اس کے بعد مسلم لیگ کونسل نے بھی تجویز کی منظوری دے دی۔ اور قائد اعظم کو اس کی تفصیل پر مناسب قدم اٹھانے کی اجازت دے دی ہندو کانگرس نے بھی اسی طرح یہ تجویز منظور کر لی۔

تقسیم کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۲ جون ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوا۔ جس میں مسٹر لیاقت علی خاں۔ سردار عبدالرب نشتر۔ مسٹر پٹیل اور راجندر پرشاد شامل ہوئے۔ اس کمیٹی نے مختلف سب کمیٹیاں مختلف چیزوں کی تقسیم کے سلسلے میں وضع کیں۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے لئے دو مختلف "سرحدی کمیشن" چنے جائیں۔

بنگال کی تقسیم کے ممبر:-

جسٹس مکرجی۔ جسٹس بسواس۔ جسٹس ابوصالح۔ محمد اکرام اور جسٹس ایس۔ اے رحمان تھے۔ سلہٹ کی رائے شماری اور اس کا مشرقی بنگال میں شامل ہونا بھی اسی کمیٹی کے ماتحت تھا۔

پنجاب کی تقسیم کے ممبر:-

جسٹس دین محمد۔ جسٹس منیر۔ جسٹس مہر چند مہاجن۔ اور جسٹس تیجا سنگھ تھے۔

سر ریڈکلف "سرحدی کمیشن" کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ اور تقسیم کا کام بڑی سرعت سے شروع ہوا۔

آزادیٔ ہند کا بل

۱۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو دارالعوام میں آزادیٔ ہند

کا بل پیش ہوا۔ اور ۱۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو تیسری مرتبہ دارالعوام میں یہ بل پڑھا گیا اور دوسرے روز دارالامراء میں یہ بل پاس ہو گیا۔

۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو اس بل نے برٹش پارلیمنٹ کے ایکٹ کی شکل اختیار کی۔ جس کے ذریعے سے برصغیر ہند و پاکستان کے چالیس کروڑ باشندوں کو آزادی نصیب ہوئی۔

سلہٹ اور صوبہ سرحد کی رائے شماری نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اختیارات پاکستان و ہندوستان کو سونپ دیئے گئے۔

سرحدی کمیشن نے ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلے میں جس ڈھٹائی اور بددیانتی سے اسلام دشمنی کا ثبوت دیا گیا۔ اور جس طریق سے انصاف کا خون کیا گیا۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ فیصلہ کیا تھا۔ گویا ہندی مسلمانوں کو کچلنے اور من حیث القوم ان کو ختم کرنے کی ایک انتہائی شرمناک کوشش تھی۔ اس فیصلے میں کسی بھی طے شدہ اصول کی پابندی نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ عارضی تقسیم کو بالائے طاق رکھنے کے علاوہ اس واضح اور فیصلہ کن اصول کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ جو ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کو ملحوظ رکھنے کے متعلق وضع ہوا تھا۔ اور قطعی مسلم اکثریت کے علاقوں و ضلع گورداسپور کی مسلم اکثریت کی تحصیلیں محض کشمیر و جموں کا راستہ ہندوستان سے قائم رکھنے کے لئے ہند یونین کو دے دیں۔ ضلع امرتسر کے علاوہ ضلع لاہور کا بہت سا علاقہ جس میں مسلم اکثریت تھی۔ ہند یونین کو بخش دیا۔ ضلع فیروزپور کو پاکستان سے نکال کر منٹگمری اور بہاولپور کی لاکھوں ایکڑ زمین کو سیراب کرنے والی نہروں کی کنجی ہند یونین کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔ غرض پنجاب کی پوری آٹھ تحصیلیں جن میں کافی مسلم اکثریت تھی۔ ہندوؤں کے حوالے کر دی گئیں۔

بنگال میں مرشد آباد کا ضلع جہاں مسلمان ۵۵ فیصدی آباد تھے اور مالدا کا ضلع جہاں واضح اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ ہند یونین کے قدموں میں ڈال دیا۔ دیناج پور کا ضلع بھی آدھے سے زائد ہند یونین کو پیش کر دیا۔ ندیا کا ضلع بھی نصف سے زیادہ پاکستان سے نکال کر ترنگے جھنڈے کے سائے میں دے دیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ضلع سلہٹ جہاں رائے شماری ہوئی۔ اور جہاں کے عوام نے واضح اکثریت میں ہندوستان کے بجائے پاکستان میں شامل ہونا منظور کیا۔ اس کی آٹھ تحصیلوں میں سے تین تحصیلیں ہند یونین کو عنایت فرما دیں۔ جبکہ اس کے مقابلے میں کوئی ایک انچ بھر ایسی زمین پاکستان میں شامل نہ کی گئی۔ جہاں غیر مسلموں کی خفیف سی اکثریت بھی ہو) یہ قطع و برید جس بددیانتی اور ڈھٹائی سے ہوئی۔ اس کا پس منظر دکھانا ہر روشن خیال مؤرخ کا بہترین مشغلہ اور اس کی دیانت داری و درست بائی کی کسوٹی بنا رہے گا۔ وہاں اس بددیانتی اور ناانصافی سے آیندہ پیدا ہونے والے نتائج کا تماشا بھی جلد یا بدیر دنیا کو دیکھنا ہی ہوگا۔

قہر درویش برجان درویش۔ ہمیں اس فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا کیوں؟ یہ ایک جداگانہ بحث ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

اس مبنی بر خیانت ظالمانہ فیصلے سے پاکستان کی چالیس لاکھ آبادی کو زبردستی ہندوستان میں دھکیل دیا گیا۔ جس کی وضاحت یہ ہے۔ کہ ۳ جون کے اعلان کے مطابق جو اضلاع پاکستان میں شامل تھے۔ ان کی کل آبادی ۶ کروڑ ۸۹ لاکھ تھی۔ لیکن حدبندی کمیشن کے فیصلے کے بعد پاکستان کی آبادی ۶ کروڑ ۵۸ لاکھ رہ گئی۔ اس آبادی میں وہ ریاستیں شامل نہیں۔ جنھوں نے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔

مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتلِ عام

خون کے آنسو رلا دینے والا فیصلہ ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو سنایا گیا لیکن اس کی نشر و اشاعت سے ایک ہفتہ پہلے ہی مشرقی پنجاب میں سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا جو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ مسلمانوں کے قتل و غارت کی منظم سازش پہلے ہی کر لی گئی تھی۔ اور کانگرسی حکومت کے تمام کل پرزے اکالیوں ۔ مہابیر دلوں اور سیوا سنگھی رضا کاروں کے بھیس میں پانی پت کی چوتھی لڑائی کا نقشہ پہلے ہی تیار کئے بیٹھے تھے۔ اس قتلِ عام کی ابتدا ریل میں سفر کرنے والے مسلمان مسافروں سے ہوئی اور مسلح سکھوں کے جتھے نہایت تنظیم و تقسیم کار کے ساتھ رات کو چلنے والی مسافر گاڑیوں میں سوار ہو کر مسلمان مردوں۔ بچوں اور عورتوں کو چن چن کر نہایت بے دردی سے قتل کرنے لگے۔ پولیس اور محکمۂ ڈاک و تار کے ملازموں نے اس قسم کے واقعات کو چھپانے میں جس ضبط و تنظیم سے کام لیا۔ وہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مشرقی پنجاب میں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرنے کی سازش میں ہر چھوٹا بڑا ہندو اور سکھ برابر کا شریک تھا۔

غرض ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو جونہی خونین فیصلے کا اعلان ہوا۔ مشرقی پنجاب کے چپے چپے میں بے گناہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ یہ خونین ڈرامہ مشرقی پنجاب میں جس سنگ دلی۔ سفاکی اور بے رحمی سے کھیلا گیا۔ اس کی مثال کم از کم مہذب دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ مسلمان مرد و زن معصوم بچوں اور ضعیف و کمزور بوڑھوں کو جس بے دردی سے قتل کیا گیا۔ جس بے حیائی سے مستورات کی آبروریزی

کی گئی۔ اور انہیں ننگا کر کے بازاروں اور سڑکوں پر تشہیر کرایا گیا دیہات اور شہروں کو جس بے فکری سے جلا کر خاک سیاہ کیا گیا۔ اس کی تفصیل کے لئے جہاں ایک الگ دفتر کی ضرورت ہے۔ وہاں لکھنے والے کے لئے بے حس دل، پتھر کا کلیجہ اور آنسوؤں سے خشک آنکھیں بھی درکار ہیں مسلمان کے خون کی جو ارزانی اس سرزمین میں ہوئی۔ بزدل سکھوں نے ہند یونین کی مسلح فوجوں کی پناہ میں جس وحشت و درندگی کا ثبوت دیا اور وسیع پیمانے پر مظالم ڈھائے۔ ان کے سامنے ہلاکو اور چنگیز خاں جیسے خونخوار اور بت پرستوں کے مظالم بھی گھاس کے تنکے کے برابر قدرت نہیں رکھتے۔

ہندوستان سے بڑے بڑے مسلمان افسر پہلے ہی پاکستان جا چکے تھے۔ ۱۵ اگست کو مشرقی پنجاب کی مسلمان فوج اور پولیس سے ہتھیار واپس لے لیے گئے۔ اور وہ بھی بے حوصلہ ہو کر پاکستان کو چلے گئے۔ صرف بونڈری فورس کے ۳۵ فیصدی مسلمان سپاہی مشرقی پنجاب کے بے دست و پا مسلمانوں کی جان و مال کے واحد محافظ رہ گئے ادھر ہندو اور سکھ ملازموں کے ساتھ اکالیوں اور سنگھ والوں نے گٹھ جوڑ کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ لاقانونیت حد سے تجاوز کر گئی۔ اور غنڈہ گردی عام ہو گئی۔ پٹیالہ۔ کپور تھلہ۔ فرید کوٹ وغیرہ سکھ ریاستوں کی حالت اس سے بھی ابتر تھی۔ ان ریاستوں کے راجوں کو ایک طرف تو کانگرسی حکومت کی شہ تھی۔ دوسرے اکالی لیڈر انہیں امرت سر سے دہلی تک کا علاقہ صاف کر کے سکھستان بنا لینے کے سبز باغ دکھا رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہر قسم کے اسلحہ جات اکالیوں اور سنگھی غنڈوں کو تقسیم کر دیئے۔ جنہوں نے ہتھیار بند ہو کر ریاستی اور ہندو فوجوں کی پناہ میں مسلمانوں کو لوٹنے اور تباہ کرنے پر کمر باندھ لی۔ قتل و غارت کے سلسلہ

میں وحشی سکھوں نے ایسے اخلاق سوز و خلافِ انسانیت عجیب و غریب طریقے ایجاد کئے۔ کہ ان کے تصور سے بھی انسانیت کی روح کانپتی ہے ان تمام ہلاکت انگیزیوں کی تہ میں جو ہندو ذہنیت کام کر رہی تھی۔ وہ وہی چار ہزار سال پہلے کی آریائی ذہنیت تھی۔ جس کی بدولت ہندوستان قدیم کے اصلی باشندے آج تک بے گھر۔ بے دَر جنگلوں پہاڑوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یا ننگِ انسانیت بن کر اچھوت کہلانے اور ادنیٰ خدمت پر مجبور ہیں۔

غرض ۱۵ اگست کے بعد مسلمانوں کو من حیث القوم مشرقی پنجاب سے ہجرت کرانے کی ابتدا سکھ اکالی پارٹی نے کی اور پاکستان کو لُٹے پٹے مہاجرین کے بوجھ سے بے دم کر دینے کے پیشِ نظر کانگرس کی ہندو حکومت نے بھی اکالیوں کی پیٹھ ٹھونکی اور بین الاقوامی معاہدوں کی بھی پرواہ نہ کی۔

ادھر مسلمانوں کو آخری دم تک اپنے وعدوں کا پاس رہا۔ چنانچہ مشرقی پنجاب کے خونین واقعات سننے کے بعد بھی پاکستانی مسلمان مغربی پنجاب کے غیر مسلموں کو مال و اسباب سمیت بحفاظت تمام ہندوستان پہنچا رہے تھے۔ پاکستانی غیور مسلمانوں کی یہ روش بظاہر تو ناروا داری ہی متصور ہوگی۔ لیکن اسلامی رواداری کا یہ مظاہرہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کانگرسی حکومت اور ہندو قوم مسلمانوں کو بجز علاتے دے کر بزعمِ خود مسرور ہے۔ لیکن عنقریب وہ وقت آئے گا جب سفاک اور بے رحم قاتلوں کو اپنے اعمالِ بد کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور دنیا دیکھ لے گی۔ کہ بے گناہوں کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ آخر ایک نہ ایک دن رنگ لاتا ہے۔ خدا کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔

اندازہ یہ ہے کہ مشرقی پنجاب میں ۵ لاکھ مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ اور ۱۰ لاکھ مسلمانوں کو زبردستی ہندو سکھ بنا لیا گیا۔ ان کے علاوہ ۵۰ ہزار مسلمان عورتیں مشرقی پنجاب میں اغوا کر لی گئیں۔

قیام پاکستان

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کا برِّ عظیم "پاکستان" اور "ہندوستان" دو جداگانہ مملکتوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور دونو کے انتظام کے لئے جدا جدا گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ چنانچہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل قائد اعظم محمد علی جناح اور ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن قرار پائے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندو یونین کا پہلا گورنر جنرل نامزد کرانے میں ہندو ذہنیت پوری عیاری کے ساتھ کام کر گئی۔ اور کانگرس نے اس خوشامدانہ پالیسی سے نہ صرف تقسیم بنگال و پنجاب اور حدود بندی ہی کے معاملہ میں فائدہ اٹھایا بلکہ دیسی ریاستوں کو وزارتی مشن کی یادداشت ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے خلاف (جس کی وضاحت ۳ جون ۱۹۴۷ء کے اعلانِ آزادی میں بھی کر دی گئی تھی) ہندو یونین میں مدغم کرا لینا وہ ساحرانہ کارنامہ ہے جو قدیم برطانوی اقتدارِ اعلیٰ کے ترکش کے آخری تیر لارڈ مونٹ بیٹن کو گورنر جنرل باقی رکھ کر ہی ممکن تھا۔ کانگرس کے سیاسی کھلاڑیوں کی یہ شاطرانہ چال اس درجہ کامیاب رہی کہ بین الاقوامی شہرت خراب ہونے کے وقت بھی لارڈ مونٹ بیٹن ہی کو حق نمک ادا کرنا پڑا۔

گاندھی جی کا قتل

گاندھی جی مسلمانوں کے ہمدرد تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے بے دریغ کشت و خون سے ہندو قوم کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگے۔ اس لئے انہوں نے

ہندو اور سکھوں کی مسلم آزار پالیسی اور مسلمانوں کی نسل کُشی سے متعلق حرکات کے خلاف آواز اٹھائی۔ جس کو ان لوگوں نے جو مسلمانوں کے خلاف ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ "یک کرشمہ دو کار" کے مصداق انگریز کے ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی ہندوستان سے نکال باہر کریں۔ گاندھی جی کی اس اپیل کو جو انہوں نے انسانیت کے نام پر کی۔ اپنے مقاصد کی راہ میں روکاوٹ سمجھا۔ اور راشٹریہ سنگھ پارٹی کے ایک رکن نتھورام ونایک نامی مرہٹہ ہندو نے جو پونا کا رہنے والا تھا۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کو پستول کے چار فائر کرکے گاندھی جی کو مار ڈالا۔ گاندھی جی اس وقت برلا ہاؤس سے نکل کر پرارتھنا کے لئے جا رہے تھے۔ گاندھی جی عدم تشدد کے حامی اور عالمگیر شہرت کے مالک تھے۔ ہندو قوم نے ایسے صلح کل رہنما اور مرنجاں مرنج انسان کو تشدد سے قتل کرکے اپنی بدترین محسن کشی ہی کا ثبوت نہیں دیا۔ بلکہ اپنی سفاکیوں اور ظالمانہ روش پر مہرِ تصدیق ثبت کردی اور دنیا پر واضح کر دیا۔ کہ جو قوم اپنے محبوب رہنما اور سچے خادمِ قوم کی صلح جویانہ بات گوارا نہیں کر سکتی۔ اس سے دوسری قوموں کو بھلائی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ گاندھی جی کے قتل کا دھبہ ہندو قوم کے دامن پر ایک ایسا شرمناک داغ ہے۔ کہ کسی جتن بھی دھوئے نہ دُھلے گا۔ مبصّرین کی رائے ہے کہ اس واقعہ نے ہندو قوم کی روحانیت اور قومی ترقی کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اور وہ ترقی کے میدان میں دنیا کی مہذّب اقوام سے بہت پیچھے ہٹ گئی ہے۔

گاندھی جی کے قاتلوں پر جو موقعہ پر ہی گرفتار ہو گئے تھے۔ مقدّمہ چلایا گیا۔ اور نتھورام مذکور کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ لیکن جن لیڈروں کے ہاتھوں میں وہ کٹھ پتلی بنا ہُوا تھا۔ انہیں بچا لیا گیا۔

جوناگڑھ اور کشمیر کا تنازعہ

۱۵ر اگست کو جبکہ ہم بے سرو سامانی

کی حالت میں تھے۔ تقسیمِ اختیارات کا اعلان ہوا۔ حالانکہ اختیارات کے سارے سرچشمے اس وقت ہمارے ہاتھ میں نہ تھے۔ اس کے بعد جب مشرقی پنجاب سے طوفانِ مسلم کشی اٹھا۔ تو ہم نے ترکی بہ ترکی جواب دینے کے بجائے انتقالِ آبادی کی تجویز کو قبول کر لیا۔ جس سے ہندو کو اپنی مفسدہ پردازی و فتنہ انگیزی کی تکمیل کا ایک عمدہ موقعہ مل گیا۔ اور اس نے انتقالِ آبادی کے نام پر پورے ہندوستان کے ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کو پاکستان میں دھکیل دینے کی ٹھان لی۔ تاکہ اس طرح بے سرو سامان نوزائیدہ مملکت کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔

ننگے، بھوکے۔ کٹے پٹے اور خون میں لت پت مسلمان گروہ در گروہ پاکستان آنے لگے۔ ادھر مہاراجہ کشمیر و جموں نے ہندو یونین میں شمولیت کا اعلان کر کے مصیبتوں کا ایک نیا باب کھول دیا۔

مسلم لیگ اور حکومتِ پاکستان نے اعلانِ آزادی کی شرائط کی روشنی میں ریاستوں کو الگ یونٹ سمجھا تھا۔ اور اسی لئے اب تک ریاستوں کے الحاق کے متعلق کسی مسلم یا غیر مسلم ریاست کے معاملات میں دلچسپی نہ لی تھی۔ اور اس کے برعکس کانگرس اور ہندو یونین نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی چند روزہ گورنر جنرلی ریاستی امور کو رو براہ لانے کے لئے ہی قائم رکھی تھی۔ جس کے ذریعے منجملہ دیگر پانسو دیسی ریاستوں کے مسلم اکثریت کی ریاستوں کوچ بہار (آسام) رام پور (یو پی) اور مالیر کوٹلہ کے، بلکہ کشمیر و جموں کی ریاست کو بھی ہندو یونین میں شامل کر لیا گیا۔ اور اس طرح ۸۵ فیصدی مسلم آبادی کی اس وسیع ریاست کو ہتھیا کر پاکستان کے لئے مستقل خطرے کا الارم دے دیا۔ تو پاکستان اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کی آنکھیں کھلیں۔ چنانچہ اس کے ردِ عمل کے طور پر جوناگڑھ کے مسلمان نواب کی طرف سے پاکستان میں شمولیت کے اعلان کو قبول کر

لیا۔ لیکن ہندو یونین کی حکومت نے اپنی فوجیں ریاست میں داخل کر کے نواب کے حقوق پر چھاپہ مارا۔ اور مسلمان عوام کو نہایت وحشیانہ طریق پر ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔

ان دو ریاستوں کے سلسلے میں ہندو یونین کی دو رخی پالیسی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کی نسل کشی اور انہیں انگریزوں کی طرح بدیشی سمجھ کر ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی منظم سازش کر رکھی تھی۔ اور مسلمان کو برّعظیم کے کسی گوشے میں بھی پھولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتے۔ اور اگر گوارا کر سکتے ہیں تو صرف اسی صورت میں کہ مسلمان بھی اچھوتوں اور شودروں کی طرح بے بسی اور بیکسی کے میدان میں پریشان و سرگرداں رہیں۔ غرض ہندو یونین ایک طرف تو کشمیر کی مسلم اکثریت اور جغرافیائی حدود کو نظرانداز کرتے ہوئے محض راجۂ کشمیر کے شمولیتِ ہند کے اعلان کو جائز قرار دیتی تھی۔ اور دوسری طرف جوناگڑھ کی ہندو اکثریت کے بہانے مسلمان نواب کے اعلانِ شمولیت پاکستان کو ہندو عوام کی رائے عامہ کے بغیر بے معنی قرار دیتی تھی۔

اگر ریاستوں کے الحاق کے بارے میں تقسیم سے پہلے ہی استصواب رائے عامہ طے کر لیا جاتا۔ تو شاید ہندو یونین اس دیدہ دلیری سے دو جگہ بیک وقت فوجی کارروائی نہ کر سکتی۔ اور کم از کم کشمیر اور جموں میں نہتے مسلم عوام ڈوگرہ فوجوں اور سکھ سپاہیوں کے ہاتھوں اس طرح تباہ و برباد نہ ہوتے۔ کشمیر میں ہندو یونین کا غاصبانہ حملہ اور مسلمانوں کو بیدردی سے تہِ تیغ کرنے کا اقدام مشرقی پنجاب کی طرح محض اس لئے تھا۔ کہ وہاں کی مسلم آبادی کو جو بہت زیادہ اکثریت میں ہے۔ موت کے گھاٹ اتار کر بچا کھچا پاکستان میں دھکیل کر ریاست کو ہندو اکثریت میں تبدیل کر دیا جائے۔ اور پھر استصواب رائے کا ڈھونگ رچا کر دنیا

کی آنکھوں میں دھول ڈالی جائے۔

کشمیری مسلمان اگرچہ سو سال سے ڈوگرہ راج کی چکی میں پس پس کر شودروں سے بدتر زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن پھر بھی غالب اکثریت میں تھے۔ اب کشمیری مسلمان ڈوگرہ و سکھ فوجوں اور دوسرے صوبوں سے آ آ کر نئے آباد ہونے والے ہندو سکھوں کے بے پناہ ظلم و ستم برداشت نہ کر سکے۔ اور اپنی عزت و ناموس کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دینے پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے پونچھ میں اپنی آزاد حکومت قائم کر کے قومی جہاد کا اعلان کر دیا۔ جہاد کا اعلان ہوتے ہی آزاد قبائلیوں نے اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کی اعانت کی۔ جب ہندوستانی فوجوں کے دانت کھٹے ہوئے۔ اور ان کو مجاہدین کا غلبہ صاف دکھائی دینے لگا تو انڈین یونین کشمیر کے معاملے کو سلامتی کونسل میں لے گئی۔ بین الاقوامی سلامتی کونسل میں انڈین یونین نے پاکستان پر سخت الزام لگائے۔ اور آزاد مجاھدین کو پاکستان کی باقاعدہ فوج بتلایا۔ پاکستان کی حکومت نے بہت سوچ بچار کے بعد الزامات کا جواب دیا۔ اور جوناگڑھ کا معاملہ بھی ساتھ رکھا۔ سلامتی کونسل کے سامنے پاکستان کی طرف سے سر ظفراللہ خاں وزیرخارجہ پاکستان نے اور ہندو یونین کی طرف سے مسٹر گوپال سوامی آئینگر نے مقدمے کی پیروی کی۔

سردیاں نکل چکیں اور برف باری کم ہوئی۔ تو ہندو یونین نے پھر ہاتھ پاؤں نکالے۔ اور جدید ترین آلاتِ جنگ سے مسلح فوجیں کثیر تعداد میں کشمیر بھیجیں۔ کہ نومبر ۱۹۴۸ء کی برف باری سے پہلے پہلے مجاھدین کو مار بھگائیں۔ اور کشمیری عوام کو آزاد علاقے سے بھی مار پیٹ کر پاکستان میں دھکیل دیں۔ لیکن آزاد کشمیر کی فوجوں اور قبائلی مجاھدوں نے بھی سردھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ جان توڑ کر مقابلہ کرتے رہے۔

۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم کی وفات حسرت آیات اور حیدرآباد دکن پر ہندو حملے کی غیر متوقع کامیابی نے ہندوؤں کو بدمست کر دیا۔ اور حیدرآباد کے سقوط کے فوراً بعد ہی کشمیر کو پوری طرح مسلمانوں سے خالی کرا لینے اور پھر پاکستان پر ٹوٹ پڑنے کے ارادے سے پوری فوجی طاقت کا رُخ کشمیر کی طرف پلٹ دیا۔ پاکستان کا بچہ بچہ قائداعظم کی موت سے بدحواس و بدحال ہو رہا تھا۔ انہیں ہرگز ہرگز یہ وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ ہندو اخلاق اس درجے گر جائے گا۔ کہ قائداعظمؒ کے رنج و غم میں شریک ہونے کے بجائے بے مروتی کا مظاہرہ اس طرح کریں گے۔ کہ مسلمانوں کی مزید تباہی و بربادی کی ٹھان لیں گے۔ اور اس کی ابتدا حیدرآباد دکن پر حملہ سے کر دیں گے۔

تاہم یہ واقعہ ہے کہ ہندو یونین کے خونخوار درندوں نے ایسا کیا۔ اور حیدرآباد کے ترنوالے کے فوراً بعد ان کی للچائی ہوئی نگاہیں دوسرے مسلم علاقوں پر بھی پڑنے لگیں۔ چنانچہ پنڈت نہرو نے کشمیر کے سلسلے میں پاکستان کو صد سالہ جنگ کی دھمکی دی۔ تو سردار پٹیل نے ہندو فوجوں کو ہندو یونین کی سرحدوں کی حفاظت کی ہدایت کی اور لگے ہاتھوں مشرقی پاکستان سے ہندو مہاجرین کے لئے مزید علاقے کا مطالبہ بھی کر دیا۔ جو پاکستان کے خلاف ہندو رہنماؤں کی معاندانہ پالیسی کا کھلا ثبوت ہے۔

غرض پہلے سے سوچی سمجھی سکیم کے مطابق حیدرآباد کا تیاپانچہ ہوتے ہی کشمیر پر زور شور سے حملے شروع کر دیئے۔ اور سلامتی کونسل کے پیام صلح کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر ٹینکوں اور بمبار ہوائی جہازوں کی قیامت خیزیوں کے ساتھ آزاد کشمیر کے علاقے میں چالیس میل آگے بڑھ گئے اور پہلے کی طرح خانماں برباد کشمیری پاکستان میں پناہ ڈھونڈنے لگے۔ پاکستان کو جو پہلے ہی لاکھوں کشمیری پناہ گزینوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ نئے

مہاجرین کی آمد نے چوکنا کر دیا۔ اور پاکستان کے لئے ناگزیر ہو گیا۔ کہ وہ کشمیری مسلمانوں کی جان و آبرو اور اپنے ملک کی حفظ و بقا کی خاطر مدافعت کرے

چنانچہ پاکستانی فوجیں کشمیر کی حدود پر پھیل گئیں۔ جن کے اتنے ہی سہارے سے مجاھدین نے ہندو فوجوں کی یلغار کو روک لیا۔ اودھر قدرت نے مجاھدین کی امداد کی۔ کہ برف باری شروع ہو گئی۔ مجاھدین جو ایک طرح سے برف کے کیڑے ہیں۔ برفانی طوفان کو اپنی فتح مندی کے لئے شگون سمجھے۔ اور انہوں نے اس ترتیب و تنظیم سے شبخون مار، کر ہندو فوج کے ہزاروں سورما کھیت رہے۔ ہندو یونین نے نقصان جان و مال کی خبر سنی تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور وہی پنڈت نہرو جو چند روز پہلے صد سالہ جنگ کی ڈینگیں مارنے اور سلامتی کونسل تک کے پیغام صلح کو ٹھکرا چکے تھے۔ بوکھلا گئے۔ اور جنگ بند کر دینے اور سلامتی کونسل کے مبصروں کی ثالثی مان لینے کا اعلان کرنے پر اتر آئے۔

غرض سلامتی کونسل کی زیر نگرانی غیر جانب دارانہ استصواب رائے عامہ کی تجویز دونو حکومتوں نے مان لی۔ اور قرار پایا۔ کہ دونو حکومتیں امن و امان قائم کرنے اور استصواب رائے کے لئے زمین ہموار کرنے میں تعاون کریں گی۔ حفاظتی دستوں کے سوا باقی فوجیں ریاست سے ہٹا لی جائیں گی۔ چنانچہ سلامتی کونسل کے فوجی مبصر ریاست میں پہنچے۔ اور ثالثوں نے جتنی معقول تجویزیں پیش کیں۔ پاکستان نے وہ سب کی سب مان لیں۔ مگر ہندوستان نے کوئی تجویز بھی نہ مانی اور بدستور اپنی ہٹ پر قائم ہے

جوناگڑھ کا مقدمہ بھی اگرچہ کشمیر و جموں کا ضمیمہ بن کر سلامتی کونسل کے دربار میں پیش ہے۔ لیکن چونکہ ہندو یونین وہاں کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر چکی ہے۔ اور بقول مسٹر پٹیل "محمود غزنوی کے حملہ سومنات (۱۰۲۴ء) کا حساب کتاب ہزار سال بعد ہندو قوم نے چکا لیا۔" اس لئے یہ معاملہ اب

بظاہر سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

قائدِ اعظمؒ کا انتقالِ پُرملال

اعلانِ آزادی کے فوراً بعد ہی نوزائیدہ مملکت پاکستان کو جن حوصلہ شکن حالات سے گزرنا پڑا۔ اور پھر جس بے سروسامانی کی حالت میں ان پیچیدہ سیاسی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کرنی پڑی۔ جو اغیار کی عیاریوں اور اپنوں کی بدتدبیریوں کی وجہ سے پیدا ہوتی گئیں۔ ان سب کا بے پناہ بوجھ تنہا اس مردِ غیور کے دماغ پر پڑا۔ جس کی موجودگی مسلمانانِ ہندوپاکستان کے تحفظ کی ضامن تھی۔ دماغی کام کی زیادتی اور روحانی اذیتوں کی بھرمار نے اس سریع الحس انسان کو جسے بابائے ملّتِ اسلامیۂ ہند کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مضمحل کر دیا۔ روز بروز صحت گرتی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۱؍ ستمبر ۱۹۴۸ء کی رات کو آپ رحلت فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

حیدرآباد دکن پر ہندو یونین کا حملہ

دکن میں حیدرآباد کی ریاست جو سلطنتِ آصفیہ کے نام سے مشہور اور سلطنتِ مغلیہ کی آخری یادگار تھی۔ حکومتِ برطانیہ نے اس ریاست کے ۸۶ ہزار مربع میل وسیع علاقہ محروسہ کے علاوہ برار کے سترہ ہزار سات سو میل علاقے پر بھی نظام کے حقِ ملکیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور اقرار دیا تھا کہ ولیعہد آصفیہ کو پرنس آف برار کا لقب حاصل ہوگا۔ اور حکومتِ برطانیہ نظام کو ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ دے گی۔ اور برار میں حیدرآبادی پرچم لہرائے گا۔ علاوہ ازیں شمالی سرکار۔ بندرگاہ مچھلی پٹم۔ کڑپا۔ کرنول اور بلاری کے [illegible] کی واپسی

کے لئے بھی بہ حیثیت خود مختار حکمران کے حکومت برطانیہ سے نظام کی طرف سے مطالبہ جاری تھا۔ کہ حیدرآباد کی حیثیت خود تاجدار انگلستان کی زبان میں ایک یارِ وفادار حلیف کی تھی۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ حیدرآباد کی حیثیت ہندوستان کی دوسری باجگذار ریاستوں سے بالکل جداگانہ تھی۔ جس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ حکومتِ حیدرآباد نے ایوانِ والیانِ ریاست میں کبھی شرکت نہیں کی۔ اور سلطنتِ برطانیہ نے کبھی اس کے لئے اسے مجبور کیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو نظام نے حیدرآباد کی مکمل آزادی کا اعلان کیا۔ جو حیدرآبادی عوام کے جذباتِ آزادی کا آئینہ دار تھا۔ لیکن ہندو یونین ہندوستان میں ایک آزاد اسلامی حکومت کو کب گوارا کر سکتی تھی اور ایک انگریز گورنر جنرل کو باقی رکھنے میں جہاں اور بیسیوں مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ وہاں حیدرآباد کے کانٹے کو بھی انگریز کے زیرِ اثر نکال پھینکنا مقصود تھا۔ چنانچہ نظام کے فرمانِ آزادی کے باوجود ہندو یونین نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اور جائز و ناجائز ہر طرح سے دباؤ ڈال کر نظام کو مرعوب کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ لیکن حیدرآبادی عوام کے عزمِ آزادی کے سامنے ان کی کوششیں ناکام ہو گئیں۔ ناچار ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو ایک معاہدۂ انتظاماتِ جاریہ قرار پایا۔ جس کے ذریعے حیدرآباد کے مسئلہ کے مکمل تصفیہ تک کے لئے اقتدارِ اعلیٰ کے انہی حالات کو برقرار رکھا گیا۔ جو انگریزی عہدِ حکومت میں موجود تھے۔ اس عہد نامہ کی تکمیل کی گفت و شنید میں ایک سرکاری اور دو عمومی وزیر شامل تھے۔ جن کو عوام کی تائید حاصل تھی۔

اس عہد نامہ کی خلاف ورزی کرنے میں ہندو یونین نے ایسے افعال کو جائز رکھا۔ جو کسی متمدن ملک کی شان کے شایان نہیں۔ چنانچہ حیدرآباد کی سرحدوں پر انڈین یونین نے اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ جو بالآخر حدودِ ریاست میں داخل ہو کر ظلم ڈھانے اور امن و امان میں رخنہ ڈالنے

لگیں۔ معاہدہ کے مطابق فراہمیٔ اسلحہ کی شرط پوری نہ کی۔ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل نے کھلم کھلا جنگ کی دھمکیاں دینی شروع کیں اور سید قاسم رضوی صدر انجمن اتحاد المسلمین کو چیلنج پر چیلنج دینے لگے۔ گویا تو یونین کی غلامی قبول کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حیدرآباد کی سخت معاشی ناکہ بندی شروع کردی اور انگریزی دوائیاں تک روک دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انڈین یونین کے ایجنٹوں اور کانگریسی۔ مہا سبھائی اور سوشلسٹ غنڈوں کے ذریعے تباہ کاریوں کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانا شروع کردیا۔

آئے دن کی دھمکیوں اور دنیا بھر سے بے تعلق کر دینے والی ناکہ بندی سے تنگ آکر عوام نے سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لائق علی وزارت نے ہندو یونین سے مفاہمت کی پوری کوشش کی۔ لیکن ہندو یونین نے اپنی طاقت و عیاری کے گھمنڈ میں مطلق پروا نہ کی اور بالآخر مایوس ہو کر وزارت نے فیصلہ کیا کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی عدالت کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ہندو یونین کو حیدرآباد کی آزادی سلب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ یا نہیں۔ اور کیا اقوام متحدہ کی کونسل کی موجودگی میں یہ ظلم و ستم روا ہے کہ ایک طاقتور حکومت دوسری کمزور سلطنت کو اپنی قوت کے زور سے ہضم کر جائے۔ لیکن افسوس دنیا نے دیکھ لیا کہ اس ترقی کے زمانہ میں بھی کمزور قوموں کی امداد کے لئے کوئی طاقت سہارا نہیں بنتی۔ ادھر یہ معاملہ حیدرآباد سلامتی کونسل کے پیش تھا۔ ادھر ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہندو یونین کی فوجیں کھلم کھلا حیدرآباد میں داخل ہو گئیں۔ سید قاسم رضوی اور میر لائق علی وزیر اعظم کو گرفتار کر لیا گیا۔ چند روز کے بعد ہی حیدرآبادی ڈرامہ ختم ہو گیا۔ اور نظام کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ صلح کے لئے درخواست

کرے۔ اور ہندو یونین میں شامل ہو جائے۔

افسوس! کہ مسلمانوں کی آخری سلطنت جو دکن میں سینکڑوں برس سے حکمران چلی آ رہی تھی۔ اس طریق سے ختم کردی گئی۔

پاکستان کے تازہ ترین حالات

پنجاب میں گورنری راج

پاکستان بننے سے بنگال اور پنجاب کی تقسیم بھی عمل میں آئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب کے دونوں حصوں میں انتقالِ آبادی کا کام بڑی سرعت سے جاری ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ سے قیام پاکستان کا اعلان ہوتے ہی اس صوبے کے انتظامات میں سخت بدنظمی پیدا ہو گئی۔ حکومت کے کرتا دھرتا اوّل سے آخر تک غیر مسلم تھے۔ جب وہ مغربی پنجاب سے چلے گئے۔ تو اور بھی طرح طرح کی مشکلات پیدا کر گئے۔ ادھر مہاجرین کا تمام تر بوجھ اسی صوبے کی حکومت نے برداشت کرنا شروع کیا۔ ان بگڑتے ہوئے حالات، اور ذمہ داریوں سے بچتے ہوئے تین وزیر بھی یکے بعد دیگرے وزارت سے علٰحدہ ہو گئے۔ مزید برآں اسمبلی کے ممبران بھی مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے۔ اور گروہ بندی کی وبا پورے عروج پر پہنچ گئی۔ حتٰے کہ حالات دن بدن باوجود انتہائی کوشش کے بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ ابتدا میں گورنر جنرل پاکستان اور دیگر زعماء نے ان گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی۔ مگر جب دیکھا کہ کوئی صورت پائیدار وزارت بننے کی نظر نہیں آتی۔ تو مجبوراً صوبے کی اسمبلی ختم کر کے دفعہ ۹۲ الف یا گورنری راج قائم کر دیا۔

پنجاب اور سرحد سے انگریز گورنروں کی رُخصت

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان کے کئی صوبوں میں حکومت نے مصلحتاً انگریز گورنروں کو ملازم رکھا ہُوا تھا۔ چونکہ ان حضرات کو صوبوں کے معاملات سے بخوبی واقفیت تھی۔ مگر بعد میں عوام نے پنجاب کے گورنر کے متعلق مطالبہ کیا کہ ہم اس انگریز گورنر کو اپنا حاکم رکھنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ عوام یہ سمجھتے تھے کہ صوبے میں گڑبڑ کرانے اور اسمبلی کے خاتمے میں سب سے زیادہ ہاتھ اسی غیرملکی گورنر کا ہے۔ نیز ہمارے آپس کے جھگڑوں کو بھی یہی غیرملکی لوگ ہوا دے رہے ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو۔ عوام کے اس مطالبہ سے متاثر ہو کر یا خود اپنی مرضی سے پنجاب کا انگریز گورنر استعفےٰ دے کر چلا گیا اور اس کی جگہ سب سے پہلے پاکستانی گورنر سردار عبدالرب نشترؔ مقرر ہوئے۔ آپ مسلم لیگ کے سرگرم کارکن اور قائداعظم کے نہایت چہیتے لیگی ممبر ہیں۔

صوبہ سرحد کا انگریز گورنر خرابیٔ صحت کی بنا پر مستعفی ہو گیا۔ اور اس کی جگہ صاحبزادہ خورشید احمد صاحب کا تقرر ہُوا۔ جن کا انتقال ہونے پر مسٹر آئی آئی چندریگر کو اس صوبے کا گورنر مقرر کیا گیا۔ مسٹر چندریگر گورنر بننے سے پہلے کابل میں متعین تھے۔ جہاں وہ بطورِ سفیرِ پاکستان کام کرتے رہے۔

صوبۂ سندھ کے گورنر پاکستان بنتے ہی سر غلام حسین ہدایت اللہ مقرر ہوئے تھے۔ ان کے انتقال پر جسٹس دین محمد صاحب کو اس صوبے کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس وقت صرف بنگال کا گورنر انگریز تھا۔ باقی تمام صوبوں کے گورنر پاکستانی بنا دیئے گئے تھے۔

سٹیٹ بنک آف پاکستان

پاکستان نے اپنے قیام کے بعد فوراً ہی بعض نہایت اہم اور محیر العقول کارنامے دنیا کے سامنے پیش کئے۔ جن کی وجہ سے اغیار کو بھی یہ کہتے بنی کہ ہم پاکستان کو ہم اپاہج اور لنگڑے کے نام غلط سے پکارتے تھے۔ انہیں کارناموں میں سے ایک کارنامہ سٹیٹ بنک آف پاکستان کے قیام کا ہے۔ اس کی بنیاد رکھنے کے لئے بابائے ملت باوجود انتہائی علالت اور اطبا کے مشورے کو پسِ پشت ڈال کر کوئٹہ سے کراچی پہنچے اور پبلک کاموں میں آپ کے ہاتھ سے سرانجام پانے والا یہ آخری اور زریں کام تھا۔ اس بنک نے پاکستان کی مالی ساکھ کو تمام دنیا میں روزِ روشن کی طرح چمکا دیا۔ اور دنیا اس کا لوہا مان گئی۔ اب اسی کے بل بوتے پر ملکِ پاکستان کی مالیات کی گاڑی دھوئیں اڑاتی اور دشمنوں کے سینوں پر دندناتی چل رہی ہے۔ یہ بنک جب سے قائم ہوا ہے۔ دن دونی۔ رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔

سفارتی تعلقات

زعمائے پاکستان بارہا اس امر کے اظہار کا اعادہ کر چکے ہیں۔ کہ ہم کسی کی طرف کسی طرح بھی ظلم کا ہاتھ بڑھانا نہیں چاہتے۔ اور نہ ہی کسی کی ایک انچ زمین کے روادار ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اس آنکھ کو باہر نکال لیں گے۔ جو کسی بُرے ارادے سے ہمارے ملک کی طرف اٹھے گی۔ اور ہم اس بازو کو کاٹ دیں گے جو ہماری طرف دشمنی کی غرض سے بڑھے گا۔ ہماری بین الاقوامی پالیسی کی بنیاد "رکھ پت اور رکھا پت" پر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں زندہ رہنے دو اور خود بھی زندہ رہو۔" ہم ہر ایک کا حق دینے کو ہر وقت تیار

ہیں۔ لیکن اپنا حق لینے کے لئے بھی سر دھڑ کی بازی لگا دینے سے چوکنے والے بھی نہیں۔ ہم عالمگیر امن کے متمنی ہیں۔ اس لئے دنیا کے تمام ملکوں سے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات رکھنے کے دل سے آرزومند ہیں۔ اسی بنا پر ستر ہ ملکوں سے سفارتی تعلقات قائم ہو چکے ہیں۔ اور دن بدن یہ سلسلہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ان ملکوں کے علاوہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے بھی تجارتی۔ معاشرتی اور دیگر امور پر دوستانہ مراسم کی بات چیت ہو رہی ہے۔

پاکستان کا تجارتی پہلو

پاکستان کے قیام سے پہلے جہاں اور تمام امور سے مسلمان ناواقف۔ نابلد اور محروم رکھے جاتے تھے۔ وہاں تجارت کو تو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس فن میں مسلمانوں کو صفر کے برابر حصہ ملتا تھا۔ تمام منڈیوں۔ تجارتی اداروں اور درآمد برآمد کے مرکزوں پر وہی لوگ قابض تھے۔ جو تقسیم ملک کے بعد یہاں سے مجبوراً رخصت ہوئے۔ ان کا بس چلتا تو وہ پاکستان کو پاکستان بننے کے بعد بھی اقتصادی غلامی میں جکڑے رکھتے۔ ان جہاں دیدہ لوگوں کے چلے جانے کے بعد ہر کس و ناکس کا یہی خیال تھا۔ کہ پاکستان تجارتی لحاظ سے نہایت گھاٹے میں رہے گا۔ کیونکہ ماہرینِ تجارت کا اس قدر فقدان تھا کہ الامان۔ اس کے علاوہ سرمایہ جو تجارت کے لئے سب سے ضروری اور لابدی چیز ہے بالکل عنقا۔ ایسے حالات میں لٹے پٹے مہاجروں اور مقامی لوگوں نے اس بارِ گراں کو اپنے سر لیا۔ مگر نیت کے ساتھ برکت ہے۔ خدا نے یہاں بھی اپنی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ دکھایا۔ اور قیامِ پاکستان سے اب تک تجارتی توازن برابر پاکستان کے حق میں ہے ہر چھوٹے بڑے حصے پر پاکستانیوں کا اپنا تصرف ہے۔ اور بیرونی ملکوں

سے دھڑلّے کے ساتھ تجارت ہو رہی ہے۔ پاکستان کی تجارت کا موجودہ نمایاں پہلو اور خصوصیت یہی ہے کہ اس کا تجارتی توازن اس کے حق میں ہے۔

درآمد اور برآمد کا ہر سال جانچ پڑتال کے بعد یہی نتیجہ برآمد ہو رہا ہے کہ پاکستان کی برآمد اس کی درآمد سے کہیں زیادہ ہے۔ اور کسی ملک کی تجارت کا ترقی پر ہونا اسی سے متصور کیا جاتا ہے۔ کہ اس کی درآمد، برآمد کے مقابلے میں کم ہو۔ ملک اسی اصول سے آسودہ اور خوش حال ہوا کرتے ہیں۔ ہمیں اس امر پر بجا طور پر فخر و مسرت کا اظہار کرنا چاہیئے کہ ہم اس معاملے میں بھی کسی ملک سے پیچھے نہیں ہیں۔

پاک و ہند میں تجارتی تعطّل و شرحِ مبادلہ

ہندوستان نے ملک کی تقسیم بددلی سے مانی تھی۔ اس کی دلی خواہش یہی تھی کہ انگریز کی غلامی سے نکل کر تمام ہندوستان کے مسلمان ہندو کی غلامی میں آ جائیں۔ اور ان کی زندگی اس ملک میں شودروں کی زندگی سے بھی بدتر ہو۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو ہندوستان سے سپین کی طرح حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا تھا۔ اور اس کا زندہ ثبوت ہندوستان کی اس روش سے ملتا ہے۔ جو اس نے اپنی ملکی اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ اختیار کر رکھی ہے۔ کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ جس میں ملکِ ہند کا کوئی حصہ مسلمانوں کے خون سے رنگین نہ ہوتا ہو۔ اور جرم کیا ؟ فقط مسلمان ہونا!

آئے دن ان مسلمانوں کو ملک سے نکلنے پر مجبور ہونے کے لئے نئی نئی طرز کے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ ملک کے لیڈر اور اخبارات

اپنی غیر ذمہ دارانہ تحریر و تقریر سے کشتوں کے پشتے لگوا دیتے ہیں چند مسلمانوں کو دنیا کے دکھاوے کے لئے اپنا پٹھو بنا رکھا ہے۔ اور دھات کے ٹکڑوں اور کاغذ کے چند پرزوں سے ان کے ضمیر خریدے ہوئے ہیں یہ گندم نما اور جو فروش عام مسلمانوں کا خون ہوتے دیکھتے ہیں۔ اسلام کی بے حرمتی ان کے سامنے نئے نئے ڈھنگ سے ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ خیر یہ تو ان مسلمانوں کی باتیں ہیں جو ان کے قبضے میں ہیں۔ اب ذرا پاکستان اور پاکستانیوں کے متعلق ان کا رویہ ملاحظہ ہو جب سے پاکستان بنا ہے۔ متعدد مرتبہ اس ہمسایہ مملکت نے اسے ختم کرنے کے لئے نئے نئے حربے اختیار کئے اور آئے دن پاکستان کی تباہی کے لئے نئی نئی چالیں سوچنا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ کبھی پاکستانی نہروں کا پانی بند کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ کبھی نئے مہاجرین کے گروہ در گروہ پاکستان کی طرف دھکیل دیئے جاتے ہیں۔ کبھی کشمیر میں ریشہ دوانیاں تیز کر دی جاتی ہیں۔ کبھی مشرقی پاکستان پر للچائی ہوئی نظریں پڑتی ہیں غرض اسی قسم کی بے شمار تجویزیں اس کے لالچی دماغ میں آتی ہیں اسی زنجیر کی ایک کڑی تجارتی تعطل بھی ہے۔

ہوا یوں کہ برطانیہ نے سالِ گزشتہ اپنے مفاد کے پیش نظر اپنے سکہ کی قیمت گھٹا دی۔ تاکہ اس کا مال امریکہ کی منڈیوں میں زیادہ مقدار میں بکنا شروع ہو۔ اس کے ساتھ یوروپ کے اکثر ملکوں اور ہندوستان نے بھی اسی شرح سے اپنے اپنے سکوں میں قیمت کی کمی کر دی۔ چنانچہ بھارت نے فوراً ہی اس امر کا اعلان کر دیا۔ کہ ہم نے اپنے سکے کی قیمت گھٹا دی ہے۔ پاکستان نے اس معاملے پر گہری نظر ڈالی۔ اور تمام نتائج و

عواقب کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد اس امر کا اعلان کر دیا کہ ہم اپنے روپے کی قیمت بدستور رکھیں گے اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہو گی۔ بس پھر کیا تھا۔ ہندوستان آپے سے باہر ہو گیا۔ اور للکار اٹھا۔ کہ پاکستان نے یہ قدم ہمارے مشورے کے بغیر اٹھایا ہے۔ سبحان اللہ! یک نشد دو شد" جیسے پاکستان ہندوستان کے ماتحت ہے۔ کیا ہندوستان نے اپنے سکے کی قیمت گھٹانے کا فیصلہ کرتے وقت پاکستان سے مشورہ کیا تھا۔ اب اسے پاکستان پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ اور پھر اصل بات یہ ہے کہ پاکستان کوئی دیوالیہ ملک نہیں اس کے سالانہ بجٹ منفعت بخش اور اس کا تجارتی توازن اس کے حق میں ہے پھر اس کو کیا پڑی کہ ایک دیوالیہ ملک کی تقلید میں خواہ مخواہ اپنی مالی ساکھ کو کھوتا اور بلا وجہ خسارہ برداشت کرتا۔

جب حالات و واقعات نے پاکستان کے اس فیصلے کی تصدیق کی اور ہر طرف سے پاکستان کو اس کے مستحسن فیصلے پر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ تو ہندوستان اور بھی چڑ گیا۔ اور پاکستان سے تجارت بند کر دی۔ پاکستان کو کوئلہ کپڑا وغیرہ دینا بالکل بند کر دیا۔ مگر پاکستان نے اس کے مصداق کہ "ملکِ خدا تنگ نیست۔ پائے مرا لنگ نیست" دنیا کے دیگر ممالک میں اپنے نئے تجارتی منڈیاں تلاش کر لیں۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ پاکستان کو پریشانی تو ضرور اٹھانی پڑی۔ مگر ہندوستان اسے اتنا بھی نقصان نہ پہنچا سکا۔ جیسے ارڈ پر سفیدی۔

دنیا کے تمام شائستہ ممالک اور ذمہ دار اخبارات آئے دن پاکستان کے سکے کی قیمت کو برقرار رکھنے کے فیصلہ کو اور اس کی موجودہ روش کو درست تسلیم کرتے ہوئے ہندوستان کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی ضد سے باز آئے۔ مگر وہاں وہی ڈھاک کے تین پات ہیں۔ بہرحال پاکستان پر اس تعطل کا کوئی

اثر نہیں۔

افغانستان و پاکستان

حکومتِ ہند کے ان حربوں میں سے جو وہ پاکستان کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے کے متعلق اختیار کرتا رہتا ہے۔ ایک حربہ افغانستان کو پاکستان کے خلاف ابھارنا بھی ہے۔ افغانستان نے ہندستان نے اپنے تنخواہ دار ایجنٹ چھوڑے ہوئے ہیں۔ جو آئے دن سادہ لوح پٹھانوں کو پاکستان کے خلاف ابھار کر پٹھانستان کا شاخسانہ اٹھوانا چاہتے ہیں۔ افغانی درس گاہوں میں خاص طور پر ہندوستان نے اس پراپیگنڈے کو کافی تیز کر رکھا ہے۔ بعض زرخرید اخبار اور کابل ریڈیو بھی پاکستان کے خلاف زہر اگلنے میں بیش از بیش حصہ لیتے ہیں۔ مگر افغانستان کے عوام پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں۔ اس ملک کے مشائخ۔ علماء اور عوام پاکستان کے ساتھی ہیں۔ وہ آئے دن حکومتِ افغانستان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے ہیں۔ سزائیں پاتے ہیں۔ مگر پاکستان کے خلاف جو قوانین حکومتِ افغانستان نافذ کرتی ہے۔ ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس طرح اپنی اسلام دوستی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

تمام دنیائے اسلام اور دوسرے مہذب ممالک افغانستان کی پاکستان دشمنی کو ناجائز۔ غلط اور بے معنی کہتے ہیں۔ مگر حکومتِ افغانستان ہندی روپے کی جھنکار کے مقابلے میں کسی کی سننے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ وہ برابر اپنا کام کئے چلی جا رہی ہے۔ خود قبائلی جن کے نام پر پٹھانستان کا ڈھونگ رچایا جا رہا ہے۔ بارہا اعلان کر چکے ہیں کہ پاکستان ہمارا ہے اور ہم پاکستان کے ہیں۔ افغانستان سے ہمارا مسلمان ہونے کے سوا اور کوئی تعلق نہیں۔

فقیر ایپی جو ہندوستان کا سب سے بڑا گرگا ہے۔ بے اثر ہو چکا

ہے۔ اس کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے پاکستان کے وفادار شہری بن کر رہنے کا وعدہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ افغانستان کی اس روش سے پاکستان کا تو کیا بگڑتا ہے۔ بلکہ ہر لحاظ سے اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔

مسئلہ کشمیر یوں تو ہندوستان نے کسی معاملے میں بھی پاکستان کے مقابلے میں تدبّر اور ایمان داری کا ثبوت نہیں دیا۔ مگر کشمیر کے مسئلہ میں تو جس ہٹ دھرمی اور ناعاقبت اندیشی اس ملک نے اختیار کر رکھی ہے۔ بس توبہ ہی بھلی۔ غور کیجئے۔

کشمیر کا راجہ ہندوستان میں شمولیت کا اعلان کر دے۔ تو یہ ہندوستان کا حق۔ لیکن جوناگڑھ کا نواب پاکستان میں شمولیت اختیار کرے تو پاکستان اس سے محروم کیوں؟ اس لئے کہ وہاں کی رعایا کی اکثریت غیر مسلم ہے۔ اور کشمیر میں ۹۰ فیصدی سے زیادہ مسلمان ہیں۔ تو کوئی ہرج نہیں۔

کشمیر ہر طرف سے پاکستان سے ملا ہوا، اس کے تجارتی۔ تمدنی اقتصادی۔ معاشرتی غرضیکہ ہر قسم کے تعلقات پاکستان سے وابستہ۔ اس کی آبادی ۹۰ فیصدی سے زیادہ مسلمان۔ مگر اسے شامل کرنے کا حق ہندوستان ہی کو ہے۔ سبحان اللہ! کیا منطق ہے۔

ہندوستان خود ہی قبائلیوں اور آزاد کشمیر فوجوں سے منہ کی کھا کر کشمیر کا مسئلہ اقوامِ متحدہ کی عدالت میں لے گیا۔ اور خود ہی اقوامِ متحدہ کے فیصلوں کو بارہا ٹھکرا چکا ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ بارہا ہندوستان کے بخیے اُدھیڑ چکے ہیں۔

ہندوستان کے ڈھول کا پول اب ساری دنیا پر کھل چکا ہے۔ اب اس کی یہ پالیسی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ پاپ کی ناؤ آخر ایک نہ ایک دن ڈوب کر رہے گی۔ اس لئے ہندوستان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ پاکستان کا ایک اور صرف ایک اٹل فیصلہ کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیریوں کے ہاتھوں آزادانہ استصواب رائے کے ذریعہ ہو۔ مان لینا چاہیئے۔ ورنہ اس کی رہی سہی ساکھ بھی خاک میں مل جائے گی۔

شاہِ ایران کی آمد

افغانستان کے بالکل خلاف اور اسلامی رواداری کے عین موافق حکومتِ ایران کا رویّہ ہے جو اس نے پاکستان کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ ہر معاملے میں حکومتِ ایران قیامِ پاکستان سے اب تک اس کے ساتھ دوستانہ طریق پر پیش آ رہی ہے۔ اس محبت اور مودت کے رشتے کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے مارچ ۱۹۵۰ء میں ہزامپیریل میجسٹی اعلیٰحضرت محمد رضا شاہ پہلوی شاہِ ایران بہ نفسِ نفیس خود پاکستان تشریف لائے۔ آپ نے اپنے مختصر قیام میں پاکستان کا بنظرِ غائر مطالعہ فرمایا۔ پاکستانی عوام نے شاہِ ایران سے بے پناہ عقیدت ظاہر کی۔ ملک کے ہر حصے میں پاکستانیوں نے آپ کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ آپ کا قیام لاہور میں ۸ ر ۹ ر اور ۱۰ ر مارچ تک رہا۔ شاہ ایران کی آمد نے پاکستان اور ایران میں ایک ایسی غیر فانی محبت قائم کر دی ہے جو رہتی دنیا تک موجود رہے گی۔ کیا اچھا ہو اگر دنیائے اسلام کے تمام ممالک محبت و اخوت کی ایک لڑی میں اسی طرح منسلک ہو جائیں۔ جیسے ایران اور پاکستان نے مثال پیش کی ہے۔

ترکی طلباء کا وفد پاکستان میں

جن دنوں اہالیانِ پاکستان شاہ ایران کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے پچاس ترکی پروفیسروں اور طلباء کا ایک وفد سیر پاکستان کو یہاں پہنچا۔ اس وفد میں انقرہ اور استنبول یونیورسٹی کے طلبا اور طالبات شامل تھے۔ ان میں قریباً بیس لڑکیاں تھیں۔ اور باقی مرد تھے۔ اس وفد نے کراچی۔ لاہور۔ راولپنڈی اور پشاور سب شہروں کی سیر کی اور اس نئی اسلامی مملکت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ ہر شہر میں ان کا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ انہی دنوں یعنی فروری ۱۹۵۰ء میں اولمپک کھیلیں لاہور میں ہوئیں اور چار ترکی کھلاڑی ان کھیلوں میں حصہ لینے کے لئے انقرہ سے لاہور پہنچے۔ اور اپنے کمالات کی خوب داد حاصل کی۔ ان تعلقات نے دونوں ملکوں کو آپس میں قریب تر کر دیا ہے۔

ریاستہائے متحدہ انڈونیشیا

اوائل ۱۹۵۰ء میں دنیا کے نقشہ پر ایک اور بڑی آزاد اسلامی سلطنت رونما ہوئی۔ یعنی ریاست ہائے متحدہ انڈونیشیا۔ اس کی آبادی سات کروڑ سے زائد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں ولندیزوں کا ۳۰۰ سال سے زائد عرصہ قبضہ رہا۔ اور اہل ملک پر بڑے بڑے مظالم توڑے جاتے رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسلامی ممالک کی کڑی سنگاپور سے لے کر انڈونیشیا۔ پاکستان ایران۔ ممالک عربیہ۔ ترکیہ۔ نہر سویز۔ مصر۔ شمالی افریقہ۔ الجیریا۔ مراکش سے ہو کر آبنائے جزائر تک پہنچتی ہے۔ اس وقت دنیا دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ ایک طرف انگریز اور امریکہ کی سرمایہ داری۔ دوسری طرف روس اور اس کے حلیفوں کی کمیونزم۔ اور ان کی ٹکر لازمی معلوم ہوتی ہے

دونوں طرف ایٹم بم۔ ہائیڈروجن بم وغیرہ کی تیاری زوروں پر ہے اس وقت دنیا کو امن کی جھلک صرف اس اسلامی بلاک میں نظر آتی ہے۔ جن کی معاشرت۔ سرمایہ داری اور کمیونزم کے بین بین اسلامی اصولوں پر مبنی ہے ہماری دعا ہے کہ یہ اسلامی ممالک بہت جلد اتنے مضبوط ہو جائیں کہ دنیا میں ہمیشہ کے لئے امن قائم کرنے میں کامیاب ہوں۔ آمین ثم آمین

پنجاب میں سیلاب

قیام پاکستان کے بعد سے ہمارے صوبہ میں کئی سیلاب آ چکے ہیں۔ پہلا سیلاب ستمبر ۱۹۴۷ء میں آیا۔ دوسرا ۵ ستمبر ۱۹۵۰ء کو۔ یہ سیلاب ایسا خوفناک تھا کہ اس سے پہلے نہیں دیکھا گیا تھا۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۴ء کو لاہور اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں ۱۶ انچ بارش چند گھنٹوں میں ہو گئی جس سے دریاؤں میں سخت طغیانی آ گئی۔ اور اہالیانِ ملک کو بہت تکلیف ہوئی۔ ایک سال بعد ۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو جو سیلاب ملک میں آیا۔ اس نے تباہی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ اس سے قبل اس سرزمین نے کبھی اتنا بڑا سیلاب نہیں دیکھا۔ سیلاب کیا تھا۔ طوفانِ نوح کا نمونہ تھا۔ اور اس کی رفتار اس قدر تیز تھی۔ کہ لوگوں کو بچاؤ کے لئے مہلت ہی نہ مل سکی۔ انسانی جانوں کا اتلاف ہوا۔ دیہات کے دیہات پانی میں غرق ہو گئے۔ مال مویشی۔ اناج اور فصلوں کو بے حد نقصان پہنچا۔ کئی لاکھ ایکڑ زمین زیرِ آب ہو گئی۔ سڑکیں اور ریلوے لائنیں بہہ گئیں۔ نہروں کے بند اور پُل ٹوٹ گئے۔ اور رسل و رسائل کے تمام ذرائع معطل ہو گئے۔ غرضیکہ صدیوں کا اندوختہ آناً فاناً پانی کی نذر ہو گیا۔ عوام اس درجہ خوف زدہ ہوئے کہ انہیں اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ حکومت اور مختلف امدادی انجمنوں نے پوری تندہی اور سرگرمی سے حفاظتی تدابیر پر عمل کرنا شروع کیا جہاں کسی صورت میں

امداد نہ پہنچ سکتی تھی۔ وہاں ہوائی جہازوں کے ذریعے خوراک اور دوائیں پھینکی گئیں۔ بعض جگہ پانی اتنا چڑھ آیا تھا۔ کہ لوگوں نے اونچے درختوں پر چڑھ کر جان بچائی۔ یوں تو تقریباً تمام پنجاب سیلاب سے متاثر ہوا تھا۔ مگر چند اضلاع لاہور۔ سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ۔ شیخوپورہ۔ منٹگمری۔ لائلپور ملتان۔ مظفرگڑھ۔ اور جھنگ کو زیادہ نقصان پہنچا۔ خاص لاہور شہر بھی بُری طرح سیلاب کی زد میں آیا۔ اور یہاں بھی کافی اتلاف ہوا۔ خدا خدا کرکے کافی عرصہ بعد سیلاب کا زور کم ہوا۔ اس وقت تک حکومت کی مشینری پوری طرح حرکت میں آچکی تھی۔ پاکستان ملٹری نے نہایت قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور قلیل ترین عرصہ میں آمدورفت کا سلسلہ بحال ہوگیا نیز سیلاب زدگان کو خشک مقامات پر پہنچایا۔ جونہی سیلاب کی خبر دنیا کے دوسرے ملکوں میں پہنچی۔ انہوں نے نہ صرف ہمدردی کا اظہار کیا۔ بلکہ جلد از جلد طبی۔ مالی اور ہر قسم کی امداد بھیجی۔ مرکزی حکومت نے پنجاب کو ایک کروڑ روپے کی امداد دی۔ مختلف صوبوں نے الگ الگ رقوم حاصل کیں۔ اسی طرح ۱۹۵۵ء میں مشرقی پاکستان میں نہایت خوفناک سیلاب نمودار ہوئے اور ملک کو بہت بڑا نقصان پہنچا۔

پنجاب اسمبلی کے انتخابات

اوائل ۱۹۴۹ء میں بعض خامیوں کی بنا پر گورنر جنرل پاکستان نے پنجاب اسمبلی کو معطل کر دیا تھا۔ چنانچہ پنجاب میں پورے دو سال دفعہ ۹۲ الف نافذ رہی۔ آخر ۱۹۵۱ء کے شروع میں ٹھیک دس سال بعد نئی اسمبلی بنی۔ کل ۱۹۰ نشستوں میں سے ۵ مسلمان عورتوں کے لئے مخصوص تھیں۔ اور ۵ غیر مسلموں کے لئے۔ انتخابات میں مسلم لیگ کے علاوہ جناح عوامی مسلم لیگ

آزاد پاکستان پارٹی اور جماعتِ اسلامی نے بھی حصہ لیا۔ مگر اکثریت مسلم لیگ کو ہی حاصل ہوئی۔

پاکستانی سرحدوں پر بھارت کی فوج کشی

۱۵ر جولائی ۱۹۵۱ء کو وزیراعظم پاکستان کے اس انکشاف پر کہ بھارت کی ۹۰ فیصدی فوج پاکستانی سرحدوں سے اتنی قریب جمع ہو چکی ہے۔ جہاں سے پاکستان پر بڑی آسانی سے حملہ کیا جا سکتا ہے۔" نہ صرف پاکستان کے تمام باشندے بلکہ تمام دنیا ہکا بکا رہ گئی۔ کیونکہ پاکستان نے کوئی ایسا جارحانہ اقدام نہیں کیا تھا۔ جس کے جواب میں بھارت کو فوج کشی کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔ جونہی پاکستان میں یہ خبر نشر ہوئی۔ بجائے اس کے کہ پاکستان کی حکومت یا عوام پریشان ہوتے۔ پاکستانی لیڈروں اور عوام نے حکومت کی خدمت میں رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات کی پیش کش کی اور بھارت کو منہ توڑ جواب دینے کا عزم بالجزم کیا۔ وزیراعظم پاکستان نے اس موقع پر پورے تدبّر کا ثبوت دیا۔ اور ہر ممکن تدبیر سے پاکستانی عوام کے جذبات کو بھڑکنے سے روکا اور ساتھ ہی اپنے دفاعی انتظامات کی خاطر اپنی فوجیں بھی سرحد پر بھیج دیں۔ بھارت کی حکومت کو جب پاکستان کا ردِّ عمل معلوم ہوا تو اس پر بدحواسی طاری ہو گئی۔ اور ساتھ ہی پورے ہندوستان میں بھگدڑ مچ گئی۔

غرضیکہ جب بھارت کی یہ چال بھی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ نقصان کی الٹی صورت نظر آئی۔ تو پھر نامہ و پیام کی ٹھہری۔ آخر ۲۶ر جولائی کو خان لیاقت علی خاں نے پنڈت نہرو کے تار کا جواب دیتے ہوئے یہ ثابت

کر دیا کہ پاکستان کی حکومت واقعی امن پسند اور صلح جو ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مندرجہ ذیل پانچ نئی تجاویز بھارت کو بھیج دیں۔

۱۔ دونوں ملکوں کے درمیان پرامن ماحول اور دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے لئے فی الفور سرحدوں پر سے فوجیں واپس بلا لی جائیں۔

۲۔ ریاست جموّں و کشمیر کے الحاق کا مسئلہ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی ۱۳ اگست کی قرارداد کے بموجب آزاد اور غیر جانبدار استصواب رائے کے جمہوری طریقہ کے مطابق فیصل کیا جائے۔ جس کے لئے یہ لازمی ہوگا۔ کہ فریقین کی افواج ریاست جموّں و کشمیر سے ہٹا لی جائیں۔

۳۔ دونوں حکومتیں یہ اعلان کر دیں۔ کہ وہ اپنے باہمی تنازعات پُر امن ذرائع سے دور کریں گی۔

۴۔ دونوں حکومتیں دوبارہ یہ ارادہ ظاہر کریں کہ معاہدۂ دہلی کا احترام کیا جائے گا۔

۵۔ دونوں حکومتیں یہ اعلان کر دیں کہ وہ کسی صورت میں بھی ایک دوسرے کے علاقے پر حملہ نہیں کریں گی۔

اس موقعہ پر بھارت نے اپنی ہٹ دھرمی نہ چھوڑی۔ اور ایسی بے ضرر تجاویز بھی منظور نہ کیں۔ چنانچہ معاملہ جوں کا توں رہا۔

وزیر اعظم پاکستان کی شہادت

۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کا منحوس دن تھا۔ جبکہ خان لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان راولپنڈی کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہی تھے۔ اور ابھی "برادرانِ ملت" کے الفاظ ہونٹوں پر تھے

کہ سامنے سے ایک قبائلی افغان سید اکبر نامی نے پستول کے دو فائر کئے جو آپ کے سینہ کو چھلنی کر گئے۔ اور آپ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ ساتھ ہی قاتل پر بھی کئی گولیاں چلیں۔ اور وہ وہیں ختم ہو گیا۔ خان لیاقت علی خاں کو فوراً ملٹری ہسپتال پہنچایا گیا۔ اور اپریشن ہوا۔ نیز خون جسم میں داخل کیا گیا۔ لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سندھ میں گورنری راج ۲۹ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو گورنر جنرل پاکستان نے سندھ اسمبلی کو توڑ کر صوبہ میں دفعہ ۹۲ اے نافذ کر کے گورنری راج قائم کر دیا۔ چونکہ سندھ میں مدت سے وزارت کے ارکان اور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ارکان کے مابین مسلسل کشمکش جاری تھی۔ اس لئے اصلاحِ احوال کی خاطر مسٹر محمد ایوب کھوڑو کو وزارتِ عظمیٰ سے برطرف کر کے پروڈا کے ماتحت ان پر مقدمہ چلایا گیا ساتھ ہی یہ اطمینان کر کے کہ صوبہ کے نظم و نسق میں ہولناک تنزل سے وہ حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ صوبہ میں آئین کے مطابق کوئی پائدار وزارت نہیں بن سکتی۔ گورنر جنرل پاکستان نے پوری اسمبلی کا خاتمہ کر دیا۔

سرحد اسمبلی کے انتخابات ماہِ نومبر و دسمبر ۱۹۵۱ء میں صوبہ سرحد میں اسمبلی کے انتخابات ہوئے توقع کے مطابق مسلم لیگ پارٹی کو بہت بڑی اکثریت کے ساتھ کامیابی ہوئی اور مسٹر عبدالقیوم نے دوبارہ وزارت مرتب کی۔ اور صوبہ سرحد میں پانچ وزیر مقرر ہوئے۔

۱۹۵۲-۵۳ء میں اناج کی شدید کمی

اکتوبر ۱۹۵۱ء میں خان لیاقت خاں مرحوم شہید ہوئے - اور نومبر ۱۹۵۱ء میں اناج کی کمیابی کی خبروں نے اناج کے بھاؤ چڑھا دیئے - حالانکہ ۱۹۵۱ء میں گیہوں کی فصل بے حد اچھی ہوئی تھی - لیکن حکومتِ پنجاب کی بے تدبیری سے لاکھوں من گیہوں بھارت بھیج دیا گیا - اور ملک میں غلّہ کی کمی ہو گئی - بدقسمتی سے جنوری - فروری - اور مارچ ۱۹۵۲ء میں بارش بالکل نہ ہوئی - اودھر بھارت نے نہری پانی کم کر دیا - نتیجہ یہ ہوا - کہ آئندہ فصل کے امکانات اور بھی خراب ہو گئے - اور ملک میں شدید قحط کی آمد کا شور مچ گیا - فصل آنے پر گیہوں کا بھاؤ کم نہ ہوا - کچھ عرصہ بعد تو بہت زیادہ گرانی ہو گئی - اور حکومت کو انتظام کرنا پڑا - کہ اناج ملک سے باہر بالکل نہ جاوے - لیکن یہ تدبیر کافی مؤثر ثابت نہ ہوئی - اناج دوسرے ممالک سے منگوانا پڑا - چنانچہ روس کی حکومت سے ۱½ لاکھ ٹن گندم منگوایا گیا - جس کے بدلے روس کو کپاس اور پٹ سن دینا پڑے - اسی سلسلہ میں آسٹریلیا - کینیڈا - ترکی - نیوزی لینڈ اور امریکہ جیسے دوست ملکوں نے پاکستان کو اناج دیا - اور ملک کو قحط کے بھیانک اثرات سے محفوظ کر دیا - لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کا تمام سرمایہ اناج کی خرید پر خرچ ہو گیا - پہلے ہم فالتو اناج غیر ممالک کو بھیج کر اتنا روپیہ کما لیا کرتے تھے کہ غیر ممالک سے اپنی ضروریات کے مطابق کپڑا - ادویات - کاغذ - کوئلہ - لوہا اور مشینری منگائیں لیکن ان اشیاء کو منگوانے کے لئے حکومت کے پاس روپیہ باقی نہ رہا - نتیجہ یہ ہوا کہ ان اشیاء کی درآمد بند ہو گئی - اور یہ چیزیں بے حد گراں قیمت پر ملک میں فروخت ہونے لگیں - کپڑے کے بھاؤ بہت چڑھ گئے - کاغذ

اور ادویات ملک سے ناپید ہو گئے۔ اور پبلک کو بے حد تکلیف ہوئی گویا سال ۱۹۵۲-۵۳ء ملک پر نہایت گراں گزرا۔ جس سے ملک کے ہر کونے میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ ادھر پنجاب میں ختمِ نبوت کی تحریک شروع ہو گئی۔ اور لاہور میں امن رکھنے کے لئے مارشل لا لگانا پڑا۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں دولتانہ حکومت ختم ہوئی۔ ادھر کراچی میں طلباء کی شورش نے نہایت بھدی شکل اختیار کر لی اور گولی چلانے تک نوبت آئی۔ مشرقی بنگال میں بنگالی اور اردو کا فتنہ کھڑا کر دیا گیا۔ اور بمشکل اس پر قابو پایا گیا۔ گویا ملک میں ہر طرف بدامنی اور بے چینی نظر آنے لگی۔ آخر گورنر جنرل نے ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین کی وزارت توڑ دی اور نئی وزارت قائم کی۔ نیز وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان مسٹر محمد علی سابق سفیر امریکہ کے سپرد ہوا۔

نئی حکومت نے نہایت غور و خوض کے ساتھ منصوبہ بندی شروع کی اور کئی ایک منصوبوں پر تندہی سے عمل شروع ہوا۔

۱۔ زیادہ اگاؤ کا منصوبہ۔
۲۔ پاکستانی صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کی کارروائی کو تیز تر کر دیا گیا۔
۳۔ پاکستانی زراعتی ترقیاتی کارپوریشن قائم کی گئی۔
۴۔ بنجر زمینوں کو زیر کاشت لانے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔

لیکن ان تمام منصوبوں کا اثر کافی دیر میں ظہور پذیر ہو سکتا تھا۔ اسی دوران میں حکومتِ پاکستان نے امریکہ سے درخواست کی۔ کہ ملک کو اقتصادی بحران سے بچانے کے لئے دس لاکھ ٹن گندم دے۔ چنانچہ امریکہ کی حکومت نے پانچ لاکھ ٹن گندم مفت دینے کا وعدہ کیا اور پانچ لاکھ ٹن ادھار پر دینے کا انتظام کیا۔ اس سے پاکستان کی

بہت بڑی مشکل حل ہو گئی۔ اسی طرح امداد دست ملکوں نے بھی مدد کا ہاتھ بڑھایا۔ مثلاً جاپان نے اعلان کیا۔ کہ وہ پاکستان کے کارخانہ داروں کو ہر قسم کی مشینری جو اس کے ملک میں تیار ہوتی ہے۔ پانچ سال کے اودھار پر دینے کو تیار ہے۔ اس اعلان سے کروڑوں روپیہ کی سوتی کپڑا تیار کرنے کی مشینری ملک میں درآمد کی گئی۔ اور کارخانے چالو ہو گئے۔ ۱۹۵۵ء میں کپڑے کی حالت قدرے بہتر ہو گئی۔ اور دیسی کپڑا نسبتاً سستا ملنے لگا۔ کپڑا روز بروز بہتر بنتا جا رہا ہے۔ اور عنقریب کافی سستا ہو جائے گا۔ یہ حکومت کی بہت بڑی کامیابی ہے ۱۹۵۴ء میں بارشیں کافی ہوئیں اور چاول کی فصل زیادہ اگاؤ کے منصوبہ کے ماتحت بہت زیادہ پیدا ہوئی۔ اس فصل کو کامیاب بنانے کے لئے امریکہ نے لاکھوں من کیمیاوی کھاد پاکستان کو دیا۔ جو زمینداروں کو نہایت سستے داموں تقسیم کیا گیا۔ کہ چاول کی فصل میں ڈالیں۔ چنانچہ لاکھوں من چاول حکومت نے اس فصل سے حاصل کر کے غیر ملکوں کو برآمد کیا۔ اور اس کے بدلے ضروریات کی چیزیں باہر سے منگوائی گئیں۔ جس سے ملک کی حالت بہتر ہونے لگی۔

مشرقی بنگال کی صوبائی اسمبلی کا انتخاب

پاکستان کے اکثر صوبوں میں اسمبلیوں کے انتخاب ۱۹۵۱ء۔ ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۳ء میں ہو گئے تھے۔ چنانچہ پنجاب صوبہ سرحد۔ صوبہ سندھ و ریاست بہاولپور میں نئی اسمبلیاں کام کر رہی تھیں اور مشرقی بنگال میں تا حال انتخاب نہیں ہوا تھا۔ اور عوام کا تقاضہ تھا۔ کہ پرانی اسمبلیاں جو پاکستان بننے سے پہلے بنی تھیں۔ توڑ دی جائیں اور نیا انتخاب جس میں ہر بالغ کو رائے کا حق حاصل ہو کرایا جائے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۵۴ء میں یہ انتخاب عمل

میں آیا۔

مشرقی بنگال کے لوگوں نے بھی گزشتہ دو تین سال میں تمام پاکستان کے ساتھ بے حد تکالیف اٹھائی تھیں۔ اس عرصہ میں ان کو چاول ۔ کپڑا کھانے کے تیل ۔ گیہوں ۔ ادویات وغیرہ بے حد مہنگے داموں خرید کرنا پڑتے تھے ۔ اور پٹ سن کو جو ان کی سب سے بڑی دولت ہے ۔ بعض موقعوں پر بے حد سستے داموں بیچنا پڑا تھا۔ جس سے اہالیانِ ملک کی طاقتِ خرید بالکل کم ہو گئی تھی ۔ اور عوام الناس گرانی کے بوجھ تلے پس کر رہ گئے تھے ۔ ان باتوں سے لوگوں کا جذبہ مسلم لیگ حکومت کے خلاف بھڑکایا گیا۔ چنانچہ اس صوبائی انتخاب میں مسلم لیگ کو نہایت عبرتناک شکست ہوئی ۔ اکثر مسلم لیگی وزیر دوبارہ منتخب نہ ہو سکے۔ اور مسلم لیگ کی مخالف جماعتیں بہت بڑی اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوئیں۔

مشرقی بنگال اسمبلی میں کل ۳۰۹ ممبر ہیں۔ جن میں سے

مسلمان (بشمول ۹ خواتین)	=	۲۳۷
اچھوت (" ۲ ")	=	۳۸
اونچی ذات کے ہندو (" ۱ خاتون)	=	۳۱
بدھ	=	۲
عیسائی	=	۱

اسمبلی کا انتخاب ختم ہوتے ہی مسٹر فضل الحق وزیر اعلیٰ بنے ۔ اور انہوں نے اپنی وزارت مرتب کی۔ لیکن بدقسمتی سے وزارت مرتب ہوتے ہی صوبہ میں خوفناک فسادات شروع ہو گئے ۔ صوبہ میں بنگالی اور غیر بنگالی کا سوال پیدا کر دیا گیا۔ اسی میں بھارت کے ایجنٹوں کا ہاتھ خیال کیا جاتا ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کی سالمیت کسی طرح ختم ہو جائے۔

بنگال علیحدہ ہو جاوے۔ تو پاکستان ختم ہو جاوے گا۔ اس تمام فساد کو روکنے کے لئے مرکزی حکومت کو سختی استعمال کرنا پڑی۔

۹۲ چنانچہ مشرقی بنگال کی وزارت ختم کر دی گئی۔ اور وہاں دفعہ ۹۲ لگا کر گورنری راج قائم کیا گیا۔ گورنری راج کا شروع ہونا تھا۔ کہ صوبہ کی اندرونی حالت درست ہو گئی۔ پٹ سن اور کاغذ کے جن جن کارخانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ان کو جلد ہی اصلی حالت پر لایا گیا حکومت پاکستان نے کثیر رقم خرچ کر کے اس صوبہ میں پٹ سن اور کاغذ کے کارخانے قائم کئے ہیں۔ یہ پاکستان میں بالکل نئی چیز ہیں۔

مشرقی پاکستان کے لوگوں کو بھارت کے ہندوؤں اور اس کے ایجنٹوں نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس صوبہ کی سب سے بڑی زرعی دولت پٹ سن ہے۔ اور یہ صوبہ دنیا بھر کا ۸۰ فیصدی پٹ سن خود پیدا کرتا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد کچا مال مشرقی بنگال میں رہ گیا۔ اور پٹ سن کے کارخانے جو کلکتہ میں تھے۔ مغربی بنگال میں چلے گئے۔ ہندو تاجروں نے مسلمان کسانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے پٹ سن کی خرید بند کر دی۔ اگر خریدتے تھے تو بہت کم قیمت پر۔ بدقسمتی سے پٹ سن کی مصنوعات کے کارخانے یا تو کلکتہ میں تھے۔ یا پھر انگلستان میں۔ بھارت نے اپنے ہاں پٹ سن کی کاشت پر زیادہ زور دیا۔ اس طرح سے مشرقی بنگال کو بہت نقصان پہنچایا گیا۔ آخر پاکستان حکومت اس بات میں کامیاب ہو گئی۔ کہ صوبہ میں پٹ سن کی مصنوعات کے کارخانے خود لگائے۔ اور اپنے پٹ سن کو خود ہی استعمال کرے۔ اور دوسرے ممالک کو مصنوعات روانہ کرے۔ کارخانے روز بروز لگ رہے ہیں۔ امید ہے جلد ہی اتنے کارخانے تیار ہو جائیں گے۔ کہ کچا پٹ سن باہر بھیجنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

بیرونی مالی اور فوجی امداد

گزشتہ سات سالوں میں پاکستان کو بہت سے حوادث سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ بھارت برابر کوشش کرتا رہتا ہے کہ پاکستان کو مصائب میں پھنسائے رکھے۔ کشمیر کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس کے حل کے بغیر پاکستان کو بہت نقصان ہو رہا ہے۔ بھارت کا کشمیر پر زبردستی قبضہ دنیائے اسلام کو چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا بھارت کو کشمیر کے معاملہ میں جھوٹا کر چکی ہے۔ لیکن وہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اپنی بات پر اڑا ہوا ہے۔ دوسرے ہندوستان سے مسلمانوں کا اخراج بدستور جاری ہے اور ہر سال لاکھوں مسلمان ہجرت کرکے پاکستان آنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جس سے پاکستان کی مشکلات میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کراچی میں لاکھوں مہاجر سڑکوں پر پڑے دن گزار رہے ہیں۔ حکومت ان کے لئے مکانوں کا انتظام نہیں کر سکی ہے۔

پاکستان قائم ہونے کے وقت اس ملک میں کوئی کارخانے نہیں تھے۔ ملک میں کوئلہ۔ لوہا بالکل نہیں تھا۔ جس سے کارخانے بن سکیں لیکن پاکستان نے کوشش جاری رکھی۔ پاکستان اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ چند دوست ممالک اس بات پر آمادہ ہونے کہ پاکستان کی امداد کی جائے۔ تاکہ یہاں کے لوگ جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ اس میں بیشتر حصہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ہے امریکہ والوں نے پاکستان دوستی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔ ضرورت کے وقت لاکھوں من گیہوں مفت بھیج دیا۔ حتیٰ کہ اپنے جہازوں میں بھر کر خود ہی کراچی تک پہنچایا۔ نیز کارخانوں کے لئے مشینری۔ بیماروں کے لئے ادویات اور کپڑا۔ غریبوں کے لئے دودھ اور مکھن۔ کسانوں کے لئے مصنوعی کھاد۔ ٹڈی دل کو تباہ کرنے کے لئے ہوائی جہاز اور

اندویات وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں۔ جو ہر سال امریکہ سے پاکستان آتی رہتی ہیں۔ اب امی امداد کے ضمن میں کروڑوں روپیہ کی فوجی امداد بھی پاکستان کو ملنا شروع ہوتی ہے۔ تاکہ پاکستان اپنی دولت فوج اور فوجی اسلحہ پر خرچ کرنے کے بجائے اپنے کارخانوں پر خرچ کرے۔ اور پاکستان کی فوجی ضروریات امریکہ مفت پورا کرے۔ اس فوجی امداد سے بھارت بہت چراغ پا ہؤا ہے۔ اس کا منشا یہی رہا ہے کہ پاکستان مضبوط نہ ہونے پائے۔ بلکہ کمزور ہی رہے۔

اسی طرح انگلستان۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ اور دوسری برطانوی نوآبادیات نے پاکستان کو بہت بڑی مقدار میں امداد پہنچائی ہے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا ہے۔ ملک میں بجلی کی طاقت بڑی مقدار میں پیدا ہونے لگی ہے۔ کارخانے لگ رہے ہیں تاکہ ملکی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اور کچا مال جو پہلے سستے داموں باہر بھیجا جاتا تھا۔ ملک میں استعمال ہو۔ دیہات سدھار کی تحریک پر زور دیا جا رہا ہے۔ کہ ہمارے دیہات کی معاشرتی اور سماجی حالت بہتر ہو سکے۔ چنانچہ پاکستان میں اس وقت آٹھ دیہات سدھار سکول کام کر رہے ہیں۔ یہاں نوجوانوں کو وظیفہ دے کر اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ دیہات میں جا کر اپنے اردگرد کے دیہات کی حالت کو درست کریں۔ اور دیہات کے لوگوں کو اس قابل بنائیں کہ وہ نئے نمونے کے مکان تیار کریں۔ نئے طریقے پر کاشت کریں۔ بیج اور آلاتِ زراعت استعمال کریں۔ مقدمہ بازی چھوڑیں اور پنچائتوں کے ذریعے اپنے جھگڑے چکائیں۔ یہ اسکول لالہ موسےٰ۔ قائد آباد اور لائلپور میں ہیں۔ ایک پشاور میں ایک سکرنڈ صوبہ سندھ ایک پشین بلوچستان میں اور تین مشرقی بنگال میں ہیں۔ اس تحریک پر قریباً ایک کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہو رہا ہے۔

اسلامی ممالک سے دوستی

جب سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اس کی کوشش رہی ہے کہ دنیائے اسلام کو ایک مرکز پر جمع کرے۔ یہ تمام اسلامی ممالک کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں شاہِ ایران اس ملک میں تشریف لائے۔ جن کا اہالیانِ پاکستان نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ۱۹۵۴ء میں شاہِ عراق اور شاہ ابنِ سعود والئ سعودی عرب نے اس سرزمین کو اپنے مبارک قدموں سے نوازا اور ۱۹۵۵ء میں صدر ترکیہ جلال بایار اور شاہ حسین والئ شرقِ اردن پاکستان تشریف لا چکے ہیں۔ جس پر پاکستان کے لوگ بہت خوش ہیں۔ اور ان معزز مہمانوں کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا ہے۔ پاکستان اور ترکیہ کے درمیان فوجی معاہدہ بھی ہو چکا ہے۔ کہ دونوں ملک ایک دوسرے کو بوقتِ ضرورت فوجی مدد دیں گے۔ کوشش جاری ہے۔ کہ دوسرے اسلامی ممالک بھی اس معاہدے میں جلد شامل ہو جائیں۔ چنانچہ عراق اور ایران بھی اس معاہدہ میں شامل ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد امید ہے۔ کہ شرقِ اردن اور لبنان بھی شامل ہو جائیں گے۔ اگر تمام دنیائے اسلام اس فوجی معاہدہ میں شامل ہو جاوے: تو امید ہے کہ ایک بار پھر دنیا میں مسلمانوں کا بول بالا ہو جائے گا۔

سات سال میں مختلف قسم کی تکالیف اٹھانے کے بعد حکومت نے نئے اصلاحی قدم اٹھائے ہیں۔ مثلاً کارخانوں کا لگایا جانا۔ تعلیم پر زیادہ زور دیا جانا۔ چنانچہ صرف پنجاب کے صوبہ میں ۵۶-۱۹۵۵ء میں تعلیمی بجٹ پانچ کروڑ روپیہ تک پہنچ چکا ہے۔ تقسیمِ ملک سے پہلے مشترکہ پنجاب کا بجٹ صرف ایک کروڑ روپیہ ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح دوسرے صوبوں میں تعلیم۔ صحتِ عامہ اور دوسرے رفاہی کاموں میں زیادہ توجہ دی جا رہی

ہے ۔ ابھی تک مدرسین کی طرح ملک میں قابل ڈاکٹروں کی بھی کمی ہے لیکن ملک میں کئی نئے میڈیکل کالج اور میڈیکل سکول کھل چکے ہیں ۔ جن میں ہزاروں نوجوان زیر تعلیم ہیں ۔ اور امید ہے کہ جلد ہی ڈاکٹروں کی کمی پوری ہو جائے گی ۔

وحدت مغربی پاکستان

ہمارے صوبہ کو انگریز فاتحین نے اپنے مفاد کی خاطر کئی چھوٹے چھوٹے صوبوں اور ریاستوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں مصنوعی بندشیں پیدا ہوگئی تھیں۔ ایک پنجابی کہلاتا تھا۔ تو دوسرا سرحدی۔ تیسرا سندھی اور چوتھا بہاولپوری وغیرہ۔ حالانکہ یہ وسیع علاقہ ایک مدت عظیم سے دریائے سندھ اور اس کے معاونوں ستلج۔ راوی۔ چناب اور جہلم سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ تمام علاقہ ذیل کے صوبوں اور ریاستوں میں منقسم تھا۔

(۱) پنجاب (۲) شمال مغربی سرحدی صوبہ (۳) سندھ (۴) بلوچستان (۵) بلوچستان ریاست یونین جس میں قلات۔ خاران۔ مکران اور لاس بیلہ شامل تھیں۔ (۶) آزاد قبائلی علاقہ (۷) سرحدی ریاستیں جو چترال۔ دیر۔ سوات اور امب پر مشتمل تھیں۔ (۸) ریاست بہاولپور (۹) ریاست خیرپور (۱۰) کراچی فیڈرل ایریا۔

گویا یہ دس انتظامی یونٹ تھے۔ جن کا انتظام علیحدہ علیحدہ ہو رہا تھا۔ ان میں قریباً نصف درجن قانون ساز اسمبلیاں تھیں۔ اور ہر اسمبلی میں کئی کئی وزیر تھے۔ یہ بہت زیادہ خرچ تھا۔ جو عوام پر پڑ رہا تھا۔ اس کے علاوہ انتظام میں یکسانیت نہیں تھی۔ پاکستان کے قیام کے بعد ہمارے روشن دماغ لیڈروں نے اس مسئلہ پر بہت سوچ بچار کی اور آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ تمام علاقے ملا کر ایک بڑا صوبہ بنایا جائے۔ جس میں ایک گورنر ایک اسمبلی اور ایک وزارت ہو تاکہ سب لوگ ایک دوسرے سے قریب تر ہو جاویں۔ اور آپس میں

پاکستانی بھائی بھائی ثابت ہوں چنانچہ ستمبر ۱۹۵۵ء میں یہ معاملہ دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا گیا اور کئی مہینوں کے بحث مباحثے کے بعد یہ بل پاس ہو گیا اور مغربی پاکستان کے صوبے کا نفاذ ۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۵ء سے ہوا۔

مغربی پاکستانی وحدت نے ملکی معاملات میں بہت آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اب ہمارے ملک پاکستان کے صرف دو صوبے ہیں ایک مغربی پاکستان اور دوسرا مشرقی پاکستان دونوں صوبے بہت سے معاملات میں بالکل خود مختار ہیں۔ وہ اپنا انتظام خود کرنے میں صرف چند اہم معاملات مثلاً دفاع، رسل و رسائل، مالیات، خارجی امور غیر ملکی تجارت وغیرہ مرکز کے ماتحت ہیں۔ اب دونو صوبوں میں اپنی اپنی صوبائی قانون ساز اسمبلیاں کام کر رہی ہیں۔ مرکز میں ایک اسمبلی ہے جس میں دونو صوبوں کو برابر کی نیابت حاصل ہے۔

ذیل میں دونو صوبوں کا مقابلہ قابل غور ہے۔

مغربی پاکستان	مشرقی پاکستان
رقبہ - تین لاکھ دس ہزار ۲۳۶ مربع میل (۳،۱۰،۲۳۶) مربع میل	چون ہزار پانچ صد ایک مربع میل (۵۴،۵۰۱) مربع میل
آبادی - تین کروڑ ۳۹ لاکھ نو ہزار چھ صد اٹھارہ نفوس (۳،۳۹،۰۹،۶۱۸)	چار کروڑ بیس لاکھ تریسٹھ ہزار نفوس (۴،۲۰،۶۳،۰۰۰)
رقبہ کی فیصد - کل پاکستان کا ۸۴ فیصدی	کل پاکستان کا سولہ فیصدی
شرح آبادی - ۱۰۹.۳ نفوس فی مربع میل	۷۷۲ نفوس فی مربع میل
آبادی کی فیصد ۴۵	۵۵

اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ دونو صوبے ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں

ان دونو صوبوں میں ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے۔ مغربی پاکستان کی آب و ہوا خشک اور شدید ہے۔ یعنی گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سردی ہوتی ہے۔ بارش بعض علاقوں میں نام کو نہیں ہوتی۔ کپاس اور گیہوں اس علاقہ کی بڑی فصلیں ہیں۔ اس کے بر خلاف مشرقی بنگال میں بہت زیادہ بارش ہوتی ہے۔ تمام برسات دریاؤں میں سیلاب آتے رہتے ہیں۔ آب و ہوا گرمیوں میں گرم اور مرطوب موسم سرا خشک اور خوشگوار ہوتا ہے۔ اس صوبہ کی بڑی پیداوار پٹ سن اور چاول ہیں۔ اس مختلف آب و ہوا کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اب پاکستان پٹ سن۔ کپاس۔ چاول اور گیہوں سب دولتوں سے مالا مال ہے۔ ان چیزوں نے اس ملک کے نام کو تمام دنیا میں چمکا دیا ہے۔

نئے انتظام میں سب سے بڑی مشکل پیش یہ آئی کہ ابھی جلدی قانون ساز اسمبلی کی تشکیل کیونکر ہو ہر چھوٹے صوبے میں اپنی اپنی اسمبلی تھی۔ اب ماہ فروری ۱۹۵۶ء سے نئی اسمبلی بن چکی ہے۔ جس کی نیابت ذیل کے فارمولے کے مطابق مختلف علاقوں کو دی گئی ہے۔ فی الحال نئے ممبروں کا انتخاب پرانے ہی ممبروں سے کیا گیا ہے

سابقہ پنجاب۔ ۱۲۴ ممبر جن میں ۴ خواتین ہیں اور ۳ غیر مسلم ممبر شامل ہیں۔

سابقہ صوبہ سندھ ــ ۵۷ ممبر جن میں ۲ خواتین اور ۶ غیر مسلم ممبر شامل ہیں

سابقہ صوبہ سرحد ــ ۴۲ ممبر بشمول ۲ زنانہ سیٹ۔

سابقہ سرحدی قبائلی علاقے ــ ۲۲ ممبر

سابقہ سرحدی ریاستیں ــ ۵ ممبر

سابقہ بلوچستان ۸ ممبر

سابقہ بلوچستانی ریاستیں ۷ ممبر

کراچی ایریا ۱۲ ممبر جس میں ایک خاتون اور ایک غیر مسلم شامل ہیں

سابقہ ریاست بہاولپور ۲۳ ممبر بشمول ایک زنانہ سیٹ

سابقہ ریاست خیرپور ۴ ممبر

کل تعداد ممبران ۳۱۰

اس بڑے صوبے کے گورنر میاں مشتاق احمد گورمانی مقرر ہوئے اور وزارت عظمیٰ ڈاکٹر خانصاحب کے سپرد ہوئی۔ یہ نیا صوبہ ۱۴ اکتوبر سے کام کر رہا ہے اس کا دارالحکومت لاہور مقرر ہوا ہے

اب یہ عظیم صوبہ دس کمشنریوں میں منقسم ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) کمشنری پشاور (۲) کمشنری ڈیرہ اسماعیل خاں

(۳) کمشنری راولپنڈی (۴) کمشنری لاہور

(۵) کمشنری ملتان (۶) کمشنری بہاولپور

(۷) کمشنری خیرپور (۸) کمشنری حیدرآباد

(۹) کمشنری کوئٹہ (۱۰) کمشنری قلات

اس کے علاوہ کراچی چیف کمشنری علیحدہ ہے۔ انتظامی طور پر کراچی مغربی پاکستان کے صوبہ سے علیحدہ ہے۔

نیا دستور

خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پاکستان کا نیا دستور منظور ہو گیا ہے۔ گزشتہ آٹھ سال سے پوری کی پوری قوم آئین کے لئے نہایت پریشان رہی ہے کئی بار آئین بنانے کی کوشش کی گئی لیکن

کامیابی نہ ہوئی - پاکستان کے فوراً قیام کے بعد ہی سے حضرت قائد اعظم نے چاہا تھا کہ ملک کا آئین جلد تیار ہو جائے - لیکن آپ کی زندگی نے وفا نہ کی - شہید ملت خان لیاقت علی خاں نے سات مارچ ۱۹۴۹ء کو مرکزی اسمبلی میں اس سلسلہ میں تحریک پیش کی - چنانچہ ۲۴ ممبروں پر مشتمل ایک بنیادی اصول کمیٹی بنائی گئی - جس کا کام تھا کہ وہ دستور کے بنیادی اصولوں کا فیصلہ کرے - دستور اس کے بعد آسانی سے بنایا جا سکتا ہے - قریباً ڈیڑھ سال بعد ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی - لیکن اس پر غور نہ کیا جا سکا - پھر ۲۱ - نومبر ۱۹۵۰ء کو خان لیاقت علی خاں نے مرکزی اسمبلی میں تجویز پیش کی کہ اہلیانِ ملک سے بھی دستور کے بنیادی اصولوں کے متعلق رائے طلب کی جائے - چنانچہ یہ تجاویز ۳۱ - جنوری ۱۹۵۱ء تک پہنچ جانی چاہئے تھیں - اس دوران میں بنیادی کمیٹی کی سفارشات شائع ہو گئیں - لیکن اس سے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں بہت زیادہ غلط فہمیاں پھیل گئیں - اکتوبر ۱۹۵۱ء میں خان لیاقت علی شہید ہو گئے اور ان کی جگہ خواجہ ناظم الدین صاحب وزیر اعظم بنے خواجہ صاحب نے پہلی رپورٹ کے قریباً دو سال بعد یعنی ۲۲ - دسمبر ۱۹۵۲ء کو اسمبلی میں رپورٹ پیش کی - اس پر پھر ملک میں بہت شور ہوا - پہلی رپورٹ پر مشرقی بنگال نے بہت شور مچایا تھا - دوسری رپورٹ پر مغربی پاکستان والوں نے اظہار ناراضگی کیا - آخرکار اپریل ۱۹۵۳ء میں ناظم الدین وزارت ٹوٹ گئی - اور مسٹر محمد علی آف بوگرا مرکزی وزیر اعظم بنے - یہ پاکستان کے تیسرے وزیر اعظم تھے - ان کے زمانہ میں دستور سازی پر پھر بہت زور دیا گیا اور بہت وقت لگایا گیا - لیکن کامیابی نہ ہوئی - ستمبر ۱۹۵۴ء میں مرکزی

اسمبلی نے اچانک وہ قانون توڑ دیا جس کے ماتحت صوبائی اور مرکزی وزراء پر مقدمات چل سکتے تھے اس قانون کے ماتحت کئی بڑے وزرا پر مقدمات بھی چلائے جا رہے تھے۔ ملک میں اس فیصلہ پر بہت تعجب ہوا۔ ساتھ ہی مرکزی اسمبلی کے گورنر جنرل کے اختیارات میں بہت کمی کر دی۔ تاکہ گورنر جنرل وزارت کو اپنے اختیارات سے توڑ نہ سکیں۔ لیکن گورنر جنرل ملک غلام محمد نے قانونی مشورہ کے بعد اور ملکی مفاد کے پیش نظر ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو نہ صرف مرکزی وزارت توڑ دی۔ بلکہ مرکزی اسمبلی کو بھی ختم کر دیا۔ اس سے ملک میں بہت بڑا شور ہوا۔ مولوی تمیز الدین احمد سپیکر مرکزی اسمبلی نے چیف کورٹ سندھ میں گورنر جنرل کے اقدام کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ تمام واقعات ایسے تھے کہ جن سے پاکستان کی ساکھ غیر ممالک میں بہت گر گئی۔ اور ہر طرف سے ملک پر انگشت نمائی ہونے لگی۔ آہستہ آہستہ حالات درست ہونے لگے۔ مرکزی اسمبلی کا انتخاب دوبارہ ہوا۔ چنانچہ اس نئی اسمبلی کا انتخاب ۲۱ جون ۱۹۵۵ء کو عمل میں آیا۔ جس کے مطابق ۴۰ ممبر مشرقی پاکستان سے منتخب ہوئے اور ۴۰ ممبر مغربی پاکستان سے۔ گویا دونوں علاقوں کو برابر کی نیابت دی گئی۔ لیکن چند روزہ مختصر کاروائی کے بعد اجلاس ملتوی ہوا۔ ۸ اگست کو چوتھی بار وزارت عظمیٰ بدلی۔ اس دفعہ مسٹر محمد علی بنگالی کے بجائے چودھری محمد علی وزیر اعظم بنے۔ ان کا زمانہ پاکستان کے لئے بہت مبارک ثابت ہو رہا ہے! چنانچہ ان کے زمانہ میں پہلے ۱۴۔ اکتوبر کو وحدت مغربی پاکستان وجود میں آئی اور اس کے چند ہفتہ بعد ۸ جنوری ۱۹۵۶ء میں دستور پاکستان بل پیش ہوا اور بہت رد و کد کے بعد بالآخر ۲۹ فروری کو منظور ہو گیا۔

اور یکم مارچ کو چودھری محمد علی وزیر اعظم نے دستور کے منظور ہو جانے پر ملک کو مبارک باد پیش کی

پاکستانی دستور کی موٹی موٹی شقیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

(۱) پاکستان میں ایسا کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا جو قرآن وسنت پر مبنی اسلامی احکام کے منافی ہو۔ ایسے اقدامات بھی کئے جائیں گے۔ کہ پاکستان کے مسلمان اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق بسر کریں۔

(۲) مملکت کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہو گا۔ مرکزی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان صدر کا انتخاب کریں گے۔ اور صدر ہر حالت میں مسلمان ہو گا۔

(۳) مرکزی لیجسلیچر کا نام "قومی اسمبلی" ہو گا جو تین سو ممبروں پر مشتمل ہو گی۔ دس سال تک خواتین کے لئے قومی اسمبلی میں دس زائد نشستیں مخصوص کی جائیں گی۔

(۴) صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان قومی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کا اعتماد رکھنے والے نمائندہ کو وزیر اعظم منتخب کریں گے۔ دوسرے وزراء کا تقرر وزیر اعظم کے مشورہ کے مطابق عمل میں آئے گا۔ مرکزی کابینہ اجتماعی طور پر قومی اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہوگی۔

(۵) ریلوے کا محکمہ صوبائی حکومتوں کے ماتحت ہو گا۔

(۶) نئی قومی پارلیمنٹ ایک قانون منظور کر کے یہ فیصلہ کرے گی کہ آیا قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کو مخلوط انتخابات کے اصول پر منتخب کیا جائے۔ یا اس سلسلہ میں جداگانہ انتخابات کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۷) اُردو اور بنگالی دونوں پاکستان کی سرکاری زبانیں ہوں گی بیس سال تک انگریزی ہی سرکاری کاموں کے لئے مستعمل رہے گی لیکن وفاقی اور صوبائی حکومتیں ایک قومی زبان کے فروغ و ترویج کے لئے ممکنہ اقدامات کریں گی۔

(۸) مسودہ آئین کے مطابق آزاد و خود مختار مملکت پاکستان جمہوری اور ری پبلکن طرز کی ہو گی۔ اس کی بنیادیں نظریہ پاکستان کے مطابق مستحکم کی جائیں گی۔ اس کا ڈھانچہ وفاقی طرز کا ہو گا۔ مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم صوبائی خود مختاری کی پالیسی کے مطابق ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی وفاقی حکومت کے پاس وہ تمام محکمے ہوں گے۔ جن کا بہترین قومی مفادات کے مطابق، نظم و نسق وفاقی حکومت سے ہی ممکن ہے۔

نئے دستور کی ترتیب کے سلسلہ میں پچھلے چند مہینوں میں جو کام ہوا ہے، وہ ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے۔ نئے دستور کا مسئلہ گزشتہ آٹھ برس سے پاکستان کے اکابر و عوام کے لئے سب سے بڑا داخلی دردِ سر بنا رہا ہے۔ سب کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ نیا دستور جس سمجھوتہ اور اتفاق کا مظہر ہے۔ اتنا وسیع سمجھوتہ اور اتنا زیادہ اتفاق، گزشتہ آٹھ سالوں میں کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ اس سے قبل دستور سازی کی تمام کوششیں زیادہ تر اس سوال کی وجہ سے ناکام رہیں کہ مرکز اور صوبوں میں اختیارات کی تقسیم کیسے ہو۔؟ کولیشن پارٹی نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ جواب دستور ساز اسمبلی اور ملک کے نزدیک تسلی بخش ہے یا نہیں اس کا فیصلہ وقت ہی کرے گا۔

دستور کے مطالعہ سے ایک بات بخوبی عیاں ہے اور وہ

یہ کہ یہ آئین افہام و تفہیم کی سپرٹ میں منظور ہوا ہے کولیشن پارٹی کا کوئی گروپ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے موقف کو منوانے میں سو فی صدی کامیاب ہوا ہے۔ افہام و تفہیم کی سپرٹ مستحسن ہے۔

مگر بعض بنیادی امور میں سودا بازی کا خیر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً قومی و سرکاری زبان کے مسئلہ کو ٹال دیا گیا ہے یوں تو اُردو اور بنگالی دونوں زبانوں کے متعلق یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ ملک کی سرکاری زبانیں ہوں گی۔ مگر عملاً بیس برس تک انگریزی ہی ملک کی سرکاری زبان رہے گی۔ اس فیصلہ نے پاکستان کے لئے ایک قومی و سرکاری زبان کے انتخاب کو ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دیا ہے اور یہ ملک کی بہت بڑی بدقسمتی ہے اسی طرح طریقہ انتخاب کا مسئلہ بھی حل نہیں کیا گیا۔ اُسے نئی قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ پہ چھوڑ دیا گیا ہے کہ ملک مخلوط انتخاب چاہتا ہے۔ یا جداگانہ انتخاب۔ یہ فیصلہ آئندہ قومی اسمبلی کرے گی۔ کراچی کے مستقبل کے سوال کو بھی اس طرح ٹال دیا گیا ہے۔ کراچی مغربی پاکستان کا حصہ ہے اور اُسے انتظامی طور پر اس صوبائی یونٹ میں ہی شامل ہونا چاہئے مگر اس سلسلہ میں یہ عجیب وغریب فارمولا وضع کیا گیا ہے۔ کہ کراچی کے منتخب نمائندے تو مغربی پاکستان اسمبلی میں شامل کر لئے جائیں۔ مگر کراچی کا نظم ونسق مغربی پاکستان کی حکومت کے ماتحت نہ ہو۔

چنانچہ نئے دستور کی منظوری گورنر جنرل صاحب بہادر نے ۲ مارچ کو دے دی۔ اس منظوری کے ماتحت دستور ساز اسمبلی نے پانچ مارچ کو متفقہ طور پہ میجر جنرل اسکندر مرزا کو اسلامیہ

جمہوریہ پاکستان کا پہلا صدر منتخب کیا۔ نئے دستور کا نفاذ انشاءاللہ تعالیٰ ملک میں ۲۳ر مارچ سے شروع ہو جائے گا۔ اس نفاذ کے بعد ہمارا کوئی تعلق ملکہ برطانیہ سے نہیں رہے گا۔ پاکستان صرف برٹش کامن ویلتھ کا ممبر رہے گا۔

پنجاب یونیورسٹی میٹریکولیشن

پرچہ تاریخ پاک و ہند ۱۹۴۷ء

۱۔ آریہ لوگوں کے متعلق جو کچھ تم جانتے ہو۔ ذیل کی سرخیوں کے ماتحت قلم بند کرو:۔

۱۔ اصلی وطن (۲) مجلسی زندگی (۳) مذہب اور مذہبی کتب۔

۲۔ چندر گپت موریا کے عہدِ حکومت کا حال لکھو اور پاٹلی پتر میں اس کا میونسپل انتظام بیان کرو۔

۳۔ دہلی کے خاندان غلاماں میں سے کوئی سے تین بادشاہوں کا حال مختصر طور پر بیان کرو۔

۴۔ اکبر اعظم کے عہدِ حکومت کے حالات کا خاکہ مندرجہ ذیل میں سے کوئی سے دو عنوانوں کے ماتحت کھینچو۔

(۱) فتوحات (۲) انتظامی اصلاحات (۳) مذہبی پالیسی

۵۔ افغانستان کی پہلی جنگ کی وجوہات۔ خاص خاص واقعات اور نتائج مختصر طور پر لکھو۔

۶۔ لارڈ ڈلہوزی کے زمانہ جنگ اور زمانۂ امن کے کام پر بالاختصار تبصرہ کرو۔

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی تین پر مختصر نوٹ لکھو:۔

۱۔ پورس۔ ۲۔ فاہیان۔

۳۔ راجپوتوں کا حسب و نسب یا اصل وطن

۴۔ پانی پت کی پہلی لڑائی

۵۔ نورجہاں ۶۔ واسکو ڈے گاما۔

۷۔ رنجیت سنگھ۔

پرچہ تاریخ پاک و ہند سنہ ۱۹۴۸ء

ا۔ مہاتما بدھ کی زندگی اور اس کی تعلیم کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔

یا آریہ لوگ کون تھے؟ کنشک کے عہد حکومت کے حالات قلم بند کرو۔

یا

مندرجہ ذیل تاریخوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرو۔ اور اس وقت کی ہند کی سیاسی حالت مفصل بیان کرو۔

۱۰۰۰ء۔ ۱۳۹۸ء، ۱۵۲۶ء، ۱۷۶۳ء، ۱۸۱۸ء یا

ہند کے پہلے مسلمان حملہ آوروں کی کامیابی کے اسباب زیر بحث لاؤ

۲۔ کسی مؤرخ کا کہنا ہے کہ کابل کو فتح کرنا آسان ہے مگر اس پر دیر تک قبضہ رکھنا دشوار ہے۔ افغانستان کی پہلی اور دوسری جنگوں کے پیش نظر یہ کہنا کہاں تک درست ہے۔ وضاحت سے بیان کرو۔

یا لارڈ ولیم بنٹنگ کی سوشل۔ تعلیمی۔ قانونی اور مالی اصلاحات سپرد قلم کرو

یا

انڈین نیشنل کانگریس کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔ یہ بھی بتاؤ۔ کہ مسلمانوں نے قائد اعظم کی زیر سرکردگی مملکت پاکستان کا کیوں کر مطالبہ کیا۔

پرچہ تاریخ پاک و ہند سنہ ۱۹۴۹ء

۱۔ سکندر نے جو ہند پر حملہ کیا اس کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ اس حملے کا تاریخ ہند پر کیا اثر ہوا۔

۲۔ سمدر گپت کے عہدِ حکومت کا حال قلم بند کرو۔ اور علمی و ادبی محاسن کا بھی ذکر کرو۔

۳۔ محمد غوری کے حالاتِ زندگی سپرد قلم کرو۔ اور ترائن کی دوسری لڑائی

کا حال بھی لکھو۔

۴۔ سلطنتِ مغلیہ کی تباہی کی کیا اہم وجوہات ہیں۔

۵۔ تمہاری رائے میں ہند کا قابل ترین مسلمان بادشاہ کون تھا۔ اس کے عہد کے مشہور واقعات اختصار کے ساتھ درج کرو۔

پرچہ تاریخ پاک وہند ۱۹۵۰ء

۱۔ ہندوؤں میں ذات پات کا آغاز اور عروج کیوں کر ہوا؟ ذات بندی کے فوائد و نقائص بیان کرو۔

۲۔ مہاراجہ اشوک کے عہد کا مختصر حال لکھو اور یہ بھی بتاؤ۔ کہ اس نے بدھ مت کس طرح پھیلایا۔

۳۔ گپت خاندان کے عہد کو ہندوؤں کا سنہری زمانہ کیوں کہا جاتا ہے؟ تشریح کرو۔

۴۔ تم اس نقطۂ نگاہ سے کہاں تک اتفاق کرتے ہو کہ محمد تغلق کی سیرت انتہائی متضاد صفات کا مجموعہ تھی۔ اس کے عہد کے چند مشہور واقعات اپنے جواب کے دلائل میں پیش کرو۔

۵۔ شیر شاہ سوری کی مالی۔ فوجی اور انتظامی اصلاحات کا مختصر حال بیان کرو۔ اور بتاؤ۔ کہ اسے اکبر کا پیش رو کیوں کہا جاتا ہے؟

۶۔ اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی اور اس کی مہمات دکن پر ایک جامع نوٹ لکھو۔

۷۔ لارڈ ولیم بینٹنک کی مالی۔ انتظامی۔ مجلسی اور تعلیمی اصلاحات بیان کرو۔

۸۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے اسباب۔ واقعات اور نتائج مختصر طور پر بیان کرو۔

۹۔ لارڈ کرزن کے عہدِ حکومت کے اہم واقعات مجمل طور پر قلم بند کرو۔

Paper [illegible] O Level

پرچہ تاریخ پاک و ہند ۱۹۵۱ء

۱۔ سکندر اعظم کے ہندوستانی حملے کا حال مختصر طور پر بیان کرو۔ اور اس کے نتائج کا موازنہ کرو۔

۲۔ ہند میں کشن یا کشاں خاندان کے عروج حاصل کرنے کی داستان کا مختصر طور پر تذکرہ کرو۔ نیز کنشک کے کارناموں کے مختصر تذکرے میں
(ا) اس کی فتوحات (ب) اس کی بدھ دھرم کی سرپرستی اور
(ج) اس کے عہد میں فنون کی ترقی کا حال لکھو۔

۳۔ غیاث الدین بلبن کے کارناموں کا مختصر تذکرہ:۔
(ا) بحیثیت وزیر (ب) بحیثیت بادشاہ۔
(ج) اس کی فوجی اصلاحات اور سرحدی پالیسی پر بحث کرو۔

۴۔ ہند میں پٹھان حکمرانوں کی سلطنت کی نمایاں خصوصیات کیا کیا تھیں؟ نیز سلطنت دہلی کے زوال کے اسباب بیان کرو۔

۵۔ اکبر کے نظامِ سلطنت پر ایک جامع نوٹ لکھو۔ یہ بھی تحریر کرو کہ تمہارے پاس اسے مغل بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ تصور کرنے کے کیا کیا وجوہ ہیں۔

۶۔ پانی پت کی تیسری لڑائی کے اسباب۔ چیدہ چیدہ واقعات اور نتائج بیان کرو۔

۷۔ مسئلہ الحاق کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ لارڈ ڈلہوزی نے اسے کس طرح رائج کیا اور اس کے کیا نتائج نکلے؟

۸۔ لارڈ لٹن یا لارڈ رپن کے عہدِ حکومت کے اہم واقعات کو مختصراً قلم بند کرو۔

پرچہ تاریخ پاک و ہند سنہ ۱۹۵۲ء

۱۔ قدیم آرین کون تھے۔ اور وہ ہند کے کن حصوں میں آ کر آباد ہوئے ؟ ان کی سماجی زندگی اور طرزِ حکومت کے حالات مختصر طور پر قلمبند کرو۔

۲۔ تمہاری رائے میں راجہ ہرش وردھن کو بدھ مت کے مربیوں میں کون سا درجہ حاصل ہے اس کی سیرت اور اس کے عہد کے مشہور واقعات قلم بند کرو۔

۳۔ سلطان محمود غزنوی کے متعلق بحیثیت (ا) سپاہی (ب) شہنشاہ (ج) انسان کے ایک جامع نوٹ لکھو۔

۴۔ علاؤالدین خلجی کی فتوحات اور ملکی اور اقتصادی اصلاحات مختصر طور پر بیان کرو۔

۵۔ اکبر کو تخت نشینی کے وقت کون سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ ان پر کیسے غالب آیا ؟

۶۔ ہند میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب بیان کرو

۷۔ لارڈ ولیم بنٹنگ کی ملکی۔ مجلسی اور تعلیمی اصلاحات پر ایک جامع نوٹ تحریر کرو۔

۸۔ لارڈ کرزن کے عہدِ حکومت کے اہم واقعات کو مختصراً قلمبند کرو۔

پرچہ تاریخ پاک و ہند سنہ ۱۹۵۳ء

۱۔ مہاتما بدھ کی زندگی اور اس کی تعلیم کے متعلق تحریر کرو۔

۲۔ سکندر اعظم کے ہند پر حملے کا حال اور اس حملے کا تاریخ ہند پر اثر بیان کرو۔

۳۔ غیاث الدین بلبن عمل کا قائل تھا۔ مثالیں دے کر واضح کرو۔

۴۔ شیر شاہ سوری کی مالی ۔ فوجی اور انتظامی اصلاحات کا مختصر حال بیان کرو۔
۵۔ اکبر کی مذہبی پالیسی پر نوٹ لکھو۔
۶۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی تین پر نوٹ لکھو۔
(ا) ریگولیٹنگ ایکٹ۔
(ب) بنگال کا بندوبست دوامی۔
(ج) سب سڈی ایری سسٹم۔
(د) مسئلہ الحاق
(ہ) ٹیپو سلطان۔
۷۔ ۱۸۵۷ء کے جنگِ آزادی کے وجوہات اور نتائج لکھو۔
۸۔ لارڈ لٹن کے عہدِ حکومت کے مشہور واقعات بیان کرو۔

پرچہ تاریخ پاک وہند ۱۹۵۴ء

۱۔ ہندوؤں میں ذات پات کا آغاز کیونکر ہُوا۔ ذات بندی کے فوائد اور نقائص بیان کیجئے۔
۲۔ واضح کیجئے کہ گپت خاندان کے زمانے کو ہندوؤں کا سنہری زمانہ کیوں کہا جاتا ہے۔
۳۔ شمالی ہند کے راجپوتوں کے خلاف پہلے مسلمان حملہ آوروں کی کامیابی کے اسباب کیا تھے۔
۴۔ علاؤالدین خلجی کا نظام حکومت، فوجی اور معاشی اصلاحات بیان کیجئے۔
۵۔ اورنگ زیب کے عہدِ حکومت کا حال مختصر طور پہ بیان کیجئے۔ اس کی مذہبی پالیسی اور مہمات دکن کا حال خصوصیات سے بیان کیجئے۔
۶۔ کلائیو کی ابتدائی زندگی اور بنگال میں اس کے پہلے اور دوسرے عہد گورنری

کا مختصر حال بیان کیجئے۔

۷۔ افغانوں یا افغانستانوں کی پہلی جنگ کے وجوہات۔ اس کے مشہور واقعات اور نتائج بیان کرو۔

پرچہ تاریخ ہندوپاکستان سنہ ۱۹۵۵ء

۱۔ رامائن اور مہابھارت کی کتب قدیم ہندوؤں کی مذہبی۔ مجلسی اور سیاسی زندگی پر کیا روشنی ڈالتی ہیں؟

۲۔ کنشک کا چال چلن اور کمالات بیان کیجئے۔

۳۔ محمد غوری اور اس کے ماتحت جرنیلوں کے فتح ہند کے حالات بیان کیجئے۔

۴۔ اکبر کے نظام سلطنت کے مختصر حالات بیان کیجئے۔ یہ بھی بتائیے۔ کہ اسے مغل شہنشاہوں میں سب سے بڑا شہنشاہ تسلیم کرنے کے کیا وجوہات ہیں۔

۵۔ لارڈ ولزلی کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا اکبر کہتے ہیں۔ یہ اندازہ کس حد تک درست ہے۔

۶۔ لارڈ کرزن کے عہد حکومت کا حال بیان کیجئے۔

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی تین پر مختصر نوٹ لکھیئے:۔

(۱) جنگ پلاسی (۲) ریگولیٹنگ ایکٹ (۳) بنگال کا بندوبست دوامی۔ (۴) سکھوں کی دوسری جنگ (۵) افغانوں کی دوسری جنگ (۶) مسلم لیگ (۷) سر محمد اقبال (۸) مجلس اقوام عالم۔

S.M. Khalid Qureshi.

محمد خالد قریشی